فاقرؤا ما تیسر من القرآن
حسب فرمائش جناب حاجی محمد سعید صاحب تاجر کتب کلکتہ خلاصی ٹولہ نمبر ۸۵
ترجمہ اردو تفسیر
سنہ ۱۹۳۹ء
فتح العزیز سپارہ عم
باہتمام نیازمند محمد شفیع ابن عالیجناب حاجی محمد سعید صاحب غفر لہ اللہ الوہاب
فی المطبع المجیدی واقع کانپور طبع گردید
ہر علم و فن کی عمدہ و سستی کتابیں ملنے کا پتہ ۔ حاجی محمد سعید تاجر کتب کلکتہ خلاصی ٹولہ نمبر ۸۵

فہرست مضامین سیپارہ عم

فوائد تفسیر فتح العزیز سیپارہ عم

تمام شد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی وفق عبادہ الصالحین لاشاعۃ انواع الخیرات وسھل لھم سلوک طرق الباقیات الصالحات والصلوٰۃ والسلام علیٰ افضل المخلوقات وعلیٰ الہ واصحابہ ذوی المقامات والکرامات **امابعد** سب بھائیوں دیندار اور مومنین تقویٰ شعار اور شائقان کلام ربانی اور متفحصان احکام یزدانی پر روشن و ہویدا ہو جیو کہ افضل الذکر فرض الٰہی کے ادا کرنے کے بعد تلاوت قرآن مجید اور قرأت فرقان حمید ہے کہ پڑھنے والا اُس کا بلا واسطہ اپنے مالک اور خالق سے ہم کلام ہوتا ہے اور ہر ہر حرف پر ثواب پاتا ہے چنانچہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے من قرأ حرفا من کتاب اللہ تعالیٰ فلہ بہ حسنۃ والحسنۃ بعشرۃ امثالھا لا اقول الٓمّ حرف ولکن اقول الف حرف ولام حرف ومیم حرف یعنی ترمذی میں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ کہا اُنھوں نے کہ سُنا میں نے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرماتے تھے کہ جو شخص پڑھے قرآن سے ایک حرف تو اُس کے واسطے اُس پڑھنے کے سبب سے ثواب نیک ہے اور ہر نیکی کے عوض میں دس گنا ثواب ملتا ہے نہیں کہتا ہوں میں کہ الٓمّ ایک حرف ہے لیکن کہتا ہوں میں کہ الف ایک حرف ہے اور لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے سو بغیر معنی سمجھنے اور مطلب بوجھنے کے اُسکی لذت سے بے بہرہ رہتا ہے اور جب تک معنوں کو نہ سمجھیگا تب تک عمل کرنا بھی اُسکے نصیب نہ ہوگا اور قرآن کے نازل ہونے سے مقصود اصلی یہی ہے کہ اس پر عمل کیجیے اور سعادت دارین اور کرامت کونین حاصل کیجیے چنانچہ رسول

اکرم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا من قرأ القرآن وعمل بہ البس والداہ تاجا یوم القیمۃ ضوءہ احسن من ضوء الشمس فی بیت من بیوت الدنیا لو کانت فیہ فما ظنکم الذی عمل بہ ابو داؤدؒ نے حضرت سہل بن معاذ جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کہ جو مسلمان قرآن کو پڑھے اور اُس پر عمل کرے تو پہنائے جائیں گے ماں باپ اُس کے تاج قیامت کے دن جسکی چمک بہتر ہوگی آفتاب کی روشنی سے جو تمھارے کسی گھر میں ہو دنیا کے گھروں میں سے پھر کیا گمان ہے تمھارا اُس کے ساتھ جس نے عمل کیا اُس پر یعنی جب اُسکے ماں باپ کو یہ رُتبہ اور بزرگی حاصل ہوگی تو اُسکے واسطے اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے کہ کیا کچھ ہوگا علی الخصوص ہندوستان کے عوام لوگ بالکل اس نعمت سے محروم ہیں اور قرآن شریف کا مطلب سمجھنا اُن پر نہایت دشوار ہے ہر چند بعضے دیندار عالموں نے ہندوستانی زبان میں ترجمہ کیا ہے لیکن بعضوں نے محض لفظی ترجمہ کیا ہے جس سے قرآن شریف کا مطلب عوام لوگ بوجھ نہیں سکتے اور بعضوں نے اس قدر طول کیا ہے کہ اکثر ذہنوں کی پریشانی کا سبب پڑتا ہے مگر تفسیر فتح العزیز تصنیف کی ہوئی حضرت قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین اسوۃ الاولیا خلاصۃ الاصفیا رئیس العلما افضل الفضلا جامع الکمالات النسانی مورد مراحم یزدانی ذوالشرف والمجد والتمیز حضرت مولانا شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی قدس سرہٗ کی کہ عوام فہم خواص پسند ہے اور بموجب مضمون حدیث شریف خیر الامور اوسطہا کے درجۂ متوسط میں واقع ہے اختصار مخل اور اطناب لاطائل سے بری ہے اور کوئی چیز جو موقوف علیہ مطلب کی ہے اس میں رہ نہیں گئی گو یا جامع التفاسیر ہے اور مرغوب طبع ہر صغیر و کبیر اور اُسکی خوش اسلوبی اور خوش بیانی پر تمام علما متفق ہیں لیکن فارسی عبارت کے سبب سے اکثر لوگ اُس کے فائدے سے محروم ہیں اور ہر چند کہ سوا تین سیپاروں کی تفسیر ہے لیکن اگر کسی کو بخوبی یاد ہو تو تمام قرآن شریف کے واسطے کافی ہے سو ان سب وجہوں پر نظر کر کے جامع حسنات مصدر خیرات مجمع فیوضات منبع برکات محسن دوران فیاض زمان جواد جہاں عالی قدر قدردان علما و شرفا جناب نا خدا محمد علی بن محمد حسین صاحب روگی دام اقبالہٗ نے اس امر شریف کو باقیات صالحات سے سمجھ کر ایک روز فرمایا کہ اس کا ترجمہ ہندوستانی زبان میں ہو کر چھپے تو بہت لوگوں کو فائدہ ہو

سو جناب ممدوح کے فرمانے کے بموجب اس فقیر سراپا تقصیر قلیل البضاعت قصیر الاستطاعت خادم علمائے زماں احقر العباد محمد حسن خاں مصطفےٰ آبادی عرف رامپوری نے اس امر شریف کو سعادت دارین اور فخر کونین سمجھکر کمر کوشش کی اس کے سرانجام دینے میں مضبوط باندھی اور حق تعالیٰ کے فضل اور کرم سے اور بانی موصوف کی خوش نیتی کے سبب سے تھوڑی ہی دنوں میں اختتام کو پہونچا چنانچہ ۱۲۶۱ھ ہجری میں شہر ربیع الاول کے عشرہ متوسطہ میں ابتدا ترجمے کی تحریر کی اور اسی مہینے میں جناب نا خدا صاحب ممدوح کے حکم کے بموجب چھپنا بھی شروع ہوا اور بحمد اللہ ستائیسویں تاریخ رمضان المبارک سنہ مذکور کو تحریر اور طبع نے حلہ اختتام کا پہنا **فائدہ** معلوم کیا چاہیے کہ اس ترجمے میں کتنی چیزوں کی رعایت کی گئی ہے سو اس کا دریافت کرنا مطالعہ کرنیوالوں کے واسطے ضرور ہے اوّل یہ کہ اُس کا ترجمہ لفظاً بلفظٍ نہیں کیا گیا بلکہ ہندی محاورے کے موافق ہے تاکہ مطلب بخوبی فہم میں آجاوے دوسرے یہ کہ التزام اس امر کا کیا ہے کہ کچھ زیادتی یا کمی اصل مطلب سے نہ ہونے پاوے تاکہ اعتبار کے پایے سے خارج نہ ہوجاوے لیکن تشریح اور توضیح کے طور پر کسی مجمل مطلب کی تصریح میں ایک دو کلمے بڑھ گئے ہیں تیسرے یہ کہ جہاں کوئی مطلب دقیق اور مشکل آگیا جس کا سمجھنا کسی اور علم کی مہارت پر موقوف ہے جیسے کوئی قاعدہ علم ریاضی یا ہندسہ وغیرہ کا تو اُس کا فقط ترجمہ کر دیا ہے اسواسطے کہ اُس کا سمجھنا بغیر اُس علم کے مصطلحات کے دریافت کرنے کے نہیں ہوسکتا اور اُسکی تشریح فیما نحن فیہ سے خارج ہے اسواسطے کہ یہاں پر قرآن شریف کی تفسیر عوام فہم منظور ہے نہ حکما کے قواعد کی تحقیق چوتھے یہ کہ یہ ترجمہ کلکتے کی چھپی ہوئی تفسیر عزیزیہ کے عبارت کے موافق ہے اسواسطے کہ وہاں کے علمانے اُسکو بہت تصحیح سے چھاپا ہے آپ صاحبان ذی عقل اور تمیز کی خدمت میں عرض یہ ہے کہ انصاف کی نظر سے اس ترجمے کو ملاحظہ فرمائیں اور اگر کوئی بھول چوک نظر میں آوے تو اپنی والاہمتی پر نظر فرما کے اصلاح دینے میں دریغ نہ فرماویں کہ بموجب اس قول کے اَلْاِنْسَانُ مُرَكَّبٌ مِنَ الْخَطَاءِ وَالنِّسْيَانِ کوئی شخص بھول چوک سے خالی نہیں ہے اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اس سورۃ کا نام تساؤل ہے اور اس کو سورۂ نبا بھی کہتے ہیں مکی ہے یعنی قبل ہجرت کے نازل ہوئی ہے اسمیں چالیس آیتیں اور ایک سو بہتر کلمے اور سات سو ستر حرف ہیں اور ربط اس سورۃ کا سورۂ مرسلات سے اس وجہ سے واقع ہے کہ ان دونوں سورتوں میں جزا اور سزا کے معاملے کو یوم الفصل کے آنے پر وابستہ کیا ہے اور تھوڑا سا احوال یوم الفصل کا بیان فرمایا اور کافروں کا تعجب کرنا قیامت کے آنے میں اسی مقدمے سے دفع کیا کہ قیامت کا آنا بدون یوم الفصل کے نہیں ہوسکتا اور یوم الفصل بدون خراب کرنے اس عالم کے اور منقطع کرنے نوع انسانی کے ممکن نہیں ہے پھر قبل اُس دن کے طلب جزا اور سزا کی کرنا ایسا ہے جیسے کوئی گرمی کے دنوں میں جاڑوں کا میوہ طلب کرے یا جاڑوں میں میوہ گرمیوں کا سوائے محنت بے فائدہ اور حماقت کے کچھ حاصل نہیں ہے اسی سبب سے مضمون میں بھی ان دونوں سورتوں کے بہت مشابہت واقع ہے جیسے اُس سورۃ میں وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتۡ وَاِذَا الۡجِبَالُ نُسِفَتۡ واقع ہے اور اس سورۃ میں وَفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَکَانَتۡ اَبۡوَابًا وَّسُیِّرَتِ الۡجِبَالُ فَکَانَتۡ سَرَابًا اور اُس سورۃ میں اَلَمۡ نَجۡعَلِ الۡاَرۡضَ کِفَاتًا وَّجَعَلۡنَا فِیۡهَا رَوَاسِیَ شٰمِخٰتٍ وَّاَسۡقَیۡنٰکُمۡ مَّآءً فُرَاتًا اور اس سورۃ میں اَلَمۡ نَجۡعَلِ الۡاَرۡضَ مِهٰدًا وَّالۡجِبَالَ اَوۡتَادًا وَّاَنۡزَلۡنَا مِنَ الۡمُعۡصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا واقع ہے اور اُس سورۃ میں سوزش دوزخ کی اور بھڑکنا اور شعلے مارنا اُس کا مذکور ہے اور اس سورۃ میں قحط سرد پانی کا اور پینا بہت گرم پانی کا دوزخ میں مذکور ہے اور اُس سورۃ میں هٰذَا یَوۡمُ لَا یَنۡطِقُوۡنَ مذکور ہے اور اس سورۃ میں یَوۡمَ یَقُوۡمُ الرُّوۡحُ وَالۡمَلٰٓئِکَۃُ صَفًّا لَّا یَتَکَلَّمُوۡنَ ہے اور اُس سورۃ میں اِنَّ الۡمُتَّقِیۡنَ فِیۡ ظِلٰلٍ وَّعُیُوۡنٍ وَّفَوَاکِهَ مذکور ہے اور اس سورۃ میں حَدَآئِقَ وَاَعۡنَابًا ۙ متقیوں کے واسطے وعدہ دیا گیا ہے

آور اُس سورۃ میں ارشاد فرمایا ہے کہ اگر کافروں کو دنیا میں کہا جاوے کہ خدا کے واسطے ایک مرتبہ جھکو اور سجدہ کرو تو کبھی نہ کریں آور اس سورۃ میں ارشاد ہوا ہے کہ قیامت کو کافر آرزو کریں گے کہ کاش مٹی ہو جاویں اور دوزخ کے عذاب سے خلاصی پاویں اُس تکبر اور غرور کو اس گریہ وزاری اور ذلت وخواری سے کیا نسبت رہی آور اس سورۃ کا سورۂ تساؤل نام رکھنے کا سبب یہ ہے کہ تساؤل عرب کی لغت میں کسی چیز سے آپس میں بہت سوال کرنے کو کہتے ہیں آور اس سورۃ میں بیان کرنا اس بات کا منظور ہے کہ بہت پوچھ پاچھ آخرت کے کاموں کی حقیقت سے اور بحث اور تکرار ذات اور صفات الٰہی میں کرنا اور قضا اور قدر اور جبر اور اختیار اور توحید وجودی اور شہودی کے مسئلے میں زیادہ مباحثہ کرنا اور اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آپس میں کے جھگڑے بیان کرنا اور شرعی حکموں کی وجہوں میں غور کرنا جن کا عوام کی فہم اور بوجھ میں آنا محال ہے اور اُن کی عقل ان چیزوں کے فہم کی گنجایش نہیں رکھتی ایسی چیزوں کی بحث اور تکرار نہایت قبیح اور بد ہے اس واسطے کہ اکثر بحث کرنا ایسی چیزوں میں نافہمی کے سبب سے اُن چیزوں کی حقیقت کے انکار کا سبب ہو جاتا ہے اور اگر انکار نہ کی تو اکثروں کے دلوں میں شبہہ پڑ جانے میں تو کچھ شک ہی نہیں ہے آور حال یہ ہے کہ ایمان فقط اُن چیزوں کے یقین لانے پر موقوف ہے ان کی وجہوں اور تفصیلوں کے دریافت کرنے اور زیادہ تفتیش کرنے کے واسطے حکم نہیں کیا گیا تاکہ اُن چیزوں کا حقیقت حال دریافت کرنا دین کی ضروریات سے ہو سوا بہی کٹھن اور لاعلاج بیماری اس اُمت میں عقیدوں کے فاسد ہونے کا اور گمراہ فرقوں کی جدائی کا سبب ہوئی ہے اور ایمان ایک عالم کا بالکل برباد گیا ہے سو اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ میں اُس کی بُرائی بیان فرمائی تاکہ آدمی اُس سے ڈرتے رہیں اور گمراہی کے بھنور میں ڈوب نہ جاویں آور اس سورۃ کو سورۂ نبا اس واسطے کہتے ہیں کہ نبا عرب کی زبان میں خبر کو کہتے ہیں اور خبر قیامت کی اس مرتبے کو بزرگی اور بڑائی رکھتی ہے کہ گویا سوائے اس کے کوئی خبر نہیں ہے جس کو پوچھیے اسی واسطے اس خبر کو نباٴ عظیم فرمایا ہے کہ یہ اپنی ذات میں بھی عظمت اور بزرگی رکھتی ہے اور اس کے ہونے میں بھی عظمت اور بزرگی ہے اور سمجھ بوجھ میں بھی اُسکی عظمت ہے۔ آور یہ ظاہر ہے کہ بزرگی خبر کی یا باعتبار اُس کی

ذات کے ہوتی ہے کہ اُس کو عمدہ شخص بیان کرتا ہے یا وہ عظمت اُس خبر کے مضمون واقع ہونے کے اعتبار سے ہوتی ہے کہ ایک بڑے حادثے پر دلالت کرتی ہے یا وہ عظمت اُس کے احوال اور حقیقت سمجھنے اور بوجھنے کے اعتبار سے ہوتی ہے کہ کسی کی سمجھ میں نہیں آتی اور نہایت دقت سے سمجھی جاتی ہے اور جو یہ تینوں صفتیں اس خبر میں جمع ہوئی ہیں یعنی یہ خبر اُس نے دی ہے جو سب سے بڑا ہے وہ اللہ تعالےٰ ہے کہ سوائے اُس کے اس خبر کو کوئی کہہ نہیں سکتا اور یہ بھی ہے کہ ایسے بڑے حادثے کے واقع ہونے پر دلالت کرتی ہے کہ کسی کی سمجھ اور خیال میں نہیں آتا اور سمجھنا بھی اس کا نہایت مشکل ہے کہ آدمی کی عقل بغیر انوار غیبی کی مدد کے اُس کو بوجھ نہیں سکتی تو ان سببوں سے اس خبر نے نہایت بزرگی پیدا کی ہے بس ایسی چیز میں دعویٰ کر سکتے ہیں اور کہہ سکتے ہیں کہ خبر اسی خبر کا نام ہے اور سب چیزیں ہیچ ہیں اور جب آپس میں کہا جاوے کہ خبر کیا چیز ہے تو گویا یہی خبر پوچھی جاتی ہے تو جس سورۃ میں یہ خبر بیان ہووے اُس کا نام بھی خبر رکھنا چاہیئے اور اس سورۃ کے نازل ہونے کا سبب یہ ہے کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نبی ہوئے اور قیامت کا حال بیان فرمایا تو کافروں کو یہ بات انوکھی معلوم ہوئی اور آپس میں تعجب اور ہنسی سے کھوج اس بات کا شروع کیا بعضے کہتے تھے کہ کَیۡفَ یُحۡیِی الۡعِظَامَ وَھِیَ رَمِیۡمٌ یعنی کیونکر زندہ ہوں گی ہڈیاں جب سڑ گل گئیں اور بعضے کہتے تھے کہ مَتٰی ھٰذَا الۡوَعۡدُ یعنی کب ہوگا یہ وعدہ اور بعضوں کو یہ شبہہ تھا اور کہتے تھے کہ وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَۃَ قَآئِمَۃً یعنی ہرگز یہ بات ہونے والی نہیں ہے اِنۡ ھِیَ اِلَّا حَیٰوتُنَا الدُّنۡیَا نَمُوۡتُ وَنَحۡیٰی وَمَا نَحۡنُ بِمَبۡعُوۡثِیۡنَ یعنی کچھ نہیں مگر یہی زندگانی دنیا کی مرتے ہیں ہم اور زندہ ہوتے ہیں اور ہم بعد مرنے کے اُٹھنے والے نہیں ہیں پھر آخر کلام اُن کی سمجھ اور بوجھ کا یہ تھا کہ اگر یہ بات ہونے والی ہے تو کس واسطے ایک مرتبہ ہمارے سامنے نہیں ہوتی اور بدلہ دینے میں اچھے اور بُروں کے اُن کے کاموں کے موافق انتظار اُس دن کا کس واسطے ہے دنیا میں کیوں نہیں دیتے کہ آدمیوں کو اُس کے دیکھنے سے عبرت اور نصیحت ہو جاوے اور بدکام چھوڑ دیں اور نیک کام کرنے لگیں اللہ تعالیٰ نے یہ سب باتیں اُن کی رد کر کے جزا اور سزا کا دینا قیامت کے دن پر موقوف رکھنے کا سبب بیان فرمایا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عَمَّ یَتَسَآءَلُوۡنَ یعنی کس چیز سے لوگ آپس میں پوچھتے ہیں اور کس چیز کے کھوج میں ہیں کیا وہ چیز قابل اُن کے سوال کرنے کے ہے اور اس کے سمجھنے کی استعداد رکھتے ہیں کہ بہت پوچھ پاچھ کرنے سے اُنکی سمجھ میں آجاویگی یا ایسی چیز ہے کہ لائق جستجو کے نہیں اور جسقدر اسمیں چھیڑ چھاڑ کرینگے مطلب سے دور پڑیں گے اور اس طور کے پوچھنے میں کہ کس چیز سے سوال کرتے ہیں اس بات کا اشارہ ہے کہ عاقل کو چاہیئے کہ کھوج کسی چیز کا سمجھ بوجھ کے کرے اور پہلے یہ سوچ لے کہ یہ بات میری بوجھ میں آنے کے لائق ہے یا نہیں اگر ہو تو اُس میں ہاتھ ڈالے اور اگر نہو تو ایسا نہ کرے کہ محنت اُسکی ضائع ہو جاوے اور کچھ فائدہ حاصل نہ ہووے اور مطلب برباد ہو جاوے مثل مشہور ہے کہ محنت برباد گناہ لازم اور عم کا لفظ اصل میں عما تھا الف تخفیف اور کثرت استعمال کے سبب سے گر گیا اور عرب کا قاعدہ ہے کہ ماموصولہ کے الف کو آٹھ حرفوں کے بعد گرا دیتے ہیں ان لفظوں کی کثرت استعمال کے واسطے اور وہ حرف یہ ہیں عن و من و با و لام و فی و علی و الی و حتی اور جب بنا کلام کی سوال و جواب پر رکھی اور جواب اس سوال کا ظاہر اور کھلا تھا تو آپ ہی جواب فرمایا کہ عَنِ النَّبَاِ الۡعَظِیۡمِ ۙ یعنی آپس میں سوال کرتے ہیں ایک بڑی خبر سے کہ باعتبار اپنی ذات کے بھی بزرگی رکھتی ہے اور باعتبار واقع ہونے اپنے مضمون کے بھی بڑی ہے یعنے جو چیزیں کہ اُس میں واقع ہونگی وہ بہت پُر خوف ہیں کہ نہ آنکھ اُن کو دیکھ سکے اور نہ کان اُن کو سن سکے اور باعتبار سمجھنے اور دریافت کرنے کے بھی بڑی ہے کہ کسی بشر کی عقل کو یہ طاقت نہیں کہ اُس کی حقیقت کماحقہ دریافت کر سکے پس وہ خبر الَّذِیۡ ہُمۡ فِیۡہِ مُخۡتَلِفُوۡنَ ؕ وہ چیز ہے کہ وہ اُس میں کئی طرف ہو رہے ہیں ہرچند کہ حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے اس دم تک حق تعالیٰ انبیا اور رسولوں کے واسطے سے یہ خبر پے در پے اپنے بندوں کو پہونچاتا رہا اور انبیا اور رسول اس خبر کے ثابت کرنے میں دلیلوں اور مثالوں کے ساتھ دل اور جان سے کوشش کرتے رہے ہیں اور علامتیں اور نشانیاں اُس کی مفصل اور مجمل کھلی کھلی بیان کرتے رہے ہیں اور اس میں کسی طرح کا دھوکا باقی نہیں رہا لیکن باوجود ان سب باتوں کے بنی آدم کا شبہہ ہرگز دفع نہیں ہوتا چنانچہ

بعضے تو بالکل اُس کا انکار ہی کرتے ہیں کہ قیامت کا وجود ہی نہیں ہے اور بعضے کہتے ہیں کہ مجازات عقلی ہوگا اور بس اور بعضے کہتے ہیں کہ خیالی ہے اور بعضے کہتے ہیں کہ حسّی ہے یعنی ظاہر میں ہوگا اور بعضے ایک اور طرح سے کہ سوائے عقلی اور خیالی اور حسّی کے ہے بوجھتے ہیں اور بعضے معاد کو منحصر تناسخ کے طریقے میں جانتے ہیں یعنی ایک مرتا ہے وہی روح دوسرے جسم میں آتی ہے اور اسی عالم دنیا کو جزا اور سزا کی جگہ جانتے ہیں اور خراب ہونا تمام عالم کا کہ رسولوں اور نبیوں کی زبانی سُنتے آئے ہیں آدمی کے بدن کی خرابی کے احوال پر کہ موت کے وقت ہوتی ہے سمجھتے ہیں حاصل کلام کا یہ ہے کہ باوجود ایسے بیان واضح کے جو اختلاف اس مسئلے میں ہے اور کسی مسئلے میں نہیں ہے اور یہی اختلاف انکار اور شک کا سبب پڑا ہے جو اکثر ذہنوں میں واقع ہے طریقہ اسلام اور نشان ایمان کا یہ ہے کہ جب ایسی کوئی بات مشکل کہ عقل میں نہیں آتی اور آدمی اُسکی کُنہ اور حقیقت دریافت نہیں کرسکتا پیغمبروں کی زبان سے یقیناً سُنے تو بمجرد سُننے کے اُس پر ایمان لاوے اور اُسے مان لے اسی کا نام ایمان اجمالی ہے کہ ہمیشہ کی نیکبختی کا سبب اور موجب نجات کا ہے اور زیادہ کھوج اور تلاش اُسکے احوال اور خصوصیات میں نہ کرے والا اپنے مطلب اصلی کو کہ ایمان مجمل ہے ہاتھ سے دیگا اور خرابی میں پڑیگا اور کچھ حاصل نہ ہوگا اور جو اس کلام کے مضمون سے ظاہر ہوا کہ اس مسئلے میں پوچھ پاچھ بہت اور سوالات بیفائدہ لوگوں میں جاری ہیں اور یہ سب مُضر اور بیفائدہ ہیں سو اب اس تفتیش اور تحقیق بےمحل پر خفگی فرماتے ہیں کہ کَلَّا یعنی ایسا کرنا نہ چاہیئے اور زیادہ جستجو ان چیزوں میں کرنا مناسب نہیں اسواسطے کہ ایسی چیزوں سے ایمان اجمالی میں بڑا خلل پڑتا ہے سَیَعْلَمُوْنَ سو قریب ہے کہ کیفیت مجازات اخروی کو اسطرح جانیں گے کہ کچھ شک اور شبہ باقی نہ رہیگا ثُمَّ کَلَّا سَیَعْلَمُوْنَ پھر ہم کہے دیتے ہیں کہ ایسا نچاہیئے کرنا اور نزدیک ہے کہ جان لینگے اور تکرار اس کلام کی صرف زجر اور توبیخ کی تاکید کے واسطے ہے گویا بار بار ایسے بُرے کام سے منع فرماتے ہیں اور اُسکے معلوم کرنیکے زمانے کو بہت قریب بتاتے ہیں اسواسطے کہ جو چیز آنیوالی ہے وہ قریب ہے اور بعضے مفسروں نے اوّل بار کے سیعلمون کو عالم برزخ کے دریافت ہونے پر حمل کیا ہے اس واسطے کہ مجازات یعنی جزا اور سزا وہاں پر بمانند خیال کرنیکے واقع ہونگی اور دوسری بار کو قیامت کے دریافت ہونے پر کہ وہاں جزا اور سزا حقیقی ہوگی اسواسطے کہ وہاں روح کو بدن سے تعلق ہوجاوے گا اور

باوجود اس تعلق کے معنی تجرد کے روح پر غالب ہونگے اور کیفیت تعلق کی باوجود غلبہ تجرد کے اُس روز کھلجاویگی اسواسطے کہ دنیا کا تعلق تجرد کی مغلوبیت کا سبب ہے اور عالم برزخ میں اس کے برعکس ہوگا یعنی تجرد غالب اور تعلق مغلوب ہوگا پس مطلع ہونا تعلق کی جامعیت پر اور تجرد کے غلبے پر قیامت کے آنے سے پہلے کسی طرح ممکن نہیں اب اس جگہ ایک سوال جواب طلب باقی رہا وہ یہ ہے کہ سورۂ تکاثر میں کَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۵ ثُمَّ کَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۵ واقع ہوا ہے اور اس سورۃ میں سَیَعْلَمُوْنَ واقع ہے اور سوف تاخیر اور مہلت پر دلالت کرتا ہے اور سین شتابی اور جلدی پر آب اگر قیامت کے آنے کو قریب اعتبار کریں تو لفظ سوف کو سورۂ تکاثر میں کیوں لائے اور اگر دور اعتبار کریں تو اس جگہ حرف سین کے کیا معنی ہوں گے جواب اس سوال کا یہ ہے کہ سورۂ تکاثر میں کفار مخاطب ہیں اور اُن کے نزدیک قیامت بہت دور ہے اسواسطے اس جگہ اُن کے گمان کے موافق خطاب فرمایا اور حرف سوف کا کہ دوری اور بُعد پر دلالت کرتا ہے لائے اور اس سورۃ میں ایمان والے مخاطب ہیں کہ قیامت کے آنے پر ایمان لائے ہیں اور جو چیز یقیناً آنیوالی ہے وہ بہت نزدیک ہے اسواسطے یہاں اُنکے یقین کے موافق خطاب فرمایا اور حرف سین کا جو نزدیکی پر دلالت کرتا ہے لائے بموجب اس آیت کے اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا وَّنَرٰىهُ قَرِيْبًا گویا کہ مومنوں کو ارشاد ہوتا ہے کہ یہ کافر عنقریب قیامت کے آنے کو سب احوال اور واقعات کے ساتھ جان لیں گے اور جب ان سوالات بیفائدہ کی توبیخ اور تنبیہ سے فراغت پائی تو اب استفہام تقریری کے طور سے کئی چیزوں سے پوچھا جاتا ہے اور اقرار کرایا جاتا ہے اور وہ سب نو چیزیں ہیں کہ عوام الناس کے ذہنوں میں قرار و مدار دنیا کا اُن چیزوں پر ہے اگر کوئی اُن نو چیزوں سے محروم رہے تو گویا وہ دنیا میں نہیں ہے تو جو کوئی دنیا میں زندہ ہے ضرور ہے کہ ان نو چیزوں میں شریک ہوگا اور باوجود ان نو چیزوں کی شرکت کے بالکل جُدائی آدمیوں کی آپس میں حاصل نہیں ہوسکتی پھر جدائی اور فرقت کا چاہنا ان نو چیزوں کی شرکت کے ساتھ ویسا ہی ہے کہ جیسے ایک گھر کے رہنے والے آدمی چاہیں کہ سب کے سب کھانے اور پینے اور لباس اور گھر اور فرش اور سب باتوں میں ملے رہیں اسطرح پر کہ ایکدوسرے سے لگاؤ اور میل نہ رکھے کہ یہ بات صریح تعنت ہے اور دعوی بلا دلیل ہے اور اس کا ہونا محال ہے بلکہ اجتماع ضدین کا اس میں لازم آتا ہے اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا کیا ہم نے

زمین کو فرش اور بچھونا تمھارے واسطے نہیں بنادیا کہ اُس میں رہا کرو اور کھیتی اور سوداگری کیا کرو
اور جینے اور مرنے میں تمھارے ٹھہراؤ کی جگہ وہی ہے اور اس بات میں نیک اور بد مسلمان اور کافر
سب شریک ہیں کسی جگہ جُدائی نہیں رکھتے اور قیامت کے دن چاہیے کہ نیکوں کی جگہ بہشت ہو
اور بدوں کی جگہ دوزخ ہو تاکہ جُدائی اور فرق اچھی طرح سے ثابت ہووے جیسا کہ ایک جگہ فرمایا
ہے وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ اور دوسری جگہ فرمایا لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ
وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا اور کیا ہم نے پہاڑوں کو میخوں کے مانند نہیں کیا کہ اپنے بوجھ اور بھاری پن
سے زمین کو ہوا سے ہلنے نہیں دیتے جسطرح میخیں خیموں کو ہلنے نہیں دیتیں سو اس منفعت میں بھی
سب آدمی شریک ہیں جُدائی اور فرق آپسمیں نہیں رکھتے اور قیامت کے سبب چاہیے کہ بہشتیوں
کے رہنے سہنے کی جگہ بہشت میں محل اور مکان سنہرے جڑاؤ ہوں اور دوزخیوں کو دوزخ میں زنجیریں
اور طوق لوہے کے کہ بسبب گرمی کے آگ کے مانند جلتے بھنتے ہیں وَخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا اور
ہمنے تمکو جوڑے جوڑے نر اور مادہ پیدا کیا تو آپس میں صحبت کرو اور نسل جاری ہووے اور نسبتیں
اور ناتے باپ بیٹے اور سسرے داماد کے تمھارے آپس میں ثابت ہوں اور بسبب اسکے آپسمیں
اُلفت اور جمعیت اور معاونت اور مدد ایک دوسرے سے حاصل ہو اور دنیا کی زندگانی رونق پکڑے
اور یوم الفصل کو کہ قیامت کا دن ہے چاہیئے کہ یہ علاقے بالکل نہ رہیں اسواسطے کہ ایک ناتے والے
کا رنج تمام ناتے والوں کے رنج کا باعث ہوتا ہے پھر اگر دنیا میں کسی نیک شخص کے قرابت والے
کو دُکھ دیویں تو اُس نیک کو رنج ہو تو گویا یہ دونوں اس عذاب میں شریک ہوئے اور اگر بدوں کے
اقربا پر انعام و بخشش کریں تو وہ نیک بدوں کو بھی بسبب قرابت کے اپنے ساتھ شریک کرینگے
اور اگر ایسا نہ ہو تو احسان قرابت کا اُن سے فوت ہو جاوے اور اُنکی نیکی میں قصور پڑ جاوے اور
اسمیں بخشش بدوں پر لازم ہوتی ہے اور اختلاف جزا کا حاصل نہیں ہوتا بخلاف یوم الفصل کے
کہ اُس دن ان ناتوں رشتوں کا نام نہ رہیگا اور بالکل یہ علاقے ٹوٹ جاوینگے جیسا کہ دوسری جگہ
فرمایا ہے فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ اور دوسری جگہ فرمایا ہے وَلَا يَسْئَلُ حَمِيْمٌ
حَمِيْمًا وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا اور ہمنے دنیا میں تمھاری نیند کو آرام وچین کا سبب اور کام
سے فراغت کا باعث کیا تا ماندگی اور مشقت دور ہو اور تر و تازگی حاصل ہووے اور یوم الفصل کو

چاہیئے کہ نیند نہ ہو اسواسطے کہ اگر آدمی نیک ہے اُس کو خوشی اور خرمی کے سوائے اور کچھ نہ ہو گا
جیسا کہ دوسری جگہ بہشتیوں کے حق میں فرمایا ہے لَا یَمَسُّهُمْ فِیْهَا نَصَبٌ وَّلَا یَمَسُّهُمْ فِیْهَا
لُغُوْبٌ ٥ پھر حاجت نیند کی بھی نہ ہو گی بلکہ اگر وہاں نیند ہووے تو بڑے فائدے پہونچنے سی بے نصیب
ہونے کا سبب ہووے اور ہمیشہ کے ثواب سے نقصان کا باعث ہووے اور اگر آدمی بد ہے تو اُسکو
ہمیشگی کا رنج اور ملال اور فریاد اور شور لازم ہے رنج اور عذاب سے اُسکو فرصت نہ ہو گی کہ ایکدم
آرام سے گزارے اور وہاں سوائے صُراخ اور زفیر اور شہیق اور واویلا کے کچھ نہ ہو گا جیسا کہ دوسری
جگہ ان معنوں کو تصریح سے بیان فرمایا ہے وَجَعَلْنَا الَّیْلَ لِبَاسًا ٥ اور ہمنے راتکو دنیا والوں کیواسطے
لباس اور پردہ بنایا کہ جو چیز چھپانے کے لائق ہے اُسمیں کیا کریں جیسے صحبت داری عورتوں سے
اور مشورے پوشیدہ اور بھاگنا دشمنوں سے اور چوری اور خیانت اور عیش و عشرت اور ناچ و رنگ
اور تہجد اور مراقبہ اور سوائے اس کے فائدے کی بہت چیزیں ہیں کہ تعلق پردہ پوشی اور چھپنے سے
رکھتی ہیں اسی واسطے کہا ہے شاعر نے **شعر** اَللَّیْلُ لِلْعَاشِقِیْنَ سِتْرٌ + یَا لَیْتَ اَوْقَاتَهٗ تَدُوْمُ
یعنی رات عاشقوں کے واسطے پردہ پوش ہے + کیا اچھا ہوتا کہ رات ہمیشہ رہتی + اور قیامت
کو چاہیئے کہ احوال اُس کے ہر کسی خاص عام پر ظاہر اور کھلے ہوں چھپے اور پوشیدہ نہ ہوں وگرنہ عظمت
اور بزرگی نیکوں کی اور فضیحت اور رسوائی بدوں کی ثابت نہ ہووے اور حضرت عبد اللہ بن عباس
رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ایک شخص نے پوچھا کہ عقد نکاح کی مجلس رات کو کرنا چاہیئے یا دن کو آپنے
فرمایا رات کو اسواسطے کہ اللہ تعالیٰ نے رات کو لباس فرمایا ہے اور نکاح والی عورتوں کو بھی لباس
فرمایا ہے هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ اور ایک لباس کو دوسرے لباس کے ساتھ پوری مناسبت ہے
وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ٥ اور ہمنے دن کو دنیا کے آدمیوں کے واسطے روزی تلاش کرنیکا وقت
کیا اور قیامت کے دن ہرگز تلاش نہ ہو گی اسواسطے کہ نیکوں کیلئے آپ ہی آپ نعمتیں مہیا اور موجود
ہوں گی کیونکہ اگر اُن کو وہاں بھی تلاش کرنا ضرور پڑے تو عین عذاب میں ہوں اور بدوں کو بھی
وہاں تلاش کرنا نہیں ہے اسواسطے کہ اُنکے پیروں میں زنجیر اور گردن میں طوق پڑا ہوا ہو گا اور
دوزخ کے نگہبانوں کے ہاتھ میں گرفتار ہوں گے اور بھوک اور پیاس کے عذاب میں بیقرار ہونگے
تا پوری جدائی دونوں فرقوں کی معاش کے درمیان ظاہر ہووے اور دنیا کی طرح ایکساں رنج

اور گرفتاری میں نہ ہوں وَبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ﴿ اور بنائے ہمنے تمھارے اوپر سات طبقے سخت اور مضبوط بنائے کہ ہرگز کبھی پرانے نہیں ہوتے اور اُس میں سات ستارے پھرنیوالے بنائے کہ اُن میں حرکتیں ایکدوسرے کے مخالف کرتے ہیں اور نئی نئی طرحیں ظاہر کرتے ہیں اور ہر ہر طرح میں ایک تاثیر اُن سے ظاہر ہوتی ہے اور ہر مومن اور کافر اور نیک اور بد اُس تاثیر کے نفع اور نقصان میں شریک ہے قیامت کے دن کے برخلاف کہ وہاں نیکوں کو درجے جنت کے مانند چھت کے ہونگے اور روحیں نورانی نبیوں اور پیشواؤں کی درجہ بدرجہ نیچے والوں کے حق میں مدد فرماویگی اور نیچے والے اُنکی امداد سے ترقی حاصل کرینگے اور بدوں کو نیچے سے درکات دوزخ کے گھیرے ہوئے ہونگے اور روحیں خبیث اور اُنکے پیشواؤں کی اندھیریوں کی کیفیات سے اوپر والوں کے عذاب کو دونا کرینگی وَجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا اور بنایا ہمنے دنیا والوں کے نفع کیواسطے ایک چراغ چمکتا ہوا تیز روشنی والا کہ آفتاب ہے اور گرمی اور روشنی اکٹھی اسمیں پائی جاتی ہے اور ہر کوئی شخص نیک ہو یا بد اُسکی روشنی اور حرارت سے نفع اور نقصان میں برابر ہے بخلاف قیامت کے دن کے کہ جمال الٰہی کی روشنی بہشت میں نیکوں کو منور کریگی اور جلال الٰہی کی تجلی کہ حدیث میں اس معنی سے قدم کا لفظ آیا ہے دوزخیوں کو سخت حرارت اور نہایت گرمی سے جلاویگی وَّاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرَاتِ اور ہمنے اُتارا ٹپکنے والے بادلوں سے مَآءً ثَجَّاجًا ﴿ پانی بہت بہنے والا لِنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا کہ ہم اُس پانی سے اناج نکالیں کہ کھانا تمھارا ہووے وَّنَبَاتًا ﴿ اور بہت سا سبزہ گھانس کہ بعضے کو بھاجی بناتے ہو اور بعضے کو مصالح کرتے ہو اور بعضے وانہ اور چارہ تمھارے جانوروں کا ہوتا ہے تا اُس سے دودھ دہی گھی اور پنیر لیکے اپنے کام میں لاؤ وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا ﴿ اور گنجان درختوں کے باغ تا تمکو میوہ کھانے اور لذت اُٹھانیکے کام آویں اور ان باغوں کے میووں کو طرح طرح کی ترتیب دیکے مانند اچار اور مربہ اور سرکہ اور رس اور شراب وغیرہ بناکے کھاؤ اور اس منفعت میں تم سب نیک اور بد مسلمان اور کافر شریک ہو کسی طرح کی جدائی نہیں ایسا نہیں کہ پانی ایک جگہ برسے اور دوسری جگہ نہ برسے اور کھیتی ایک جگہ پیدا ہووے اور دوسری جگہ نہ ہو اور باغ ایک جگہ جمے اور دوسری جگہ نہ جمے اور میوہ کہیں پکے کہیں نہ پکے بخلاف دن قیامت کے کہ وہاں نیکوں کے عمل اور اعتقاد اور احوال اور درجے کمائے ہوئے بدلیوں کے مانند دودھ اور شہد اور شراب مزیدار اور پانی صاف برساوینگے

اور اُس سے نہریں جاری ہونگی اور درخت بہشت کے اُس پانی کی قوت سے اور پانی کے نہروں کی
طراوت سے کہ اُنکی جڑوں میں پہونچتی ہے لذت والے مزیدار میوے خود بخود دینگے اور جسوقت کوئی پھل
کسی شاخ سے توڑکے کھایا جاویگا تو اُسی وقت دوسرا میوہ ہوا کی تروتازگی اور کمال نشو ونما کے سبب
اُس جگہ پیدا ہو جاویگا اور تلذذ اور میوہ دینا وہاں کے درختوں کا کبھی منقطع نہ ہوگا اور بدوں کے عمل
اور اعتقاد اور بُرے خُلق دھوئیں کے مانند اُٹھیں گے اور چنگاریاں برساوینگے اور اُنکے جسموں کو
جلاوینگے جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے وَظِلٍّ مِّنْ يَحْمُومٍ ه اِنْطَلِقُوْا اِلٰى ظِلٍّ ذِيْ ثَلٰثِ
شُعَبٍ ۵ اور زقوم اور دوسرے درخت خاردار اور بدمزہ اور بُری شکل کے پیدا ہونے کا سبب
ہونگے اور امتیاز اور جُدائی دونوں فرقوں کی گزران میں خوب طرح سے حاصل ہوگی تو معلوم ہوا کہ
یوم الفصل دنیا میں نہیں ہوسکتا ہے اسواسطے کہ جُدائی اور ملاپ آپسمیں ایکدوسرے کی ضد ہیں
ایک جگہ پائے نہیں جاسکتے تو قیامت کا دن ہونیکو باوجود ان چیزوں کے باقی رہنے کے کہ اُنمیں
شراکت اور اتفاق واقع ہے تصور کر نہیں سکتے بلکہ اس عالم کے خراب ہونے اور اس دنیا کے انعامات
اور شراکت کے اصول اور ارکان درہم برہم کرنے کے بعد البتہ اُسکی اُمید رکھنا چاہیئے اور قیامت کے
آنے کا وقت اِس عالم کی خرابی کی شروع سے بوجھا چاہیئے جیسا کہ فرمایا ہے اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ
یعنی البتہ جُدائی کا دن اور نیکوں کا بدوں سے امتیاز اور فرق کر دینا اور آپس میں نیکوں کے
مرتبے علیحدہ کرنا اور بدوں کے مرتبے ایک دوسرے سے علیحدہ کرنا كَانَ مِيْقَاتًا ه ہے ایک وقت
ٹھہرایا گیا اور اُس سے آگے پیچھے نہیں ہوسکتا اور دنیا میں کافروں کی جلدی کرنے سے اُسوقت
کے لانے میں ہم جلدی نہیں کرتے اسواسطے کہ اُسوقت کو کئی چیزیں لازم ہیں پہلے یہ کہ روح کا تعلق
بدن کے ساتھ کہ اب حاصل ہے بعد جُدا ہونے کے پھر ملے اسی واسطے عالم برزخ میں بھی یہ امر ممکن
نہیں اسواسطے کہ وہاں روح کو بدن سے ہرگز علاقہ نہیں اور روح کو پہلے بدن سے تعلق رکھنے کے سوائے
اس بدن کے کئے ہوئے کاموں کی جزا اور سزا دیکھنا ممکن نہیں ہے اسواسطے کہ روح کو بے تعلق
بدن کے سیر تمام عالم کی کرنا مثل خیال کرنے کے ہے اور کچھ نہیں مانند ایک لکھنے والے کے کہ اُسکے
ہاتھ کاٹ ڈالیں اور وہ اپنی اُنگلیاں ہلاوے اور اپنے خیال میں گویا لکھتا ہے پس یہ حقیقت میں
کچھ لکھنا نہیں خیال محض ہے دوسرے یہ کہ روحیں اور بدن سب تعلق میں جمع ہوویں اسواسطے

کہ فرق اور جدائی بدون جمع ہونے کے ممکن نہیں مثلاً ایک گروہ کے ساتھ ایک جگہ پر ایک طرح کا
معاملہ کیا تو امتیاز اُس گروہ کا حاصل نہ ہوگا جب تک کہ اور جماعتوں کے ساتھ اُسی جگہ اُسی
وقت دوسری طرح کا معاملہ نہ کریں ورنہ گمان اس بات کا ہوتا ہے کہ شاید یہ معاملہ بمقتضائے
اُسوقت کے اُس مکان میں ہوا اگر اور جماعتیں اُسوقت اُس مکان میں ہوتیں تو اُنکے ساتھ بھی یہی
معاملہ ہوتا جیسا کہ دنیا والے عزت اور ذلت اور رزق کی کشادگی اور تنگی کو زمانے کی گردش کے تقاضے
سے سمجھتے ہیں اور اپنے دل کو سمجھاتے ہیں کہ اگر اگلے اسوقت میں ہوتے تو اسی حالت میں گرفتار ہوتے
اور اگر ارزانی کے ملکوں کے رہنے والے قحط والے ملکوں میں ہوتے تو بھوک بھوک پکارتے اسواسطے
ضرور ہے کہ قیامت کا دن نوع انسانی کے تمام ارواح اپنے بدن سے جدا ہونے کے بعد واقع
ہووے تاکہ ایک وقت میں ایک جگہ پر سب روحوں کا اُنکے بدنوں سے تعلق ہووے تیسرے یہ کہ
مشترک نعمتیں جو فقیر اور غنی مومن اور کافر نیکبخت اور بدبخت نعمت والے اور عذاب والے تندرست
اور بیمار کے درمیان دنیا میں برابر ہیں کچھ باقی نہ رہیں ورنہ برابری اور شراکت لازم آتی ہے اور مقصود
اصلی کہ تفرقہ اور امتیاز ہے حاصل نہ ہو چوتھے یہ کہ اس آسمان اور زمین کے بدلے ایک اور مکان چاہیئے
اور جب وہ مقام اور وہ جگہ اس عالم میں آسمان و زمین کے نیچے چھپی ہوئی ہے تو اُسکے ظاہر کرنے میں
آسمان و زمین کا نیست کرنا بھی ضرور ہوا تاکہ نیکوں کو بہشت آسمان پر ظاہر ہووے اور بدوں کو دوزخ
زمین کے نیچے سے بھڑکے اسیواسطے وہ روز نہ آویگا مگر یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ یعنی جس دن پھونکا
جاوے صور اور یہاں مراد دوسرے بار کا صور پھونکنا ہے کہ اُسی سے قیامت کے دن کی شروع ہے
اور اس پھونکنے کے سبب سے روحیں ہر ہر فرد انسان کی اپنے اپنے بدن سے ملکر ہر مذہب والا علیحدہ
علیحدہ اُٹھیگا اور فرشتے تزک کی طرح سب آدمیوں کے علیحدہ علیحدہ جتھے کردینگے جیسے یہود اور
نصاریٰ اور مجوسی اور ہنود اور اُسکے سوا سب کی صفیں جدا جدا ہوں گی اور مسلمانوں کی صف علیحدہ
ہوگی پھر ہر ہر پیغمبر کی اُمت علیحدہ اور ہر ایک پیغمبر کی اُمت میں بھی ہر مذہب والا علیحدہ اور اُسیطرح
ہر عمل والا نیک ہو یا بد علیحدہ ہوگا جیسے نمازی علیحدہ اور روزہ دار علیحدہ اور حرامکار علیحدہ اور چوٹے
علیحدہ اور شرابی علیحدہ اسیطرح ہر خلق والا علیحدہ ہوگا جیسے متکبر اور بدخلق علیحدہ اور رحمدل اور محبت
والے علیحدہ اسیطرح ہر رُتبے والا علیحدہ ہوگا جیسے حمد کرنیوالے علیحدہ اور صبر کرنیوالے علیحدہ اور شکر

کرنیوالے علیحدہ اور متوکل اللہ پر بھروسہ کرنیوالے علیحدہ کھڑے کیے جاوینگے بڑے لشکر کے رسالوں اور پلٹنوں کے مانند کہ پہلے امیروں کے سبب سے پہچانے جاتے ہیں کہ یہ لشکر فلانے امیر کا ہے پھر رسالہ داروں سے کہ یہ رسالہ فلانے رسالدار کا ہے اور یہ لوگ فلانے جمعدار کے ساتھ کے ہیں پھر فرشتے اِن سب کو اسی انتظام سے حشر کے میدان میں لیجاوینگے فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا یعنی پھر آوگے تم سب غول غول اور فوج فوج ہوکر کہ ہرگز ایک گروہ کے لوگ دوسرے گروہ سے ملنے نہ پاویں گے اوران معنوں کو بہت آیتوں اور حدیثوں میں بیان فرمایا ہے اُن میں سے یہ آیت ہے وَیَوْمَ یُحْشَرُ اَعْدَاءُ اللّٰہِ اِلَی النَّارِ فَھُمْ یُوْزَعُوْنَ ۲۴ ج ۱۷ ع اور دوسری جگہ فرمایا ہے وَیَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ کُلِّ اُمَّۃٍ فَوْجًا مِّمَّنْ یُّکَذِّبُ بِاٰیٰتِنَا فَھُمْ یُوْزَعُوْنَ ۲۰ ج ۲ ع اور سوا اسکے بہت سی آیتیں ہیں کہ اُن سب کے ذکر کرنیمیں کلام بڑھ جائیگا اور بعضی صحیح حدیثوں میں نشان اور علامت ہر فوج کی بھی بیان فرمائی ہے جیسے دغابازوں اور عہد شکنوں کی مقعد پر ایک نشان یعنی جھنڈا ہوگا اسطرح سے کہ بڑے معاملے کے دغابازوں پر بڑا جھنڈا اور چھوٹے مقدمے کے دغابازوں پر چھوٹا جھنڈا اُس مکان پر چمیگا آور جنھوں نے غنیمت کے مال میں دغابازی کی ہے اور کوئی چیز اپنے سردار کی بیخبری سے لی ہے وہ چیز اُسکی گردن پر لدی ہوئی لاوینگے اگر اونٹ یا بکری یا گائے ہے تو وہ آواز کریگی اور اگر تھان یا کوئی کپڑا ہے تو پھریرے کے مانند اُڑیگا اور شہیدوں کو خون بھرا ہوا اُٹھاوینگے اور اُن کے زخموں سے مُشک کی بو آویگی اور رُلانیوالی عورت کا کُرتا گندھک کا ہوگا اور بدن اُس کا خارشتیوں کا سا ہوگا اور بے احتیاج سوال کرنیوالے کا مُنھ زخمی اور چھلا ہوا ہوگا علیٰ ہٰذا القیاس صحیح حدیثوں میں تلاش کرنے سے اس طرح کی نشانیاں بہت سی پائی جاتی ہیں اور ثعلبی نے اپنی تفسیر میں مع سند بیان کیا ہے اگرچہ سند اُسکی بہت معتبر نہیں ہے اور روایتیں اُسکی بہت مضبوط نہیں ہیں تو وہ یہ ہے کہ ایک روز صحابہؓ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اِن فوجوں کا حال جو اس سورۃ میں مذکور ہے پوچھا تھا آپنے فرمایا کہ دسؔ فرقے اس اُمت سے دسؔ جتھے ہوکر آویں گے ایک فرقہ بندروں کی شکل ہوگا وہ چغلخور ہونگے دوسرا فرقہ سُور کی شکل ہوگا وہ حرام خوار اور رشوت لینے والے ہونگے تیسرا فرقہ اوندھا ہوگا یعنی سر نیچے اور پانوں اوپر ہونگے اور فرشتے اُنکو مُنھ کے بل کھینچیں گے وہ بیاج کھانیوالے ہونگے چوتھا فرقہ اندھا ہوگا وہ وہ قاضی اور مفتی ہونگے کہ ناحق حکم کرتے تھے اور جھوٹا فتویٰ دیتے تھے

پانچواں فرقہ گونگا بہرا ہوگا وہ وہ لوگ ہونگے کہ اپنی عبادت اور بندگی پر گھمنڈ کرتے ہیں اور اپنے برابر دوسرے کو نہیں جانتے چھٹا فرقہ زبانیں اپنی چباویگا اور اُنکی زبانیں مُنھ سے نکل کے اُنکی چھاتیوں پر پڑی ہونگی اور زرد پانی اور پیپ اُنکے مُنھ سے بہتا ہوگا کہ سب محشر والے اُن کے دیکھنے سے کراہت کریں گے یہ وہ عالم اور مشائخ ہوں گے کہ اُنکے عمل اُنکے قول کے مخالف ہونگے کہیں گے کچھ کرینگے کچھ ساتواں فرقہ ہاتھ پیر کٹے ہوئے ہونگے وہ وہ لوگ ہونگے کہ بے زبان جانوروں کو ایذا دیتے ہیں اور ہمسایہ کو رنج دیتے ہیں آٹھویں فرقہ آگ کی سولیوں پر لٹکا ہوگا کہ یہ وہ لوگ ہونگے کہ لوگوں کے بھید ظالم حاکموں سے ظاہر کر کے ایذا رسانی کرتے ہیں نواں فرقہ ایسا ہوگا کہ جنکی بدبو مُردار سڑے ہوئے کی بدبو سے زیادہ ہوگی اور سب محشر والوں کو اُس بدبو سے ایذا پہونچیگی وہ وہ لوگ ہونگے کہ اپنی شہوتوں اور دُنیا کے مزوں میں گرفتار ہوئے ہونگے اور اپنے مال سے اللہ کا حق نہ دیا ہوگا اور وہ مال اپنے جی کی خواہش میں خرچ کیا ہوگا دسواں فرقہ ایسا ہوگا کہ گندھک کے کرتے اُنکے پیروں تک اور اُنکے بدنوں پر چپکے ہوئے ہونگے یہ لوگ تکبر اور غرور کرنے والے ہونگے یہ سب بدبخت اور گنہگار اس اُمت کے ہیں لیکن ایماندار اور نیک بخت سو بعضے اُن سے چودھویں رات کے چاند کے مانند اور بعضے آسمان کے ستاروں کے جیسے چمکتے ہونگے اور بعضے نور کے ممبروں پر بیٹھے ہونگے اور بعضے جڑاؤ کرسیوں پر اور بعضے مشک و زعفران کے ٹیلوں پر وعلیٰ ہذا القیاس وَّفُتِحَتِ السَّمَآءُ اور کھولا جاوے آسمان پھٹنے سے تا فرشتے نامۂ اعمال لیکے اُتریں اور اُن عملوں کی صورت کہ آسمان پر چڑھنے کے بعد پیدا ہوئی تھیں ظاہر ہوویں اور بہشت کہ جائے قرار اُس کا ساتویں آسمان کے اوپر ہے ظاہر ہووے گویا کہ آسمان کو مانند سرپوش کے خوان سے اُٹھالیا ہے فَكَانَتْ اَبْوَابًا ؕ یعنی پھر ہو جاوے آسمان دروازے کہ اُسی راہ سے بہشت میں داخل ہونا ہوگا اور نعمتیں بہشت کی دیکھیں گے وَّسُيِّرَتِ الْجِبَالُ اور چلائے جاوینگے پہاڑ کہ زمین کی میخوں کے مانند تھے فَكَانَتْ سَرَابًا ؕ پھر ہو جاویں گے وہ پہاڑ جیسے اُڑتی ریت کہ دور سے پانی کیطرح نظر آتی ہے اور حقیقت میں ریت ہے اسیطرح سب پہاڑ چلنے کیوقت دور سے ایسے معلوم ہونگے کہ پہاڑ ہیں اور حقیقت میں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ریت کے مانند ہو چکے ہیں جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا ہے وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا ۲۹+۱۳- اور دوسری جگہ فرمایا ہے

جنت ساتویں آسمان کے اوپر ہے

وَكَانَتْ هَبَاءً مُنْبَثًّا ۲۷×۱۴×۱ اور جب زمین کی میخوں کی یہ حالت ہوگی تو زمین بطریق اَولیٰ
درہم برہم ہوگی اور ٹھکانا دوزخ کا کہ اُسکے نیچے تھا کھل جاویگا تاکہ آسمان کی جگہ بہشت ٹھیرے
اور زمین کی جگہ دوزخ اور جدائی نیکوں اور بدوں میں اور فرمانبرداراور نافرمانوں میں ثابت ہو
اور جب آسمان اور زمین بیچ سے اُٹھ گئے تو سورج اور برسات اور دوسری نعمتیں کہ کافر اور مسلمان
اُسمیں شریک ہیں سب فنا ہوجاوینگی اور کسی طرح شرکت اور برابری نیکوں اور بدوں میں نہ رہیگی
اسواسطے کہ نیکوں کی جگہ اور ٹھہری اور بدوں کی جگہ دوسری ٹھہری اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا
بیشک دوزخ ہے تاک میں اور مکان دھر پکڑ کا کہ اُسکے کنارے پر فرشتے گرز اور زنجیر اور طوق آگ کے
لیے ہوئے کھڑے ہونگے اور دوزخیوں کو پکڑکے لیجائیں گے لِلطّٰغِيْنَ مَاٰبًا شریروں کا ٹھکانا اور
مسلمانوں اور نیکوکاروں کو سوائے اس پر گزرنے کے اور اُسکے دیکھنے کے خوف کے اور کوئی رنج
اور اذیت نہ پہونچیگی بعضے اُن سے بجلی کی طرح تڑپ کے اُس پُل سے پار ہوکر بہشت میں پہونچیں گے
اور بعضے آندھی کی طرح اور بعضے دوڑتے گھوڑے کی طرح اور علیٰ ہذا القیاس یہانتک کہ ادنیٰ سے
ادنیٰ مسلمان کہ بہت گناہوں میں آلودہ ہوگا گرتے پڑتے سات ہزار برس میں اُس پُل سے پار ہوگا
اور حضرت فضیل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مسافت پُل صراط کی تین ہزار برس
کی راہ ہے بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے ہزار برس چڑھاؤ اور ہزار برس اُتار اور
ہزار برس برابر کی راہ ہے یہ سب ایمانداروں کا حال ہے اور کافر دوزخ کے مؤکلوں کے ہاتھ میں گرفتار
ہوکر دوزخ میں ڈالے جاویں گے لّٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا ڈ رہیں گے اُسی دوزخ میں بے شمار قرنوں
اور ہلال ہجری سے منقول ہے کہ اُنھوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے حقبے کے معنے پوچھے تھے سو
آپنے فرمایا کہ حقبہ ستر ہزار برس کا ہوتا ہے اور برس بارہ مہینے کا اور مہینہ تیس دن کا اور ایک ایک
دن دنیا کے برس کے برابر اور یہاں مراد ہے بیشمار مدت سے اور بعضے نادان اس آیت میں اپنی فہم
کی غلطی سے کہتے ہیں کہ اس آیت سے دوام اور ہمیشگی بوجھی نہیں جاتی جیسا کہ اور آیتوں سے معلوم
ہوتا ہے اور حال یہ ہے کہ اس آیت میں احقاب کی تعیین نہیں فرمائی ہے تاکہ عذاب کا منقطع ہونا
معلوم ہووے بلکہ کثرت سے یہی بوجھا جاتا ہے کہ احقاب غیر متناہیہ مراد ہیں اور اِن نادانوں کو اس بات
کا شبہہ ہوا کہ جو حقبے کی مُدت معین ہے تو احقاب بھی معین ٹھہرے اور یہ نہیں بوجھتے ہیں کہ ایک حقبے کی

مدت کا معلوم ہونا احقاب کی مدت معلوم ہونے کا سبب نہیں ہوسکتا ہے اور بعضے مفسرین نے کہا
ہے کہ اس آیت میں دوزخیوں کے دوزخ میں ٹھہرنیکی مدت کا بیان کرنا منظور نہیں بلکہ منظور یہ ہے
کہ دوزخیوں کے ٹھہرنیکی مدت دوزخ میں حقبوں سے اندازہ کیا چاہیئے نہ قرنوں اور برسوں اور مہینوں اور دنوں
اور ساعتوں سے اسواسطے کہ اگر مدت کسی چیز کی کم ہوتی ہے تو ساعتوں سے گنتے ہیں اور اس سے زیادہ ہو تو
دنوں سے اور اس سے زیادہ ہو تو مہینوں سے اور جو اس سے بھی زیادہ ہو تو برسوں سے اور جو اس سے بھی زیادہ
ہو تو قرنوں سے گنتے ہیں اور جو شمار میں نہ آسکے تو حقبوں سے بولتے ہیں جسطرح تھوڑے مال کو روپیوں سے
شمار کرتے ہیں اور جو کچھ زیادہ ہو تو پنجوں اور دھون سے اور جو اس سے بھی زیادہ ہو تو سیکڑوں سے
اور جو اس سے بھی زیادہ ہو تو ہزاروں سے اور جو شمار میں نہ آسکتا ہو تو لاکھوں اور کروروں سے تعبیر کرتے
ہیں اور فرا ایک بڑے عالم کا نام ہے اُس نے کہا ہے کہ لفظ احقاب کی اُس صفت کے ساتھ موصوف
ہے جو آگے آتی ہے یعنی لَا یَذُوْقُوْنَ فِیْهَا بَرْدًا وَّ لَا شَرَابًا ۙ یعنی وہاں کچھ مزہ ٹھنڈک کا نہ چکھیں گے
اور نہ کچھ پینے کو ملیگا جو کچھ بھی سرد ہوا سے باہر کے بدن کو اور سرد پینے سے اندر کے بدن کو تھوڑی تخفیف
اُس جلنے کے عذاب سے حاصل ہووے جیسا کہ دنیا میں تپ والے کو ایسی چیزوں سے تخفیف ہوتی
ہے تو گویا یوں ارشاد ہوا کہ اتنی مدت دراز میں سردی کے نام سے واقف نہ ہونگے بعد اسکے اُن کو
زمہریر کے طبقے میں لیجاویں گے اور سردی کے عذاب میں گرفتار کریں گے یہاں تک کہ اُنکی رگیں
اور پٹھے سردی کی زیادتی سے جم جاوینگے پھر دوزخ کی آگ میں ڈالیں گے اور جتنی مدت کا پہلے ذکر
ہو چکا اُتنی مدت اُسیطرح جلاوینگے اسیطرح ابدالآباد عذاب میں رہینگے کبھی گرمی میں رہینگے کبھی سردی
میں اور جو اس آیت میں حکم ہوا کہ اتنی مدت دوزخ میں کچھ پینے کی چیز نہ چکھیں گے اور حال یہ کہ دوسری
جگہ فرمایا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِیْمٍ ، ج ہا ع اسی واسطے اِس جگہ بطور استثنا کے فرمایا اِلَّا حَمِیْمًا
مگر پانی گرم کھولتا ہوا کہ اُنکی انتڑیاں کاٹ ڈالیگا اور اندر کی گرمی دونی چوگنی کر دیگا تخفیف کا تو کیا ذکر
ہے وَّ غَسَّاقًا ۙ اور پیپ اور زرد پانی کہ دوزخیوں کے ہر ہر جلے ہوئے جوڑوں سے نکل کے گڑھوں
میں جمع ہوگا اور پیاس کی نہایت بیقراری سے اُس کو پانی سمجھ کر پی جاوینگے اور وہ اُنکے اندر کو ایسی
بُری طرح سے خراب کر دیگا کہ اُس کا زہر تمام بدن میں پھیل جاویگا اور اگر دوزخیوں کے دوزخ میں رہنے
کی مدت دور و دراز سُنکر کسی کے دل میں شبہ آوے کہ کافروں نے کفر اور گناہ دنیا میں تھوڑے دنوں

کیا تھا یعنی عمر بھر کہ وہ مدت مقرر ہے اور اسکی عوض میں ہمیشگی کے عذاب کی سزا دینا ظلم صریح ہے
اُس کا جواب یہ ہے کہ تمھاری غلط فہمی ہے بلکہ تجویز کرنا ہمیشگی کے عذاب کا اُنکے واسطے عین انصاف
ہے اور اس عذاب میں جزا نہ دیجاویگی مگر جَزَآءً وِّفَاقًا ؕ یعنی بدلہ پورا موافق اُنکے عملوں کے نہ زیادہ
اس سے اسواسطے کہ بعد تامل اور غور کرنے کے معلوم ہوتا ہے کہ عمل اُنکے بھی ابدی اور غیر متناہی
تھے اسواسطے کہ اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا ۙ وہ ہرگز حساب کی توقع نہ رکھتے تھے اور
جب اُمید حساب کی نہ تھی تو اُن کے کاموں کا موقوف ہونا نا چاری سے اور اس بات کے گم
ہونے سے تھا نہ عذاب الٰہی کے خوف سے اور ثواب ملنے کے سبب سے اسواسطے کہ یہ دونوں باتیں
حساب کے توقع کی صورت میں ہوتی ہیں اور اُنکے عمل نہ کرنیکی وہ مثل ہے کہ عصمت بی بی از
بے چادری اور اُنکے دلوں میں محبت گناہ کی ایسی کھپی تھی کہ اُنکی روحوں کی رگ و ریشوں میں ملگئی
تھی اور ایک خاص طبیعت کا حکم پیدا کیا تھا اور روح تو ابدی ہے ہمیشہ رہیگی اور اُس خاص طبیعت
کا حکم اُس سے جُدا ہونا محال ہے تو وہ خاص طبیعتیں بھی جبتک روح ہے اُسکے ساتھ ہیں اور سبب
اُسکے عذاب کا اور جب سبب ہمیشہ رہا تو مسبب کے پائے جانے میں کیا تعجب ہے اور بھی یہ بے اعتقادی
حساب آخرت سے عمل جوارح پر کفایت نہ کی تھی بلکہ وہ عمل کہ اُنکی روح کی ذات سے تعلق رکھتے
تھے اور ہرگز اسباب و جوارح کو اُس میں دخل نہ تھا اُن سے صادر ہوئے تھے تو وہ فعل ہمیشہ روح
کے ساتھ ہیں اسواسطے کہ یہ کفر کرتے تھے وَّكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا اور جھٹلائیں ہماری آیتیں جو جزا اور
حساب کے ہونے پر دلالت کرتی تھیں كِذَّابًا ؕ ٹکرا کر کیونکہ اُنکے دلوں میں اُنکے سچے ہونیکا گمان
بھی نہ تھا اور اِسطرح کا مکر جانا کام روح کا ہے نہ بدن کا تو بعد جُدا ہونے روح کے بدن سے
برزخ میں اور پھر بعد ملنے روح کے بدن سے عالم حشر و نشر میں ہمیشہ وہی انکار باقی ہے مانند
بد مزاجی سخت کے کہ دمبدم سبب رنج کا ہوتا ہے اسی طرح یہ انکار بھی دمبدم زیادتی عذاب کا
سبب ہوگا اور پھر اگر کسی کی خاطر میں شُبہ گزرے کہ گناہ کی محبت اور آیتوں کا انکار اور دوسرے روح
کے بُرے عمل اِس طرح کے نہ تھے کہ کسی پر ظاہر ہوتے پھر اس کے بدلے میں اسطرح کا عذاب
کرنا ظاہر میں کہاں سے درست ہوگا اور جبتک گناہ ظاہر میں ثابت نہ ہو مواخذہ اور پکڑ اُس پر
درست نہیں ہے اور جو اُن لوگوں کے گناہ آدمیوں کے سامنے ظاہر ہوتے تھے یہی عمل بدن کے

تھے کہ بسبب جُدا ہونے روح کے بدن سے موقوف ہوئے۔ اس شبہہ کا جواب یہ ہے کہ بُرائی کا حال حاکم کو معلوم ہونا ضرور ہے کسی کو معلوم ہو یا نہ ہو اور اُنکے اعمال روحیہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے بلکہ اُس کے خفیہ نویس یعنی کراماً کاتبین نے بھی لکھ رکھا ہے اور قول اور فعل اُنکے بھی اس پر دلالت کرتے ہیں وَکُلَّ شَیْءٍ اور ہر چیز بدن اور روح کے عملوں سے اور وہ قول اور فعل کہ اُن پر دلالت کرتے تھے اَحْصَیْنٰهُ ہمنے اُنکو گن رکھے ہیں اور ہمنے فقط اپنی گنتی پر اعتماد نہیں کیا بلکہ کِتٰبًا یعنی لکھ کر تا قیامت کے کارکنوں کو ہر وقت یاد رہے اور عمل غیر متناہی کی جزا بھی غیر متناہی چاہیئے فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِیْدَکُمْ اِلَّا عَذَابًا اب چکھو کہ ہم نہ بڑھاتے جاوینگے تم پر مگر مار اور عذاب کرنا بخلاف ایماندار گناہگاروں کے کہ اُن کا عذاب صرف اعضاء کے عملوں پر ہوگا اور موقوف ہو جاویگا اسواسطے کہ اُنکی روحیں ایمان کے سبب بدی سے پاک تھیں یعنی بدی نہ رکھتی تھیں اور **تنبیہ الغافلین** میں لکھا ہے کہ جب دوزخی بہت پیاسے ہوں گے اور پانی مانگیں گے تو ایک سیاہ بادل پیدا ہوگا اور اُس سے سانپ اور بچھو بختی اونٹوں کی گردنوں کے جیسے برسیں گے اور اُن کو پھاڑ پھاڑ کھاویں گے اور اُنکا زہر ایسا ہوگا کہ ہزار سال تک اُسکی تاثیر اُنکے بدنوں سے نہ جاویگی اور یہی معنی ہیں اس آیت کے کہ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ ۱۴ ج ۱۸ ع اور اس آیت میں بھی کہ فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِیْدَکُمْ اِلَّا عَذَابًا اور اس جگہ ایک شبہہ اکثر آدمیوں کے خاطر میں گزرتا ہے اور وہ یہ ہے کہ جو چیز مخالف مزاج کے ہو تو دوام اور ہمیشگی کے سبب سے اُسکی تاثیر معلوم نہیں ہوتی اور کچھ رنج اور دُکھ نہیں ہوتا جس طرح دق والے کو گرمی سے کچھ ایذا نہیں ہوتی ہے اُس کا جواب یہ ہے کہ اس طرح کا معلوم نہ ہونا بدمزاجی متفق کی صورت میں ہے نہ بدمزاجی مختلف میں اور دوزخ والوں کو طرح طرح کے عذاب سے دُکھ دیویں گے اور ہر قسم کے عذاب کو وہ لوگ قوت سے دریافت کریں گے جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے اور دوسرا جواب یہ بھی ہے کہ دریافت کرنیکا واسطہ آدمی کے بدن میں جلد ہے یعنی بدن کا چمڑا اور دوزخیوں کی جلد جلنے کے بعد پھر نئے سر سے پیدا ہوگی اور اس جلد کی دریافت کی قوت تازگی کے سبب سے بہت قوی ہوگی جیسا کہ جب زخم پر نئی کھال جمتی ہے تو اُس کے دریافت کی قوت قوی ہوتی ہے اور ادنیٰ سے ادنیٰ سردی اور گرمی اُس سے معلوم ہو جاتی ہے اور دوزخیوں کے عذاب کی زیادتی کا سبب ایک یہ بھی ہوگا

کہ اُن کے مخالف اور دشمن طرح طرح کی نعمتوں سے نوازے جاویں گے جیساکہ فرمایا ہے اِنَّ لِلْمُتَّقِیْنَ مَفَازًا ۙ بیشک ڈر والوں کو مراد ملتی ہے اور اُن کا مرتبہ بے حکموں نافرمانوں کے مرتبے سے جُدا اور ممتاز ہیں حَدَآئِقَ باغ ہیں میووں سے بھرے اور گرداگرد اُن باغوں کے دیوار ہے محافظت کے واسطے اور حدیقہ عرب کی لغت میں اُسی باغ کو کہتے ہیں جس کے چاروں طرف دیوار ہو وَاَعْنَابًا ۙ اور انگور بہت ٹٹیوں سے لٹکے ہوئے اور یہ باغ دوزخیوں پر مانند دوسری دیوار کے ہوگا اور جو انگوروں کی ٹٹیاں مکان کی جیسی ہوتی ہیں کہ اُس کے سایے میں بیٹھتے ہیں اور مانند چھت کے اُس کو بناتے ہیں اور ایک طرح سے وہ درخت ہیں کہ مقصود اُس سے میوہ کھانا ہے اسی واسطے اسکو خاص کر کے ذکر کیا والا یہ بھی اُن ہی سب میووں میں داخل ہے کہ حَدَآئِقَ کی لفظ ان سب کو شامل ہے تو گویا ارشاد ہوتا ہے کہ اُن باغوں میں سائبان انگور کی ٹٹیوں کے ہونگے بجاے بارہ دری اور بنگلے کے وَّكَوَاعِبَ اور نوجوان عورتیں ان بیاہی کہ اُنکی چھاتیاں اُٹھی ہوئی سخت ہونگی بلوغت کی حد کو پہونچی ہوئیں یہ اسواسطے کہ سیر باغ و بہار کی بے یاروں اور خوبصورت آشناؤں کے اور بغیر پوشاک کے بے لطف اور بے مزہ ہے اَتْرَابًا ۙ یعنی وہ سب عورتیں ہم سن ایک عمر کی ہونگی اور پرہیزگاروں کی عمر کے برابر اسواسطے کہ سب کی روحوں کا بدن سے ملنا ایک ہی وقت میں ہوگا وہ وقت جب دوسری مرتبہ صُور پھونکا جاویگا کہ صُور کے پھونکنے کے ساتھ ہی سب روحیں اپنے اپنے بدن سے ملجاوینگی تو گویا ایک ہی وقت سب کے سب پیدا ہوئے جیسا دوسری جگہ فرمایا ہے اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ۙ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ۙ عُرُبًا اَتْرَابًا ۙ لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ۞ ۷ ج ۱۳ ع اور یہ عورتیں دنیا کی ہونگی کہ متقیوں کو ہمجنسی کے سبب اُنکی صحبت سے محبت اور خوشی خاطر خواہ حاصل ہوگی اور اُنکا ہم عمر ہونا اُلفت اور محبت کا زیادہ تر سبب ہوگا اور یہی سبب ہے جو بوڑھوں کو جوانوں کی صحبت سے اور جوانوں کو بوڑھوں کی صحبت سے نفرت ہوتی ہے اور اکثر تفسیروں میں مذکور ہے کہ بہشت میں مرد اور عورتیں تینتیس ۳۳ سال کی ہونگی اسواسطے کہ کمال ہر وقت کا اور خوشی اس عمر میں زیادہ ہوتی ہے والا پیدائش اُنکی دوسرے صور پھونکنے کے وقت ہوگی اور اُسوقت سے بہشت میں داخل ہونے تک مدت بہت ہے اور جو بعضی روایتوں میں آیا ہے جیساکہ تفسیر زاہدی اور تفسیر واحدی میں مذکور ہے کہ عورتیں ستره ۱۷ اٹھارہ ۱۸ برس کی عمر کی ہونگی اور مرد تینتیس ۳۳ برس کی عمر کے ہونگے اس کا مطلب یہ ہے

تحقیق ہم عمر ہونا

کہ عورتوں کی صورت اور جوڑ بند جنت میں دنیا کی عورتوں کے موافق ہوں گے اسواسطے کہ عورتوں میں خوبصورتی کا کمال اِسی عمر میں ہوتا ہے اور اِس کے بعد نقصان شروع ہوتا ہے اور چھاتیاں جننے اور دودھ پلانے کے سبب سے ڈھل جاتی ہیں اور اُنوثی مزاج یعنی زنانہ مزاج کہ نہایت تر ہے اُسوقت میں خشکی کے سبب اعتدال پر ہوجاتا ہے اور بدن کا سڈول خوش تختی ہونا اور سادہ پن اور ناسمجھ ہونا کہ محبوبوں اور معشوقوں میں مرغوب ہے اسی عمر میں بہت ہوتا ہے بخلاف مردوں کے کہ کامل ہونا عقل کا اور ہر کام میں آزمودہ کار ہونا مردوں میں بہتر اور پسندیدہ ہے مانند میوے کے کہ پکا ہوا میوہ بہتر ہوتا ہے کچے سے اور عورتیں مانند اُس میوے کے ہیں کہ کچا اس کا بہتر اور مزیدار ہوتا ہے پکے میوے سے جیسے ککڑی اور کھیرا وَّ کاسًا اور پیالے شراب کے دِھَاقًاؔ بھرے چھلکتے ہوئے ایک پر ایک دیے گئے اور دِہاق کے لفظ سے عرب کے استعمال کے موافق دونوں باتیں بوجھی جاتی ہیں بھرا ہونا اور پے درپے دینا اور پرہیزگاروں کو شراب پلانا خوشی اور مزے کی زیادتی کے واسطے ہوگا اس واسطے کہ شراب پینے سے ایسی سُبک روحی اور خوشی اُنکو حاصل ہوگی کہ بیباک اور بے حجاب ہوکے عورتوں سے مزیداریاں کریں گے اور باغوں کی سیر کا لطف بخوبی پاوینگے اور تمکین اور وقار مزیداریوں کے حاصل کرنے میں کچھ مانع نہ ہوگا جیسا کہ دنیا میں محبت آلٰہی کی شراب سے مست ہوکے احوال اور مقامات اور ابکار لوامع وطوامع وواردات کے باغوں سے پھل اور لذتیں حاصل کی تھیں لیکن وہاں کی شراب میں کہ محبت آلٰہی کے معنوں کی تمثال ہے کوئی فساد کی بات اور کچھ بُرائی نہ ہوگی جیسے دنیا کی شراب میں ہوتی ہے اسی واسطے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے کہا ہے کہ بہشت کی چیزوں کے نام دنیا کی چیزوں کے مانند ہونگے اور حقیقتیں سب کی مختلف ہونگی اسواسطے کہ دنیا کی چیزوں کا خاصہ مواد عنصریہ کثیفہ میں صورت نوعیہ کے درآنے سے ہوتا ہے اور بہشت کی چیزوں کا خاصہ اسمائے آلٰہیہ اور حقائق قدسیہ کی تجلیات کی تاثیر سے کہ مادہ لطیفہ مثالیہ میں حاصل ہوگی پایا جائے گا ہرچند دنیا اور آخرت میں اسمائے آلٰہیہ اور ظہور تاثیرات اُن اسما کے غلبے کے سوائے کوئی دوسرا سبب نہیں ہے لیکن فال ظہور اور طہارت نشاط اور لطافت مواد کے لحاظ سے اور ناپاکی بُرائیوں کے دور ہونے سے دونوں کے درمیان میں تفاوت آسمان اور زمین کا ہے وہ آگ جو حضرت موسٰی علیہ السلام نے اُسکی روشنی طور پر دیکھی تھی اُسکو بھٹی کی آگ سے

کہ گدھے اور گائے کی لید سے حاصل ہوتی ہے کیا نسبت ولنعم ما قیل یعنی کیا اچھی بات ہے
کسی شاعر کی شعر ہر مرتبہ از وجود حکمے دارد * گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی * شعر ہر مرتبے کو ہستی
کے اک حکم اور ہے * اُس میں جُدائی جو نہ کرے وہ ستور ہے * پس بہشت میں شراب کی مجلس ایسی
بُرائیوں سے پاک ہوگی کہ لَا یَسْمَعُوْنَ فِیْهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا یعنی اُس شراب کے پینے میں
نہ بیہودہ بات سُنیں گے اور نہ جھوٹ تو لڑائی اور گالی اور ہذیان اور بک بک بیفائدہ کا کیا ذکر ہے
جس طرح اُنکی مجلس دنیا میں بھی ایسی نکمی باتوں سے پاک تھی اور جھوٹ اور ٹھٹھے بازی اور مسخرگی
اور عیب گیری اُنکی صحبت میں دخل نہ رکھتی تھی اسی طرح بہشت میں بھی ہوگی اور یہ نعمتیں اور لذتیں
کہ وہاں اُنکو حاصل ہونگی اس طور پر نہیں ہیں کہ اس عالم کی آب و ہوا کے تقاضنے سے ہوئی ہوں
جیسا کہ دنیا میں ولایتوں کے اختلاف سے سردی اور گرمی اور قحط اور ارزانی ہوا کرتی ہے بلکہ یہ چیزیں
اُن کو ملیں گی جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ بدلہ تیرے پروردگار کی طرف سے کہ کامل ہے اور کامل جو دیگا
تو پورا دیگا اور اگر کسی کے دل میں گزرے کہ بدلے میں دو چیز کا لحاظ ضرور ہوتا ہے ایک مرتبہ دینے
والے کا دوسرے قدر اُس کام کی جس کے عوض میں یہ دیتا ہے اور یہاں ہر چند کہ جزا دینے والا
نہایت اعلیٰ مرتبے کا ہے لیکن اُنکے کام سب مل کے اس قدر کمال نہیں رکھتے ہیں اُسکے جواب
میں کہیں گے کہ یہ نعمتیں اور لذتیں حقیقت میں جزا نہیں ہیں بلکہ عَطَآءً بخشش اور انعام ہیں
لیکن بخشش اور انعام ابتداً نہیں بلکہ حِسَابًا موافق اُنکے عملوں کے دیا ہے نہ عمل کے اندازے
پر مثلاً جیسے کسی بادشاہ کو انعام اور بخشش اپنے نوکروں کو دینا منظور ہو تو حکم کرے کہ جو ہمارے
جلو میں حاضر رہتے ہیں اُن کو اتنا دو اور جو فلانے قلعے پر متعین ہے اُس کو اتنا دو اور جو فلانی خدمت
پر مقرر ہے اُس کو اتنا دو تو ایسی جگہ انعام کی تقسیم میں لحاظ کام کا اور انعام دینے والے کے قدر کا
نہیں ہوتا ہے بلکہ فقط کاموں کے شمار کے نشان اور پہچان کے واسطے ہے اور بس لیکن جو انعام اور
بخشش کو عملوں پر مقرر فرمایا ہے اسواسطے جزا کے ساتھ بہت مشابہت پیدا کی اور اسی سبب سے
اس کا نام جزا رکھا ہے آور بھی یہ جزا دینے والا ایسا شخص ہے جس کی صفت یہ ہے رَّبِّ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا پروردگار آسمان اور زمین کا اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان میں ہے
ور آسمان اور زمین پر اور جو کچھ اُنکے درمیان میں ہے سب پر بخشش اور انعام ابتدائی بدون

تکلیف اور بے اگلے وعدہ اور بے مستحق ہونے کے نہایت اعلیٰ مرتبے پر کیا ہے تو یہ انعام اور بخشش اپنی اُن لوگوں کے حق میں جو تھوڑی سی لیاقت بھی رکھتے ہیں اور وعدہ بھی اُن سے ہوا ہے اور مکلف بھی ہیں کس طرح پوری نکرے اسی واسطے اُس کا نام یہ ہے الرَّحْمٰنِ یعنی بخشنے والا مطلق اور جو یہ نام رکھتا ہے بے وعدہ ہزاروں احسان کرتا ہے تو جس سے وعدہ کیا ہو کیونکر نہ پورا کریگا لیکن باوجود اُسکی ایسی رحمت کے کہ ماں باپ سے زیادہ اپنے فرنبردار بندوں پر شفیق اور مہربان ہے بزرگی اور جلال بھی اُس کا نہایت مرتبہ اعلیٰ پر ہے یہاں تک کہ لَا یَمْلِکُوْنَ مِنْهُ قدرت نہ رکھیں گے اُس سے باوجود اس قدر توجہ اور عنایت اور نزدیکی اور مرتبے کے خِطَابًا ؕ بات کہنے کی بدون وسیلے کے اپنے مقدمے میں یا کسی کی شفاعت میں قریب ہو یا اپنا آشنا ہو اور یہ عظمت اور بزرگی ہر چند کہ اُسکی ذات کو لازم ہے لیکن ظہور کامل اُس کا نہ ہوگا مگر یَوْمَ یَقُوْمُ الرُّوْحُ جس دن کھڑی ہوویگی روح اور روح نام ہے ایک لطیفہ دراکہ متیقظہ کا کہ ہر مخلوق کو دی ہے آسمان ہو یا زمین پہاڑ ہو یا درخت ہوا ہو یا پتھر اور اسی کو دوسری جگہ پر ملکوت کل شیٔ کر کے تعبیر فرمایا ہے جیسا کہ سورۂ یٰس کے اخیر میں ہے اور اسی لطیفہ دراکہ کے سبب ہر مخلوق کو اپنے پروردگار کی تسبیح اور عبادت میسر ہے وان من شیٔ الا یسبح بحمدہ ۱۵ ج ھ ع کل قد علم صلوٰتہ و تسبیحہ اور حقیقت میں وہ لطیفہ ایک جوہر ہے نورانی کہ جواہر اور اعراض سے تعلق رکھتا ہے اور اُسی جوہر روحانی کے سبب سے قرآن کی سورتیں اور نیک عمل جیسے نماز اور روزہ اور کعبہ معظمہ عالم برزخ میں اور قیامت میں شفاعت کریں گے اور گواہی دیں گے اور آسمان اور زمین اور دن اور رات سب گواہ ہوں گے اور حدیث صحیح میں آیا ہے کہ مؤذنوں کے واسطے ہر پتھر اور ڈھیلا اور درخت اور لکڑی جہاں تک اذان کی آواز پہونچتی ہے قیامت کے دن گواہی دیں گے اور اُس دن وہ جواہر نورانی اپنی اپنی مناسب شکلیں پکڑ کے حشر کے میدان میں کھڑے ہوں گے اور گواہی دینے میں اور شفاعت کرنے میں مشغول ہوں گے اور فرق آدمیوں اور جانداروں کی روحوں کے تعلق میں اور دوسری مخلوقات کی روحوں کے تعلق میں یہ ہے کہ تعلق پہلا دائمی ہے اور حلول سریانی سے مشابہت رکھتا ہے جس نے سب قوائے طبیعیہ اور نباتیہ اور حیوانیہ میں در آکے اپنے حکم کا تابع کیا ہے اور دوسرا تعلق دائمی نہیں ہے اور حلول طریانی سے مشابہ ہے اسواسطے دُنیا

روح کا احوال

میں بھی بعضے وقت اثر اس تعلق کا ظاہر ہوتا ہے اور پتھر اور درخت نبیوں سے کلام کرتے ہیں اور اُن کے حکم پر کام کرتے ہیں اور اُن کو سلام کرتے ہیں اور قیامت کے نزدیک یہ تعلق بھی نزدیک ہمیشگی کے اور سریانی کے ہوجائے گا اور یہی سبب ہے کہ جو احادیث میں آیا ہے کہ قیامت کے نزدیک ایسے ایسے عجائبات بہت پائے جاویں گے اور اُس کا بھید یہ ہے کہ اس تعلق کے اثر کا ظہور ایسے وقت میں ہوتا ہے کہ حکم روحانی غالب ہوجاویں تو قیامت کے قریب کہ احکام روحی کے غلبے کا وقت ہے زیادہ ظاہر ہوں گے اور نبیوں اور ولیوں کی ہمت سے اُن کے سامنے بھی احکام روحی غالب ہوتے ہیں اور دوسرے مفسروں نے روح کی تفسیر میں باتیں مختلفہ لکھی ہیں لیکن حق بات یہ ہے کہ جو اس جگہ مذکور ہوئی وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا اور کھڑے ہوویں فرشتے ساتوں آسمان اور زمین کے صفیں باندھکر تا اُس دن کے کاموں کے جاری کرنے میں جیسے جزا اور سزا دینا اور عملوں کو تولنا اور نامۂ اعمال کو دکھلانا اور پل صراط سے اُتارنا اور سوا اس کے اور کاموں میں مستعد اور تیار رہیں لَا يَتَكَلَّمُوْنَ اُس وقت میں بات نکریں گے بلکہ دم نہ ماریں گے اگرچہ وقت شفاعت اور شہادت کا ہے اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ مگر جس کو پروانگی دی رحمٰن نے اور حکم ہووے کہ فلانے شخص کی شفاعت کرو یا گواہی دو اور یہ حکم رحمت کے تقاضے سے ہوگا اُس شخص کے حق میں وَقَالَ صَوَابًا اور کہے گا وہ شخص بات سچی اور خلاف قاعدے کے عرض نہ کرے گا مثلاً کافر اور بدعقیدوں کے واسطے شفاعت نکرے گا بلکہ جو شخص ایمان کے سبب سے لائق بخشش کے ہوگا اُس کے گناہ کی بخشش طلب کرے گا اور اسی طرح شہادت میں احتیاط کرے گا کم و زیادہ نہ کہے گا اِسواسطے کہ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ وہ دن حق کا دن ہے جھوٹ اور نکمی بات اُس دن پیش نہ جاویگی اور سرسبز نہ ہووے گی دنیا کے دنوں کے برخلاف کہ یہاں جھوٹ اور سچ اور اچھائی اور برائی سب ملی ہوئی ہے کچھ فرق نہیں ہے اور اِن معنوں کا بھی احتمال ہوسکتا ہے کہ وہ روز وہ ہے کہ جدائی اور تفرقہ نیکوں اور بدوں میں اور امتیاز کرنا مسلمان اور کافر میں حق اُس دن کا ہے اور وہ دن اِسی کام کے قابل ہے نہ مانند دنیا کے دنوں کے کہ فریب اور دغا اور برابری نیک و بدکی اور شریک ہونا فرمانبردار اور گنہگار کا یہاں سب جاری ہے فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا پھر جو چاہے بنا لیوے اپنے پروردگار کی یہاں ٹھکانا تاکہ اُس دن اُسکو امتیاز اور عزت

ہمچشموں اور برابری والوں میں حاصل ہووے اور طرح طرح کے عذاب سے کہ نافرمانی اور بے پروائی کے سبب حق تعالےٰ کی طرف سے اُس دن تیار ہوئے ہیں خلاصی پاوے اور رجوع الی اللہ کا فائدہ اُس عذاب کی خلاصی میں کہ قیامت کو نافرمانوں کے نصیب ہوگا منحصر نہیں ہے بلکہ اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ ہمنے بار ہا قرآن مجید میں اور پیغمبروں کی زبانی تمکو ڈروایا ہے کہ تم رجوع الی اللہ میں قصور کرتے ہو اور اُس کے حکم کی اطاعت سے سرکشی کرتے ہو عَذَابًا قَرِيْبًا ۚ ایک نزدیک کے عذاب سے کہ ہر شخص کو مرنے کے بعد عالم برزخ میں پیش آویگا اور اس عذاب میں اصل اور رکن عالم کے خراب کرنے کی احتیاج نہیں ہے بلکہ عالم صغیر انسانی کو خراب کرنا اور اُس کے رُکن اور بُنیاد کو گرا دینا کفایت کرتا ہے اس واسطے کہ اس عذاب کی حقیقت بدعملوں کی بُری اور کالی شکلوں کا ظاہر ہونا ہے جو بدعمل مُردے کی ذات پر غالب تھے بدصورتوں اور ڈراؤنی شکلوں سے اُس کی قوت خیالیہ میں اِس طرح سے کہ وہ قوت اُن کے اثر سے بھر جائے گی بغیر اس بات کے کہ نامہ اعمال کھولے جاویں اور تھوڑے بہت پر آگاہ کریں اور گواہ اور شاہدوں کو حاضر کریں اور وہ مالک علے الاطلاق بے پردہ تجلی فرماوے اور اپنے اپنے حقوں کے دعوی کرنے والے جمع ہوویں اور سب اگلے اور پچھلے لوگ جمع ہو آویں اور ایک اچھی جگہ نیکوں کے واسطے اور دوسری خراب جگہ بدوں کے واسطے علیحدہ علیحدہ مقرر کی جاوے اسی واسطے وہ عذاب قریب واقع ہوگا يَّوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ جس دن ہر شخص دیکھے گا جو اُس کے دونوں ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے یہاں دو ہاتھوں سے مُراد ہے عمل کرنے والی دو قوتیں یعنی نیک عمل کی قوت اور بدعمل کی قوت اور تقدیم دلیل ہے اس بات کی کہ ہیئت نورانی اور ہیئت ظلمانی اُن عملوں کی اُس کی ذات میں پیدا ہوئی اسواسطے کہ تقدیم اور ترجیح عمل کی بدون جمجانے اُس عمل کی محبت کے اُسکے دلمیں متصور نہیں ہے اور وہ ہیئت ایک صورت رکھتی ہے عالم مثال میں اُس کے مناسب تو جب نفس انسانی ادراکات اور تصرفات اس عالم سے فارغ ہو کے بالکل متوجہ اور اکات اُس عالم کا ہوگا اُسوقت اُن صورتوں کو دیکھے گا اور یہ عذاب اس قسم کا ہے کہ حکما اور فلاسفہ بھی اس کے قائل ہیں اور عالم خواب پر قیاس کرکے اُسکو واقعی جانا ہے مگر اتنا فرق ہے کہ خواب کے عذاب سے بسبب متوجہ ہونے نفس کے ساتھ ادراکات اس عالم کے جاگنے کے وقت خلاصی اُس عذاب سے متصور ہے اور برزخ

کے عذاب سے اِس طرح سے خلاصی متصور نہیں ہے اسواسطے کہ وہ خواب اپنے پیچھے بیداری نہیں رکھتی ہے بخلاف عذاب قیامت کے کہ کسی کی عقل اُسکو دریافت نہیں کرسکتی تو یہ عذاب بھی قریب ہے زمانہ وقوع کے اعتبار سے اور بھی قریب ہے عقل کے باعتبار تصور اور تصدیق کے لیکن ایمان اور اعتقاد کی درستی کے سبب اس عذاب قریب سے بھی نجات ہوگی اسواسطے کہ ہرچند اُسکے بدعملوں نے شکلیں تاریک اُس شخص کی ذات میں پیدا کی تھیں لیکن ایمان صحیح اور اعتقاد درست نے بھی بڑی شکل نورانی اُس میں پیدا کی تھی بعد کھینچ کھانچ کے دونوں طرفوں سے نور ایمان کا گناہ کے اندھیرے پر غالب ہوگا اور وہ شکل تاریک مانند بدلی سیاہ تہ بتہ کے شدت روشنی آفتاب سے پھٹ جائیگی اور کافر کو سوائے اُس شکل تاریک کے کوئی چیز دوسری پاس نہ ہوگی تا اُسکے نور سے اُس اندھیرے کو دور کرے ناچار حسرت کریگا وَيَقُولُ الْكَافِرُ اور کہیگا کافر جب وہ صورتیں بُری بُری اپنے کفر اور گناہ کی دیکھیگا اور اُسکے مقابل میں کوئی صورت نورانی ایمان کی اپنے پاس نہ پاویگا يَالَيْتَنِي كُنتُ تُرَابًا ۵ کیا اچھا ہوتا کہ میں مٹی ہوتا اور کاشکے اِنسان کی شکل پیدا نہ ہوتا تو یہ مجھے بُری صورتیں ظاہر نہ ہوتیں اور مٹی کو خاص اسواسطے یاد کریگا کہ اصل آدمی کی خاک ہے اسواسطے کہ اگر نطفہ ہے تو غذا سے پیدا ہوتا ہے اور غذا یا زمین کی اُگنے والی چیز سے پیدا ہوتی ہے یا حیوانات سے اور یہ دونوں چیزیں خاک سے پیدا ہوتی ہیں اور گوشت اور کھال اور خون اور خلط بھی غذا اور دوا اور میوہ سے پیدا ہوتا ہے اور پھر آخر کو یہ سب خاک ہو جاتا ہے اور جو خاک کے بعد کوئی مادّہ دوسرا اُس کے خیال میں نہیں ہے ناچار وقت بھاگنے کے صورت انسانیہ سے بعد مادے کو کہ خاک ہے آرزو کرتا ہے جس طرح کسی کو سفر میں رنج پہونچتا ہے تو کہتا ہے کہ کیا اچھی بات ہوتی کہ گھر سے میں باہر نہ نکلتا اور یہ نہیں کہتا کہ میں راہ سے پھر جاتا یا راہ میں رہ جاتا اسواسطے کہ اِس کہنے سے کمال دوری اِس بلا سے معلوم نہیں ہوتی اور یہ بھی جان لیگا کہ یہ سب گرفتاری میری روح کے باقی رہنے کے سبب سے ہوئی اگر میں صرف بدن ہوتا اور خاک ہو جاتا تو اس عذاب میں گرفتار نہ ہوتا اور حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے مرفوعًا اور موقوفًا روایت ہے کہ قیامت کے دن جانوروں سے حساب و کتاب کے بعد جیسے جس جانور نے کسی دوسرے جانور کو سینگ یا کھُر مارا ہوگا وہاں قصاص اُس کا لیکے حکم ہوگا کہ سب کے سب خاک ہو جاؤ اُسوقت کافر

ع ۲ ۱۰ ۲

اُن کے حال کو دیکھ کر غبطہ کرے گا اور کہیگا کہ کیا اچھی بات ہوتی کہ مجھ کو بھی خاک ہونیکا حکم ہوتا اور اِس
بُری آدمیت سے کہ میری اس خرابی کا سبب ہوا ہے دور رہتا اور بعضے صوفیہؒ نے فرمایا ہے کہ مُراد
خاک ہونے سے یہ ہے کہ مانند خاک کے عاجزی اور فروتنی کرتا میں اور تکبر اور غرور اور نافرمانی نکرتا
اور بعضے واعظوں نے کہا ہے کہ مراد کافر سے ابلیس ہے کہ کفر میں سب سے بڑھکے ہے سو جب
حضرت آدمؑ اور اُن کی اولاد پر طرح طرح کی بخششیں اور نوازشیں دیکھیگا آرزو کریگا کہ کیا خوب
ہوتا کہ میں بھی خاک ہوتا اور خاک سے پیدا ہوتا اور آگ سے نہ پیدا ہوتا کہ اسی سبب فخر کیا میں نے
اور کہا خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ

سُوْرَۃُ النّٰزِعٰت

یہ سورۂ مکّی ہے اسمیں چھیالیس۴۶ آیتیں اور ایک سو نواسی۱۸۹ کلمے اور سات سو تریپن۷۵۳ حرف ہیں اور ظاہر
نظر میں اس سورہ کا ربط سورۂ مرسلات سے قوی معلوم ہوتا ہے اسواسطے کہ ابتدا اِس سورۃ کی اُس
سورۃ کی ابتدا سے بہت مشابہت رکھتی ہے بلکہ تمام قرآن میں اس قسم کی ابتدا پانچ سورتوں میں
واقع ہوئی ہے پہلی۱ صافات دوسری۲ ذاریات تیسری۳ مرسلات چوتھی۴ نازعات پانچویں۵ عادیات
اور صافات میں تین صفتیں بیان کیگئی ہیں اور ذاریات میں چار صفتیں اور باقی تین سورتوں
میں پانچ۵ پانچ۵ صفتیں مذکور ہیں لیکن عادیات کی سورۃ دو سبب سے مشابہت میں ان دونوں
سورتوں سے کم ہے اوّل چھوٹا ہونا اُس کا اور بڑا ہونا ان دونوں کا دوسرے یہ کہ دو صفتیں وہاں
فعل کے صیغے سے مذکور ہیں جیسے فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا اور اِن دونوں
سورتوں میں پانچوں صفتیں اسم فاعل کے صیغے سے مذکور ہوئی ہیں سو ان دونوں سورتوں کو
شروع کی روش اور انداز میں بہت مناسبت ظاہر ہے لیکن باریک بیں صحابیوں نے بہت غور
کر کے دریافت کیا ہے کہ مدار سورۂ والمرسلات کا قیامت اور اُس کے حکموں کے بیان پر ہے اور
سورۂ عم یتساءلون بھی اسی قیامت کے وقائع اور احوال کی شرح ہے تو گویا سورۂ تساءل شرح اور
تامی مرسلات کی ہے اسیواسطے دونوں کو ایک جگہ پر لکھا ہے بعد اس کے ابتدا کی مناسبت کی
رعایت سے اس سورۃ کو لائے اور بعد خوب غور کرنے کے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس سورۃ کے مضمونوں کو
سورۂ تساءل کے مضمونوں کے ساتھ اس قدر مناسبت واقع ہے کہ نوبت اتحاد کی پہونچی ہے اور باوجود

اس مناسبت کے رعایت مناسبت مُطلَعْ کی چنداں ضرور نہیں ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے
کہ اس سورۃ کے اوّل میں آپس میں سوال کرنا کافروں کا قیامت سے مذکور ہے اور اس سورۃ میں سوال
کرنا کافروں کا آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مذکور ہے جیسا کہ یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا اور
اُس سورۃ میں ہے اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا اور اس سورۃ میں وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا
اور اُس سورۃ میں وَالْجِبَالَ اَوْتَادًا اور اس سورۃ میں وَالْجِبَالَ اَرْسٰهَا اور اُس سورۃ میں
وَالَّيْلَ لِبَاسًا وَّالنَّهَارَ مَعَاشًا اور اس سورۃ میں وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰهَا اور اس
سورۃ میں سَبْعًا شِدَادًا اور اُس سورۃ میں ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ بَنٰهَا اور اس سورہ
میں بارش کے پانی کا ذکر ہے کہ آسمان سے نیچے آتا ہے اور سبزے کو اُگاتا ہے اور اُس سورۃ میں چشموں
کے پانی کا ذکر ہے کہ زمین سے نکلتا ہے اور سبزے کے اُگانے میں مدد کرتا ہے اخرج منہا ماءها
ومرعٰها اور اس سورۃ میں یوم ینفخ فی الصور اور اُس سورۃ میں تتبعها الرادفة اور
اس سورۃ میں جہنم کے حق میں فرمایا ہے لِلطّٰغِيْنَ مَاٰبًا اور اُس سورۃ میں فاما من طغٰی واثر
الحیٰوۃ الدنیا فان الجحیم ھی الماوٰی اور اس سورۃ میں درنگی اور ٹھہر دوزخیوں کا دوزخ
میں اس عبارت سے ارشاد ہوا کہ لٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا اور اُس سورۃ میں کم ٹھہر دوزخیوں کا
دنیا اور برزخ میں اس عبارت سے فرمایا کہ لم یلبثوا الا عشیة او ضحٰها اور اس سورۃ میں
جنت اور اُسکی نعمتوں کے حق میں یوں فرمایا ہے لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا اور اُس سورۃ میں وَاَمَّا
من خاف مقام ربه ونهی النفس عن الهوٰی فان الجنة هی الماوٰی اور سوائے اسکے
اور بہت سی مناسبتیں مذکور ہیں کہ خوب غور کرنیکے بعد ظاہر ہوتی ہیں اور اس سورۃ کے نازعات
نام رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ لفظ نازعات کی اُن ہی پانچوں صفتوں میں سے ہے جو اس سورۃ کے اوّل
میں مذکور ہیں اور وہ سب کمالوں کے حاصل ہونیکا وسیلہ ہیں اور صفتیں دوسری فرع اُسکی ہیں
گویا یہ صفت ابجد کے قاعدے کا حکم رکھتی ہے تمام علموں کی نسبت سے کہ حاصل کرنا سب علموں کا بدون
سیکھنے اس قاعدے کے ممکن نہیں ہے اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ نفس انسان کا جب اپنی تکمیل کی
طرف متوجہ ہوتا ہے ہر کام کے حاصل کرنیمیں علم ہو یا عمل کاریگری ہو یا کوئی پیشہ نیک ہو یا بد فائدے
والا ہو یا نقصان والا اہر طرح سے اُس کو ضرور ہے کہ یہ پانچوں مرتبے طے کرے تو اس مطلب کے کمال

بیان ان چیزوں کا جو نفس انسان کو اپنی تکمیل کے واسطے ضروری ہیں

درجے کو پہونچے اور رتبۂ تکمیل کا اس فن میں حاصل کرے اوّل یہ کہ اپنے تئیں ان چیزوں سے جو اُسکے مطلب کے منافی ہیں دور رکھے اور اس حال میں اُس کو کوشش کرنا ہوگی کہ طبیعت اُسکی ان ہی منافات کو چاہتی ہے یا شرع اُن ہی منافات کے بجالانیکو حکم کرتی ہے یا عقل اُن ہی کی طرف کھینچتی ہے اور وہ شخص برخلاف طبیعت کے یا شرع یا عقل کے اپنے تئیں اُس چیز کے حاصل کرنے میں مشغول کرتا ہے اور ممانعت طبیعت اور شرع اور عقل کی ہرگز خیال میں نہیں لاتا اس حالت کو زور سے کھینچنا کرکے تعبیر فرمائی ہے وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ان ہی معنوں پر دلالت کرتا ہے اور جو یہ حالت شہوات نفسانی کے سبب واقع ہوتی ہے اسکو اہل سلوک کے عرف میں توبہ اور مجاہدہ کہتے ہیں دوسرے یہ کہ کثرت شغل سے اُس چیز کے ساتھ اُسے محبت ہوجاتی ہے اور اُس محبت کے سبب سے اُس کو خوشی اور سرور حاصل ہوتا ہے اور دل اُسی کی طرف رغبت کرتا ہے اور اگر اُس سے کسی سبب سے جدائی ہوجاتی ہے بے اختیار اُسی کا مشتاق رہتا ہے اور خطرہ اور تعلق اُسکے ولیس باقی نہیں رہتا ہے اور سب طرف سے مُنہ پھیر کے اُسی کی طرف مشغول رہتا ہے اور اُسی حالت کو انشاط کرکے تعبیر فرمایا ہے کہ اُس کو ہندی میں اُمنگ کہتے ہیں اور اہل سلوک کی اصطلاح میں اس حالت کو اگر حق تعالےٰ کی راہ میں ہووے تو ارادہ اور شوق اور ذوق کہتے ہیں اور مشکل کشائی اس راہ کی اسی صفت سے ہے لیکن بدون حاصل ہونے پہلی صفت کے اسکی حقیقت کا دریافت کرنا ممکن نہیں اسواسطے کہ یہ حالت بڑی محنت اور رنج سے حاصل ہوتی ہے تیسری یہ کہ مہارت بڑی اُس شغل میں حاصل کرے اور بے رنج اور مشقت کے وہ کام اُس سے ہوا کرے اور بسبب کثرت کے اُس کام میں ملکہ حاصل ہوجاوے اور اس حالت کو ساتھ سباحت کے جو شناوری کے معنوں میں ہے تعبیر کیا ہے اسواسطے کہ تیرنے والا بے تکلف اور بے رنج پانی میں سیر کرتا ہے اور اہل سلوک کے عرف میں اس حالت کو سیر احوال اور مقامات کہتے ہیں اور کمال کا اول سرا یہ حالت ہے کہ پہلے اسکے سوائے طلب اور تلاش کے کچھ حاصل نہ تھا اور حصول مطلب کا اس حالت سے شروع ہوا چوتھا درجہ یہ ہے کہ اس کام میں برابر والوں سے آگے بڑھ جائے اور جو اوروں سے اس صنعت اور فن میں نہ ہوسکے یہ شخص اُسے سہولت اور آسانی سے کرلے اور یہ حالت سب سے اعلیٰ ہے اور اسی کو سبقت کہتے ہیں اور اصطلاح صوفیہ میں اس حالت کو طیران اور عروج کہتے ہیں اور پانچواں درجہ یہ ہے کہ کمال کی سب حدوں کو طے کرکے تکمیل کے رُتبے کو

پہونچے اور اُس کام کا پیشوا اور اُستاد ہو جاوے کہ اور لوگ اُس سے اپنی حل مشکل کریں اور اس صنعت میں بے تدبیر اور مشورے اُس شخص کے کام نہ کر سکیں اسی حالت کو اس عبارت سے تعبیر فرمایا ہے فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا اور صوفیہ کی اصطلاح میں اس مرتبے کو مرتبہ رجوع اور نزول اور دعوۃ الخلق الی الحق اور مرتبہ تکمیل اور ارشاد کا کہتے ہیں اور یہ پانچوں مرتبے ہر کام میں خیر ہو یا شر اور ہر حال میں احوالوں سے نیک ہوں یا بد آدمی کو آگے آتے ہیں سو بعضے نفوس کم استعدادی سے یا آگے آنے کسی موانع سے ان پانچوں مرتبے کے حاصل کرنے میں قاصر اور محروم رہتے ہیں اور کوئی ایک یا دو یا تین یا چار مرتبے پر قناعت کرتے ہیں اور بعضے توفیق الٰہی سے سب مرتبے طے کر کے مقتدا اور پیشوا ایک عالم کے ہوتے ہیں اور بعضے بُرائی میں یکتا ہو کے ابلیس کے بھی اُستاد بنجاتے ہیں اور جو سورۂ یتساءلون میں مجمل اشارہ نفس انسانی کے ان مرتبوں سے واقع ہوا تھا جیسے فتأتون افواجا اسواسطے اس سورۃ میں شروع سے تفصیل ان مرتبوں کی منظور ہوئی لیکن قسم کے طور پر ان ہی مرتبے والوں کے نام سے تاکہ اُنکے نام سے قسم کھانا اُنکی بزرگی پر دلالت کرے اور بھی اشارہ ہوا اس بات پر کہ قیامت کا آنا ان مرتبوں کے آثار ظاہر ہونیکے واسطے بہت ضرور ہوا اسواسطے کہ دنیا میں اُنکے آثار کا ظاہر ہونا ممکن نہ تھا اسواسطے کہ دنیا کا عالم اس کے ظاہر ہونیکا بوجھ نہیں اُٹھا سکتا ہے پھر قسم کو ظرف زمان سے کہ دن قیامت کا ہے مقید کیا تا معلوم ہو جاوے کہ قسم کھانا اُن مرتبوں اور اُن مرتبے والوں کے ساتھ اُسی وقت میں ہے اُسی قید سے اسواسطے کہ قبل آنے اُسوقت کے اور بے لحاظ کرنے اُس قید کے قابل قسم کے نہیں ہیں تو یَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ظرف ہے اور قسم کے فعل کا متعلق ہے کہ حرف قسم کا اُس فعل پر دلالت کرتا ہے اور مجموع اس ترکیب کا مانند وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ اور وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى کی ترکیب کے ہوا تو گویا اس کلام کے معنی یہ ہوئے کہ قسم کھاتا ہوں میں ان لوگوں کی جن میں یہ وصف پائے جاتے ہیں کہ جس دن قیامت قائم ہوگی اور نشان ان صفتوں کے ظاہر ہونگے تو پہلی صفت والوں کا غول علحدہ ہوگا اور حکم اُنکے ایک طرح کے ہونگے اور دوسری صفت والوں کے غول علحدہ اور حکم اُن کے دوسری طرح کے اسیطرح اور صفت والوں کا حال بوجھا چاہیئے اور جنمیں دو صفتیں یا تین یا چار یا پانچ مل کے اکٹھی پائی جاوینگی اُنکے غول علحدہ علحدہ ہونگے اور حکم اور طرحیں اُنکی آپسمیں مختلف ہونگی کہ دیکھتے ہی ہر ایک کا مرتبہ محشر والوں کو معلوم ہو جاوے اور کارخانہ امتیاز اور جدائی کا آپسمیں ہر ایک کا ظاہر ہو جاوے

اس مضمون کو یوں سمجھا چاہیے کہ جیسے کوئی شخص کسی امیر کے لشکر کی تعریف میں کہے کہ قسم ہے فلانے امیر کے لشکر کی کہ لڑائی کے دن جسوقت نقارہ ہوا اور نقیبوں نے پکارا اُسوقت ہر ایک رسالہ دار اپنے اپنے مثل سے غول باندھ کر سوار ہوتے ہیں یا کوئی شخص کسی کی کچہری کی تعریف میں کہے کہ قسم ہے فلانے سردار کے دربار کی کہ جس دن کچہری ہوتی ہے اور لوگ جمع ہوتے ہیں اور قلمدان اور بستے کھلتے ہیں تو ہر ایک اپنے قرینے سے ہوتا ہے مثلاً متصدی خالصہ اور تن والے علیحدہ اور بیوتات اور خالسا مانی والے علیحدہ اور اسیطرح استعفا اور تقسیم اور باریافت والے ہر ایک علیحدہ علیحدہ اپنے اپنے مرتبے اور قرینے سے بیٹھتے ہیں اور اپنے اپنے کام میں مشغول ہوتے ہیں اب جاننا چاہیے کہ جو پایا جانا ان پانچوں مرتبوں کا یا دو یا تین یا چار مرتبوں کا ان ہی مرتبوں سے آدمیوں میں باعتبار استعداد کے مختلف اور فرق سے ہے جیسے بعضوں کو نیک کام میں زیادتی حاصل ہوتی ہے جیسے لکھی ہو جانا یا کمال علم کو حاصل کرنا یا تقویٰ اور طہارت میں کامل ہونا یا اللہ کی راہ میں کافروں سے لڑنا اور جو مانند ان صفتوں کے ہیں انکو حاصل کرتے ہیں اور بعضے بُرے کام جیسے فسق اور فجور اور کفر اور بدعت اور گمراہی اور اُلٹی بوجھ اور اُسی قسم کی اور بُرائیاں حاصل کرتے ہیں تو ضرور ہوا کہ ہر ایک نیک اور بد کافر اور مسلمان کسی ایک مرتبے میں ان مرتبوں میں سے اُٹھائے جاویں اور اسی گروہ میں گنے جاویں چنانچہ حدیثیں صحیح اس پر دلالت کرتی ہیں جیسا کہ ایک جگہ فرمایا ہے بعثہ اللہ فقیہا اور دوسری جگہ فرمایا فی زمر الشہداء اور جو لوگ وبا میں مرتے ہیں اُنکا جھگڑا اور کشاکش آپسمیں مشہور ہے کہ انکو شہدا اپنی طرف کھینچیں گے کہ یہ لوگ شہید ہیں ہمارے غول میں آویں اور جو اپنے فرش پر مرے ہیں وہ لوگ اپنی طرف کھینچیں گے کہ یہ اپنے فرش پر مرے ہیں ہم میں آویں اُنکو مرتبہ شہدا کا کہاں سے ملا اور فقہا میں بھی اسی طرح کی کشاکش اپنی اپنی طرف ظاہر اور معلوم ہے اور سب یہ مرتبے والے کسی قسم سے ہو ویں اچھے یا بُرے رکن یوم الفصل کے ہیں اور اس سبب سے کہ ظاہر ہونا عدل اور جزا الٰہی کا کہ ان ہی میں ہوگا اسواسطے قابل اس قسم کے ہوئے اگرچہ بعضے بعضے ان میں سے حقیقت میں مردود اور ملعون شقی اور بدبخت ہیں اسواسطے کہ اس جگہ پر فقط بیان کرنا جزا اور سزا کے تعلق کا اُن کے وجود سے منظور ہے نہ حقیقت حال اُنکی ذات یا صفات کی کہ انجام کار اُنکا یہ ہے اس نکتے کو خوب سمجھنا چاہیے کہ بہت باریک بات ہے اور اس کے مان لینے میں تردد اور بہکنا نہ چاہیے اور قرآن کے لفظ میں کہ دوسری جگہ پر فرمایا ہے ولا اقسم بالنفس اللوامۃ خوب غور

کرکے اس بات کو پوچھا چاہیئے تاکہ وہ شبہہ جو اس بات میں حاصل ہوا ہے بالکل دفع ہوجاوے جب یہ مقدمہ درست ہوچکا تو اب یہاں سے تفسیر شروع ہوتی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ۙ قسم ہے اُس جماعت کی کہ کھینچتے ہیں اپنے تئیں کام میں سخت کھینچنا اور غرق کا لفظ اس جگہ اغراق کے معنوں میں لائے ہیں جسطرح مصدر مجرد کو مزید کے مقام پر لاتے ہیں جیسے فانبتہ اللّٰہ نباتًا اور اغراق عرب کے لغت میں سخت کھینچنے کو کہتے ہیں یہ نکالا گیا ہے کمان کھینچنے سے کہ جب کمان کو خوب کھینچتے ہیں تو پیکان کمان کے اندر ہو جاتی ہے گویا غرق ہو جاتی ہے۔ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ۙ اور قسم ہے اُس جماعت کی کہ شوق اور خوشی پیدا کرتے ہیں کام میں یعنی کام ہنسی خوشی سے کرتے ہیں وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ۙ اور قسم اُس جماعت کی جو تیرتے ہیں کام کرنے میں تیرنا کرکے اور بے رنج اور بے مشقت کام میں مشغول ہوتے ہیں فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ۙ پھر قسم اُنکی جو اپنے برابر والوں سے کام میں بڑھ جاتے ہیں فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۘ پھر قسم ہے اُنکی جو تدبیر کرنیوالے ہیں کام کی جتنے پہلے مذکور ہوچکے سب اپنے اپنے کاموں کی تدبیر پوچھنے میں اور مشورہ لینے میں اُنکی طرف رجوع کرتے ہیں اور اپنے اڑے کاموں کی تدبیریں اُن سے پوچھتے ہیں اور حرف فا کے لانے کا سبب ان دو قسموں کے آخر میں یہ ہے کہ ان دونوں فرقوں کا مرتبہ بہت بلند ہے پہلے تینوں فرقوں کی نسبت سے اسواسطے کہ یہ خود بھی کامل ہیں اور دوسرے کو بھی کامل کر دیتے ہیں اور آخر والے کا مرتبہ چوتھے سے بھی زیادہ ہے اسواسطے کہ چوتھے مرتبہ والے کی سبقت اپنے ہمچشموں سے ان ہی کی تدبیر بتلانے سے ہوئی ہے اور گویا کہ عالم دنیا میں قائم رکھنے والے اس کام کے یہی ہیں اور اعلیٰ اور ادنیٰ کی قسم کھانے میں فرق ضرور ہے اسیواسطے فا التعقیب کیلئے لائے تاکہ اشارہ ہو اس بات کی طرف کہ اعلیٰ کی سوگند ادنیٰ کی سوگند کے بعد ہے اور ترقی ادنیٰ سے اعلیٰ کیطرف کرتے ہیں ہم یَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۙ یعنی قسم اُن جماعتوں کی اُس دن کہ کانپے گی کانپنے والی یعنی زمین اور پہاڑ جنبش میں آویں گے پہلے صور پھونکنے سے اور روحیں بدنوں سے جدا ہو جاوینگی اور انتظام دنیا کا درہم برہم ہو جاوے گا۔ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ۗ بعد اُس کے آوے پیچھے آنیوالی مراد پیچھے آنیوالی سے دوسری مرتبہ کا صور پھونکنا ہے کہ اُس کے سبب سے پھر روحیں قالب میں رجوع کرینگی اور نئے سر سے یہ عالم دوسرے رنگ پر

وقف لازم

پیدا ہوویگا اور اس قسم کے جواب کو مذکور نہیں فرمایا ہے اسواسطے کہ قسم خود جواب پر دلالت کرتی ہے یعنی اس قسم والوں کے دل اُس دن مختلف ہونگے پھر جن لوگوں نے اللہ تعالٰی کی رضامندی میں ان مرتبوں کو حاصل کیا ہے آرام اور چین میں ہونگے اور ہنستے خوشیاں کرتے چہرے تازے چمکتے ہوئے اُٹھینگے اور جن لوگوں نے خلاف مرضی الٰہی کے اُن مرتبوں کو حاصل کیا ہے حیران اور پریشان ہونگے کہ ہمارا کیا اکارت گیا اور جو آج کے دن کام آوے وہ ہمسے نہ ہوا جیسا کہ ارشاد فرمایا ہے قُلُوْبٌ يَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ ۙ کتنے دل اُس دن دھڑکتے ہونگے مارے بیقراری اور گھبراہٹ کے اور وہ گھبراہٹ اسطرح کی ہوگی کہ اسکو تھام نہ سکیں گے بلکہ چہروں سے اُنکے ظاہر ہوگی کہ مُنھ پر ہوائیاں اُڑتی ہونگی اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ۘ آنکھیں اُن دل والوں کی تاریک اور حیران ہونگی اور آرام اور چین والوں کے دلوں کا حال اس جگہ بیان نہ فرمایا اسواسطے کہ یہاں خوف دلانا قیامت کے دن سے اور ڈرانا اُسکے حال سے منظور ہے اور جب معلوم ہوا کہ کتنے دل اُس دن بیقرار اور بے چین ہونگے دہشت سے تو ڈرا چاہیئے ایسا نہ ہو کہ ہمارے دل بھی ان ہی میں سے ہوویں اور اپنے دلوں کو مطمئنہ اور آرامیدہ سے یقیناً نہ جاننا چاہیئے اسواسطے کہ یہ بات یقینی نہیں ہے بلکہ شکی ہے اور شک پر توقع اور اُمید نہ رکھنا چاہیئے اسواسطے کہ خوف کی جگہ شک بھی کافی ہے اور اُمید کے واسطے ظن غالب ضرور ہے اور بعضے مفسروں نے راجفہ کے لفظ سے زمین اور پہاڑ مراد لیے ہیں جیسا کہ دوسری آیت میں مذکور ہے يَوْمَ تَرْجُفُ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ اور رادفہ کے لفظ سے آسمان اور ستارے مراد لیے ہیں اسواسطے کہ زلزلہ کے بعد زمین پھٹ کے منتشر ہوجائیگی اور بعضے کہتے ہیں کہ راجفہ پہلے زلزلہ کا نام ہے کہ زمین اُسکے سبب سے ہل جاویگی اور رادفہ دوسرے زلزلہ کا نام ہے کہ ہر ہر جز زمین کا اُسکے سبب سے ریزہ ریزہ ہوجائیگا اب اس جگہ جاننا چاہیئے کہ مفسروں نے اختلاف کیا ہے تعین ماصدق علیہ میں ان پانچوں صفتوں کے کہ اس سورۃ کے شروع میں مذکور ہیں یعنی اس بات میں اختلاف ہے کہ مراد ان پانچوں صفتوں سے کیا ہے بعضوں نے ایک ہی چیز مُراد لی ہے اور بعضوں نے کئی چیزیں مُراد لی ہیں لیکن مناسبت کا لحاظ کرکے یعنی آپسمیں اُنکے تعلق اور ربط ہو اور ایک ہی کام میں سب مشغول ہوں اور بعضوں نے اِس مناسبت کا لحاظ نہیں کیا ہے اور مختلف اور متفرق چیزیں مراد لی ہیں اور اسیطرح جس سورۃ کا شروع مثل

وقف لازم

بیان مفسروں کے اختلاف کا

اس سورۃ کے ہے جیسے والعادیات اور والمرسلات آمیں بھی یہی اختلاف ہے اب اُس اختلاف کا
بیان شروع ہوتا ہے حضرات صوفیہ قدس اللہ اسرارہم کہتے ہیں کہ وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا سے اہل سلوک
کے دل مراد ہیں کہ اپنے نفسوں امارہ کو جو خواہشوں میں غرق ہوگئے ہیں زور سے کھینچتے ہیں اور
ناشطات سے بھی اُنکے دل مراد ہیں جو درگاہ الٰہی میں پہونچنے کے مشتاق ہیں کہ روک اور موانع عبادت
کے اُنکے نفسوں سے دور ہوگئے ہیں اور نہایت خوشی اور سرور سے عبادت میں فرض ہو یا نفل اپنے
اوقات مشغول رکھتے ہیں آور سابحات سے بھی دریائے معرفت کے تیرنے والوں کے دل مراد ہیں
اسواسطے کہ اس دریائے بے پایاں میں خوض کرنا اور غوطہ لگانا ثمرہ مجاہدے کا ہے اور پھل اس
کوشش کا ان احوال اور مقاموں کو پہونچ جانا آور سابقات سے وہ دل مراد ہیں جو اپنی مراد کو
پہونچے ہیں یعنی سلوک کی منزلوں کے قطع کرنے کے بعد قرب اور وصال کے انتہا کے مرتبے کو پہونچ گئے
ہیں اور نزدیکی اور وصال کے میدانوں میں ایک دوسرے سے سبقت کرتے ہیں۔ اور مدبرات امرًا
سے کاملوں اور مکملوں کے دل مراد ہیں کہ بعد پہونچنے کے درگاہ الٰہی میں صفات الٰہی سے موصوف
ہوکے خلق کی دعوت خالق کی طرف کرنے کے واسطے پھر اس طرف رجوع کرتے ہیں اور قسم کا جواب
اس صورت میں یوم ترجف الراجفۃ کے پہلے مقدر ہے یعنی لترجعن الی اللہ مرضنین
ان اتصفتم بھٰذا الصفات ادمطرددین ان اتصفتم باضدادھا یعنی پہونچوگے اللہ کی
طرف ہنسی خوشی سے اگر متصف ہوگے اِن صفتوں سے اور اگر اُس کے خلاف کروگے تو راندے جاؤگے
اور علماء ظاہر کے کہتے ہیں کہ مراد مراتب سے کامل کرنا قوت علمیہ کا ہے اور نازعات غرقًا سے
طالب علم مبتدی مراد ہیں کہ معنی مشکل کو اپنی فکر کے زور سے متنوں اور شرحوں اور حاشیوں کی
عبارت سے کھینچکر نکالتے ہیں اور ناشطات سے طالب علم متوسط حال کے مراد ہیں کہ سخت مطلب
کو حل کرتے ہیں اور مشکل کو آسان کرتے ہیں اور نشط کا لفظ نکالا گیا ہے نشط البعیر سے کہ یہ مثل عرب میں
مشہور ہے یعنی اونٹ کے پاؤں کھولدیے آور سابحات سے منتہی طالب علم مراد ہیں کہ ہر علم کے مسئلوں
کو خوب دریافت کرکے علم کے دریا میں تیرتے ہیں اور سابقات سے بڑے بڑے فاضل باریک بیں
مراد ہیں کہ انکا ذہن مشکل اور باریک بات کیطرف سبقت کرتا ہے اور مدبرات امرًا سے کتابوں کے
تصنیف کرنیوالے اور قاعدوں کے بنانیوالے اور اصل اور فرع کے ٹھہرانیوالے مراد ہیں آور جواب

قسم کا یہاں بھی مثل اس جگہ کے مقدر ہے یعنی لتبعثن یوم ترجف الراجفۃ فیکشف لکم
عن حسن الاشیاء وقبحہا وتعرفون الحق عن الباطل والھدیٰ من الضلل
یعنی البتہ اُٹھائے جاؤگے جس دن کانپے گی کانپنے والی پھر کھُلجاویگی تم پر نیکی اور بدی سب چیزوں
کی اور پہچانو گے سچ اور جھوٹ اور ہدایت اور گمراہی اور مجاہد کہتے ہیں کہ ان صفتوں سے موصوف ہیں
غازی اور مجاہدین اور انکے گھوڑے اور ہتھیار پھر نازعات غرقًا سے غازیوں کے ہاتھ مراد ہیں کہ
کمانوں کے زور سے کھینچتے ہیں اور ناشطات سے بھی غازیوں کے ہاتھ مراد ہیں کہ تیروں کو کافروں
کی طرف چھوڑتے ہیں من نشط الدلو اذا نزعہ بسھولۃ یعنی نشط الدلو یہ مثال ہے عرب کی
جب ڈول کو آہستگی سے نکالتے ہیں تو بولتے ہیں یا وہ گروہ غازیوں کے مراد ہیں کہ خوشی اور اٹھکیلی
سے لڑائی کے میدانوں میں آتے ہیں اور سابحات سے غازیوں کے گھوڑے مراد ہیں کہ دشمنوں
کی صفوں میں تیرتے ہیں اور سابقات سے قراول کے غول یا اُنکے گھوڑے مراد ہیں اور مدبرات امرًا
سے بادشاہ اور امیر اور وزیر مراد ہیں کہ لڑائی کے کام اُنکی صلاح اور حسن تدبیر سے سرانجام پاتے ہیں
اور کوچ اور مقام اور چلنا اور ٹھہرنا اُنکی تجویز سے ہوتا ہے اور نجومی کہتے ہیں کہ مراد اس جماعت
موصوفہ سے ستارے ہیں کہ پہلے مانند تیر کمان سے چھوٹے ہوئے کہ فلک الافلاک کی حرکت کی تبعیت
سے بہت جلد حرکت کرتے ہیں اور دوسرے خاص اپنی حرکت سے ایک برج سے دوسرے برج میں
نقل کرتے ہیں اور اس حرکت کو نشاط کرکے تعبیر کیا ہے نکالا ہے اس لفظ کو ایک مثل سے کہ عرب میں
بولتے ہیں جب بیل بھاگتا ہے ثور ناشط یعنی نکلا بیل ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف
اور سابحات سے حرکت اُنکے مرکزونکی مراد ہے کہ مچھلی کے مانند اُس حرکت میں تیرتے نظر آتے ہیں۔
اور جمع ہونے حرکتوں سے اور مخالف ہونے ان ہی حرکتوں کے آپسمیں ایک دوسرے سے سبقت
کرتے ہیں اور وضعوں کے اختلاف سے کہ اس حالت میں اُن کو حاصل ہوتا ہے عالم کی تدبیر کرتے
ہیں اور ہر ستارہ اُس کام میں کہ اُس سے متعلق ہے دخل رکھتا ہے اور ملنا اور جدا ہونا اور بدلنا فصلوں کا
اور وقتوں کا اور پہچاننا دنیا کی ہونیوالی چیزوں کا اور آنیوالے حادثوں کا اُن سے سمجھا جاتا ہے اور
حضرت ابی النصر الحسن بصری رضی اللہ عنہ سے بھی اسیطرح منقول ہے اور واعظ اور نصیحت کرنے
کرنیوالے کہتے ہیں کہ ان سے مراد وہ فرشتے ہیں جو کافرونکی روحوں کو نہایت سختی سے کھینچتے تو

ل قراول لشکر کے آگے جانے والے کو

نازعات غرقًا ان پر صادق آتا ہے اور مسلمانوں کی روحوں کو آہستگی سے نکالتے ہیں تو ناشطات نشطًا
ہوجاتے ہیں اور بعد قبض کرنے روحوں کے اُن روحوں کو لیکر عالم برزخ کی سیر کراتے ہیں تو سابحات
سبحًا ہوجاتے ہیں اور آپسمیں اُس جگہ ایک دوسرے کے آگے ہوجاتے ہیں اور سوال اور جواب اور
عذاب اور بہتری قبر کی تدبیر کرتے ہیں اور جواب اس قسم کا دونوں صورتوں میں اسیطرح محذوف
ہے یعنی لیبعثن بدلیل انقلاب الحرب وانقلاب الحوادث بتدبیر الکواکب والشہادۃ
الموت یعنی ہر آئینہ اُٹھائے جاؤ گے لڑائی اور حوادثوں کے انقلاب کی دلیل سے بسبب تدبیر ستاروں
اور گواہی موت کے اور بعضے اُن سے کہتے ہیں کہ نازعات اور ناشطات وہ فرشتے ہیں جو مسلمانوں
اور کافروں کی روحیں قبض کرنے پر مقرر ہیں اور سابحات اور سابقات وہ فرشتے ہیں جو رسالت اور
کاموں کے جاری کرنے پر مقرر ہیں اور مدبرات امرًا بڑے درجے اور بڑے مرتبے کے فرشتے ہیں جیسے
حضرت جبرئیل اور حضرت میکائیل اور حضرت اسرافیل اور حضرت عزرائیل علیہم السلام مع اپنے لشکر
اور اُسکے سرداروں کے کہ ہر ایک کو اُن میں سے ہونیوالے کاموں کی تدبیروں کیواسطے مقرر فرمایا ہے جیسے
حضرت جبرئیل علیہ السلام کہ انتظام ہوا اور لڑائی اور وحی اُتارنا رسولوں پر اُن سے متعلق ہے اور
حضرت میکائیل علیہ السلام سے پانی کا برسانا اور زمین سے اُگانا اور رزق کا پہونچانا اُن سے تعلق
رکھتا ہے اور حضرت اسرافیل علیہ السلام سے صور کا پھونکنا اور آدمیوں اور جانوروں میں روح کا ڈالنا
اور لوح محفوظ اور اندازہ کرنا رزق اور عمر اور ہر شے کا متعلق ہے اور حضرت عزرائیل علیہ السلام
مُردوں کی روحیں قبض کرنے پر اور بیماریوں اور آفتوں پر مقرر ہیں اور بعضے کہتے ہیں کہ نازعات سے
غازیوں کی کمانیں مراد ہیں کہ تیروں کو کمانوں کے اندر کھینچتے ہیں اور ناشطات سے اونٹ اور بیل
مراد ہیں کہ کنوؤں سے پانی کو کھینچتے ہیں اور سابحات سے کشتیاں مراد ہیں کہ دریا میں تیرتی ہیں اور
سابقات سے گھوڑے دوڑنے والے مراد ہیں اور مدبرات امرًا سے عقل والے اور حکمت والے مراد ہیں
کہ ہر مقدمے میں اپنی عقل کے زور سے تدبیر نکالتے ہیں اور ہر بڑے کام کے واسطے حیلے بتلاتے ہیں اور
جواب قسم کا وہی ہے جو ذکر ہوچکا اور مناسبت اِن قسموں کی مقسم علیہ سے یعنی جس پر قسم کھائی گئی
کہ قیامت کا دن ہے ادنیٰ تامل سے معلوم ہوسکتی ہے جیسا کہ یہ بات ظاہر ہے کچھ چھپی نہیں ہے اور جب
اس کلام سے ظاہر ہوا کہ قیامت کے دن کتنے دل نہایت بے چینی اور بیقراری میں ہونگے اور آنکھیں

اُنکی تاریک اور پتھرا جاوینگی تو گمان اس بات کا ہوا کہ شاید سُننے والے کے دلمیں یہ گذرے کہ اِس
بات کے سُننے سے کہ نہایت پُرخوف اور مُہلک ہے کافروں نے کیا کہا ہوگا آیا دہشت اس واقعہ
یقینی آنیوالے سے کوئی فکر اور تدبیر کرتے ہیں یا ابھی تک اُسیطرح غافل اور بے خبر ہیں اُسکے جواب
میں ارشاد ہوا کہ یَقُوْلُوْنَ ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِی الْحَافِرَۃِ کہتے ہیں کافر کیا پھر بنائے جائیں گے ہم اپنی
پہلی حالت پر یعنی بعد مرنے کے کیا پھر زندہ ہونگے ہم آور حافر لغت عرب میں راہ کاٹنے کو کہتے ہیں
اِسواسطے کہ حافر اور حافرہ بَیل کے کُھر کو کہتے ہیں اور جس راہ میں وہ چلتا ہے اُس کے کُھر کے نقش
پنجاتے ہیں تو گویا کُھر کے نشان کو کُھر نام رکھا پھر راہ کو کہ اُسمیں سُم کے نشان ہوتے ہیں مجاز کے طور
پر حافرہ کہا اور غرض اس سے یہ ہے کہ کافر آخرت کے جینے کا انکار کرتے ہیں اِس شُبہے سے کہ اگر بعد
موت کے پھر زندگی ہوتی تو اُسی اپنی پہلی حالتوں پر رجوع کرنا ہوتا اور رجوع اِس حالت اوّل پر
خلاف واقعہ کے ہے والاسفسطہ[له] لازم آوے اور جوان ہونا بڈھے کا اور لڑکا ہونا جوان کا اور لڑکے کا
ماں کے پیٹ میں پھر جانا سب درست ہو جاوے آور پھر اپنے شبہے کے قوت اور مضبوط کرنے کے
واسطے ایک اور استفہام انکاری اور تعجبی سے پوچھتے ہیں ءَاِذَا کُنَّا عِظَامًا نَّخِرَۃً ؕ کیا پھر زندہ ہونگے
ہم جبکہ ہو جائیں گے ہم ہڈیاں کھوکھلا سڑے کہ ہَوا کے اندر جانے سے اُن ہڈیوں میں سے آواز نکلتی ہے
اور نخر لغت عرب میں ہَوا کی آواز کو کہتے ہیں کہ جو چیز اندر سے خالی ہے اُس میں سے ہَوا نکلتے وقت ہوتی
ہے اور اُنکے شبہے کو اس مقدمے کے بڑھانے سے قوت دینے کی وجہ یہ ہے کہ جب کسی چیز مرکب کی
ترکیب بگڑ گئی اور اُس کے جز آپسمیں جُدا جُدا ہوگئے اور صورت ترکیبی اُسکی باطل ہوگئی تو اگر اُسی وقت
بے ڈھیل چاہیں کہ پھر اُسی صورت پر کردیں تو ہوسکتا ہے اسواسطے کہ اجزاے اصلی اسکے ابھی سب موجود
ہیں کوئی متفرق اور پریشان نہیں ہوئے اور کسی طرح کا نقصان اُن اجزا میں پہلی صورت پر جانے
کے واسطے پیدا نہیں ہوا آور جب زمانہ بہت گذرتا ہے اور اُس کے جز اصلی متفرق اور پریشان ہوجاتے ہیں
اور اُنکے جزوں میں نقصان آجاتا ہے یا بعضے جز بالکل خراب ہو جاتے ہیں پھر اُس چیز کا پہلے طور پر ہونا
مشکل بلکہ محال سمجھا جاتا ہے جیسا کہ اپنے ہاتھ کی بنائی ہوئی چیزوں میں یہ بات دیکھی ہوئی ہے اور بارہا تجربے
میں آچکی ہے پھر دعوے پھیرنے اور زندہ کرنے مُردوں کا کہ مسلمان کرتے ہیں اگر اُسیوقت بعد موت
کے ہوتا تو شاید ہوسکتا آور جب یہ وعدہ بعد گذر جانے قرنوں اور زمانوں کے کرتے ہیں کہ ہڈیاں گل کر

[له] سفسطہ یعنی کلام بیفائدہ ۱۲

جاویں گی اور رطوبت اور تری کہ شرط زندگی کی ہے بالکل خشک ہوجاویگی تو کسطرح یقین کیا جاوے
اور اگر کافروں کو ظاہر دلیلوں سے ثابت کیا جاوے اور اس استفہام کے جواب میں کہا جاوے کہ البتہ
پھرنا پہلی حالت پر ان معنوں سے ہوسکتا ہے کہ ایک حالت جو پہلی حالت سے مشابہت رکھتی ہے تعاقب
امثال کے طرز پر حاصل ہوگی نہ پہلی حالت پر پھرنا بعینہا اور تعاقب امثال میں کچھ جگہ تردد اور انکار کی
نہیں ہے اسواسطے کہ پے در پے آنا نیند اور ہوشیاری کا دن اور رات میں اور چاند کا بدلنا نئی شکل پر
ہر روز اور مختلف ہونا فصلوں کا ہر مہینے میں بسبب جانے آفتاب کے نئے برج میں اور بدل جانا موسم
جاڑے اور گرمی کا ہر سال میں ہر شخص پر ظاہر ہے ہرگز جگہ شبہہ اور تامل کی نہیں اور کسی چیز کو بگاڑ
ڈالنا اور بعد ایک مدت دراز کے پھر اُس کو اُسی طرح کا بنادینا کچھ موجب تعجب کا نہیں ہے خصوصًا جس
وقت بنانے والا بڑی قدرت کامل بلکہ اکمل رکھتا ہووے تو اُس کے نزدیک بگاڑ کر اُسی وقت بنانا اور
بعد گزرنے ہزاروں سال کے بنانا یکساں ہے قَالُوْا پھر دوسری مرتبہ ہنسی اور تعجب سے کہتے ہیں کہ تِلْكَ
اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ۝ یہ جینا دوسری مرتبے کا بعد جُدا ہونے ہر عضو کے اور خشک ہوجانے سب رطوبات
کے تو بڑا ٹوٹا ہے اسواسطے کہ بعضی چیزوں اپنی کو نہ پاویں گے اور بہت سی چیزیں ہم سے گم ہوجائیں گی
اور مال اور اسباب اپنا کمایا ہوا آپ سے جُدا ہوجاویگا تو پھرنا ہمارا دوسرے مرتبے اس جہاں میں مانند
پھرنے اُس مسافر کے ہوا کہ اپنے گھر سے مال اور اسباب بہت سا لیکر صحیح اور سلامتی کے ساتھ مسافرت
کو گیا اور سب چیز اُس کی لُٹ گئی اور آپ تن تنہا سب بدن زخموں سے چور ہوکر بلکہ ہاتھ پاؤں کٹوا کر
اپنے گھر کو پھر آیا تو یہ پھر آنا بالکل نقصان کا ہے حق تعالیٰ جل شانہ اُنکے تعجب کرنے کے جواب میں فرماتا
ہے کہ یہ تعجب تمھارا اس سبب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کام اور تاثیر کو اپنے کام اور تاثیر پر قیاس کرتے ہو
اور اُس قادر علی الاطلاق کو اپنی طرح کا پابند اسباب کا جانتے ہو کہ بے آلات اور اسباب کے کوئی چیز
نہیں ہوسکتی اور یہ فہم کی غلطی ہے اسواسطے کہ اُس مالک الملک کا فعل اور تاثیر کسی چیز پر موقوف نہیں ہے
کہ جب وہ چیز پائی جاوے تو وہ کام ہوسکے اور نہ پائی جائے تو نہ ہوسکے بلکہ اُس کے حکم کُن میں سب چیز
ہوجاتی ہے اور آلات اور اسباب بھی اُسی کے حکم سے جمع ہوجاتے ہیں فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ۝ پھر
نہیں ہے یہ زندگی مگر ایک جھڑکی آور مراد اُس جھڑکی سے دوسرے مرتبے کا صور پھونکنا ہے کہ بمجرد اُس
آواز کے سب روحیں اپنے بدنوں سے مل جاوینگی اور ملنا روح کا بدن سے سب شرطوں اور اسباب کو

تعاقب امثال یعنی آنا ایک شے کا بعد دوسری شے کے ١٢

وقف لازم

جمع کریگا اور اس تعلق کے سبب سے زندگی کامل حاصل ہوگی نہ مانند زندگی اُس بچّے کے جو ماں
کے پیٹ میں زندہ ہے یا ابھی پیدا ہوا ہے کہ اُسکی عقل اور دریافت ضعیف ہوتی ہے اور بڑی مشکل سے
ہلتا اور جنبش کرتا ہے اِسواسطے کہ وہ سب بمجرد سُننے اُس آواز کے زور سے جلدی حرکت کریں گے اور
زمین کے نیچے سے ہلیں گے فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ۞ پھر تبھی وہ سب آگئے برابر میدان میں۔ اور
ساہرہ لغت میں سفید اور برابر زمین کو کہتے ہیں اور حشر کے میدان کا نام ہے اسواسطے کہ اُس دن
اُس زمین کی یہی حالت ہوگی آور یہ بھی احتمال ہوسکتا ہے کہ ساہرہ اس جگہ جاگنے کے معنوں میں
ہو سہر کے لفظ سے نکالا گیا ہو جو بیخوابی کے معنوں میں ہے مانند کاذبہ اور خاطئہ کے اور اِس آیت کے
معنی اس احتمال پر یہ ہونگے کہ جو کافر مسلمانوں کو الزام دیتے ہیں کہ بعد مرنے کے قیامت تک کہ
وہی وعدہ پھر جینے کا ہے ہزاروں سال کا فاصلہ اور دوری ہے اور اس عرصے میں ہڈیاں گَل گَل
جاوینگی اور بدن کے سب اجزا اور رطوبتیں نیست و نابود ہوجاوینگی پھر دوسرے مرتبے اُس شکل کا درست
ہونا کہ زندگی اُسی پر موقوف ہے کس طرح سے ہوویگا آور مسلمان کہتے ہیں کہ باوجود اِن سب باتوں
کے پھر زندہ ہونگے اسواسطے کہ اصلی جزوں کا باقی رہنا شرط ہے دوسری زندگی کے واسطے سب چیزوں
کا باقی رہنا کچھ ضرور نہیں ہے اور اصلی جزوں کو حق تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے محفوظ رکھے گا پھر
دوسری مرتبے کافروں نے کہا کہ تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ۞ یعنی اس طرح کا زندہ ہونا کہ سب جزء
باقی نہ رہیں گے ناقص ہے اسواسطے کہ سب جزء زندہ نہ ہوویں تو دوسری زندگی کہ اصلی جزوں کے
سبب سے پائی گئی وہ بھی ناقص ہوگی جیسے پیٹ کے بچے اور جنے ہوئے لڑکے کی زندگی ناقص
ہوتی ہے اور تم دعویٰ کرتے ہو کہ وہ زندگی اس دنیا کی زندگی سے بہت زور آور اور کامل ہوگی تو
تمھارے مذہب اور دعوے کے خلاف ثابت ہوا حق تعالیٰ نے اُن کافروں کے جواب میں یہ فرمایا
ہے فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ۞ فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ۞ یعنی پھر نہیں ہے وہ جینا دوسرے
مرتبے کا مگر اثر ایک جھنگھاڑ کا پس تب ہی یہ سب بیخوابی اور بیداری یعنی کچھ غفلت اور کچھ ہوشیاری
میں آوینگے حاصل کلام کا یہ ہے کہ زندگی کا کمال قوت روحانیہ کے کامل ہونے پر ہے اور اُس کا
نقصان اُسکے نقصان پر کچھ بدن کے جزوں کے کمی زیادتی پر نہیں ہے اور پیٹ کے بچے اور جنے
ہوئے لڑکے کی زندگی کے نقصان کا سبب یہ ہے کہ قوت روحانی اُنکی ابھی اپنے کمال کو نہیں پہونچی

ہے بلکہ روز بروز ترقی پر ہے بخلاف ارواح موتی کے کہ اپنے اپنے کمال کو پہونچ کے اس جہان سے مرگئے ہیں اور اُنکی روحوں کا اُن کے بدنوں سے جُدا ہونا بعد موت کے باعث نقصان قوت روحانیہ کے کمال کا نہیں ہوا ہے تاکہ جینے کے وقت ناقص اُٹھیں بلکہ اِس جینے کو بعد مرنے کے جلگنے پر بعد نیند کے قیاس کیا چاہیئے اِسواسطے کہ وقت سونے کے تعلق روح کا ظاہر بدن سے بالکل منقطع ہوجاتا ہے اور حس وحرکت سمجھنا اور بوجھنا باطل ہوجاتا ہے اور ایک آواز سخت کرنے میں وہ تعلق جیسا تھا ویساہی پھر ہوجاتا ہے اور اُسکی قوت روحانیہ میں کچھ نقصان نہیں پایا جاتا اور پھر محتاج حاصل کرنے کسی کمال کا نہیں ہوتا کہ مانند چھوٹے لڑکے اور پیٹ کے بچّے کے انتظار بالغ ہونے کا کھینچے اور رفتہ رفتہ کمال کو پہونچے آور یہ بھی احتمال ہے کہ سَاہرہ کا لفظ اسم فاعل ہے سہر کے لفظ سے نکلا ہے جو بیخوابی کے معنوں میں ہے یعنی فَاِذَا هُمْ متلبسون بالابدان السَّاهرة یعنی پھر یکا یک اُنکی روحیں در آونگی جگے ہوئے بدنوں میں کہ صُور کے پھونکنے کے پہلے بسبب تعلق نفوس سماویہ قویّۃ الادراک کے اور در آنے اُنکی قویٰ کے مستعد اور طیار زندگی کے قبول کرنے کے ہو رہے تھے یہاں تک کہ قابل خواب کے بھی نہ رہے اِسی سبب سے وہاں کی زندگی دُنیا کی زندگی سے کامل ہوگی اِسواسطے کہ دنیا کی زندگی تھوڑا سا میل موت کا بھی رکھتی ہے جیسے نیند کہ موت کے برابر ہے اور وہاں کی زندگی نیند بھی نہیں رکھتی ہے اسقدر موت اور جو مشابہت موت سے رکھتی ہے اُس سے دور ہے اِسواسطے بہشتیوں کو بہشت میں اور دوزخیوں کو دوزخ میں نیند نہ آویگی جیساکہ فرشتے اور نفوس سماویہ کو نیند نہیں ہے آور جب کافر باوجود ایسے بیان واضح اور مثالوں کے آخرت کے جینے کو یقین نہیں کرتے اور اپنی ہی ضد پر قائم ہیں اور کہتے ہیں کہ ان دلیلوں اور تمثیلوں سے ہماری تسلی خاطر نہیں ہوتی اِسواسطے کہ ایسی ہڈیاں سوکھی بلکہ گلی اور سڑی کہ ہرگز زندگی کے قبول کرنے کی لیاقت نہیں رکھتیں ایک ہی دن میں سب زندہ ہوجاویں اِس طرح کا پے در پے آنا زندگی کا بعد گزرنے ایک مدت دراز کے ہرگز ہماری عقل میں نہیں آتا جب تک اپنی آنکھ سے اِس طرح کی کوئی چیز نہ دیکھیں ہم اور ایک مرتبہ کسی مُردے کو زندہ ہوتے نہ دیکھ لیں تسلمان عاجز اور رنجیدہ ہوکر اپنے دلوں میں کہتے تھے کہ کیا اچھی بات ہوتی کہ حق تعالیٰ ایک مُردے کو جس پر صدہا برس گذرے ہوتے اُنکے سامنے زندہ کردیتا تو سب اِنکا انکار ٹوٹ جاتا اور جھوٹ الزام کھا جاتے

ابتدائے قصہ

موسیٰ علیہ السلام کے قصے کا بیان

اِس واسطے حق تعالیٰ ہر ایک مسلمان سے خطاب کر کے فرماتا ہے اور بطریق استفہام کے پوچھتا ہے هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۘ کچھ پہونچی ہے تجھ کو خبر موسیٰ کے قصّے کی کہ فرعون کے سامنے جو بڑا سرکش بادشاہ تھا اور ہزار ہا آدمی اُس کے دربار میں حاضر ہوتے تھے بارہا اپنے ہاتھ کی لکڑی کو زمین پر ڈالدیا بمجرد زمین پر گرنے کے وہ عصا ایک بڑا اژدہا ہو جاتا تھا اور اپنے مُنھ کو پسارتا تھا اور آواز سخت کرتا تھا پھر بعد واقع ہونے ایسی زندگانی پے درپے ایک لکڑی میں کہ کچھ لیاقت زندگی کی نہ رکھتی تھی اور تر بھی نتھی کون جگہ تردد اور شک کی باقی رہی تھی لیکن فرعون باوجود دیکھنے ایسی زندگی کامل کے کہ ایک لکڑی بمجرد زمین میں پہونچنے کے اژدہا ہو جاتی تھی معتقد روزِ جزا کا اور قائل عموم قدرت مالک ارض وسما کا نہ ہوا تو یہ کافر بھی اگر ایک مُردے کو زندہ ہوا دیکھیں گے تو بھی راہ پر نہ آویں گے اور اپنے انکار سے باز نہ رہیں گے بلکہ اور مستحق عذاب کے ہو جاویں گے اسواسطے کہ عادت الٰہی یوں ہی جاری ہے کہ بعد دیکھنے معجزے کے اگر کافر ایمان نہ لاویں اور اُسی کفر اور انکار پر اصرار کیے جاویں تو اُسیوقت عذاب الٰہی میں گرفتار ہو ویں اور ایک دم کی بھی فرصت نہ پاویں اور اگر وہ قصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کسی مسلمان نے نہ سُنا ہو تو مجمل وہ قصہ تھوڑا یہاں بیان ہوتا ہے اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۚ یعنی ابتدا اس قصّے کی اُسوقت سے ہے کہ پکارا اُسکو اُس کے رب نے پاک میدان میں جس کا نام طُویٰ ہے اور کیفیت اِس قصّے کی جس طرح سورۂ طٰہٰ اور سورۂ قصص اور دوسری سورتوں میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام شہر مصر سے کہ جگہ پیدایش اور سکونت آپ کی تھی ایک قبطی ظالم کے خون کے سبب سے کہ آپ کے ہاتھ سے بے قصد دھوکے میں ہو گیا تھا اور فرعون آپ کے قتل کی فکر میں ہوا تھا بھاگ کر شہر مدین کی طرف گئے اور اُس شہر میں حضرت شعیب علیہ السلام کا مکان تھا اُن کا قصہ بھی قرآن شریف میں کئی جگہ بیان فرمایا ہے وہاں جاکر اُترے اور حضرت شعیبؑ کی خدمت میں مشغول ہوئے اور حضرت شعیبؑ نے اپنی بیٹی کو آپ کے نکاح میں دیا جب آٹھ برس یا دس برس اسمیں اختلاف ہے وہاں گذرے تب حضرت شعیبؑ سے رخصت چاہی کہ اگر حکم ہو تو میں اپنے وطن کو جاؤں اور اپنے قبیلہ کو ساتھ لیے جاؤں اور اپنی ماں کی زیارت کروں اور اپنے بڑے بھائی حضرت ہارونؑ سے ملاقات کروں اس واسطے کہ اتنی مدت گزرنے میں فرعون اور اُس کے لوگ قبطی کے خون کو بھول گئے ہونگے حضرت شعیبؑ نے

راضی ہو کر آپ کو رخصت کیا اور آپکی بی بی کو بھی آپ کے ساتھ کر دیا اور اپنے دو غلاموں کو آپ کے ساتھ کیا کہ مصر میں پہونچا کے پھر آویں حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی بی بی کو ساتھ لیکر وہاں سے رَوانہ ہوئے اور آپ کے مزاج میں غیرت بہت تھی اپنی بی بی کو لے چلنا قافلے کے ساتھ گوارا نہ کیا کہ شاید سواری پر چڑھتے اُترتے یا نکلتے بیٹھتے کسی نامحرم کی نظر اُن پر نہ پڑ جاوے اِسواسطے وہاں سے تنہا بی بی کو لیکر روانہ ہوئے اور شام کے درے کو چھوڑ کر دریا کے کنارے کی راہ لی اِس لحاظ سے کہ ایسا نہ ہو کوئی فرعون کیطرف کا حاکم پہچانے اور خون کی علّت سے گرفتار کرے یا کچھ ایذا پہونچاوے اور آپ کے ہمراہ ایک خچر تھا اُس پر خورجی اپنے اسباب کی لاد کے ایک غلام اُس پر مقرر کیا اور کچھ بکریاں آپ کے ساتھ تھیں دوسرے غلام کو اُنکی نگہبانی اور ہانکنے پر مقرر کیا اور آپ اپنی بی بی کی سواری کے ساتھ ہو لیے چلتے چلتے ایک دن راہ بھول گئے اور کوہ طور کی طرف جا نکلے کتنی ہی راہ ڈھونڈھی ٹھکانا نہ ملا اور دن آخر ہوا اور رات نمودار ہوئی وہ رات جمعے کی تھی ذیقعدہ کی اٹھارھویں تاریخ اور موسم جاڑے کا تھا اتفاقاً بکریاں جنگل میں متفرق ہو گئیں دونوں غلام اُنکے جمع کرنیمیں مشغول ہوئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی بی بی کے پاس ایک جگہ پر بیٹھ گئے کہ یکایک آپکی بی بی کو راہ چلنے کی سختی اور سواری کی حرکت سے دردِ زہ شروع ہوا اور حمل کی مدت بھی تمام ہو چکی تھی تب آپکی بی بی نے آپ سے اِس حال کو ظاہر کیا اور کہا کہ اگر کہیں آگ ملے تو خوب ہے کہ تاپنے کے کام آوے اور روشنی بھی ہووے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے غلاموں سے فرمایا کہ دیکھو کہیں اِس جنگل میں آگ کا بھی نشان ہے غلاموں نے چاروں طرف دوڑ کے دیکھا کچھ پتہ آگ کا اور آبادی کا معلوم نہ ہوا تب حضرت موسیٰ علیہ السلام آپ اُٹھے اور آگ کی تلاش کو تشریف لیگئے آپ کو ایک پہاڑ پر کہ آپ کے سیدھے ہاتھ کی طرف تھا کچھ روشنی معلوم ہوئی آپنے بی بی اور غلاموں سے فرمایا کہ تم اسی جگہ پر ٹھہرو کہ میں نے پہاڑ پر روشنی دیکھی ہے وہاں جا کر آگ لیے آتا ہوں اور جو وہاں ہو گا اُس سے راستے کا پتہ بھی پوچھا آؤنگا تاکہ منزل پر پہونچیں یہ کہکے آپ چلے جوں ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام قریب اُس مکان کے پہونچے دیکھا کہ وہ آگ نہیں ہے بلکہ تجلّی قدرت الٰہی کی ہے کہ دور سے مثل آگ کے معلوم ہوئی تھی اور حقیقت میں وہ ایک نور ہے بہت بڑا کہ عوسج کے درخت کو گھیر لیا ہے عوسج ایک درخت ہے عناب کے درخت کے مشابہ شام کی طرف پہاڑوں میں بہت ہوتا ہے اور وہ درخت جڑ سے چوٹی تک تر و تازہ ہو رہا ہے اور اُس روشنی میں

اس قدر چمک اور تابندگی ہے کہ اُس پر آنکھ نہیں ٹھہر سکتی اور گرداگرد اُس کے آواز فرشتوں کی تسبیح کی
آرہی ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے باوجود دیکھنے اِن سب چیزوں کے گھاس پھوس اُس میدان
میں سے جمع کر کے ایک پولاسا باندھ کے چاہا کہ اُس نور آتشی رنگ سے جلالیویں یہ ارادہ کر کے
جوں ہی اُس کے نزدیک ہوے کہ یکایک وہ آگ اُنکی طرف لپکی گویا چاہتی تھی کہ اُن کو جلادیوے
حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ حالت دیکھ کر خوف کھا کے پیچھے ہٹے آگ بھی درخت پر ہٹ گئی پھر حضرت
موسیٰ علیہ السلام نے ارادہ کیا جلانے کا پھر وہ آگ اُنکی طرف دوڑی پھر پیچھے ہٹے اِسی طرح کئی
مرتبہ ایسا اتفاق ہوا تب حضرت موسیٰ علیہ السلام اس طرح کے ماجرے کو دیکھ کر حیران و متحیر کھڑے
ہو گئے اور اُس اعجوبہ کارخانۂ الٰہی کا تماشا دیکھنے لگے کہ یکایک ایک نور بڑا اُس سے بلند ہوا اور زمین
سے آسمان تک سب کو روشن کر دیا اور روشنی اُس نور کی یہاں تک غالب ہوئی کہ حضرت موسے
علیہ السلام کی آنکھ میں تاریکی آگئی اور آنکھ دیکھنے سے رہ گئی اور اُنھوں نے اپنے ہاتھ اپنی آنکھ پر
رکھ لیے اور آواز فرشتوں کی تسبیح کرنے کی بہت بلند ہوئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُسوقت
اُس آگ سے ایک آواز سُنی کہ یٰمُوسٰٓی اِنِّیٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَیْكَ یعنی اے موسیٰؑ میں ہوں
پروردگار تیرا کہ آگ کی مانند تجلّی کی ہے میں نے اور دونوں جوتیوں کو پانوں سے اپنے دور کر دو
اِسواسطے کہ اِس مکان نے تجلّی الٰہی اور حاضر ہونے فرشتوں کے سبب سے کہ اِس تجلّی کے خادم ہیں
حکم کعبہ اور مسجد الحرام کا پیدا کیا ہے پھر کلام یعنی بات کرنا شروع ہوا اور اُن سے پوچھا کہ تمھارے سیدھے ہاتھ
میں کیا ہے اُنھوں نے عرض کی کہ لاٹھی ہے میں اپنے ہاتھ میں رکھتا ہوں حکم ہوا کہ اُسکو زمین پر ڈالدو
اُنھوں نے زمین پر ڈالدیا بمجرد گرنے کے زمین پر ایک اژدہا ہو کے دوڑنے لگا حضرت موسیٰؑ اُس سے
ڈر کے بھاگے ارشاد ہوا کہ ڈرومت اور اُس اژدہے کو اپنے ہاتھ سے پکڑلو وہی لکڑی ہو جائیگی پھر حکم
ہوا کہ اپنے ہاتھ کو اپنی بغل میں رکھو اور پھر نکالو اُنھوں نے اُسی طرح کیا اُنکا ہاتھ مانند آفتاب کے
روشن ہو گیا کہ آنکھ اُسکی روشنی پر ٹھہر نہیں سکتی تھی حضرت موسیٰؑ نے فرمایا کہ میں نے بمجرد سُننے اُس
آواز کے معلوم کیا کہ یہ آواز حق تعالیٰ کی ہے اسواسطے کہ چھوں طرفوں سے سُنتا تھا میں اور سب جسم
اپنے سے سُنتا تھا میں یہاں تک کہ ہر ہر عضو اور جوڑ بند میرا کان ہو گیا تھا حاصل کلام کا یہ ہے کہ
بعد دکھلانے اس کرشمے کے اور تعلیم کرنے توحید کی حقیقتوں اور عبادت کے آداب کے اور بیان قیامت

کے آنے کے اور سوائے اس کے جو جو ضرورت رسالت کے واسطے تھی سب تعلیم کر کے حکم ہوا کہ
اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ جا فرعون کی طرف تاکہ اُسکی بہتری کی تدبیر کر اور وہ مرتبہ سابقین اور مقربین
کا کہ تجھ کو اسوقت حاصل ہوا ہے اُس سے اور آگے بڑھ کے مدبرات امرا کے مقام کو پہونچ اور تجھے
واسطے تدبیر اصلاح فرعون کے اس سبب سے بھیجتے ہیں ہم کہ اِنَّهٗ طَغٰى ؕ بیشک فرعون حد سے
بڑھ چلا ہے فساد کرنے میں یہاں تک کہ دعویٰ خدائی کا کرتا ہے اور جب تو فرعون کے پاس
پہونچے فَقُلْ پھر پہلے اُس کو اسی قدر کہہ کہ هَلْ لَّكَ اِلٰۤى اَنْ تَزَكّٰى ۙ کیا ہے تجھ کو رغبت پاک
ہونے کی نفس کی بُرائیوں سے کہ وہ تیری سرکشی اور خرابی کے سبب پڑے ہیں اور میں تیری
بُرائیاں کھو دینے ہی پر کفایت نہ کروں گا کیونکہ اتنی بات سب نیک بختوں اور حکمت الٰہی کے
واقفوں سے ہو سکتی ہے بلکہ میں تجھ کو بڑے مرتبہ کو پہونچا دوں گا اور ولی کامل اور عارف واصل
کر دونگا وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ اور راہ دکھلاؤں گا تجھ کو تیرے پروردگار کی طرف تاکہ پہچان
ذات اور صفات اور افعال پروردگار کی تجھ کو یقین کی آنکھ سے حاصل ہووے فَتَخْشٰى ؕ پھر تو ڈرے
اور تیرا نفس مر جاوے اور ایسی پوری فنا تجھ کو حاصل ہو کہ پھر کبھی خوف تجھ کو پھر آنے سرکشی کے مرض
کا نہ رہے بموجب اس قول کے کہ اَلْفَانِیْ لَا یُرَدُّ یعنی فنا ہوئی چیز پھر نہیں آتی یہاں پھر باقی رہا قصہ
حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بیان ہوتا ہے یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون تک پہونچے اور حکم حق تعالیٰ
جل شانہٗ کا پہونچایا فرعون نے اُس کے جواب میں پہلے یوں کہا کہ کیا تو وہ شخص نہیں ہے کہ بچپن سے
میں نے تجھ کو پالا اور پرورش کیا اور مدتوں تک ہمارے پاس رہا پھر وہ کام کر کے تو یہاں سے نکل گیا
کہ تو ہی اُس کو خوب جانتا ہے یعنی قبطی کو مار ڈالا اور ہماری نعمتوں کی ناشکری کی اب تجھ کو یہ مرتبہ کہاں سے
حاصل ہوا کہ میرا ہادی اور مرشد بنکر آیا حضرت موسیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ سچ ہے میں وہی
شخص ہوں اور وہ کام کہ مجھ سے ہوا تھا اُسوقت میں ناداں اور ناسمجھ تھا پھر جب میں تم سے ڈر کے
یہاں سے بھاگا تو اللہ تعالیٰ نے اپنی عنایت سے مجھ کو علم اور حکمت مرحمت فرمائی اور مرتبہ ہدایت اور رہنمائی
کا عطا فرمایا اور رسالت اور ایلچی گری کے طور پر تمھارے پاس بھیجا ہے فرعون نے کہا اب تو تو نے دعویٰ
رسالت کا کیا کہ اللہ کا بھیجا ہوا ہے اگر اس دعویٰ میں تو سچا ہے تو کوئی دلیل اس پر لے آ فَاَرٰىهُ
الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ۫ۖ پھر دکھائی موسیٰ نے فرعون کو ایک نشانی بڑی اگرچہ حضرت موسیٰ پاس دو نشانیاں

تھیں ایک عصا کہ اژدہا ہو جاتا تھا اور دوسرے آپ کا ہاتھ کہ مانند آفتاب کے روشن ہو جاتا تھا لیکن
ایک ہی مجلس میں ایک ہی مطلب کے ثابت کرنے کیواسطے تھیں اسواسطے دونوں کو ایک ہی نشانی
اعتبار کیا اور ایک وجہ اور بھی ہے کہ ید بیضا تابع تھا عصا کے ڈالنے کا یعنی جب پہلے عصا کو زمین پر
ڈالتے تھے اور وہ اژدہا ہو جاتا تھا تب ہاتھ بغل میں ڈالنے سے مثل آفتاب کے چمکنے لگتا تھا تو گویا اصل
نشانی وہی عصا تھا اور نکتہ اس میں یہ ہے کہ جب نبی اور رسول بھیجے جاتے ہیں تو پہلے قہر اور غضب سے
مخالفوں اور منکروں کی طرف مشغول ہوتے ہیں اور بعد اُس کے ہدایت اور رہنمائی طالبوں اور مسترشدوں
کی طرف متوجہ ہوتے ہیں سو عصا قہر کی شکل تھا اور ید بیضا نمونہ تھا ہدایت اور رہنمائی کا اور بھی عصا
میں زندگانی غیبیہ خوفناک اور ڈراؤنی شکل سے ظاہر ہوتی تھی اور ید بیضا میں نور غیبی تھا کہ بڑے
درجے کی روشنی اور چمک سے جلوہ گر ہوتا تھا اور قہر اور سیاست ظاہر نبوت سے متعلق ہے اور نور تجلّی
باطن نبوت سے متعلق ہے کہ وہ مرتبہ ولایت کا ہے اور فرعون کو کہ کافر ازلی تھا اس پر لازم کرنا حجت
کا اور خوف دلانا غرض تھی تو اُس کے حق میں آیت کبریٰ عصا تھا نہ ید بیضا اور عصا میں دوسرے اور
بھی معجزے تھے ایک یہ کہ پانی کھینچنے کے وقت موافق گہرائی کنوئیں کے بڑھ جاتا تھا اور اُسکی لڑیں ڈول
سے بندھ جاتی تھیں اور دوسرے یہ کہ تاریکی میں دو شاخیں اُسکی مانند مشعل کے روشن ہو جاتی
تھیں اور تیسرے یہ کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سو جاتے تھے تو وہ کھڑا ہوا نگہبانی کرتا تھا اور بکریوں کے
پاس چھوڑ آتے تھے تو کسی درندے کو مثل بھیڑیے وغیرہ کے آنے نہیں دیتا تھا یہاں تک کہ بعضوں
نے کہا ہے کہ عصا میں ہزار معجزے تھے چنانچہ دو معجزے عمدہ کلام اللہ میں بھی مذکور ہیں ایک دریا
کا پھٹنا اسکی ضرب سے دوسرے پتھر میں سے جاری ہونا پانی کے چشموں کا اسکی ضرب سے تو آیت
کبریٰ وہی عصا ہوا نہ ید بیضا اور بعضوں نے کہا ہے کہ ید بیضا بہت بزرگ تھا اسواسطے کہ حضرت موسیٰ
کی ولایت کی کمال کی صورت تھی اور نبی کی ولایت افضل ہوتی ہے اُسکی نبوت سے اور بھی فرعون کے
جادوگر ید بیضا کی نقل نہ کرسکے اور عصا کی نقل کی اور حق بات یہ ہے کہ یہ دونوں معجزے بڑے تھے اور
آیت کبریٰ میں داخل ہیں اور یہ دونوں حکم ایک نشانی کا رکھتے ہیں اور معجزوں کی نسبت سے جو
حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عنایت ہوئے تھے یہ اور سب سے بزرگ معجزے ہیں حاصل کلام کا یہ ہے
کہ فرعون باوجود دیکھنے ایسے دو معجزوں کے کہ حضرت موسیٰؑ کے دعویٰ کے ثابت کرنیکے واسطے دو گواہ

عادل تھے اسواسطے کہ وہ آنا زندگانی غیبی کا اُنکے ہاتھ سے ایسے جسم میں جو ہرگز قابلیت اور لیاقت
زندگی کی نہ رکھتا تھا جیسے لکڑی یہ دلیل صریح ہے اس بات پر کہ اُنکے سبب سے دل مرے ہوئے
بطریق اولیٰ زندہ ہوں گے اور نفس کی خباثت اور بُرائیوں کو دور کرکے پاک وصاف کردینا انکے
نزدیک بہت آسان کام ہے اور چمکنا نور الٰہی کا اُنکے ہاتھ میں دلیل ظاہر ہے اس بات پر کہ انکے
ہاتھ سے سالکان راہ خدا کو انوار تجلیات الٰہی تک پہونچا دینا بخوبی ہوسکے گا تسپر بھی ہرگز فرمانبردار نہوا
بلکہ فَكَذَّبَ وَعَصٰى ۞ پھر انکار کیا رسالت حضرت موسیٰؑ کا اور نہ مانا حق تعالیٰ کے حکم کو کہ جو حضرت
موسیٰ علیہ السلام کی زبانی اُس کو پہونچا تھا اور اس قدر نافرمانی پر کفایت نہ کی بلکہ ثُمَّ اَدْبَرَ یَسْعٰى ۞
پھر چلا پیٹھ پھیر کر تلاش کرتا ہوا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کے جھٹلانے کی تدبیر میں جب دیکھا
کہ حاضروں کے دلوں میں ان دونوں معجزوں کے دیکھنے سے حضرت موسیٰؑ کی سچائی آجائیگی فَحَشَرَ فَ
پھر جمع کیا جادوگروں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے کے واسطے اور اپنے ملک کے لوگوں کو
اکٹھا کیا اُس مقابلے کے دیکھنے کے واسطے کہ یہ کام حیلے اور تدبیر سے بھی ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ کا کیا
ہوا نہیں ہے فَنَادٰى ۞ پھر پکارا لوگوں کو مقابلے سے پہلے تاکہ اگر جادوگر مقابلے میں ہار جاویں
تو بھی حضرت موسیٰؑ کا مطالبہ حاصل نہ ہووے اس حیلے سے کہ وہ پروردگار کہ جس کی طرف ایلچی
گری کا دعویٰ حضرت موسیٰؑ کرتے ہیں ربوبیت میں مجھ سے پست ہے اور کمزور اور تابعداری ادنیٰ
کی اعلیٰ کے ہوتے خلاف عقل ہے اور شان رعیت کی نہیں ہے فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ۞ پھر
کہا فرعون نے کہ میں ہوں تمھارا رب سب سے اوپر اور بالفرض اگر کوئی رب دوسرا جہاں میں ہو گا
جیسے وہ شخص جس نے موسیٰؑ کو بطریق ایلچی گری کے میرے پاس بھیجا ہے تو مجھ سے مرتبے میں کم ہوگا تو
موسیٰؑ اگر اپنی رسالت ثابت بھی کرے تو بھی قابل متبوع ہونے کے نہیں ہے یعنی اُس کی تابعداری
نہ چاہیئے اور اپنی ربوبیت باطلہ کو حضرت رب العالمین کی ربوبیت پر جس طرح سورہ زخرف وغیرہ
میں مذکور ہے اس طور سے فوقیت دیتا تھا کہ ربوبیت حق تعالیٰ کی اگر پائی جائے تو عام ہے سب
مخلوقات پر اور میری ربوبیت خاص ہے مصر والوں پر اور خاص مقدم ہوتا ہے عام پر خاطرداری اور
خدمت گزاری میں اور دوسرے یہ بھی ہے کہ ربوبیت حق تعالیٰ کی آنکھ سے غائب ہے اور عقل میں
نہیں آتی اور میری ربوبیت ظاہر ہے کہ تم سب دیکھتے ہو اور بھی ایلچی حق تعالیٰ کا کہ حضرت موسیٰؑ ہیں

میرے ایلچیوں کی طرح طمطراق یعنی ظاہر کا اسباب درست نہیں رکھتے نہ سونے کے کنگن ہاتھوں
میں ہیں اور نہ خزانہ اور لشکر ساتھ ہے تو اُسکی ایلچی گری میں نقصان ہوا اور اس کے نقصان سے اُسکے
بادشاہ کا نقصان جس کی طرف سے یہ آیا ہے صاف بوجھا گیا حاصل کلام کا یہ ہے کہ فرعون قبل آنے
حضرت موسیٰ کے ان تدبیروں اور حیلہ سازیوں سے بچا تھا اور مرتبہ سابقات میں داخل ہو کر گمراہی
صریح میں پھنسا تھا اور بعد آنے حضرت موسیٰ کے کہ اُن کو جھوٹا کرنے کی تدبیر میں پڑا تو مدبرات امرا
کے درجے کو پہونچا تو دونوں شخص ہدایت اور گمراہی کے مرتبے میں کمال کو پہونچے یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام
ہدایت کے کمال کو پہونچے اور فرعون گمراہی کی انتہا کو پہونچا لیکن عنایت حضرت پروردگار برحق نے
حضرت موسیٰ کی تدبیر کو شامل ہو کے اعلیٰ درجے کو پہونچایا اور وہ ملعون خسر الدنیا والآخرۃ ہوا فَاَخَذَهُ
اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى ۝ پھر پکڑا اُس کو اللہ تعالیٰ نے عذاب پچھلے اور اگلے میں یعنی دنیا
میں پانی میں ڈبو کر رسوا کیا اور آخرت کو دوزخ میں ڈالے گا جس طرح دوسری جگہ فرعون اور
اُس کے لشکر کے حق میں فرمایا ہے کہ اغرقوا فادخلوا نارا اور اگرچہ دنیا کا عذاب مقدم ہے
آخرت کے عذاب پر لیکن اسواسطے یہاں آخرت کو مقدم فرمایا کہ مقصود اصلی وہی ہے اور دنیا کا
عذاب اُس کا وسیلہ ہے اور یہ بھی ہے کہ عذاب آخرت کا جاودانی ہے اور ہزاروں مرتبے سخت ہے
عذاب دنیا سے اسواسطے مقدم ذکر کرنا اُس کا اولیٰ ہوا اور ہر چند کہ دنیا دار الجزا نہیں ہے لیکن ایسے
فرعونوں کو اور شریروں کو دنیا میں بھی بعد الزام حجت کے اوروں کی عبرت کیواسطے انکے بدکاموں کی
سزا دیجاتی ہے چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ یَّخْشٰى ۝ بیشک اسمیں سوچ
کی جگہ ہے اُسکو جو حق تعالیٰ سے ڈرتا ہے کئی وجھوں سے پہلی وجہ یہ ہے کہ گمراہی کے پیشواؤں کی
تدبیر چل نہیں سکتی اور ایک نہ ایک وقت ان کا کیا برباد ہو جاتا ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ
اگرچہ اپنی صفت حلیمی سے گمراہوں کو ڈھیل دیتا ہے لیکن مہمل نہیں چھوڑتا بلکہ ایک نہ ایک دن سزا
قرار واقعی دیتا ہے تیسری وجہ یہ ہے کہ معجزوں کا دیکھنا اُس شخص کو مفید ہوتا ہے کہ کفر کی جڑ اُس کے
دلمیں نہ جم گئی ہو اور اُس جڑ کے ریشے پھیل نہ گئے ہوں والا ہر معجزے کو کسی حیلے اور مکر سے دفع کر دیگا
اور ہر دلیل اور حجت کو مغالطہ سے دور کر یگا یعنی دھوکا دیکے مقابلہ کرے گا چوتھی وجہ یہ ہے کہ حضرت
موسیٰ علیہ السلام ایسے کافر سرکش سے کہ دعویٰ خدائی کا کرتا تھا نہایت نرمی اور بردباری سے بات

ع ۲۶ ۲

کہتے تھے پھر آخر کو اُس پر فتح اور ظفر پائی تو پیغمبروں اور اُنکے فرمانبرداروں کو چاہیئے کہ بے ادبی اور کفر کے کلمات سُنکر غصے میں نہ آجاویں اور غمگین نہ ہوویں تاکہ آخر کو فتح پاویں اور جب حضرت موسےٰ علیہ السلام کے قصے میں ثابت ہوچکا کہ فیضان غیب کی زندگی کا جسم کی لیاقت پر موقوف نہیں ہے اور البتہ زندگانی غیب کا بار بار آنا اور جانا ہوسکتا ہے چنانچہ عصا میں ظاہر ہوا اب کافروں کو اس دلیل میں بات کہنے کی گنجایش تھی کہ زندگی حیوان کی ناقص ہے اگر کوئی پتھر یا لکڑی میں یہ زندگی پائی جاوے تو ہوسکتا ہے اور اسیطرح بار بار آنا اُس زندگی کا بھی کچھ بعید نہیں ہے اسواسطے کہ ایام بہار اور برشکال میں ہم خود دیکھتے ہیں کہ اس قسم کے جانور جیسے سانپ بچھو مینڈک خود بخود بے جوڑے کے پیدا ہوجاتے ہیں اور زمین خشک ہو یا تر اُن حیوانوں کی صورت قبول نہیں کرتی ہے پھر جب وہ موسم گذر جاتا ہے تو وہ صورت اپنے مادے سے جُدا ہوجاتی ہے اور جب پھر وہی موسم آتا ہے وہی اجزاے مادیہ کہ اُس مکان میں پڑے رہ گئے تھے پھر اُسی صورت پر ہوجاتے ہیں اور اُن میں جان آجاتی ہے لیکن پیدایش آدمی کی اس طور پر ہرگز نہیں ہوسکتی اسکی تمثیل بیان کیا چاہیئے تاکہ ذہن نشین ہوجاوے اس کے جواب میں ارشاد ہوتا ہے کہ ءَ اَنۡتُمۡ اَشَدُّ خَلۡقًا کیا تم زیادہ سخت ہو بننے میں اور پیدایش تمھاری زیادہ سخت ہے اَمِ السَّمَآءُ ط یا آسمان زیادہ سخت ہے بننے میں اور پیدایش اُسکی تمھاری نظروں میں مشکل معلوم ہوتی ہے آور جواب اس سوال کا ظاہر ہے کہ آسمان اندازے میں بھی آدمی سے بہت بڑا ہے اس حد کو کہ اصلاً اُس کو اُس سے کچھ مناسبت نہیں اور تفصیل اجزا کے اعتبار سے بھی جیسے بروج اور ستارے مختلف تاثیروں اور حکموں والے اور حدود جُدا جُدا اُس کے آدمی سے بہت زیادہ ہیں آور قوت جسمانیہ بھی اُسکی آدمی کی قوت جسمیہ سے بہت زیادہ ہے کیونکہ حقتعالیٰ نے بَنٰهَا ۞ بنا کیا اُس کو ایسی سخت بنا کہ ہرگز باوجود گذرنے قرنوں کے اور سدا پھرنے کے پُرانا بھی نہیں ہوتا اور ٹوٹتا پھوٹتا بھی نہیں اور قوت روحانیہ بھی اُسکی آدمی کی قوت روحانیہ سے بہت غالب ہے اسواسطے کہ حق تعالیٰ نے رَفَعَ سَمۡكَهَا اونچی کی ہے بلندی اُسکی بغیر ٹیکیوں اور دیواروں کے آور سمک لغت میں اُس امتداد کو کہتے ہیں کہ طول اور عرض پر اس امتداد کو قائم اعتبار کرتے ہیں اگر نیچے سے اوپر کو نظر کریں تو اس امتداد کو سمک کہتے ہیں اور ارتفاع بھی بولتے ہیں چنانچہ مشہور ہے کہ ارتفاع یعنی بلندی اس دیوار یا چھت کی اسقدر ہے اور اگر اوپر سے نیچے کو دیکھیں تو اس امتداد کو عمق کہتے ہیں

بیان آسمانوں کی بلندی کا

چنانچہ بولتے ہیں کہ عمق یعنی گہراپن اس دریا کا یا اس کنوئیں کا اسقدر ہے اور اہل تفسیر اور اہل حدیث
نے یوں روایت کی ہے کہ دُنیا کے آسمان کی بلندی روئے زمین سے پانچسو برس کی راہ ہے اور
اسی طرح سے ساتوں آسمانوں کے درمیان میں مفاصلہ ہے اور موٹاپا اور دَل بھی ہر آسمان کا اسیقدر
ہے اسی بات سے بلندی اور چوڑائی ساتوں آسمانوں کی قیاس کیا چاہیئے کہ کیا کچھ ہوگی اور اہل ہیئت
کا علم ابعاد اور اجرام میں آسمانوں کی موٹائی دریافت کرنے کیواسطے ایک اور ہی طریقہ ہے کہ علم ہندسہ
کی دلیلیں اُس پر قائم کی ہیں اور جو راہ پانچسو برس کی کہ روایتوں میں وارد ہے کچھ مقرر نہیں ہے کہ
کون سے چلنے والے کی راہ ہے اور کونسی چال مراد ہے اور یہ بھی ہے کہ قطع کرنا چڑھائی کی مسافت کا
ہموار زمین کی مسافت قطع کرنے سے زیادہ مشکل ہوتا ہے اور جتنی دیر کہ اُسکی مسافت قطع کرنے
میں لگتی ہے اس سے دونی اس میں ہوتی ہے چنانچہ ہموار زمین کے چلنے میں اور پہاڑ کی چڑھائی
میں تجربہ ہو چکا ہے اور اہل ہیئت نے کوسوں سے اندازہ اُنکے بُعد کا کیا ہے اور اس صورت میں
ہوسکتا ہے کہ روایات شرعیہ اور براہین ہندسیہ دونوں مطابق ہو جاویں لیکن اہل ہیئت کے نزدیک
افلاک کے سطوح آپسمیں ملے ہیں اور اُنکے درمیان میں مفاصلہ نہیں اور روایات شرعیہ کے موافق
مفاصلہ بھی ثابت ہوتا ہے لیکن اہل ہیئت کے نزدیک ایک دوسرے آسمان کا چسپیدہ ہونا آپسمیں
فصل فی الفلکیات کے قاعدے پر مبنی ہے اور یہ قاعدہ ظنی ہے کوئی دلیل قطعی اُس کے واسطے نہیں
اور اس بات کے ساتھ یہ بھی ہے کہ اہل ہیئت کی نظر میں حاجت مفاصلے کی آسمانوں میں متحقق
نہیں ہوئی اس جہت سے مفاصلے کو ثابت نہیں کیا اور شرع والوں کو دور اور سیر فرشتوں کی دونوں
آسمانوں کے درمیان میں معلوم ہوئی تو مفاصلے کو ثابت کیا ہے بس کسی طرح کی مخالفت نہیں رہی مگر
یہی براہین ہندسیہ سے بیان میں ابعاد فلکیات کے ثابت ہوتا ہے کہ بے فرجہ کے معلوم کیا ہے اُس
چیز سے کہ روایات شرعیہ سے ثابت ہے لیکن یہ مخالفت لفظی ہے کیونکہ جس مقدار کو کہ اہل ہیئت نے
آسمان کے موٹاپے میں داخل کیا ہے شاید کہ بعض کو اس میں سے اہل شرع نے فرجہ اعتبار کیا ہو
اور باقی کو موٹاپا فیرفع النزاع پس جھگڑا اُٹھ گیا اب حاصل کلام کا یہ ہے کہ آسمان کی قوت جسمانیہ
اور روحانیہ کا زیادہ ہونا آدمی کی قوت جسمانیہ اور روحانیہ سے اظہر من الشمس ہے اور اگر آدمی کو اِس
بات کا فخر ہے کہ میرا مزاج کمال اعتدال پر واقع ہوا ہے کہ نفس ناطقہ مجردہ کے تعلق کے قابل ہوا ہوں تو جواب

اس کا یہ ہے کہ آسمان بھی کمال اعتدال اور لطافت میں واقع ہوا ہے چنانچہ فرماتے ہیں فَسَوّٰىهَا ؕ پھر معتدل المزاج کیا ہے اُس آسمانوں کو اور نفوس کاملہ کو اس کے اجرام سے متعلق کیا ہے کہ لطافت اور تجرد میں نفوس انسانیہ سے زیادہ تر کامل ہے اور باوجود ان سب باتوں کے آسمانوں کو ایک بڑی زبردست تاثیر بخشی ہے کہ بسبب ظاہر ہونے آفتاب اور ستاروں کی شعاع کے ایک حرارت قوی عالم میں ظاہر کرتے ہیں اور انکی روشنی چھپ جانے سے نہایت خنکی عالم میں پیدا کرتے ہیں اور یہ تاثیر ہر روز آنے جانے میں دن رات کے نظر آتی ہے وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا اور اندھیری کی رات اُسکی تاکہ آفتاب کی شعاع گرم جہان والوں پر نہ چمکے اور سردی پیدا ہو اور ہر چند کہ شب نام مخروط ظلی زمین کا ہے لیکن جو وہ مخروط آفتاب کی شعاع کے سبب پیدا ہوتا ہے اور غروب آفتاب کا ایک کنارے پر اس مخروط کے طلوع کا سبب ہوتا ہے اُس کنارے والوں پر اور طلوع آفتاب کا اُس مخروط کے غروب کا موجب ہوتا ہے اور آفتاب کی حرکت آسمان کی حرکت کے تابع ہے تو اس لیے رات کو آسمان کی طرف نسبت فرمایا ہے اور بعضوں نے ارباب ہیئت سے آسمان کے تسویہ کو اسکی کرویت پر حمل کیا ہے اور کہتے ہیں کہ شکل کروی آفات کو قبول نہیں کرتی برخلاف اور شکلوں کے بس اس جہت سے بھی خلقت آسمان کی زیادہ تر محکم ہوئی آدمی کی خلقت سے اور بعضوں نے تسویہ کو آسمان کے شقوں اور شگاف نہ ہونے پر حمل کیا ہے برخلاف آدمی کے کہ مسام اور شقوق بہت رکھتا ہے اسی واسطے بہت سی آفتوں میں ہے کہ مناسب اور نامناسب ہوا اس کے بدن میں داخل ہوتی ہے اور کھانا اور پینا اور گرم و سرد ہوا اور موذی جانور اُس کے بدن کے سوراخوں کی راہ سے گھس سکتے ہیں برخلاف آسمان کے کہ ان سب آفتوں سے بالکل محفوظ ہے وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا ۙ اور نکالی روشنی اُسکی کہ عبارت اُس کے آفتاب سے ہے اور ضُحٰی کے وقت کا ذکر اسواسطے اختیار فرمایا ہے کہ وہ وقت کامل تر ہے سب اجزاؤں سے دن کے نور اور روشنی میں اور آفتاب کی شعاع کو ایک تاثیر ہے نہایت محسوس گرم کرنے میں عالم کے اور تمام عناصر اُس کی شعاع کے سبب سے گرم ہو جاتے ہیں خصوصاً زمین کہ بسبب کثافت اور یبس کے بہت دیر تک اس کیفیت مقبولہ کو محفوظ رکھتی ہے اور جو رات و دن آسمان کو تبرید اور تسخین یعنی سردی اور گرمی بہم پہونچی اور آسمان قابل ان کیفیتوں کے نہ تھا تو ناچار ان دونوں کو زمین نے قبول کیا اور قابل

جو تنے بونے اور چشمے اور نہریں جاری ہونے کے ہوئی وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ۝ اور زمین کو رات و دن کی تدبیر کے بعد ہموار کیا اور انکی چمن بندی کی کیونکہ جمع ہونے سے گرمی و سردی کے زمین میں اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا نکالا اس زمین سے پانی اُس کا تاکہ زمین کے گھرے ہوئے پانیوں کو کہ سردی کے سبب سے پانی کی صورت قبول کرنے کے مستعد ہوئے تھے آفتاب کی شعاع کی گرمی سے بهکر زمین سے باہر نکل آویں اور جب پانی اور خاک مل گئے اور حرارت نے اُبھارا اور گرمی نے اُسمیں اثر کیا تو بس گھانس اور سبزہ اُگا چنانچہ فرماتے ہیں وَمَرْعٰىهَا ۝ اور نکالا چارا اُس زمین کا گویا زمین اس تدبیر سے اور جڑ پڑی تھی اب اُس کو باغ بنا دیا کہ پانی بھی اسمیں جاری ہے اور طرح طرح کا سبزہ بھی اُگا ہے اور اسواسطے کہ مادہ پانی کا زمین میں محفوظ ہو ایک تدبیر دوسری فرمائی ہے وَالْجِبَالَ اَرْسٰىهَا ۝ اور پہاڑوں کو لنگروں کیطرح سے زمین پر مقرر کیا کہ جو بخارات کہ زمین میں گھرے ہیں اگر چاہیں کہ باہر نکلیں تو پہاڑوں کے موٹاپے کے سبب سے نکل نہیں سکتے ناچار لوٹ کر پانی ہوجاتے ہیں اور سوراخوں کی راہ سے جو ان پہاڑوں میں پاتے ہیں چشموں اور نہروں کے طور سے جاری ہوتے ہیں۔ اور یہ بھی ہے کہ جو پانی کہ آسمان سے نازل ہوتا ہے تو پہاڑوں کے موٹاپے کے سبب سے زمین اُس کو جذب نہیں کرسکتی اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر جمع ہو رہتا ہے پھر آہستہ آہستہ نشیب کی طرف جاری ہوتا ہے اور اسیواسطے نہریں اور چشمے پہاڑوں سے جاری ہوتے ہیں اور قرآن مجید میں جا بجا چشموں اور نہروں کے ذکر کے ساتھ پہاڑوں کا ذکر بھی آیا ہے اور یہ سب تدبیریں اسواسطے فرمائی ہیں مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ۝ کام چلانے کو تمھارے اور تمھارے چار پایوں کے پس بقا اور معاش تمھاری سب آسمان سے مربوط ہے اور حیات تمھاری مدد چاہنے والی اُسکی حیات سے ہے پھر اپنے کو خلقت میں اس سے زیادہ محکم کس طور سے گمان کرسکو گے اور یہاں پر سمجھنا چاہیئے کہ دوسری روایتوں میں کہ سورۂ بقرہ اور سورۂ فُصِّلَتْ میں واقع ہوئی ہیں زمین کی خلقت کو آسمان کی خلقت سے پہلے بیان فرمایا ہے بلکہ پہاڑوں کے قائم کرنے کو زمین پر اور القا کرنا برکت کا ساتھ پیدا کرنے قوتوں کے زمین بھی سورۂ فُصِّلَتْ میں آسمان کی خلقت پر مقدم ہے اور جو کشاف والے اور دوسرے مفسّروں نے کہا ہے کہ خلقت زمین کے جرم کی آسمان کی خلقت پر مقدم ہے اور بچھانا اور پھیلانا زمین کا آسمان کی

بیان تطبیق اختلاف کا اول پیدا ہونے میں آسمان و زمین کے

خلقت کے بعد ہے سو یہ تقریر پیش نہیں جاتی کیونکہ سورۂ فُصّلت میں زمین کی تمام خلقت کو اور جو کچھ کہ اس میں ہے آسمان کی خلقت سے مقدم فرمایا ہے اور سورۂ بقرہ میں بھی خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِیْعًا ثُمَّ اسْتَوٰی اِلَی السَّمَآءِ زمین کی تمام مخلوقات کی تقدیم آسمان کے تسویہ پر دلالت کرتی ہے اسیواسطے ایک جماعت علماء کی اس بات کی طرف گئی ہے کہ خلقت آسمان کی زمین سے مقدم ہے مگر تسویہ آسمان کا زمین کے بعد ہے سو اس جماعت کو اس سورۃ سے غفلت واقع ہوئی ہے کیونکہ اس جگہ پر فَسَوّٰىهَا وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا فرمایا ہے اور بعد اس کے ارشاد کیا ہے وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا پس تحقیق یہ بات ہے کہ مراد جو زمین سے کہ آسمان کے تسویے کے بعد ہے مرتبہ قضا اور ایجاد مافی الارض کا ہے اور زمین کو بطور باغ کے مرتب کیا اور مراد خلقت سے مَا فِي الْاَرْضِ مِنَ الْجِبَالِ وَالنَّبَاتِ وَالْاَقْوَاتِ کہ سورۂ فُصّلت اور سورۂ بقرہ میں ہے آسمان کے تسویے پر مقدم ہے سو ان چیزوں کے اندازے اور تقدیر کا مرتبہ ہے نہ بالفعل کے ایجاد کرنیوالا ظاہر ہے کہ تکون معادن اور نباتات کا بلکہ کائنات الجو بھی اشعۂ آسمانی پر اور اوضاع مختلفہ پر اس اشعہ کے موقوف ہے کہ حرکت سے آسمان کی مربوط ہیں اور بعضے مفسروں نے کہا ہے کہ ثُمَّ اور بَعْدَ ذٰلِكَ ان آیتوں میں ترتیب کے واسطے نہیں ہیں بلکہ نعمتوں کی گنتی کے واسطے ہیں کہ بسبب کثرت عنایت کے رعایت پس و پیش کی ذکر میں نہیں کرتے ہیں جیسے کوئی شخص اپنے غلام سے کہے کہ میں نے تجھ کو فلانی فلانی چیزیں نہیں دیں پھر تیری پرورش نہیں کی پھر تجھ کو اگلے مالک کے ہاتھ سے کہ تجھ پر ظلم کرتا تھا نہیں چھڑایا بلکہ بعضوں نے اُن میں سے کہا ہے کہ بَعْدَ یہاں پر مرتبے کی تراخی کے واسطے ہے جیسے ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا میں ہے کہ بعد فک رقبہ کے اور دوسری عبادات مالیہ کے مذکور فرمایا ہے اور زمین کا بچھانا آدمیوں کے حق میں بہت بڑی نعمت ہے آسمانی نعمتوں سے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ بَعْدَ ذٰلِكَ یہاں پر مع ذٰلِكَ کے معنوں میں ہے جیسے آیت بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ اور حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حق تعالیٰ نے پہلے زمین کو بہت چھوٹا پیدا کیا اور اُس میں پہاڑوں کی رگیں پیدا کیں اور ان رگوں میں برکت دی کہ انکے سبب سے پانی کو اپنے اندر کھینچ لے اور چشمے جاری ہوں اور اندازہ کھانے کی چیزوں کا مقرر کردیا پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور آسمان ایک دھوئیں کے مانند تھا اُس کے سات آسمان

بنائے پھر زمین کو پھیلایا جس قدر کہ اب ہے اور اوّل پیدایش زمین کی کعبہ معظمہ کے مقام پر تھی
وہیں سے پھیلائی گئی ہے اسی واسطے اُس خانہ مکرم کے حق میں دوسری جگہ پر فرمایا ہے اِنَّ
اوّل بیت وضع للناس اور مکے کے شہر کو اسی واسطے اُم القریٰ کہتے ہیں واللہ اعلم اور یہ بھی سمجھ
لیا چاہیئے کہ ان نعمتوں کی تعداد میں بعضے مقاموں پر حرف عطف کا لائے ہیں اور بعضے مقاموں پر حذف
کیا ہے سو اس نکتے کے دریافت کرنے کا قاعدہ یہ ہے کہ جس مقام پر کہ پہلی نعمت مجمل ہے اور اُسکی
تفصیل منظور ہے تو عطف کے حرف کو وہاں سے حذف فرمایا ہے اسواسطے کہ مجمل اور مفصل آپسمیں ایک
ہیں حرف عطف کی گنجایش اُن میں ممکن نہیں جیسے وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا اَخْرَجَ مِنْهَا
مَاءَهَا وَمَرْعٰهَا اور جیسے بَنٰهَا رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰهَا اور جس جگہ پر کہ پہلی نعمت کے بیان سے
فارغ ہو کر دوسری نعمت کا بیان کرنا مقصود ہے وہاں پر عطف کا حرف لائے ہیں چنانچہ اور سب
آیتوں میں مذکور ہے اور رجو دفع کرنے سے کافروں کے شبہوں کے کہ حیات اخروی میں بیان کرتے
تھے فارغ ہوئے اور وہ بات کہ مقصود تھی یعنی تفصیل نیکوں اور بدکاروں کے حال کی اور امتیاز ہر
ایک کا ان دو طائفوں میں اپنے حال کے اندر ادھورا رہ گیا تھا پھر تمام کرنے کو اس مقصد کے رجوع
فرماتے ہیں کہ کتنے دل اُس روز کی دوبارہ زندگی کے سبب سے اور نفخہ صور کی آواز سننے سے مضطرب
اور بیقرار ہو جاویں گے اور ثمرہ بھی انکے اس اضطراب کا ظہور کرے گا اور جس بلا سے کہ ڈرتے تھے
وہی واقع ہونیکی صورت پڑ گئی فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ۖ بس آنے سے رادفہ کے لوگ
مضطرب اور بیقرار ہو جائیں گے اور ہر شخص پر اپنے حال کا اندیشہ غلبہ کریگا کہ دیکھا چاہیئے مجھ سے
آج کے دن اس مقام پر اس زندگی میں کس طرح کے معاملے سے پیش آتے ہیں اور کیا کرتے ہیں
اور جب دوسرا حادثہ آویگا اور وہ بہت بڑا اور سب حادثوں پر غالب ہے کہ مُراد تجلی قہر الٰہی سے ہے
مجازات کیواسطے اور حاضر کر نیکو عملوں کے صحیفوں کے اور شاہدوں کے اور ارواحوں اور ملائکہ کے اور
نزدیک لانیکو دوزخ کے اُس کے موقف پر یعنی کھڑے ہونے کی جگہ پر اور دھر پکڑ گنہگاروں کی اور سوال
اور مجرموں کی سزا کیواسطے اور طامّہ کا لفظ ماخوذ ہے طمّ سے غلبے اور علو کے معنوں میں ہے یقال فی
المثل جری الوادی فطم علی القری یعنی جب نالا جاری ہوتا ہے تو گڑھے پر پانی غالب ہو جاتا
ہے اور کبریٰ تاکید پر تاکید اس حادثہ کے غلبے اور علو پر ہے اور جزا اس شرط کی کہ حرف اذا کا مدلول

ہے لفظ فَاَمَّا مَنْ طَغٰی کا اپنے معطوف کے ساتھ ہے اور جو یہ حادثہ بالاصالت نوع انسانی کے مجازات
کیواسطے واقع ہوگا اور آسمان کا پھٹنا اور زمین کا تزلزل اور دوسرے حادثے محض اسکی تمہید اور
توطیہ ہیں پس واقع ہونا اس حادثے کا نہ ہوسکیگا مگر یَوْمَ یَتَذَکَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰی جس دن
یاد کرے گا آدمی ان سب چیزوں کو جو دُنیا میں سعی اور تلاش سے کی تھیں گویا کام کرنے کے بعد کہ جزا
اُسکی نہیں دیکھی اور ثمرہ اس کا نہیں چکھا تو بھول گیا تھا اب جو اُس کا بدلہ آنکھوں سے دیکھے گا تو
اُن سب کاموں کو یاد کریگا اور اپنے اعمالوں کو اکٹھے کیے ہوئے اور صحیفوں میں بھی لکھے ہوئے دیکھیگا اور
جو چیزیں کہ اُس کے ذہن سے جاتی رہی تھیں پھر اُس کے ذہن میں بس جاوینگی اور قوائے فلکیہ کے
سرایت کرنے سے اُس کے مُدرکہ اور خیال میں اُن عملوں کو اُنکی صورتوں سے دریافت کریگا اور
آسمان کے چرنے اور زمین کے پھٹنے سے عالم مثال علوی اور سفلی کو دیکھے گا وَبُرِّزَتِ الْجَحِیْمُ اور
کھول دکھائی جائیگی دوزخ لِمَنْ یَّرٰی ہ جو چاہے دیکھے اور سب آدمی اسوقت دوزخ کے دیکھنے
میں برابر ہونگے جیسے دنیا میں انبیا اولیا دوزخ کو دیکھتے ہیں اور عوام دوزخ کو نہیں دیکھتے اُس
جہان میں یہ تفرقہ نہ رہے گا بس زیادہ کرنا لِمَنْ یَّرٰی کا اُسکی ظہور کی تعمیم کے واسطے ہے جیسے قد
بین الصبح الذی عینین یعنی ظاہر ہوئی صبح اُس شخص کے واسطے کہ دو آنکھیں رکھتا ہے
ہرچند کہ یہ حادثہ عظیم تمام محشر والوں کو بے حواس کردیگا اور دیکھنے سے قہر الٰہی کی نشانیوں کے کہ
دوزخ کی صورت سے نمودار ہونگی سب شریک ہونگے لیکن اثر اس غضب کا ہر کسی کو نہ پہونچے گا
بلکہ لوگ اُسوقت میں دو فریق ہوجاویں گے فَاَمَّا مَنْ طَغٰی لا پھر جس شخص نے کہ دُنیا میں سرکشی
اور شرارت کی تھی اور اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی حدوں سے تجاوز کیا تھا اور اکثر سرکشی اور شرارت کا
سبب دُنیا کی محبت ہے اسیواسطے حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ حب الدنیا راس کل
خطیئۃ یعنی دنیا کی محبت جڑ ہے سب خطاؤں کی اور یہ طاغی دنیا کی محبت کے مرتبے سے بھی
بڑھ گیا تھا وَاٰثَرَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا لا اور بہتر سمجھا تھا دنیا کا جینا اور اُسکی لذتوں کو اللہ تعالےٰ کی
رضامندی پر اور اُسکے ثواب پر ترجیح دی تھی فَاِنَّ الْجَحِیْمَ ھِیَ الْمَاْوٰی ط پھر تحقیق دوزخ وہی
ہے اُس کا ٹھکانا کیونکہ دوزخ مظہر ہے قہر الٰہی کا اور دوری اور مہجوری کی صورت ہے اُسکی جناب سے
اور جو اُس شخص نے غیر اللہ کو کہ دنیا تھی اللہ پر ترجیح دی تو اللہ تعالیٰ سے نہایت دور جا پڑا اور اُس کا

دیکھنا دوزخ کو ایسا ہے جیسے چور کا دیکھنا جلاد کو یا سولی کو وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ اور جو شخص کہ دُنیا میں ڈرا اپنے پروردگار کے حضور میں کھڑے ہونے سے اور سمجھا کہ مجھے اُسکے حضور میں کھڑا ہونا ہے بس اُسکی مقرر کی ہوئی حدوں سے تجاوز اور سرکشی نہ چاہئیے کرنا نہیں تو وہاں پر روسیاہی حاصل ہوگی اور دنیا کی زندگانی کو کہ ایک سفر سے زیادہ نہیں حق سبحانہ تعالیٰ کی مرضیات پر اور آخرت کے ثواب پر ترجیح دینا نہ چاہیئے کہ آخر کو کام اُسی سے ہے وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰىۙ اور روکا جی کو چاؤ سے یعنی خواہش نامشروع سے کہ اکثر دنیا کی ترجیح کا باعث وہی نفس کی خواہش ہوتی ہے فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰىؕ پس تحقیق بہشت وہی مکان اُسکے لائق ہے اور شیخ ابو بکر وراقؒ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے دنیا اور آخرت میں کوئی چیز زیادہ بُری ہوا سے کہ مخالف حق کے ہو نہیں پیدا کی ہے اور اسیواسطے اہل طریقت کے نزدیک آدمی اسوقت بالغ ہوتا ہے کہ ہوائے نفس سے خلاص ہو جاوے چنانچہ عام لوگوں کے عرف میں اُسوقت بالغ ہوتا ہے کہ محبت سے کھیل کود کی خلاصی ہو جاوے بیت خلق اطفال اند جز مست خدا ✽ نیست بالغ جز رہیدہ از ہوا پس دیکھنا اُس کا دوزخ کو اسطرح سے ہوگا جیسے تماشبین جلاد کو یا سولی کو دیکھیں اور موجب فرحت اور خوشی کا ہو ہرچند کہ اس مقام پر حال بیان کرنا آدمیوں کے دو فرقوں کا منظور ہے کہ محشر کے دن انجام ہر ایک کا ان میں سے ایک اور ہی رنگ رکھتا ہے لیکن مفسروں نے کہا ہے کہ ان دونوں صنفوں میں اشارہ ہے دو حقیقی بھائیوں کے حال کی طرف قریش میں سے کہ دونوں کو انکے باپ کا مال بہت سا ہاتھ لگا تھا اور اُنکی ماں اُنکو نہایت چاہتی تھی خوش خوراکی اور خوش پوشاکی میں اُنکی شب و روز مصروف رہتی تھی ایک اُن میں سے مصعب بن عمیرؓ نام رکھتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کی صحبت میں حاضر ہوا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے خوف سے دنیا کی لذتیں چھوڑ دی تھیں اور راتوں کو تہجد گزاری میں بیدار رہتے تھے اور ہمیشہ روزے رکھتے تھے اور اچھا کھانا نہ کھاتے تھے کہ عورتوں کی خواہش زیادہ ہوگی آخر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کے فرمانے سے اُنھوں نے مال و متاع اور دولت و حشمت چھوڑ کر اور سارے گھر بار سے جُدا ہو کر غربت و کربت میں مدینۂ منورہ کی طرف ہجرت کی اور قرآن پڑھانے میں وہاں کے لوگوں کے مشغول ہوئے اور جنگ اُحد کے دن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا نشان اُٹھا کر کمال استقلال و جوانمردی اور آزادی کے ساتھ دنیا سے گئے

قصہ مصعبؓ اور عامر کا کہ دونوں حقیقی بھائی تھے

اور شہید ہوئے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ہ یہاں تک کہ اُنکے کفن کیواسطے سوا ایک لنگی کے
کچھ میسر نہ ہوا اور وہ بھی اُنکے قد کے برابر نہ تھی اگر پاؤں چھپاتے تھے تو سر کھل جاتا تھا اور اگر سر چھپاتے
تھے تو پاؤں کھلجاتے تھے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس لنگی سے اُنکے سر کو چھپا دو اور اُنکے
پاؤں کو خوشبودار گھاس سے کہ اُس کو اذخر کہتے ہیں چھپا دو پھر لوگوں نے ویسا ہی کیا اور دوسرا بھائی
کہ جس کا نام عامر بن عمیر تھا شب و روز عشرت میں مصروف تھا اور محرمات شرعیہ میں مستغرق اور ترک
دنیا کیواسطے ہمیشہ اپنے بھائی سے لڑتا جھگڑتا تھا اور دنیا کی محبت کیواسطے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
کی صحبت سے بھاگتا تھا اور حاضر نہ ہوتا تھا اور ایمان اور ایمان کے حکموں کو قبول نہیں کرتا تھا یہانتک
کہ جنگ بدر کے دن کافروں کے ساتھ مارا گیا اور کندۂ دوزخ ہوا اعاذنا اللہ من سوء الخاتمۃ
اور جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کافروں کے سامنے قیامت کا احوال بیان فرماتے اور کہتے دوزخ
طاغیوں اور سرکشوں اور دنیا طلبوں کی جائے ہے اور بہشت متقیوں اور ڈرنے والوں کا مقام ہے تو کافر
پوچھنے لگتے کہ یہ سب تو قیامت کے بعد ہوگا پھر تم ہمکو بتاؤ کہ قیامت کب ہوگی اور اُس کے آنیکا کونسا
وقت ہے اللہ تعالیٰ نے اُنکے اس بیہودہ سوال پر خفگی فرمائی اور ارشاد ہوا کہ یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ
پوچھتے ہیں تجھ سے قیامت کے آنے کا وقت اَیَّانَ مُرْسٰهَا ط کب ہوگا برپا کرنا اُس قیامت کا
اور کونسے وقت ہوگی حالانکہ یہ سوال اُنکا محض بیجا ہے کیونکہ آئندہ کی باتیں بتانا کچھ تیرا کام نہیں
ہے کہ تجھ سے اس قسم کی باتیں پوچھتے ہیں یہ تو منجموں اور رمالوں اور جفر والوں اور فال دیکھنے والوں
اور کاہنوں کا کام ہے تیرا کام تو احکام الٰہی پہونچا دینے کا ہے اور ڈرا دینا اللہ کے عذابوں سے بغیر تعین
وقت کے فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰهَا ط تو کس بات میں ہے اِس قیامت کا وقت بیان کرنے
میں کیونکہ انبیا اولیا گاہے گاہے آگے ہونیوالی بات کے وقت کو بیان کر دیتے ہیں محض اسواسطے
کہ جب وہ بات اُسیوقت ہو جاتی ہے تو لوگوں کو اُنکی نبوت اور ولایت پر اعتقاد آجاتا ہے اور ان سے
اللہ کی راہ سیکھتے ہیں اور ہدایت پاتے ہیں جیسے ظاہری اطبا کہ بعضے وقت بطور تقدمۃ المعرفۃ کے
مریض کے تغیرات مزاجی آئندہ کو بتا دیتے ہیں اسواسطے کہ لوگوں کو اس بات کے ظہور میں آنے کے
بعد اُن کی طبابت کا اعتقاد آجاوے اور مخلوق اُنکے معالجے سے نفع اُٹھاویں والا بیان کرنا آئندہ
کے حادثوں کے وقت کا نبوت اور ولایت کی شرطوں سے نہیں ہے چنانچہ بیان تقدمۃ المعرفۃ کا یعنی

آگے کی بات پہچاننے کا بیان کچھ طبابت کی شرطوں سے نہیں ہے اور ایک بات ہوتی ہے کہ اُسمیں تو فی الجملہ کچھ فائدہ بھی ہوتاہے اور قیامت کے وقت کے بیان کرنے میں کچھ فائدہ بھی نہیں کیونکہ اگر کسی کو بعد واقع ہونے قیامت کے انبیاؤں کی نبوّت پر اعتقاد آیا تو کیا حاصل کہ ایمان کا وقت تو فوت ہوگیا اور قیامت کے واقع ہونے کے قبل موافقت اسوقت بیان کیے گئے کی معلوم ہو نہیں سکتی پس قیامت کا ذکر ہر گز نبوت کے کام سے موافقت نہیں رکھتا اور ان سب باتوں کے ساتھ خود یہ علم بھی ایسا نہیں کہ کسی بشر کا مدرکہ اس کا احاطہ کرسکے کیونکہ تمام حادثے کہ عالم میں واقع ہوتے ہیں سو اسباب بھی ان حادثوں کے عالم میں موجود ہیں تو ان حادثوں کے واقع ہونے کا وقت مقرر کرسکتے ہیں اور یہ کہہ سکتے ہیں کہ جب یہ اسباب جمع ہوویں گے اور یہ موانع دور ہوجائیں گے جس وقت میں ہوں تب خواہ مخواہ یہ حادثہ واقع ہوگا برخلاف اس حادثۂ عامہ کے کہ تمام رُکنوں پر اس عالم کے صدمہ پہونچادیگا اور اسباب مانند مسببات کے درہم برہم ہوجاویں گے بس اس کے واسطے ایک سبب ہے اس عالم کے اسباب کے ماسوا کہ بشر کی فکر کی حد وہاں نہیں پہونچتی ہے اسی واسطے جو شخص کہ اس عالم میں سے سوال کیا جاتا ہے باواسطہ یا بے واسطہ اس کو علم الٰہی کے حوالے کردیتے ہیں اور اسیواسطے فرمایا ہے اِلٰی رَبِّکَ مُنْتَھٰھَاؕ تیرے رب ہی کی طرف ہے انتہا اُسی قیامت کی اس واسطے کہ قیامت کے وجود کا سبب ارادہ تہری اُسی ذات پاک کا ہے کہ عوض لینے کے واسطے بنی آدم کے گنہگاروں کی طرف متوجہ ہوگا اور اس ارادے کے وقت کا جاننا کب ہے اور بنی آدم کی بُرائیوں کے اندازے کو معلوم کرنا کہ کتنی ہیں اور کون بُرائی قابل سزا دینے کے ہے یہ سب خاصہ اُسی ذات پاک کا ہے تیرا کام اور دوسرے آدمیوں کا نہیں ہے کہ اس علم کو جان سکیں مگر ایک طور سے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن کو یہ علم عنایت ہو اور وہ ہونیوالا نہیں کیونکہ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ یَّخْشٰھَاؕ نہیں ہے تو مگر ڈرانیوالا اُس شخص کا جو قیامت سے ڈرتا ہے اور یہاں پر ایک شبہہ بیان کرتے ہیں کہ ڈرتے کو ڈرانا کیا معنی جواب اس کا یہ ہے کہ علم اجمالی کے سبب سے کہ ہر عاقل کو مجازات پر حاصل ہے یہ جانتا ہے کہ دنیا میں مجازات واقع نہیں ہوسکتے سوا ایک اور عالم اُس کے واسطے چاہیے پس خوف قیامت کا اُسسے پیدا ہوتا ہے اور انبیا اور مرسلین کا ڈرانا بیان کرنیسے مجازات کی تفصیل اور مضرات اور نافعات سے اُس جہاں کی ہے پس جو شخص کہ علم اجمالی مجازات پر نہیں

رکھتا انبیا اور مرسلین کے ڈرانے سے بے بہرہ ہے اور بعضے مفسروں نے کہا ہے کہ مراد مَن یَّخشٰی سے
یہ ہے کہ خوف آخرت کی استعداد کا بالقوۃ اسمیں موجود ہے نہ یہ کہ بالفعل ڈرتا ہے اور ڈرانے سے
انبیاء کے سواے اُن لوگوں کے کہ استعداد خوف کی رکھتے ہیں فائدہ مند نہیں ہوتے اور گویا انبیا کو
دوسروں کے ڈرانے کا منصب نہیں ہے حاصل کلام کا یہ ہے کہ ڈرنیوالے اور ڈرانیوالے کو سوال
اُس چیز کے وقت کا اصلا درکار نہیں ہے جیسے کسی مسافر کو جو چوروں کا ڈر ہو یا کوئی دوسرا اسکو قزاقوں
سے ڈرا دے اور وہ پوچھے کہ مجھ پر کس وقت آپڑیں گے جب تک تو اُس کا وقت بیان نکریگا تب تک
میں ہرگز یقین نہ کرونگا اور ظاہر ہے کہ اگر کافروں کا سوال قیامت کے وقت کا اسواسطے تھا کہ اگر
وقت کا بیان کرینگے تو ہم ایمان لاوینگے پس یہ صاف بیجا ہے کیونکہ بیان کا وقت اُس صورت
میں موجب ایمان کا ہوتا ہے کہ وقوع واقعے کا موافق اسوقت کے ہووے اور اس سے پہلے بیان
کرنا اور نہ کرنا وقت کا برابر ہے اور بعد واقع ہونے قیامت کے ایمان کا اعتبار نہیں ہے اور اگر اسواسطے
ہے کہ اُس کا بُعد اور قُرب معلوم کرلیں اگر دور ہو تو خاطر جمع سے بیٹھ رہیں اور اگر نزدیک ہو تو اسکی
فکر کریں تو یہ بھی بے حاصل ہے کیونکہ قیامت قائم ہونے کے وقت یہ مدت دراز جو گذری ہے اُنکو
بہت تھوڑی معلوم ہوگی كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا گویا کہ وہ لوگ جس روز کہ دیکھیں گے نشانیاں
اُس قیامت کی تو جانیں گے کہ اُنکے ٹھہرنے کی مدت دنیا میں نہایت تھوڑی تھی اور ایک روز کال
کو بھی نہیں پہونچی تھی بلکہ ایسا گمان کریں گے کہ لَمْ يَلْبَثُوٓا دیر نہیں کی تھی دنیا اور برزخ میں
اِلَّا عَشِيَّةً مگر ایک عشا کہ آفتاب کے زوال سے غروب تک ہوتی ہے اَوْ ضُحٰهَا یا برابر
اُس کے ضحیٰ کے کہ طلوع آفتاب سے زوال کے قریب تک اُس کا وقت ہوتا ہے اور تردد اُن کا
عشا اور ضحیٰ میں اسواسطے ہوگا کہ اگر عمر اُنکی مشقت اور رنج میں گذری تھی اور برزخ میں بھی عذاب
میں گرفتار تھے اسواسطے اپنی بقا کی مدت کو آدھی عشا یعنی پچھلے آدھے دن کے برابر جانیں گے کہ وہ
ماندگی اور رنج کا وقت بھی ہے اور اگر اُنکی عمر راحت میں گذری تھی اور برزخ میں بھی چنداں
معذب نہیں ہوئے تو اپنی بقا کی مدت کو ضحیٰ سمجھیں گے اور بعضے علمانے کہا ہے کہ شروع رات و
دن کے دورے کا اکثر لوگوں کے نزدیک جیسے ہنود اور یونانی وغیرہ ہیں دوپہروں سے ہے اور شریعت
میں اوّل فجر سے اور جو اہل محشر منظور رکھیں گے کہ اپنی بقا کی مدت کو آدھے دن سے بھی کمتر بیان

ع

کریں تو کہیں گے کہ اکثر شروع دن کا نصف النہار سے ہے تو ہمنے دیر نہیں کی مگر برابر ایک عشا کے اور اگر ابتدا اول فجر سے ہے تو ہمنے دیر نہیں کی مگر ایک ضحیٰ اور ظاہر بعید مقدم ہونے میں عشا کے ضحیٰ پر یہی ہے لیکن اضافت ضحیٰ کی عشا کی طرف اس جہت سے ہے تا کہ آگاہی ہو اس بات کی طرف کہ بالکل دنیا کی مدت اُنکے گمان میں ایک روز کے برابر ہو گی چنانچہ دوسری جائے پر اُنکی زبان سے فرمایا ہے کہ ان لبثتم الا یوما اور اپنی نوع کے بقا کا زمانہ دنیا میں اُس روز کی ایک ساعت کے برابر جانیں گے نہ یہ کہ عشا ایک دن کی اور ضحیٰ دوسرے دن کی اور اگر عشیۃ و ضحیٰ فرماتے اور اضافت ضحیٰ کی عشیۃ کی طرف نہ کرتے تو اتحاد ایک روز کا بوجھا نہ جاتا اور احتمال ہے کہ معنی اس آیت کے اس طور سے ہوں الا عشیۃ او ضحٰھا ایضا مع العشیۃ اور حاصل یہ کہ اپنے دنیا کے باقی رہنے کی مدت میں تردد کریں گے کہ آدھا روز تھا یا سارا روز چنانچہ دوسری جائے پر اُن ہی کی زبان سے نقل فرمائی ہے کہ لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَاسْئَلِ الْعَادِّيْنَ ٥ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

سورۂ عبس

یہ سورۃ مکی ہے اسمیں بیالیس آیتیں اور ایک سو تیس کلمے اور پانچسو پینتیس حرف ہیں اور اس سورۃ کا ربط سورۂ والنازعات سے کئی طور سے ظاہر ہے اوّل تو یہ کہ آخر میں سورۂ والنازعات کے اِنَّمَا اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰهَا فرمایا ہے اور اس سورۃ میں عتاب اور خطاب ہے ترک کرنے پر اس منصب کے لوازمات کے کہ اَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى وَهُوَ يَخْشٰى فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى دوسرے یہ کہ اِس سورہ کا قصہ اُس سورۃ کے قصے سے تقابل رکھتا ہے وہاں پر ایک پیغمبر جلیل القدر کو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے روبرو ایک بادشاہ صاحب اقتدار کے بھیجا اور اُسکی خوشامد کا حکم فرمایا فقل ھل لک الیٰ ان تزکی اور یہاں پر ایک فقیر اندھے خاکسار کو آگے خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے اور اُسکی خاطر داری کا حکم ہوا اور اعتبار اور ثروت والوں سے توجہ کرنے پر عتاب فرمایا وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام بطور آرزو کے کہتے تھے ھل لک الی ان تزکی اور یہاں حق جل و علیٰ اُمیدوار کرتا ہے کہ لعلہ یزکی اور اس بادشاہ کو طغیان اور سرکشی سے وصف فرمایا اور اس فقیر کا خوف و خشیت سے وہ بادشاہ جبار اپنے مکان پر تھا اور پیغمبر کو اُس کے پاس جانے کا حکم ہوا کہ اذھب الی فرعون اور یہاں پر وہ فقیر خود دوڑا چلا آتا ہے کہ اما من جاءک یسعی تا معلوم ہو کہ کاروبار

انبیا کا تمام تابعداری اور فرمانبرداری ہے جس طرح سے ارشاد ہوتا ہے اسیطرح سے بجالاتے ہیں
اگر اغنیا اور سرکشوں کی ملاقات کا حکم ہوتا ہے تو بسر وچشم اور اگر فقیروں اور خاکساروں کی تعظیم اور توقیر
کو ارشاد ہوتا ہے تو علی الراس والعین نہ تابعداری اور فرمانبرداری سے فقیروں کی خوشدل ہوتے
ہیں اور نہ سرکشی اور جباری سے متکبروں کی تنگدل فرعون کو دیکھا چاہیے کہ کس صفت سے
موصوف ہوا کہ ثم ادبر یسعی پھر پیٹھ پھیر کر راہ حق سے بھاگتا تھا اور اس مسکین اندھے کو غور کیجئے
کہ کس طور سے آتا ہے جاءک یسعی یعنی حق کی طرف منھ کر کے دوڑتا ہے تیسرے یہ کہ ان دونوں
سورتوں میں دھڑکے قیامت کے اور تکلیفیں اُس روز کی ایک ہی طور سے مذکور ہیں جیسے اُس
سورۃ میں فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ۞ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى الیٰ آخرہ فرمایا
ہے اور اس سورۃ میں فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ۞ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ الیٰ آخرہ ارشاد ہوا
چوتھے یہ کہ تعداد اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی درست کرنیمیں آدمی کی معاش اور خلقت کے اور اس کے
اصول کے بھی ان دونوں سورتونمیں مناسبت قریب اتحاد کی رکھتے ہیں گویا دونوں ایک ہیں اور اس
سورۃ میں اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰهَا مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ مذکور ہے اور اُس سورۃ میں وَ
فَاكِهَةً وَّاَبًّا مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ اور اِس سورۃ میں خلقت آسمان کی اور رات و دن اور زمین
اور پہاڑوں کی یاد فرمائی ہے اور اُس سورۃ میں خلقت آدمی کی نطفے کی حالت کے وقت سے تا وم مرگ
ارشاد ہوئی اور پہلے اس بات کے کہ سبب اس سورۃ کے نازل ہونیکا مذکور ہو تمہید ایک مقدمے کی
ضرور ہے اول سمجھ لیا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کے محبوبوں میں کہ اُنکو ہدایت اور ارشاد کے کام کے واسطے
چُن لیا ہے اور درمیان میں سب لوگونکی جنسیت میں اوصاف بشریت کے اور صفات نفس کے کچھ
فرق نہیں ہوتا بلکہ فرق اس جہت سے ہے کہ محبوبوں کو خود تربیت فرماتے ہیں اور جب کبھی کوئی صفت
نفس کی صفاتوں میں سے ان سے موافق مقتضائے جبلت بشری کے کچھ ظاہر ہوتی ہے اور اپنی خودی
سے کوئی حرکت کر بیٹھتے ہیں کہ موجب نور حق کے احتجاب کا ہو تو جلد تادیب اور عتاب سے آگاہ کر دیتے ہیں
اور اس کا تدارک فرماتے ہیں چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے
کہ ادبنی ربی یا حسن تادیبی وعلمنی فاحسن تعلیمی تو یہانتک کہ اول تخلق باخلاق الٰہیہ اُن کو
حاصل ہو کہ مرتبۂ وصول کو اور فنائے نفس کو لازم ہے اور بعد اس کے تحقیق ساتھ ان اخلاق کے میسر ہو

کہ مرتبہ بقا کے تابع ہے اور اُس کو حالت استقلال اور تمکین کی کہتے ہیں پس صادر ہونا اس قسم کی حرکتوں کا آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے کچھ اُس جناب کے مرتبے اور منصب کے منافی نہیں بلکہ تادیب اور عتاب الٰہی ان حرکات پر عین دلیل ہے اس منصب اور اس مرتبہ عظیم کی اور جو یہ مقدمہ تمہید کیا گیا ہوا تو سمجھ لیا چاہیئے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم ایک روز مسجد الحرام میں تشریف رکھتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس عمدہ اور سردار قریش کے جیسے عتبہ اور ربیعہ شیبہ کے بیٹے اور ابوجہل ہشام کا بیٹا اور حضرت عباسؓ عبدالمطلب کے بیٹے اور دوسرے رئیس بیٹھے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اُن کو دین اسلام کی خوبی اور بُت پرستی کی بُرائی سمجھاتے تھے اور بکمال توجہ سے اُنکے ساتھ باتوں میں مشغول تھے کہ اتنے میں ایک اندھا یعنی عبداللہ بن شریح ابن مالک بن ربیعہ زہری کہ اُنکو ابن اُم مکتوم بھی کہتے تھے اسواسطے کہ مکتوم اندھے کو کہتے ہیں اور اُنکی ماں کو اُم مکتوم کہا کرتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اُسوقت کے آنیسے اُنکے ناخوش ہوئے اور جانا کہ یہ شخص نابینا ہے مجلس کے رنگ ڈھنگ کو تو جانے گا نہیں بے محل اور بے موقع کلام کریگا اور بات میں بات کر بیٹھیگا اور یہ جو میں ان سرداروں سے باتیں کر رہا ہوں اور دعوت اسلام کی کرتا ہوں ناتمام رہ جاویگی اُس نابینا نے کچھ مجلس کے پس و پیش کا خیال نہ کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے نزدیک آکر بیٹھا اور کہنے لگا کہ مجھ کو کلام اللہ کی فلانی فلانی سورۃ سکھاؤ اور میری طرف کو توجہ فرماؤ کہ میں بغیر رہبر کے بڑی محنت اور مشقت سے پوچھتا پوچھتا آپ تک آیا ہوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سرداروں کی خاطرداری کے واسطے کچھ جواب نہ دیا اور فرمایا کہ ٹھہرو وہ نابینا تھوڑی دیر تو ٹھہرا پھر اُسی طرح سے کہنے لگا یہانتک کہ کئی بار یہ مقدمہ اُسی طور سے ہوا آخر اُسکی اس حرکت بیجا کے سبب سے کہ اُن سرداروں کی تنگدلی اور رنجش کی باعث تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم چین بجبین ہوئے اور چہرۂ مبارک پر آثار خفگی کے نظر آنے لگے اور اپنا مُنھ اُس نابینا کی طرف سے پھیر کر اُن سرداروں کی طرف متوجہ ہوئے پس اسی حال میں یہ سورۃ نازل ہوئی اور اس معاملے پر سخت خفگی اُتری آور روایت کیا گیا ہے کہ جوں جوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان آیتوں کو جبرئیل علیہ السلام کی زبان سے سُنتے تھے ووں ووں رنگ مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خوف سے زرد ہوتا جاتا تھا یہانتک کہ جب كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ کو زبان سے حضرت جبرئیل علیہ السلام کی سُنا تو خوش ہوئے اور وہ خوف دل سے کم ہوا اور رنگ ٹھکانے آیا اور سمجھے کہ یہ خفگی فقط نصیحت کے

واسطے ہے مہربانی اور عنایت کی راہ سے کچھ غضب کی راہ سے نہیں ہے بعد اس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُس نابینا کے گھر کو جو مایوس ہو کر چلا گیا تھا تشریف فرما ہوئے اور عذر کیا اور اُس کو ہمراہ لے کر دولت خانے کو تشریف لائے اور اپنی چادر مبارک بچھا کر اُس کو اُس پر بٹھایا پھر جب کبھی وہ نابینا آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس مبارک میں آتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُسکی نہایت تعظیم وتکریم کرتے تھے اور ارشاد فرماتے کہ مَرحبًا بمن عاتبني فيه ربي یعنی خوش آیا تو وہ شخص ہے جس کے واسطے میرے پروردگار نے مجھ کو عتاب فرمایا اور جسوقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُس نابینا کو دیکھتے تو فرماتے تھے کہ اگر تیری کچھ حاجت یا کام ہو تو کہہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُس نابینا کو دوبار مدینۂ منورہ میں اپنے قائم مقام امام نماز کا مقرر کر کے سفر کو تشریف فرما ہوئے ہیں اور انس بن مالکؓ نے ایک عجیب حال اس نابینا کا روایت کیا ہے کہ میں نے اُس کو قادسیہ کی لڑائی میں دیکھا زرہ پہنے اور ایک تازی گھوڑے پر سوار اور آگے آگے اُس کے ایک سیاہ نشان تھا اور باوجود اس نابینائی کے کافروں کی صفوں پر حملے کرتا تھا اور یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس قصے کے بعد کسی فقیر سے چین بجبیں نہیں ہوئے اور کسی دولتمند سے تملق اور ملاوٹ نہیں کی اور اس مقام پر مفسروں کو اس خفگی اور عتاب ہونیکے مقدمہ میں بڑا اشکال ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس معاملے میں کوئی ایسی بات کہ خلاف قواعد شرعیہ کے ہو عمل میں نہیں آئی پھر اس قدر خفگی اُن پر کس واسطے فرمائی کیونکہ شرع کا قاعدہ ہے کہ عام نفع مقدم ہے خاص نفع پر پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت اسلام کو جو اُن سرداروں کو کرتے تھے قرآن سکھانے پر اُس نابینا کے اسواسطے مقدم رکھا کہ اُنکے اسلام لانے میں سارے شہر مکہ کے اسلام لانیکی توقع تھی کہ الناس علی دین ملوکھم اور تعلیم کرنے میں قرآن کی سورتوں کے اُس نابینا کو خاص اُس نابینا ہی کے واسطے فائدہ تھا اور بس دوسرے یہ کہ اسلام کی دعوت مقدم ہے قرآن سکھانے سے کیونکہ وہ اصل ہے اور یہ فرع اور فقہا کے نزدیک یہ بات ٹھہر چکی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کے پاس آوے اور کہے کہ مجھ کو اسلام کی تعلیم کر اور دوسرا شخص اسیوقت کہے مجھ کو قرآن پڑھا یا کچھ ارشاد اور نصیحت کی خواہش کرے تو اُسوقت اسلام کی تلقین کو مقدم کرنا چاہیئے کہ اس کے دیر کرنے میں بڑا نقصان ہے اور باتوں میں دیر کرنے کی بنسبت سے کیونکہ کافر کی حالت اپنے مرض روحانی کے مبتلا ہونے میں کہ کفر ہے سرسام والے کے مانند ہے کہ ذرا سی غفلت اور سُستی میں علاج کے درجے سے گزر جاتا ہے اور اُس شخص کی حالت جو مسائل

شرعیہ اور قرآن پڑھنا نہیں جانتا مانند اُس مریض کے ہے کہ مرض اُس کا چنداں سخت نہیں آہستہ آہستہ
تدارک اُس کا ہوسکتا ہے اور ترشروئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کہ اُس نابینا کی حرکات نا ملائم
کے سبب سے ظاہر ہوئی تھی دو وجہت سے خفگی کے قابل نہیں تھی اول تو یہ کہ یہ تغیر بے اختیاری ہے اختیاری
نہیں پس اس قسم کے کاموں کی تکلیف دینا تکلیف مالایطاق کی قسم سے ہے دوسرے یہ کہ نابینا کے سامنے
ترشرو ہونا اور مُنھ پھیر لینا یا کشادہ پیشانی ہونا اور اُسکی طرف رُخ کرنا برابر ہے کیونکہ وہ کچھ دیکھتا نہیں ہے
کہ اُس کو ترشروئی کا رنج ہو اور ان سب سے علاوہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُسوقت تک
جناب الٰہی میں اس فعل کا ناپسند ہونا بھی معلوم نہ تھا اسواسطے کہ ممانعت اس فعل کی نازل نہیں ہوئی تھی
پس ابتدائے نہی میں اسقدر خفگی کا کیا محل تھا جواب ان اشکال کا یہ ہے کہ **شعر** کار پاکاں را قیاس
از خود مگیر ✤ گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر ✤ ہرچند کہ وہ نابینا چہرۂ مبارک کے تغیر کو نہ دیکھتا تھا لیکن دوسرے
لوگ تو دیکھتے تھے اور اغنیا کی خاطرداری اور فقرا کیطرف سے بے پروائی دریافت کرتے تھے حق تعالیٰ نے
اپنے محبوب کے حق میں اتنے توہم کو بھی پسند نہ رکھا اور چاہا کہ ظاہر اور باطن میرے محبوب کا میری رضامندی
ڈھونڈھنے میں مصروف رہے اور ہرگز کسی کو میرے محبوب کیطرف ریا کی تہمت کا گمان بھی نہ رہے اور یہ بھی
ہے کہ نفوس قدسیہ کو چاہیئے کہ سیکھنے والے کی استعداد کے موافق فیض اور فائدہ پہونچانا منظور رکھیں اور کام کے انجام
پر نظر کریں کہ بہت سے فقیر خاکسار اپنی استعداد عالی کے سبب سے شمع اور چراغ عالم ہوئے ہیں پس قوت
استعداد سے شاگردی کی اُمید وار عام نفع کا چاہیئے رہنا اور کثرت پر تابعداروں کی کہ بالفعل اغنیا کو حاصل ہے
فریب کھانا ظاہر بینوں اور ناواقفوں کا کام ہے جو استعداد نفوس کے مراتب کو نہیں جانتے ہیں اور یہ بھی ہے
کہ اُس نابینا کو فائدہ ہونا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیض صحبت سے یقینی امر تھا اور ان سرداروں
کا فائدہ اُٹھانا دعوت اسلام سے پھر فائدہ اُٹھانا شہر والوں کا اُنکی پیروی سے ایک خیالی بات تھی اور موہوم
بات کو معلوم پر ترجیح دینا خوب نہیں اور کُنہ کی بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حرکت گناہ
اور خلاف شرع ہونیکا لگاؤ بھی نہیں رکھتی تھی لیکن محبوب کے فقط گناہ سے بچنے پر اکتفا نہیں کرتے ہیں بلکہ
اُن سے تخلق باخلاق الٰہی چاہتے ہیں جیسے شفیق باپ اگر کوئی بات اپنے فرزندوں سے خلاف اپنی وضع
اور آئین کے دیکھتا ہے کہ وہ مشروع اور اچھی ہو غصہ کرتا ہے چنانچہ بادشاہ اپنے فرزندوں کے واسطے
نہیں چاہتے کہ صلحا اور مشائخوں کیطرح سے مسجدوں میں معتکف ہوں یا گوشہ گیری اختیار کریں اور مشائخ

اور صلحا نہیں چاہتے کہ ہماری اولاد سپاہیوں اور نوکری پیشوں کے مانند تلاش معاش میں مشغول ہو
گو کہ وجہ حلال سے ہو وعلیٰ ہذا القیاس پس یہ عتاب اور خطاب کچھ گناہ اور تقصیر پر نہیں ہے کہ وجہ اُسکی
بیگناہی کی صورت میں مشکل ہو جاوے بلکہ یہ تو اس قسم سے ہے جیسے کہ والدین کی تربیت اپنے فرزندوں
کیواسطے ہوتی ہے سو وجہ اُسکی ظاہر ہے اور وجہ اس کے نام ہونے کی ساتھ عَبَسَ کے یہ ہے کہ خفا ہونیکا
اُس ذات پاک کے ایسے نبی عظیم القدر پر اس بات پر کہ ادنیٰ سے ادنیٰ شاگرد سے مُنھ پھرایا اور امیروں
کیطرف متوجہ ہوئے نام اس سورۃ کا قرآن مجید کی سورتوں سے ہوا اور مدتوں اور قرنوں تک عنایت
اور مہربانی اللہ تعالیٰ کی شاگردوں اور طالب علموں پر پیش نظر ہر مسلمان کے خصوصًا مرشدوں اور
معلموں کے ہو فقط اس سورۃ کا نام سُنتے ہی وہ قصہ اُن کو یاد آوے اور عبرت پکڑیں اور یہ بھی ہے کہ
کمال محبوبیت اُس پیغمبر کی حضور خداوندی میں ثابت ہو کہ اس قدر تغیر چہرہ کو اُن کے اتنا شاق جانا کہ بار
بار قاریوں اور پڑھنے والوں کی زبان سے یاد فرماتے ہیں اور اسکی خبر دیتے ہیں اور اس کلام کو کہ اُسمیں
یہ قصہ مذکور ہے اسی طور سے شروع کیا جیسے کہ عاشق شیدا اپنے محبوب کے معاملہ نامرغوب کو شاق جانکر
اُس معاملے کے وقت کو اور مکان کا بھی پتا اس معاملے کے ساتھ بتاتا ہے ❊

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

عَبَسَ تیوری چڑھائی پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے اور اسقدر پر بھی اکتفا نہ کی بلکہ وَتَوَلّٰىٓ ۙ اور مُنھ موڑا اَنْ
جَآءَهُ الْاَعْمٰى ۙ اس سے کہ آیا اُس پاس اندھا اور مفسرین کا اختلاف ہے اس بات میں کہ نابینا کا آنا
کسواسطے اس جائے پر مذکور فرمایا بعضے کہتے ہیں کہ محض بیان واقعی کا ہے اور بعضے کہتے ہیں کہ کثرت عتاب
کیواسطے ہے کہ ہمنے اس پیغمبر کو رحمۃ للعالمین کیا اور مخلوق کی ہدایت کیواسطے بھیجا اور زیادہ تر لائق رحمت
کے ضعیف اور فقیر اور اندھے ہیں اور مستحق رہنمائی کے اندھے شاگرد ہیں پس اس قسم کے لوگوں سے مُنھ پھرانا
پیغمبری کے مرتبے سے نہایت بعید ہے مثال اُسکی ایسی ہے جیسے ایک شخص اپنے خادم کو فرماوے کہ جو راہ بھولے
اُسکو بتا دیا کر اور وہ خادم دیکھنے بھالنے والوں کو راہ بتاوے اور اندھے ڈھونڈے کیطرف التفات نہ کرے
اور بعضوں نے کہا ہے کہ کمال خفگی کے سبب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کلام میں مخاطبہ بھی نہ فرمایا
کیونکہ اُسوقت آنحضرت اللہ تعالیٰ کی مرضی سے غائب ہو گئے تھے اگرچہ اُسکے بندوں کو اُسکی طرف بُلاتے تھے
لیکن حضور حق سے غائب کے حکم میں قرار دیا ہے اسواسطے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسوقت حضور حق

کے طالبوں کے مطلب سے غفلت کی تھی اور غائب کو خطاب لائق نہیں ہے پھر جو گلہ شکوہ کرنا شروع ہو گیا تو اچھی طرح سے دھمکانے کیواسطے خطاب فرمایا جیسے کوئی شخص کہ اول اپنے گنہگار بندے کی شکایت لوگوں کے سامنے کرتا ہے اور اسکو کمال خفگی کے سبب سے مخاطب نہیں کرتا پھر جب شکایت کیوقت جوش میں آجاتا ہے تو خطاب اُس بندے کیطرف شروع کرتا ہے اور جو یہاں پر دوسرا کوئی مخاطب نہ تھا کہ انکی شکایت اُسکے سامنے بیان فرماتے تو اول شکایت اُنکی اُن ہی کے سامنے بطور غیبت کے بیان فرماکے پھر خطاب عتاب آمیز شروع کیا تاکہ اشارہ اس طور کیطرف ہو اور شدت خفگی کی معلوم ہو اور محققین نے کہا ہے کہ اس قصے کا لانا تمہید عذر کیواسطے ہے آنحضرت صلعم کیطرف سے اس معاملہ میں کہ اس نابینا کے ساتھ کیا اور یہ نہایت رحمت اور محبت کا مقتضا ہے کہ عین عتاب میں ان کا عذر بھی بیان فرماتے ہیں جیسے کوئی شفیق باپ شکایت نامناسب اپنے بیٹے کی لوگوں کے سامنے کرتا ہے اور عین شکایت میں اپنے بیٹے کا عذر بھی بیان کیے جاتا ہے تاکہ لوگ جانیں کہ یہ لڑکا قابل خفگی کے نہیں ہے اور ان کاموں کے کرنے میں معذور ہے لیکن یہ شفقت پدری کا کمال ہے کہ اُسکے حق میں اس قدر بھی راضی نہیں ہے اور چاہتا ہے کہ تربیت اُسکی کمال کے درجے کو پہونچاوے اور وجہ عذر کی یہ ہے کہ گویا یوں ارشاد ہوتا ہے کہ حُسن خلق اس پیغمبر کا اصلا اس بات کو نہیں چاہتا تھا کہ فقیروں محتاجوں سے کہ طلب حق کی کرتے ہیں اور دین کی راہ ڈھونڈھتے ہیں اس طور سے پیش آوے لیکن اس پیغمبر نے جانا کہ یہ شخص نابینا ہے مُنھ پھرانے میں اور توجہ کرنے میں کہ ترشروئی اور خندہ روئی میں امتیاز نہیں کرسکتا تو اُسکی بیجا حرکتوں کے سبب سے تیوری چڑھائی اور مُنھ موڑا اور اپنی جان کو زور سے اس عمل سے نہ روکا اور بسبب کمال رحمت اور عنایت کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اس مقام میں حذف کرکے فعل غائب کو فاعل سے خالی لاتے ہیں تاکہ تصریح نسبت اس فعل کی اُس محبوب کیطرف نکریں گویا اس طور سے ارشاد ہوتا ہے کہ تیوری چڑھائی اور مُنھ موڑا ایک تیوری چڑھانیوالے اور مُنھ موڑنیوالے نے اور اگر خطاب کا لفظ فرماتے تو اس فعل کی نسبت صریح اُس محبوب کیطرف سمجھی جاتی اور وہ کمال رحمت اور شفقت کے خلاف ہے بس عین شکایت اور عتاب میں لطف اور محبت کے مراتب کی رعایت کیے چلے جاتے ہیں اور بعضوں نے کہا ہے کہ اندھے کی تعلیم مشکل ہے کیونکہ وہ فقط یاد کرنے ہی پر اکتفا کرتا ہے مراجعت طرف مکتوب کے اُس سے ممکن نہیں پس عذر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس نوع سے ارشاد ہوا کہ تونے اُس نابینا کو کم استعداد جانکر اُسکی تعلیم سے

منھ پھرایا حالانکہ آنکھوں کا اندھا پن موجب اس منھ پھرانے کا نہیں بلکہ دل کا اندھا پن موجب اس منھ
پھرانے کا ہے اور وہ امیر اور سردار سب دل کے اندھے تھے پس تمکو یہ لایق تھا کہ اُن سے منھ پھراتے نہ اُس
آنکھوں کے اندھے سے کیونکہ شاید یہ اندھا بینا دل ہو وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّهُ يَزَّكَّىٰ اور کیا جانتا
ہے تو شاید کہ وہ اندھا پاک ہو جاوے اور آئینہ اُس کے دل کا ایسا صاف ہو جاوے کہ جو کچھ یہ آنکھوں والے
امور غیبیہ اور کشفیہ سے نہیں دیکھ سکتے ہیں وہ دیکھے اور مقتدا ایک عالم کا بنجاوے اور وہ ایک اندھا
ہزاروں انکھیاروں سے بہتر ہو جاوے اسیواسطے کہا گیا ہے **بیت** فدائے کوری خفاش چشم بینائے
کہ بے خبر زرُخ آفتاب نیم شبی ست، أَوْ يَذَّكَّرُ یا وہ نابینا نصیحت قبول کرے اور اگرچہ صیقل قلب
کے مرتبے کو نہ پہونچے لیکن قرآن کے معنی اور امر و نہی اُسکی اُسکے دلمیں ایسی قائم ہو جائیگی کہ وہم اور خیال
اُسمیں آمیزش نکریگا فَتَنفَعَهُ الذِّكْرَىٰ پس نفع دے اُسکو یہ نصیحت پکڑنا کہ اُس کے سبب سے
عمدہ عمدہ منفعتیں دین کی حاصل کرے اور ضرر پہونچانیوالی چیزوں کو دفع کرے اور لطیفہ اُسکی عقل کا
روشن ہو جاوے اور ہزاروں انکھیاروں سے بہتر ہو جاوے اور عالم ربانی بنجاوے جیسا کہ اول شق میں
لطیفۂ قلب اُس کا صاف ہو کر مرتبۂ ولی صاحب کشف عرفان کا حاصل ہوا اور جو حاصل ہونا ایک
شق کا بالخصوص اس اندھے کے حق میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور دوسرے احوال دیکھنے
والوں کو اُس کے یقینی معلوم نہ تھا تو اس مضمون کو کلمے سے اَوْ کے کہ دلالت شک اور منع خلو پر کرتا
ہے ارشاد فرمایا لیکن اس نابینا کے کمال شوق اور کثرت حرص سے فیض حاصل کرنے پر آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے انسیت اور تلاوت پر قرآن کے اور تامل کرنے سے اُسکے معنوں میں
اسقدر یقین تھا کہ آخر کچھ ہو رہیگا اور ان دونوں مرتبوں سے محروم مطلق نہ رہیگا اور کشاف والا بھی کلمۂ
اَوْ کے مدلول سے متنبہ ہو کر اپنی تفسیر میں بطور سوال کے لایا ہے کہ پاک ہونیسے زیادہ کونسا نفع پند کا متوقع
ہے اور جواب لکھا ہے کہ پاک ہونا عبارت ہے پرہیزگاری اور گناہونکے بچنے سے اور نفع کرنا نصیحت
کا عبارت طاعت اور بندگی کے کاموں سے ہے کہ انکے سبب سے ثواب حاصل ہونیکی اُمید ہے
اور ثواب منفعت دائمی ہے لیکن اس بات پر اسکی ایک ایرادگی ہے کہ حاصل ہونے سے علم کے دونوں چیزیں
حاصل ہوتی ہیں گناہوں سے بچنا بھی اور عمل طاعت کا بھی بس یہ مقام تھا واو کے حرف لانیکا نہ اَوْ کے
حرف لانے کا جواب میں اس ایراد کے کہا گیا ہے کہ طالبعلم کو یقینی معلوم نہیں ہے کہ کیا سُنے گا، اگر نہی

سُنے گا تو گناہ سے باز رہیگا اور اگر امر سُنے گا تو بندگی میں زیادہ ہوگا اور اگر دونوں سُنے گا تو دونوں کام کریگا بس استعمال کو حرف اَو کے کہ منع خلو کے واسطے ہے نہ منع جمع کیواسطے ایک وجہ توجیہ پیدا ہوئی اور حق وہی بات ہے جو پہلے مذکور ہوئی اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰی مقرر جو شخص کہ بے پروائی کرتا ہے تیرے ارشاد سے بلکہ تیری راہ سے اور اپنے مال و جاہ پر ریجھ رہا ہے فَاَنْتَ لَہٗ تَصَدّٰی ؕ پس تو اُسکی ہدایت کیواسطے تصدیع کرتا ہے اور شوقین شاگردوں سے مُنھ پھراتا ہے اس خیال پر کہ بے پروا کو طالب اور شوقین اس راہ کا چاہیئے کرنا اور اُس کے حال پر متوجہ ہونا چاہیئے اور شوقین طالب کو اُس کا شوق ہی راہبر بس ہے آخر مطلب کو پہونچ رہیگا وَمَا عَلَیْكَ اَلَّا یَزَّكّٰی ؕ اور تجھ پر اُلاہنا نہیں اس بات کا کہ وہ بے پروا پاک نہ ہو کیونکہ تیرا کام تو احکام الٰہی پہونچانیکا ہے اور تربیت مستعدوں شوقین کی کرنا اور وہ مستغنیوں کے یعنی بے پرواؤں کے قبول اور ناقبول کرنے کی صورت میں تجھ کو حاصل ہے وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ یَسْعٰی ؕ اور مقرر جو شخص کہ تیرے پاس دوڑتا آتا ہے محنت اُٹھا کر جیسے وہ نابینا کہ ہاتھ پکڑنیوالا بھی نہیں رکھتا تھا اور جا بجا ٹھوکریں کھاتا ہوا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں پہونچا تھا وَهُوَ یَخْشٰی ؕ اور وہ ڈرتا ہے اول تو خدائے تعالیٰ سے تاکہ مرضیات سے اُسکی دور نہ جا پڑے اور منہیات میں مبتلا نہ ہو جاوے اور یہ خوف طلب کرنے میں علم کے اور حاضر ہونے میں تیری صحبت کے موجب اُسکے شوق کا ہوتا ہے پھر راہ میں کافروں کی ایذا سے ڈرتا ہے کہ مبادا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جانے سے اُسکے مطلع ہو جاویں اور ایذا دیں پھر گرنے اور ٹھوکریں کھانیسے ڈرتا ہے اور جب تیرے حضور میں آتا ہے تو اپنے سبق کا وقت فوت ہونیسے ڈرتا ہے کہ مبادا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی شغل در پیش ہو جاوے اور میں محروم رہوں فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰی ۚ پھر تو اُس سے مُنھ پھرا کر دوسری طرف مشغول ہوتا ہے اور اُسکے حال کیطرف مشغول نہیں ہوتا گویا کہ فائدہ کلی اسی بات میں دیکھتا ہے تو کہ بے پرواؤں اور بھاگنے والوں کو تابعدار کرے اور راہ پر لاوے اور مشتاقوں اور سچے طالبوں کو تاخیر اور درندگی سے کمال شوق میں مضطرب رکھے كَلَّآ بعد اس کے ایسا نہ کر کیونکہ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۚ تحقیق یہ آیات قرآنی خدا کے اور اُس کے ناموں کے اور اُسکی صفتوں اور افعال اور احکام اور اُس کے جزاؤں کے یاد کرنے کیواسطے ہیں تاکہ لوگوں کو راہ معرفت اور عبادت اور محبت اور خوف و رجا کی کھلجاوے اور اللہ کی راہ پر چلنا اختیار کریں اور اس بات میں چاپلوسی اور التجا اور زاری مفید نہیں بلکہ اختیار دل کا

اور رغبت طبیعت کی درکار ہے فَمَنۡ شَآءَ ذَکَرَہٗ ۝ پھر جو شخص کہ خواہش صادق رکھتا ہے
پڑھے اس قرآن کو کہ حقیقت میں ذکر اللہ ہے اور ذکر الٰہی بغیر دل کی رغبت کے اور صدق ارادت کے
مفید نہیں اور وجہ ضمیر کے تانیث ہونیکی اِنَّهَا میں اور تذکیر کی ذَکَرَہٗ میں باوجود اس بات کے کہ
مرجع واحد ہے یعنی قرآن یہ ہے کہ تذکرہ ہونا قرآن کا باعتبار اُس کی آیتوں اور سورتوں کے ہے کہ ہر
ایک علٰحدہ علٰحدہ مضمون رکھتی ہیں بعضیوں میں بیان اسما اور صفات کا ہے اور بعضیوں میں بیان
احکام اور شریعتوں کا اور بعضیوں میں وعدہ وعید اور ذَکَرَہٗ ہونا قرآن کا باعتبار اسکی وحدانیت کے ہے
کہ تمام قرآن اُسمیں برابر ہے اور مضامین کے اختلاف کا ذَکَرَہٗ ہونے میں اُسکے کچھ دخل نہیں اسواسطے کہ
کسی مضمون کا ہو کلام الٰہی ہے اور متصل ہونا کلام کا متکلم سے اقوی اور اشد ہے متصل ہونیسے نام کے نام
والے سے اور جو التفات کسی کا نام لینے کے وقت اُسکی طرف حاصل ہوتا ہے اُس سے بہت کم ہوتا ہے
جو اُس کے کلام پڑھنے کے وقت اُس سے حاصل ہوتا ہے چنانچہ یہ بات تجربہ کاروں کو خوب معلوم ہے اور
یہ بھی ہے کہ کلام شخص کا ایک عمدہ نشان ہے اُسکی ذات کے نشانوں سے کہ اس کلام کے پڑھنے کے
وقت پڑھنے والے کے دل پر روشن ہوتی ہے اسیواسطے بزرگوں کا کلام دلوں میں زیادہ تاثیر کرتا ہے
اُنکے نام سے اور اسی سبب سے حدیث شریف میں وارد ہے کہ قرآن کے حق میں فرمایا ہے ھو حبل
اللّٰہ المتین اور حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ تجلی اللہ لعبادہ فی
کلامہ ولکنہم لا یبصرون اور اگر کسی کے اس بات کے سُننے سے یہ خطرہ خاطر میں گذرے
کہ عمدہ اور سردار اور غنی اور دولتمند جب شوق کسی کتاب کا یا کلام کا یا شعر کا کرتے ہیں تو قدر اور عزت
اُس کلام اور کتاب کی بڑھ جاتی ہے اور اُس کو خوشنویسوں زرین رقم کے ہاتھ سے حریری طلاکاری
کاغذوں پر لکھاتے ہیں اور مطلّا اور مذہب اور مُجدّول کر کے زرین غلافوں میں رکھتے ہیں اور جڑاؤ
رحلوں پر دھرے ہوتے ہیں اور پرتکلف صندوقوں میں احتیاط سے رکھے ہوتے ہیں اس سبب سے عزت
اور مرتبہ اُس کلام کا زیادہ ہوتا ہے اور لوگوں کے دلوں میں عظمت اور بڑائی اُسکی سماتی ہے جیسے کوئی
دلچسپ شعر جو خوش آوازی سے پڑھا جاتا ہے تو اُس سے زیادہ تاثیر کرتا ہے کہ سرسری پڑھا جاوے
پس آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بھی اُس باب میں کہ امیروں سرداروں کی دعوت میں مشغول تھے
اور فقیروں محتاجوں سے مُنہ پھیراتے تھے یہی غرض ہوگی ہم کہتے ہیں کہ یہ قرآن اس قسم کا نہیں ہے کہ

ان چیزوں سے عزت اور بزرگی اسکی زیادہ ہو بلکہ عزت اور قدر اسکی اُس عالم میں کہ وہاں سے زمین والوں کے پاس آتا ہے دیکھا چاہیئے فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۙ یعنی آیتیں قرآن کی لکھی گئی ہیں عزت کے ورقوں میں کہ حق تعالیٰ نے خود اُنکی عزت بڑی کی ہے مَّرْفُوْعَةٍ یعنی وہ صحیفے اونچے دھرے ہیں بیت العزت میں کہ ایک عمدہ جاے ہے آسمان دنیا میں اور قرآن مجید کو اول لوح محفوظ سے نقل کراکے اُس مقام میں پہونچایا وہاں سے تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا تھا مُّطَهَّرَةٍ ۙ وہ صحیفے پاک کیے گئے ہیں تمام آلودگیوں اور پلیدیوں سے اور اگر دنیا کے سردار اور امیر اس قرآن کی آیتوں کو حریری طلائی کاغذوں پر لکھادیں ہرگز اُس کرامت اور بزرگی کو نہ پہونچے گا اور اگر رحلوں پر اور صندوقچوں میں رکھیں لیکن ہرگز اُس بلندی اور اُس مرتبے کو نہ پاسکے گا اور اگر عطر ملیں گے اور نجاستوں سے پاک رکھیں گے تو بھی اس پاکیزگی کو نہ پہونچے گا کہ ہرگز ہاتھ کسی گنہگار کا اُن کو نہیں پہونچا بلکہ وہ ورق بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ۙ سونپے گئے ہیں ہاتھوں میں ایسے لکھنے والوں کے كِرَامٍ بَرَرَةٍ ؕ کہ بڑی قدر والے اور نیکوکار ہیں کہ کبھی سوائے کرم اور نیکی کے اُن سے ظہور میں نہیں آتا اور دنیا کے لکھنے والے گناہوں اور خباثت ذاتی میں آلودہ ہیں اگرچہ ظاہر اپنا آراستہ کریں اس سے کیا حاصل بس قرآن کے حق میں دنیاداروں کی رغبت اور اہل دول کی عزت اور قدر کی توقع رکھنا محض بیجا ہے بلکہ اہل دول قدر کو اُسکی جانیں تو غنیمت ہے کیونکہ آدمی بالطبع کفران نعمت پر مجبول ہے قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَاۤ اَكْفَرَهٗ ؕ مارا جائیو آدمی کیسا ناشکرا ہے کہ جس نے اِس کلام عظیم القدر سے اُسکو نوازا ہے اور طرح طرح کے ارشاد اور ہدایتیں اُس میں فرمائی ہیں نہیں جانتا اور اُسکے حقوق ادا نہیں کرتا اور مال و جاہ پر اپنے مستغنی اور بے پروا ہو جاتا ہے بلکہ اپنی اصل کی خبر نہیں رکھتا کہ کیا تھا مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ؕ کس حقیر چیز سے پیدا کیا ہے اُسکو اور اگر انسان حیا کے سبب سے اس سوال کا جواب نہ دے تو ہم کہے دیتے ہیں مِنْ نُّطْفَةٍ ؕ خَلَقَهٗ نطفے کی بوند سے پیدا کیا ہے اس کو کہ ایک پیشاب کی راہ سے نکلا اور دوسرے پیشاب کی راہ میں گیا اور لہو اور نجاستوں کے ساتھ مل کر ایک گوشت کا ٹکڑا ہو گیا فَقَدَّرَهٗ ۙ پھر انداز کیا اُس کو اعضا میں بھی یعنی ہاتھ اور پانوں اور آنکھ اور کان اور قد و قامت اور روزی و رزق اور موت و زیست اور نیک و بد عمل اُس کے معین کیے اور ماں کے پیٹ میں رہنے کی مدت اسکی نو مہینے یا کم و زیادہ معین فرمائی ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ۙ پھر نکلنے کی راہ

آسان کر دی اُس کو کیونکہ لڑکا جب ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے تو اُس کا سر ماں کے سر کی طرف ہوتا ہے اور پاؤں ماں کے پاؤں کی طرف پھر جب پیدا ہونے کا وقت قریب آتا ہے تو اُس کو الہام ہوتا ہے پس وہ بچہ خود بخود پھر جاتا ہے سر نیچے اور پاؤں اوپر کی طرف کر لیتا ہے کہ نکلنا اُسکو آسان ہو جاوے پھر جب ماں کے پیٹ سے باہر آتا ہے تو معاش کی تلاش کی راہ اُس کو آسان کر دی جاتی ہے اور اگر بھوک کے وقت پستان اُس کے ہاتھ میں آجاتی ہے تو ایک ہاتھ سے پستان کو مضبوط پکڑ کے پینا شروع کرتا ہے اور رونے دھونے سے اپنے بھوکے پن کو ظاہر کرتا ہے اور اسی طرح سال بسال طرح طرح کی راہیں اُس کو آسان کر دیتا ہے یہاں تک کہ کمال کے درجے کو پہونچ جاتا ہے اور راہ بُری بھلی حق باطل کی بھیجنے سے پیغمبروں کے اور نازل ہونے سے کتابوں کے اور مرشدوں شفیق کی صحبت سے اور علماے باتحقیق کی شاگردی سے آسان ہو جاتی ہے پھر بعضوں کو بہشت اور نجات کی راہ آسان ہو جاتی ہے اور اُس راہ پر چلنے کی توفیق پاتے ہیں اور بعضوں کو ہلاکت اور دوزخ کی راہ سہل اور آسان نظر آتی ہے اور اس راہ میں جا پڑتے ہیں حاصل کلام کا یہ ہے کہ حاصل کرنا کمالات کا آخر عمر تک آسان ہوتا چلا جاتا ہے ثُمَّ اَمَاتَهٗ پھر مار ڈالتا ہے اُس کو تاکہ اپنی محنتوں کا کہ کمالات حاصل کرنے کو اس دار دنیا میں کی تھیں پھل پاوے اور عالم برزخ میں نشانیاں اپنے اعمالوں کی دیکھے پس موت بھی ایک بڑی نعمت ہے کہ تجارت کا فائدہ اسی سفر کے سبب سے حاصل ہوتا ہے اگر موت نہ ہوتی تو آدمی ہمیشہ کش مکش میں اعمال شاقہ کے گرفتار رہتا اور پھل اس مشقت کا ہرگز نہ پاتا اسی سبب سے مرنے کو بھی نعمتوں کی گنتی کے مقام پر یاد فرمایا ہے اور بزرگوں سے منقول ہے کہ الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب اور بعضے ظاہر بین مفسر اس مقام پر موت کے نعمت ہونے کی وجہ سے غافل ہو کر بطور سوال کے لائے ہیں کہ نعمتوں کی گنتی میں موت کو کس واسطے گنا ہے جواب اس سوال کا اس طور سے دیا گیا ہے کہ بلغا کے نزدیک مدار کلام کا اور فائدہ حاصل ہونے کی جگہ انجام اُس کلام کا ہوتا ہے اور بعد موت کے حکم گور کرنے کا جو فرمایا ہے یہ بھی ایک بڑی نعمت ہے کہ آدمی کو ساتھ اُس کے معزز و مکرم کیا ہے گو فی نفسہ موت نعمت نہ ہو جیسے کوئی شفیق باپ اپنی نعمتیں بیان کرنے کے وقت اپنے بیٹے سے کہے کہ میں نے تجھ سے اس طرح کا سلوک کیا پھر تو بیمار ہوا تو تیری دوا دارو کی پس حقیقت میں نعمت مقصود علاج ہے لیکن جو نعمت ہونا علاج کا

لاحق ہونے پر مرض کے موقوف ہے تو کلام میں مرض کا ذکر کرنا بھی ضرور ہوا اور اسی بات کے اشارے کے واسطے اماتت اور اقبار کے درمیان میں ثُمَّ کے لفظ کو نہ لائے اور فی کے حرف کو ارشاد فرمایا فَاَقْبَرَهٗ ۝ پھر گور کرایا اُس کو پس گویا اشارہ فرماتے ہیں کہ مجموع اماتت اور اقبار کا نعمتوں میں داخل ہے نہ فرد فرد اور یہاں پر جاننا چاہیئے کہ گڑوانے کو اقبار کہتے ہیں اور گاڑنے کو قبر یقال اقبر الرجل عبدہ اذا حکم بان یقبر و قبر الرجل عبدہٗ اذا دخلہ فی القبر یعنی کہا جاتا ہے اقبر الرجل عبدہ کہ جب اپنے غلام مرے ہوئے کو گاڑنے کا حکم کرتا ہے اور بولا جاتا ہے قبر الرجل عبدہ کہ جب گاڑ دیتا ہے اُس کو اور اللہ تعالیٰ کے حکم کرنے کی صورت مُردوں کے گڑوانے کے واسطے اوّل بار اس طور سے واقع ہوئی ہے کہ جب قابیل نے ہابیل کو مار ڈالا اور آدمی کا مرنا دنیا میں پہلی بار وہی ہوا تھا تو قابیل کو کچھ معلوم نہ تھا کہ اِس مُردے کو کیا کرے تو ناچار اُس لاش کو ایک چادر میں باندھ کے اپنے ساتھ لیے پھرتا تھا آخر کو جب اُس لاش کو لیے پھرنے سے تھک گیا تو ایک جنگل میں غمگین ہو کر بیٹھ گیا کہ ناگاہ دو کوّے آموجود ہوئے اور آپس میں لڑنے لگے یہاں تک کہ ایک کوّے نے دوسرے کو مار ڈالا پھر اپنے پنجوں اور چونچ سے ریت کو ادھر اُدھر ہٹا کر اُس مرے کوّے کی لاش کو اُس گڑھے میں ڈال دیا پھر وہ ریت اُس پر ڈال کر خوب ایک تودہ بنا دیا قابیل نے معلوم کیا کہ مُردے کو اسی طور سے دفن کرنا چاہیئے پس اپنے بھائی کی لاش کو بھی اُسی طور سے دفن کر دیا اور قبر بنا دی پھر حضرت آدم علیہ السلام نے وفات پائی تو فرشتے آسمان سے نازل ہوئے اور اُن کی اولاد کے سامنے اُن کی تجہیز و تکفین کر کے اُن کو قبر میں دفن کیا اُسی روز سے یہی طریقہ معمول ہو گیا اور یہ تعلیم الٰہی پہلی بار قابیل کی اولاد کو اُس کی استعداد کے قصور کے سبب سے کوّے کے واسطے سے واقع ہوئی اور حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کو فرشتوں کے واسطے سے تعلیم فرمائی پس یہ ایک نہایت بڑی نعمت ہے کہ اپنے بندوں پر رحمت کی ہے والا مُردے کی لاش کو دوسرے جانوروں کی طرح سے گھسٹوا کے پھنکوایا کرتے اور وہ لاش اِدھر اُدھر ماری ماری پھرتی اور جب سڑتی گلتی تو لوگ اُس کی بدبو سے تنگ آتے اور بدگوئیاں کرتے پھر درندے اور پرندے اُس کے اعضا اور بند بند کو گلی کوچے میں لیے پھرتے اور ناپاک جانوروں مُردار خوار کی خوراک ہو جاتے اور ہر خاص و عام کے سامنے اُس کے عیب ظاہر ہوتے اور عزت اور توقیر اُس کی لوگوں کی نظروں

میں کم ہوجاتی بس اُسکی عزت اور تکریم کے واسطے یہ بات غیب سے تعلیم فرمائی اب آئے ہم اِس
بات پر کہ ہندو مُردے کو جلاتے ہیں گاڑتے نہیں اور کہتے کہ آگ ہر ناپاک کو پاک کرنیوالی اور ہر بدبو
کو مٹانیوالی ہے سو جن لوگوں کو سڑانا بدبو کرانا منظور ہے وہ دفن کرتے ہیں اور آگ میں جلادینا بہتر ہے
جواب اِس کا یہ ہے کہ آگ خائن ہے جو چیز اُس کو سونپو وہ کھاجاتی ہے اور زمین امانت دار ہے جو چیز
اُس میں دفن کرو وہ باقی رہتی ہے پس مُردے کو زمین میں رکھنا بہتر ہے اس بات سے کہ خائن کو سونپیں
اسی واسطے آدمی کی بلکہ دوسرے جانوروں کی یہی عادت ہے کہ جس چیز کو چاہتے ہیں کہ محفوظ رکھیں جیسے
مال خزانے تو زمین میں دفن کرتے ہیں اور جب چاہتے ہیں کہ اُس کو نیست و نابود کرڈالیں تو آگ میں
جھونک دیتے ہیں اور آدمی کو اُٹھنے کا انتظار اور ارواحوں کے داخل ہونے کا اپنے چھوڑے ہوئے
جسموں میں درپیش ہے بس مُردے کو آگ میں جلادینا اس انتظار کے خلاف ہے اور دوسرے یہ کہ
مُردے کی کمال بیقدری ہے کہ اُس کو اپنے ہاتھوں سے آگ میں جلادیں اور اُس کی خاک کو ہوا
میں اُڑادیں کیونکہ ایسا معاملہ ناکاری ناپاک چیزوں سے کرتے ہیں اور جب کسی عمدہ پاکیزہ چیزوں کا
باقی رکھنا منظور ہوتا ہے تو زمین میں دفن کرنے کے سوا معمول نہیں اور جو کہتے ہیں کہ آگ بدبو کو دفع
کرتی ہے اور زمین اُس کے برخلاف سڑاتی ہے اور بدبو کرتی ہے پس یہ بات اُسوقت ہو کہ اُس چیز کا
پھر نکالنا منظور ہو اور جب اُس کو زمین ہی میں چھوڑنا مقصود ہو تو پھر سڑنے گلنے سے کیا علاقہ کیونکہ
اُس کا کچھ اثر زمین کے لوگوں پر ظاہر نہیں ہوتا اور باوجود اس بات کے بھی کتنی رطوبتیں بدن کی
گل سڑ کر خشک ہوجاتی ہیں اور ہاتھ پیر جوڑ بند سب اپنی شکل و صورت پر رہتے ہیں بس ایسا ہوتا
ہے کہ جیسے آدمی اپنی زندگانی میں سوتا تھا ویسا ہی اب بھی سوتا ہے برخلاف جلانے کے کہ آگ
اُس کے اندام اور شکل و صورت اور ہیئت مجموعی کا کچھ اثر باقی نہیں رکھتی اور یہ بھی ہے کہ خلقت آدمی
کی خاک سے ہے تو موافق کُلُّ شَیءٍ یَرجِعُ اِلٰی اَصلِہٖ کے اُس کو اپنی اصل کیطرف پہونچادینا چاہیئے
برخلاف آگ کے کہ جن و شیاطین کی خلقت کا مادہ ہے پھر جب آدمی کے بدن کو موت کے بعد
اُس میں جلاتے ہیں تو روح لطیف آگ کے دھوئیں سے مِل کر جنات اور شیاطین کے ساتھ
کمال مشابہت پیدا کرتی ہے اور اسی سبب سے اکثر روحیں اُن لوگوں کی کہ جلائے جاتے ہیں بعد
موت کے شیاطین کا حکم پیدا کرتی ہیں اور آدمیوں سے چمٹتی ہیں اور ایذا دیتی ہیں پس دفن

کر دینے میں اس شئے کا رجوع کر دینا ہے اُس کی حقیقت کی طرف اور جلانے میں اُس کے برخلاف ہے نقل کرتے ہیں کہ اسلام کے زمانے کی ابتدا میں ایک لشکر اسلام کے لشکروں میں سے سیستان کے ضلع میں وارد ہوا تھا تو ایک عاقل ہند کے عاقلوں میں سے اسلام کی چال ڈھال دیکھنے کو کہ اُس وقت میں وہ مذہب نیا تھا وہاں گیا پھر اہل اسلام کی وضع اور آئین دریافت کرنے کے بعد کہنے لگا کہ تمھاری سب چیزیں اچھی ہیں مگر ایک بات کہ مُردے کو دفن کرتے ہو اور آگ میں نہیں جلاتے حالانکہ دفن کرنا بدبوئی اور ناپاکی کا موجب ہے اور جلانا بدبو اور تعفن کو مٹا دیتا ہے اتفاقاً ایک فقیہ فقہائے اسلام سے اُس وقت حاضر تھا اُس نے ہندو سے کہا کہ میں تجھ سے ایک بات پوچھتا ہوں پہلے تو اس بات کا جواب دے پھر میں تیرے اعتراض کا جواب دوں گا اُس ہندو نے کہا پوچھ تب فقیہ نے کہا بھلا اگر کوئی شخص کسی ملک میں وارد ہو اور وہاں کسی عورت سے نکاح کرے اور ایک عورت کو پکانے کے واسطے رکھے اور اس منکوحہ سے اس کو ایک لڑکا ہو پھر اگر اُس شخص کو سفر کا اتفاق پڑے تو اس لڑکے کو کس کے سپرد کرے اس پکانے والی کے یا اُس لڑکے کی ماں کے ہندو نے کہا کہ ماں کے ہوتے پکانیوالی کو ہرگز نہ سونپنا چاہیئے کیونکہ وہ لڑکا اپنی ماں کا بیٹا ہے کچھ پکانے والی کا بیٹا نہیں ہے فقیہ نے کہا تو نے خوب بات کہی اب اپنے اعتراض کا جواب سُن لے کہ روح آسمانی جب دنیا کے گھر میں آئی تو ایک بدن زمین سے بنا کر اُس کو عنایت کیا اور ہمیشہ غذا اور دوا اور لباس اور رہنے سہنے کی جائے اور طرح طرح کے فائدے اُس کو زمین سے پہونچائے اور آگ سوائے پخت و پز کے آدمی کے اور کچھ کام نہیں آتی کمال فائدہ آگ کا یہ ہے کہ جو کچھ چیزیں کہ زمین سے اُگی ہیں اُن کو پکا دیتی ہے پس آدمی کی ماں زمین ہے اور باورچن اُس کی آگ ہے جس وقت روح نے کہ بدن کے باپ کے مانند ہے چاہا کہ عالم برزخ کو میں جاوے ناچار اپنے بیٹے کو کہ بدن ہے اُس کی ماں کے حوالے کیا چاہیئے نہ اس پکانے والی کے ہندو نے سُنا اور قبول کیا اور قائل ہوا اور یہ بھی ہے کہ آگ سے جلانا میت کے بدن کو پراگندہ کر دیتا ہے کہ اُس کے سبب سے روح کا علاقہ بدن سے بالکل چھوٹ جاتا ہے اور آثار اس عالم کے اُس روح کو کم پہونچتے ہیں اور کیفیتیں اُس روح کی بھی اس عالم میں بہت کم سرایت کرتی ہیں اور جو دفن کرنے میں اجزا بدن کے

قصہ ایک دانشمند ہندو کا

اس اپنے مقام پر سب کے سب اپنے حال پر برقرار رہتے ہیں تو روح کا علاقہ بدن سے ازراہ نظر و عنایت کے بحال رہتا ہے اور زیارت کرنے والوں اور دوستوں اور فائدہ لینے والوں کی طرف توجہ روح کی آسانی سے ہوتی ہے کہ بدن کے مکان معین ہونے سے گویا روح کا مکان بھی معین ہے اور آثار اس عالم کے جیسے صدقہ اور فاتحہ اور تلاوت قرآن مجید کی جو اُس مقام پر کہ اُس کے بدن کا مدفن ہے واقع ہوتی ہے تو آسانی سے فائدہ بخشتی ہے پس جلا دینا گویا روح کو بے مکان کر دینا ہے اور دفن کرنا گویا روح کا ٹھکانا بنا دینا ہے اور اسی واسطے اُن اولیاء اللہ اور صلحاے مومنین سے کہ دفن کیے گئے ہیں نفع اور فائدہ لینا جاری ہے اور مدد اور فائدہ بھی اُن سے متصور ہے برخلاف جلائے ہوئے مُردوں کے کہ یہ چیزیں اُن کے مذہب والوں کے نزدیک بھی اصلا اُن سے وقوع میں نہیں آتی ہیں حاصل کلام کا یہ ہے کہ دفن کرنیکا طریقہ آدمی کے حق میں ایک بڑی نعمت ہے پھر اگر بعضے ان میں سے اس نعمت کا بھی کفران کریں جیسے اور نعمتوں کا کرتے ہیں تو اُن سے کچھ شکوہ نہیں کیونکہ آدمی کی جبلت میں کفران نعمت ہے اور فقط اسی نعمت پر اُس کے حق میں اکتفا نہیں فرمایا بلکہ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ؕ پھر جب چاہے گا زندہ کر کے اُس کو قبر سے باہر نکالے گا کہ بدلہ اپنے کاموں کا آخرت کے عالم میں ابدالآباد تک چکھے اور ہمیشہ کی زندگی پاوے ہر چند کہ یہ نعمت اب تک وقوع میں نہیں آئی ہے کہ نعمتوں معلومہ مکفورہ کی تعداد میں گنی جاوے لیکن عاقل کو تھوڑے سے خیال کرنے میں معلوم ہو جاتا ہے کہ جو اس حالت میں کسی چیز نے اللہ تعالیٰ کی مشیت سے مخالفت نہیں کی ہے تو اس حالت میں اُٹھنا اور جینا اُس کی مشیت سے مخالفت نہ کرے گا اسی واسطے اس نعمت کو مشیت کے وقت پر متعلق فرمایا ہے اور آدمی کی ابتدا کی خلقت دلیل صریح اور برہان واضح ہے اُس کے دوسری بار کی خلقت پر اور اس نعمت کا بھی اگر آدمی نادانی اور جہل سے انکار کرے تو اُس کی حماقت اور نادانی سے خالی نہیں ہے اور جو یہاں پر گمان اِس شبہے کا تھا کہ مبادا آدمی کے خیال میں گزرے کہ جو مجھ کو پیدائش کے شروع سے بزرگی اور کرامت کے ساتھ سرفراز فرمایا ہے اور جینے اور مرنے میں دوسری مخلوقات سے معزز و ممتاز کیا ہے تو آخرت میں بھی میرے ساتھ اسیطرح سے بخوبی پیش آویں گے کہ نواختہ را

نبایدانداخت وعزیز کردۂ خود را ذلیل نباید ساخت اور یہ بھی ہے کہ میں دوسری بار روح
بدن میں ڈالنے کے بعد بھی انسان ہی ہوں گا اور انسانیت البتہ موجب اکرام و تعظیم کا ہے
تو اس گمان کے دفع کرنے کے واسطے فرماتے ہیں کہ کَلَّا یعنی نہیں نہیں ایسا گمان کرنا
نہ چاہیئے اس واسطے کہ اوّل کا اکرام اس جہت سے تھا کہ ابھی وہ مصدر گناہوں کا نہیں ہوا
تھا اور بعد گناہ کرنے کے پھیر لانے کے وقت ہر چند کہ اُس کو پھر بھی انسان ہی کریں گے لیکن
گنہگار انسان کہ مصدر گناہوں کا ہوا ہے اس حال کے اعادے کی حالت کو پہلی حالت پر
قیاس کرنا نہ چاہیئے اور کرم سابق کے پانے سے کرم لاحق کا اُمیدوار ہونا نہ چاہیئے اور کسطرح
سے آدمی کرم لاحق کی اُمید سے اپنی خاطر جمع کرے گا اور کرم پر پھولے گا کیونکہ اُسکا یہ حال ہے
لَمَّا یَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ ہنوز تمام نہیں کیا اور سرانجام کو نہیں پہونچایا ہے اُس چیز کو کہ اُس کو
فرمائی ہے اُس کے خالق اور عزت بخشنے والے نے اور اگر اُس کے فرمان کو سرانجام کو پہونچاتا
اور عہدے سے بندگی کے برآتا تو البتہ توقع عزت اور اکرام کی اُس کو بجا تھی اور اب تقصیر اور
نافرمانبرداری کی صورت میں خوف کرنا اور ڈرنا چاہیئے اور اُمیدوار ذلت و خواری کا رہنا
چاہیئے اور وہ جو کہتے ہیں نواختہ را نباید انداخت و عزیز کردۂ خود را ذلیل نباید ساخت واقع کے
خلاف ہے بلکہ بہت سی چیزیں ہیں کہ بعد اکرام کے سزاوار تذلیل اور تحقیر کی ہو جاتی ہیں اور اگر
اس بات میں کچھ شک ہو تو فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖ پھر چاہیئے کہ آدمی اپنی خوراک
کی طرف دیکھے کہ کس طرح ناپاک فضلہ ہو جاتی ہے بعد اس بات کے کہ نہایت عزت اور ستھرائی
اور احتیاط سے پالی جاتی ہے اور وہی عنایتیں اللہ تعالےٰ کی اس کے پیدا کرنے میں مصروف
ہوتی ہیں جو آدمی کے پیدا کرنے میں مصروف ہوئی تھیں چنانچہ اُس بات میں بخوبی غور
کرے کہ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ۙ تحقیق ہمنے بہایا پانی آسمان سے جیسا کہ حق بیٹنے کا ہے
کہ آدمی کے نطفے کے بٹونے سے کہیں زیادہ اور بہت ہے ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ۙ
پھر پھاڑا ہم نے زمین کو جیسا کہ پھاڑنے کا حق ہے کھولنے سے بچہ دان کے کہ آدمی کے تولد
کے واسطے کھولا جاتا ہے بہت زیادہ ہے اور یہ عنایتیں تھیں ضعیف گھاس کے خیال پر کہ زمین
سے باہر نکلنے کی قدرت نہیں رکھتی تھی فَاَنْبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ۙ پھر اُگائے ہم نے اس زمین میں

دانے کہ قوت کے قابل ہیں جیسے گیہوں اور چنے وَّ عِنَبًا اور انگور کہ قوت بھی ہے اور میوہ بھی اور
دوا بھی اور شراب بھی وَّ قَضْبًا ۙ اور جڑیں جو قابل کھانے کے ہیں جیسے شلجم اور گاجر اور چقندر
اور شکر قند کہ کھانے میں نہایت قوت بخشتی ہیں پھر اگر اُن کو کچی کھاؤ تو حرارت اور تشنگی کو
دفع کرتی ہیں اور اگر پکاؤ تو معقول سالن ہے اور اگر مربا اچار بناویں تو میوے کا حکم پیدا کرتی
ہیں وَّ زَیْتُوْنًا اور زیتون کو کہ تیل بھی ہو سکتا ہے اور سالن بھی ہو سکتا ہے وَّ نَخْلًا ۙ اور کھجور
کہ قوت بھی ہے اور میوہ بھی اور سالن بھی اور اس سے نبیذ اور دوشاب بناتے ہیں اور پینے
کے خرچ میں لاتے ہیں اور سرکہ بھی بناتے ہیں وَّ حَدَآئِقَ اور باغ چار دیواریوں کے کہ اُنمیں
طرح طرح کے میووں کے اور دواؤں کے درخت بوتے ہیں اور جمتے ہیں غُلْبًا ۙ گھنے درختوں
والے کہ اُن کی ٹہنیاں موٹی موٹی ہیں اور عرب کے لغت میں اُس اُونٹنی کو کہ جس کی گردن پر
بہت بال ہوں غُلْبًا کہتے ہیں اور جس اونٹ کی گردن پر بہت بال ہوتے ہیں تو اُس کو اسلیے
غلب کہتے ہیں اور یہاں پر اُس باغ کو کہ جس کے درخت گنجان اور ڈالے موٹے ہوں بطور استعارے
کے اُس کو غُلْبًا فرمایا ہے وَّ فَاكِهَةً اور دوسری قسم کے میوے کہ باغوں میں نہیں ہوتے بلکہ
صحرائی اور کوہستانی ہوتے ہیں وَّ اَبًّا ۙ اور سب طرح کی گھاس کہ خود بخود اُگتی ہے اور
کوئی اُس کو بوتا نہیں مَّتَاعًا لَّكُمْ وَ لِاَنْعَامِكُمْ ؕ کام چلانے کو تمھارا اور تمھارے چار پایوں کا
کہ بعضی قسمیں اُن چیزوں میں سے جو مذکور ہوئی ہیں خاص ہیں جانوروں کے واسطے جیسے گھاس
پھوس اور بعضی مشترک ہیں آدمیوں اور جانوروں میں جیسے اناج کے دانے اور بعضی اس قسم
کی ہیں کہ اچھی اچھی اُن میں سے آدمی کھاتے ہیں اور بھوسی اور چھلکے اور گٹھلیاں اور پتّے
اُن کے جانور کھاتے ہیں پھر کھانے کے بعد کس قدر ذلیل و حقیر ہو جاتی ہیں کہ نجاست اور گوبر
ہو جاتا ہے اور اُس کو گھروں سے دور پھینک دیتے ہیں اور اُس کی بدبو کے سبب سے اُس سے
نفرت کرتے ہیں اب اس پہلے کرم کو اور پچھلی ذلت کو قیاس کر لے اور مغرور نہ ہووے بڑا
فرق ہے اس بات میں کہ آدمی کی خوراک کو عزت اور بزرگی دے کے جھٹ پٹ ذلیل و
خوار کر ڈالتے ہیں کہ غلیظ ناپاک ہو کے باہر نکلتا ہے اور آدمی خوب اُس کو جانتا ہے اور بزرگی
آدمی کی بعد مدت دراز کے ذلت سے بدلی جاوے گی اور اس مدت کی حد معین ہے وہ یہ ہے

فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّۃُ ؕ پھر جب آوے وہ غُل کہ بہرے کردے جہان والوں کے کان اور یہ اشارہ صور پھونکنے کی طرف ہے یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْہِ ؕ جس دن کہ بھاگے گا آدمی اپنے بھائی سے باوجود اس بات کے کہ اُس کو سب عزیزوں سے زیادہ دوست رکھتا تھا اور بچپن سے اُس کے ساتھ اُنسیت رکھتا تھا اور مدد اور تائید اور مشورت ایک دوسرے کی آپس میں تھی وَاُمِّہٖ اور اپنی ماں سے کہ اُس کو بھائی سے بھی زیادہ دوست رکھتا ہے اور اُس کے ذمے پر اُس کے حق بھی بہت ہیں وَاَبِیْہِ ؕ اور اپنے باپ سے کہ اُسکی تعظیم ماں سے بھی زیادہ ہے اور حق بھی اُس کا بڑا ہے بلکہ گویا بیٹا اُسی کا ہے وَصَاحِبَتِہٖ اور اپنی جورو سے کہ آدمی کو ماں باپ سے بھی زیادہ عزیز ہوتی ہے کیونکہ اُس کے ساتھ دم مرگ تک صحبت منظور رہوتی ہے اور ماں باپ کے حق کو جانتا ہے کہ خواب وخیال تھا کہ گزر گیا اب ان سے کچھ واسطہ نہ رہا وَبَنِیْہِ ؕ اور اپنے بیٹوں سے کہ بیٹے آدمی کو عورت سے بھی زیادہ پیارے ہیں اِس واسطے کہ اُن کو اپنے مرنے کے بعد اپنا قائم مقام جانتا ہے اور ذکر کرنے میں اُن قرابتوں کے ترقی ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ہے چنانچہ ظاہر ہے کہ جو آدمی باوجود ان قرابتوں کے اپنے اقربا سے بھاگے گا تو غیروں سے بطریق اولیٰ بھاگے گا اور کہتے ہیں کہ اول جو شخص کہ اپنے بھائی سے بھاگے گا وہ قابیل ہوگا کہ ہابیل سے بھاگے گا کہ دنیا کے خون کی عوض میں اُس کو پکڑے نہیں اور اول جو شخص کہ اپنی ماں اور باپ سے بھاگے گا حضرت ابراہیم علیہ السلام ہوں گے کہ مبادا شفاعت کے واسطے الحاح وزاری کریں اور کافروں کے حق میں شفاعت مقبول نہیں ہے اور اوّل جو شخص کہ اپنی عورت سے بھاگے گا حضرت نوح اور لوط علیہما السلام ہوں گے کہ ان دونوں کی عورتیں منافق تھیں اور منافق کے حق میں بھی شفاعت قبول نہیں اور اوّل جو شخص کہ اپنے بیٹے سے بھاگے گا حضرت نوح علیہ السلام ہوں گے کہ اُن کا بیٹا کنعان کافر مرا اور علما نے اختلاف کیا ہے اِس بات میں کہ اُس دن اپنے اقربا سے بھاگنے کی کیا وجہ ہوگی بعضے کہتے ہیں کہ حق کے طلب کرنے کے خوف سے کہ مجھ سے جو کچھ اُس کی حق تلفی ہوئی ہے مبادا کہ مجھے دیکھ کر طلب کرنے لگے جیسے مفلس آدمی قرض خواہ سے بھاگتا ہے اسی واسطے حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ قیامت کے دن آدمی

اپنے آشناؤں دوستوں سے زیادہ بھاگے گا غیروں ناآشناؤں کی بہ نسبت کیونکہ
دُنیا میں اُن سے کچھ معاملہ نہ رکھتا تھا کہ مطالبے کا خوف ہو اور بعضوں نے کہا ہے کہ مدد اور
شفاعت کے خوف سے بھاگے گا کہ ایسا نہ ہو کہ اِس ناتے والے کو یا آشنا کو دوزخ کو لے چلیں
اور مجھ کو اُس کے چھڑانے کے واسطے اپنی نیکیوں میں سے کچھ دینا پڑے یا اُس کے کچھ گناہ
اپنے ذمے پر لینا پڑیں چنانچہ قحط سالی کے دنوں میں بھی اسی قسم کے خوف سے اپنے اقربا
سے کم التفاتی کرتا ہے اور بعضے کہتے ہیں کہ اس سبب سے کہ تکلیف اور عذاب اُن کا دیکھا
نہ جاوے گا اور قدرت شفاعت کی اور طاقت نیکیاں دینے کی بھی نہ رکھتا ہوگا ناچار
اُن کی نگاہوں سے چھپ جاوے گا اور صحیح یہ بات ہے کہ اِن سب جہتوں کے سبب سے
بھاگے گا کوئی تو ایک جہت سے اور کوئی دو جہت سے اور کوئی تینوں جہتوں سے بلکہ اس
داروگیر کے دن ہر شخص اپنے حال میں گرفتار ہوگا اور دوسرے کی طرف کچھ التفات نہ کرے گا
چنانچہ فرماتے ہیں لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُّغْنِيْهِ ہر شخص کیواسطے نزدیکوں
سے کہ مذکور ہوئے ایک حالت ہوگی کہ کفایت کرے گی اُس کو غم اور تشویش کھینچنے میں اور
اتنی فرصت نہ پاوے گا کہ دوسرے کے حال کی طرف متوجہ ہو اور خبر لے پھر جب ایسا حادثہ
ہوگا تو لوگ عزت اور ذلت میں مختلف ہو جاویں گے وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ کتنے مُنھ اُس دن
مُّسْفِرَةٌ روشن ہوں گے اس واسطے کہ ایمان کا نور اُن کے باطن سے ظاہر کی طرف
جلوہ فرماوے گا اور اُن کے چہروں کو روشن کرے گا ضَاحِكَةٌ ہنستے ہوں گے انعام
واکرام کی توقع پر کہ آثار اُس کے اپنے میں دیکھیں گے مُّسْتَبْشِرَةٌ خوشیاں کرتے
اس واسطے کہ دمبدم انعام واکرام میں زیادتی پاویں گے اور اسباب خوشی اور خرمی کا
روز بروز بڑھتا جاوے گا وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ اور کتنے مُنھ اُس دن عَلَيْهَا غَبَرَةٌ اُن پر
سیاہی اور گرد و غبار ہوگا بسبب ظاہر ہونے گناہوں کی تاریکی کے کہ باطن میں اُن کے
گھر کر گئی تھی اور تہ نشیں ہو گئی تھی اس وقت ظہور کرے گی تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ چڑھی آتی
ہے اُس پر سیاہی اور یہ سیاہی ہر چند کہ کفر کا اثر ہے اور کفر دل کی تہ میں ہوتا ہے
کہ گناہوں کی سیاہی سے بھی زیادہ پوشیدہ ہے لیکن کفر کے غلبے کے سبب سے غالب

ہو کر ظہور میں گناہوں کی تاریکی کے اوپر آجاوے گی جیسے نیل کہ ہر چند اُس کو پانی کے نیچے کریں اوپر آجاتا ہے اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ۝ یہ لوگ مُنھ کالے یہی ہیں کافر بدکار کہ کفر بھی کرتے تھے اور گناہ بھی اور کمال ذلّت وخواری کے سزاوار ہوے اور ان کی انسانیت کچھ کام نہ آئی اور اکرام کے لائق نہ ہوے باوجود اس بات کے پہلی بار دنیا کی پیدایش میں وہ لوگ معزز اور مکرم تھے اور عنایت الٰہی اُن کی پرورش کے واسطے مصروف ہوئی تھی اور جمع ہونا اس قسم کے دو رنگوں کا خاصہ ان لوگوں کا ہے کہ کفر اور گناہ دونوں کرتے تھے اور جو لوگ کہ فقط کفر یا فقط گناہ کرتے تھے اُن کے واسطے ایک ہی رنگ پر اکتفا کی جاوے گی اور گناہوں کا رنگ سیاہ مٹیلا ہوگا اور کفر کا رنگ کالا بھنورا آب باقی رہا یہاں پر ایک سوال۔ وہ یہ ہے کہ اوّل میں اس سورۃ کے جناب باری کا عتاب ایسے پیغمبر جلیل القدر پر مذکور ہے پس نازل کرنے میں اس قصّے کے قرآن مجید میں کیا حکمت ہے ظاہر تو عقل سے یوں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس عتاب وخطاب کو پوشیدہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی زبانی ارشاد فرماتے اور وہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خبردار کر دیتے اور حال یہ ہے کہ یہ قصّہ قرآن مجید میں نازل ہوا اور مدتوں قرنوں تک زبان پر تلاوت کرنے والوں اور قاریوں کی جاری رہے گا اور بار بار یہ قصّہ لوگوں کو یاد آوے گا جواب اس کا یہ ہے کہ اس قصے اور خفگی میں بہت سے فائدے آداب اور تعلیم اور ارشاد کے اور قاعدے حُسن اخلاق کے تھے تو چاہا کہ اس قصّے کو تمام فائدوں کے ساتھ قرآن مجید کا جُز کر دیں تاکہ لوگ دمبدم اُس سے فیضیاب ہوں اور محروم نہ رہیں اور اُن سب فائدوں میں سے کہ اس قصّے میں ہیں کتنے اُن میں سے بیان کیے جاتے ہیں اور باقی کو سُننے والے کی عقل کامل اور فہم صائب کو سونپتے ہیں اوّل فائدہ یہ کہ کبھی کبھی پیغمبر بھی اجتہاد کرتے ہیں اور اپنی عقل کے زور سے شرع کے قواعد سے ایک حکم دریافت کرتے ہیں اور وہ حکم خطا ہو جاتا ہے تو حضور خداوندی سے پیغمبروں کو اُس خطا پر جلد آگاہ کر دیتے ہیں چنانچہ اس قصّے میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم یوں سمجھے کہ عام کے نفع کو خاص کے نفع پر مقدم رکھنا چاہیئے اور اسلام کی دعوت کو قرآن کی تعلیم پر ترجیح دینا چاہیئے اور اس راہ سے بدلے ہوے لوگوں کو تابعدار کرنا چاہیئے اور جو شخص کہ خود بخود طالب اور شوقین ہے فی الفور اُس کی طرف التفات نہ چاہیئے

ع ۵

سورۂ عبس کے نازل ہونے کے فوائد کا بیان

کرنا کیونکہ ارادت اور شوق اُسکا اسکو ٹھکانے لگا دے گا اور اس بوجھ میں یہی خطا واقع ہوئی کہ اِس صورت میں عام کا نفع موہوم تھا اور خاص کا نفع ظاہر اور عام کے نفع کو خاص کے نفع پر اُس وقت مقدم کرتے ہیں کہ دونوں معلوم ہوں یا دونوں موہوم پس موہوم کو معلوم پر ترجیح دینا شرع کے قاعدے کے خلاف ہے اور اسلام کی دعوت کو قرآن کی تعلیم پر اُس وقت ترجیح دینا چاہیئے جسوقت کہ دعوت اسلام کا قبول ہونا یقینی ہو اور جو یقین قبول ہونے کا نہ ہو تو الزام حجت کا ایک بار سے بھی ہو جاتا ہے حاجت خوشامد اور چاپلوسی کرنے کی نہیں دوسرے امورات دین کو اُس وقت چھوڑ دینا کچھ ضرور نہیں ہے اور اسی طرح تابعدار کرنا بدلوگوں کا اُس وقت ضرور ہے کہ اُن کی تابعداری کی توقع ہو اور نا اُمیدی کی صورت میں گویا ٹھنڈے لوہے کو پیٹنا ہے اور اس پر جو غرض صالح ظاہر میں غرض فاسد سے مشتبہ ہو جاوے تو اس غرض صالح کو بھی موافق حکم شرع کے چھوڑ دینا چاہیئے اور اس جاے پر خاطر داری کرنا اغنیا کی اور اندھے ضعیف محتاج فقیروں بینواؤں سے منہ پھرانا محل ریا کی تہمت کا اور دنیا داروں کے پاس خاطر کا ہوا جاتا تھا تو ایسے وقت میں اُس غرض صالح کو بھی چھوڑ دینا چاہیئے تھا کہ اِتَّقُوْا مِنْ مَوَاضِعِ التُّھَمِ یعنی بچو تم تہمت کے مکانوں سے دوسرا فائدہ یہ کہ کبھی ایسی چیز پر کہ گناہ ہونا اُس کا ابھی معلوم نہیں ہوا ہے لیکن باعتبار اُس گناہ کرنے والے کے حال کے اور اُس کی استعداد کی قوت اور عالی منصبی کے سبب سے گو کہ نامعلوم ہو تو بھی خفگی اور شکوہ متوجہ ہو سکتا ہے چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو منع ہونا اس فعل کا معلوم نہ تھا اس پر بھی خفگی ہوئی تیسرا فائدہ یہ کہ واجب التعظیم کے واسطے رعایت تعظیم کی ضرور ہے گو کہ وہ اس تعظیم پر مطلع نہ ہو کیونکہ وہ اندھا اندھاپے کے سبب سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک کی کیفیت سے کہ ترش ہے یا خنداں ہے اور میری طرف متوجہ ہیں یا مُنھ پھیرے ہیں کچھ خبر نہ رکھتا تھا کہ رنجیدہ ہو لیکن از بسکہ ایماندار تھا اور خدا کی راہ کا طالب تھا تو تعظیم اُس کی ضرور تھی پس اُس کی تعظیم ترک کرنے پر خفگی ہوئی اسی واسطے حدیث میں وارد ہے کہ تَرْکُ السَّلَامِ عَلَی الضَّرِیْرِ خِیَانَۃٌ یعنی سلام علیک ترک کرنا اندھے سے اسلام کے حق میں خیانت ہے کیونکہ اگرچہ وہ سلام علیک ترک کرنے سے رنجیدہ نہ ہوا لیکن اسلام کا حق تو تلف ہوا چوتھا فائدہ یہ کہ کُفّار کی طرف میل کرنا اگرچہ باعتبار ایک غرض شرعی نیک کے رخصت

پیغمبروں سے بھی کبھی اجتہاد میں خطا واقع ہوئی ہے

ہے لیکن ضرر سے خالی نہیں ہے پانچواں فائدہ یہ کہ اہانت اور مُنھ پھرانا مسلمان سے اگر چہ
بے قصد واقع ہو تو بھی قباحت سے خالی نہیں چھٹا فائدہ یہ کہ دوستوں کو خفگی اور تنبیہ ان کی
تقصیرات پر کرنا چاہیئے کہ دوستی کے باقی رہنے کی نشانی ہے وَیَبْقَی الْوُدُّ مَا بَقِیَ الْعِتَابُ
یعنی جب تک غصہ اور شکوہ باقی ہے دوستی بھی باقی ہے غصہ کرنا اُس وقت موقوف کرتے
ہیں کہ دوستی موقوف کرنا منظور ہوتا ہے ساتواں فائدہ یہ کہ اگر کسی کو ایک عہدے پر مقرر
فرماویں ہر چند کہ وہ سرکار کا مقرب ہو اور عالی مرتبت ہو ہرگز باز پُرس سے احوال کے اور پوچھنے
سے اُس کے کاموں کے غافل نہ ہونا چاہیئے کیونکہ یہ پوچھ پاچھ بادشاہی کی شرط ہے اور ملک داری
کو لازم مطلق العنان کرنا عہدہ داروں کا اور کارپردازوں کا مملکت میں خلل ڈالتا ہے آٹھواں
فائدہ یہ کہ کسی کو اگر چہ ظاہر میں کوئی حقیر نظر آتا ہو لیکن اُس کو حقیر نہ جاننا چاہیئے کیا معلوم ہے کہ
اُس کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک کیا مرتبہ ہے **بیت** خاکساراں جہاں را بحقارت منگر + تو چہ دانی
کہ دریں گرد سواری باشد + وہ نابینا ظاہر میں فقیر حقیر معلوم ہوتا تھا اور اُس کے سبب سے
سب مخلوقات کے سردار پر عتاب ہوا نواں فائدہ یہ کہ طالب علم کو اگر چہ موانع پیش آویں لیکن
علم کی طلب نہ چھوڑے کیونکہ وہ اندھا فقیر بھی تھا اور اُس کا ہاتھ پکڑنے والا بھی کوئی نہ تھا اس پر
بھی علم کی طلب کے واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آتا تھا اور اگر علم کی طلب میں
اور خدائے تعالیٰ کی راہ ڈھونڈھنے میں موانعات کا بہانہ کرے تو ہرگز مطلب کو نہ پہونچے گا
کیونکہ کوئی شخص اپنے حال کے موافق موانع سے خالی نہیں دسواں فائدہ یہ کہ اُستاد اور مرشد
کو لازم ہے کہ طالب علم کو اور اللہ کی راہ کے طالب پر جس قدر ہو سکے شفقت اور عنایت کرے
اور جو مطلب کہ اُس کا مطلوب ہے اُس کو پہونچا دے گیارھواں فائدہ یہ کہ معلم اور مرشد
کو چاہیئے کہ طالب علموں اور مریدوں میں دنیا کے مال و جاہ کے شرف کے سبب سے فرق
نہ کرے بلکہ شوق کی کثرت اور استعداد کی قوت پر امتیاز کرے بارھواں فائدہ یہ کہ اگر کسی
ضعیف کو کسی بزرگ سے کوئی سبب سے کچھ رنج پہونچ جاوے تو اُس بزرگ کو لازم ہے
کہ اُسی وقت اُس کا تدارک کرے کہ یہ بات کچھ اُس کے مرتبے کو مُضر نہیں بلکہ اُس کے علو
مرتبے کی زیادتی کا موجب ہے اسی واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان آیتوں کے

نازل ہونے کے ساتھ ہی اُس نابینا کے پیچھے دوڑے گئے اور اُن امیروں اور سرداروں سے
کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں بیٹھے تھے کچھ حیا نہ کی اور کیا خوب کہا ہے
بیت تواضع زگردن فرازاں نکوست * گدا گر تواضع کند خوے اوست * تیرھواں فائدہ
یہ کہ جب روٹھے کو منادیں تو چاہیئے کہ اُس کے مرتبے کو زیادہ کریں اور قدیم معمول سے اُس کی
تعظیم وتکریم بڑھاویں تاکہ اُس کے زخم کا مرہم ہو اِس واسطے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم
نے اُس نابینا کو راستے سے پھیر لاکر اپنی چادر پر بٹھایا اور فرمایا کہ اَنتَ فی عیال محمد مَا
بقیت یعنی تو میری عیال کے حکم میں آیا جب تک کہ تو زندہ ہے تیرا بوجھ میں اُٹھاؤں گا
چودھواں فائدہ یہ کہ ان آیتوں کے باقی رہنے سے قرآن مجید میں معلوم ہوا کہ آنحضرت صلے اللہ
علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالےٰ کی وحی پہونچانے میں نہایت امانت دار ہے والا اس عتاب وشکایت
کو کہ آپ کی ذات مبارک پر نہایت گراں تھا اور اُن کی کسر شان کا موجب ہرگز عوام الناس
کے کان میں نہ ڈالتے چنانچہ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اسی قسم کی
بات میں فرمایا ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ وحی میں سے پوشیدہ رکھتے تو حضرت
زینبؓ ہی کے قصّے کو پوشیدہ رکھتے کہ موجب کمال حیا تھا پندرھواں فائدہ یہ کہ طالب علم کو
چاہیئے کہ خدا ترس ہو کیونکہ حق سبحانہٗ تعالیٰ نے اس طالب علم کے حق میں مدح کے طور سے
فرمایا ہے کہ اَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى وَهُوَ يَخْشٰى سولھواں فائدہ یہ کہ اس مجلس میں آنحضرت
صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ بن عبد المطلب اور دوسرے نزدیک کے
ناتے والے جیسے ابوجہل وغیرہ حاضر تھے اختلاط اور صحبت اُن کی سے باوجود قرب و قرابت
کے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو عتاب فرمایا پس معلوم ہوا کہ جب کسی شخص کے اقربا اللہ تعالےٰ
سے روگردان ہو جاویں تو اُن سے اختلاط اور صحبت کرنا نہ چاہیئے اور غیروں سے کہ حق کے
طالب ہوں صحبت اور اختلاط کرنا چاہیئے کہ دوست کے دشمنوں کو دوست رکھنا خطا ہے اور
دوست کے دوست سے مُنھ پھرانا رنجش کا مقام ہے اسی واسطے قرآن مجید میں دوسری
جائے پر فرمایا ہے لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ
وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ۲۸ ج ۳ ع ۶ اور یہیں سے معلوم ہوا

کہ تعلیم اور ارشاد میں بھی استعداد اور شوق والوں کو قرابت والوں پر مقدم رکھنا چاہیئے۔ سترھواں فائدہ یہ کہ اُس شخص کو کہ اُس کے سبب سے جناب الٰہی سے یا پیغمبر کے حضور سے یا اُستاد و مرشدوں کی طرف سے اُس شخص پر خفگی کی جاوے تو اُس شخص سے بغض کرنا نہ چاہیئے بلکہ اُس سے زیادہ دوستی کرنا چاہیئے کہ اُس کے سبب سے ایک عمدہ غرض کہ ادب ہے حاصل ہوا چنانچہ اس خفگی کے وارد ہونے کے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس نابینا کو دوست رکھتے تھے اور تعظیم کرتے تھے اور مرحبا کہتے تھے اور اُن کی حاجتیں روا کیا کرتے تھے

واللہ الموفق والمعین وبہ نستعین

سورۃ اذا الشمس کورت

یہ سورۃ مکی ہے اس میں اُنتیس آیتیں اور ایک سو چار کلمے اور پانچ سو چونتیس حرف ہیں اور حدیث صحیح میں وارد ہے عبداللہ بن عمرؓ کی روایت سے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص چاہے کہ قیامت کے دن کو دنیا میں آنکھوں سے دیکھ لے تو اُس کو چاہیئے کہ سورۂ اذا الشمس کورت کو پڑھے اور یہ بھی حدیث میں ہے کہ حضرت امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک روز جناب میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی عرض کی کہ یارسول اللہ بڑھاپے نے آپ پر شتابی کی یعنی آپ کے مزاج مبارک کی قوت سے یہ توقع نہ تھی کہ اتنی عمر میں کہ قریب ساٹھ کے ہے آثار بڑھاپے کے آپ پر ظاہر ہوں گے لیکن یہ بات ہمارے قیاس کے خلاف وقوع میں آئی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ کو ان پانچ سورتوں نے بوڑھا کر دیا سورۂ ہود اور سورۂ واقعہ اور سورۂ مرسلات اور سورۂ عم یتسائلون اور سورۂ اذا الشمس کورت نے بس ان سورتوں میں عذاب الٰہی دنیا اور آخرت میں کہ اُمتوں پر بسبب مخالفت کرنے پیغمبروں کے جو گزرا ہے اور گذرے گا مذکور ہے مجھ کو اُن کے سُننے سے اپنی اُمت کا غم نہایت غلبہ کرتا ہے اور غم کا خاصہ ہے کہ آدمی کو بوڑھا کر دیتا ہے چنانچہ نقل کرتے ہیں۔

قطعہ سَاَلْتُ مِنَ الْاَطِبَّاءِ ذَاتَ یَوْمٍ ۔ اُخْبِرُنِیْ مِمَّا شَیَّبَنِیْ قَالَ بَلْغَمْ ۔ فقلت لہ علیٰ غیر اختتام ۔ لقد اخطأت فیما قلت بل غمام لیکن مراد بوڑھے ہونے سے آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ضعف قویٰ کا اور بدن کی سُستی مراد ہے نہ سفید ہونا بالوں کا

کیونکہ موے مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایسے سفید نہیں ہوئے تھے کہ دیکھنے والے پر ظاہر ہوں چنانچہ انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاص خادم ہیں فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات شریف کے قریب سر مبارک اور ریش مبارک میں سفید بال بیس تک نہیں پہونچے تھے اور ظاہر ہے کہ اس قدر بال دیکھنے والے کو بھی معلوم نہیں ہوتے اور عرف میں بھی اس قدر سفیدی کو بڑھاپا نہیں کہتے ہیں اور اس سورۃ کے ربط کی وجہ سورۂ عبس سے یہ ہے کہ اوّل میں اُس کے وصف قرآن مجید کے اس طور سے مذکور ہیں کہ کلا انہا تذکرۃ فمن شاء ذکرہ فی صحف مکرمۃ مرفوعۃ مطہرۃ بایدی سفرۃ کرام بررۃ اور آخر میں اس سورۃ کے بھی یہی مضمون ساتھ ترتیب معکوس کے مذکور ہے انہ لقول رسول کریم اور ان ھو الا ذکر للعالمین اور آخر میں اُس سورۃ کے حال قیامت کا اور اُس کے اوصاف اور ہول اور سختیوں کا مذکور ہے کہ یوم یفر المرء من اخیہ وامہ وابیہ وصاحبتہ وبنیہ اور اس سورۃ میں اوّل اسی مضمون کو خوب شرح وبسط کے ساتھ بیان فرمایا ہے اور اس کے نام کی وجہ ساتھ تکویر کے یہ ہے کہ اس سورۃ میں اول اسی حادثے کو مذکور کیا ہے کہ آفتاب کا نور زائل ہو جاوے گا اور اس سورۃ میں قیامت کے بارہ حادثے یاد فرمائے ہیں لیکن اُن سب حادثوں سے یہ حادثہ نہایت سخت ہے اور تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جو حادثہ مقصود بالذات پر واقع ہوتا ہے وہ بہت سخت ہوتا ہے اُس حادثے سے کہ مقصود بالذات کے غیر پر واقع ہو مثلاً ضائع ہونا جان کا کہ آدمی کا مقصود بالذات ہے زیادہ سخت ہے ضائع ہونے سے مال کے کیونکہ مال جان کے نفع کے واسطے مطلوب ہے نہ بالذات اور دوسرے یہ کہ جس حادثے کو دوسرا حادثہ معارض نہ ہو تو بہت سخت ہو جاتا ہے اُس حادثے سے جس کو دوسرا حادثہ معارضہ کرے کیونکہ معارضے کی صورت میں شدت حادثے کی کم ہو جاتی ہے مثلاً ایک طرف سے آدمی کو خوف جان کا ہو اور دوسری طرف توقع مال وجاہ کی دامنگیر ہو تو اُس وقت میں جانی حادثے کو بھی چنداں سخت نہیں جانتا بلکہ اس حادثے سے جی نہیں چراتا اور ہر حادثہ ان بارہ حادثوں میں سے قیامت کے کہ اس سورۃ میں یاد فرمایا ہے یا تو غیر مقصود بالذات

کو صدمہ پہونچاتا ہے جیسے پوست اُتارنا آسمان کا کہ آسمان کو خراب کر ڈالے گا اور آسمان
یہ نسبت اہل دنیا کے مطلوب بالذات نہیں ہے کیونکہ فائدہ لینا اہل دنیا کا محض ستاروں
سے ہے اور آسمان کی مثال مانند ایک صندوق کے ہے کہ اُس میں جواہر اور عمدہ لباس
رکھے ہیں اگر وہ صندوق ٹوٹ گیا اور جواہر اور اسباب سلامت رہا تو کچھ ٹوٹنا اس کا
چنداں گراں نہیں گزرتا اور یا معارض دوسرے کے ساتھ ہے کہ موجب فرحت اور خوشی
کا ہے جیسے تسعیر جحیم کی کہ مقابلے میں اُس کے ازلاف یعنی پاس لانا جنت کا بھی ہوگا سوائے
اس حادثے کے (یعنی بھڑکانا) کہ ایک تو مطلوب بالذات کو کہ آفتاب کی شعاع ہے صدمہ پہونچاوے گا
دوسرے یہ کہ مقابلے میں اس کے کوئی اور حادثہ فرحت افزا بھی موجود نہ ہوگا اور بے نور
کرنا آفتاب کا کہ نہایت عمدہ اسباب ہے حالات وجدانی نفس انسانی کے کھولنے کا کہ چمک
سے آفتاب کے شعاع کی آنکھوں کے دیکھنے کی چیزیں تو نظر آتی ہیں مگر معقولات وجدانیات
کے ادراک کے واسطے حجاب ہوتی ہیں اور اسی سبب سے یہ بات ہے کہ عقلی چیزوں میں فکر
کرنے کے واسطے رات کا وقت مقرر کیا ہے اور خواب دیکھنے کا بھی وہی وقت ہے اور زیادہ
کیفیات نفسانیہ کا اُن چیزوں سے کہ عاشقوں کو یا مریضوں کو اور دردمندوں کو یا مصیبت
زدوں کو پیش آتی ہیں تو وہ بھی وہی وقت ہے اور اہل مراقبہ اور توجہ بھی اُسی وقت
نسبت باطنیہ کو اپنی بڑھاتے ہیں اور ساحر اور تاثیرات نفسانی والے بھی اُسی وقت کام میں
مشغول ہوجاتے ہیں اور سیاہ ہوجانا ستاروں کا بھڑکانے سے دریائے شور کے
اور جنبش سے پہاڑوں کے بھی مقابلے میں اُس حادثے کے کچھ بزرگی نہیں رکھتا، کیونکہ
ستارے اکثر تیرہ اور بے نور ہوجاتے ہیں اور دریائے شور چنداں حوائج میں بنی آدم
کے نافع نہیں ہے کہ اُس کو مقصود بالذات تصوّر کیجیے اور علیٰ ہذا القیاس پہاڑ اور سنگینی
دوسرے حادثوں کی خود اظہر ہے اب بیان کرتے ہیں ہم اس بات کو کہ ان بارہ حادثوں کو
کس واسطے اِس مقام پر خاص کر کے مذکور فرمایا ہے وجہ اُس کی یہ ہے کہ منظور بیان کرنا انقطاع
نفس انسانی کا توجہ سے طرف مالوفات اور مضرات کے ہے اور کشادہ ہونا اُس کے شعور اور
فہم کا ارواح سماویہ کی مدد سے اور ظاہر ہونا اعمالوں کی صور مثالیہ کا اور کھلنا مقدار ہر نیک

اور بدکام کی جزا کا کہ مضمون عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ کا ہے اور ہر حادثہ ان بارہ حادثوں
سے اس امر میں دخل رکھتا ہے پس بسبب آفتاب کی تکویر کے اور سیاہ ہونے ستاروں
کے تعلق نفس انسانی کا کہ اپنے حوائج میں آسمان کے ساتھ تھا منقطع ہو جائے گا کیونکہ نفع لینا
اُس کا دیکھنے کی چیزوں میں اور بدلنے میں فصلوں اور موسموں کے اور نئے ہونے میں مہینوں
اور چاندوں کے اور پہلے سے معلوم کر لینا آنے والے حادثوں کا محض چمک اور حرکتوں سے اُن
اجرام کے ساتھ تھا اور سقف اُس کے عالم مالوف کی اس انقلاب سے خراب ہو جائے گی اور
بہ سبب تسییر جبال اور تزلزل زمین یعنی بسبب چلنے پہاڑوں اور تھرتھرانے زمین کے اُمید
اُس کی سکونت سے زمین کے اور استخراج معادن اور اُگنے سے کھیتی اور میووں کے اور بہنے
سے چشموں اور نہروں کے ٹوٹ جاوے گی اور صحن اُس کے گھر کا خراب ہونا شروع ہوگا اور
بسبب تعطیل عشار کے توجہ اس کی خبر گیری سے گھر کے جانوروں کی اور حاصل کرنے سے دودھ
اور گھی اور صوف اور پشم اور نسل کے سست ہو جاوے گی اور اس انقلاب سے گویا مطبخ
اور خزانہ خانہ اُس کا خراب ہو جاوے گا اور بسبب جمع ہونے وحوش کے ہمت اُسکی
شکار اور تسخیر سے جنگل کے جانوروں کی اور جو نفع کہ پوست اور پشم اور مشک نافہ یا اور اجزا
سے اُن کے حاصل کرتا تھا بالکل منقطع ہو جاوے گی اور بسبب جوش پر ہونے دریاؤں کے
سفر کشتی کا اور تجارتیں بحری اور صید کرنے سے جانوروں بحری کے اور نکالنے سے موتی اور
مونگے اور عقیق اور عنبر کے مایوس ہوں گے اور یہ چھ حادثے متعلق عالم دنیا سے اور انسان کے
جسم سے ہیں اور بعد اس کے ملنے سے نیک نفسوں کے اپنے ہم جنسوں سے اور شریر نفسوں
کے اپنے ہمجنسوں سے اور ایک کی کیفیات نفسانیہ کے منعکس ہونے سے دوسرے کے قلب پر
ہر شخص کو وجدانیات اپنے کما حقہٗ ظاہر ہو جاویں گے اور اپنے کو بالاجمال اہل خیر و شر سے
معلوم کر لے گا اور سوال کرنے سے موءودہ کے نفس اُس کا اس جہان سے نہایت سادہ ہوگیا (دل کی باتیں[۱۲])
تھا معلوم کر لے گا کہ فہم شعور انسانی نے ایک وسعت عظیم پیدا کی ہے کہ اس قسم کے الواح سادہ
بھی نفس پذیر سوال و جواب کے ہوئے ہیں اور یہ بھی معلوم کر لے گا کہ اس عالم میں بھر پانے
سے حقوق کے ہر ادنیٰ اعلیٰ چھوٹا بڑا باوجود اس بات کے کہ تلف کرنے والے کو حقوق کے اشد

علاقے درمیان میں ہیں جیسے پدری اور مادری ہرگز خالی نہ چھوڑیں گے اور بسبب کھولے
جانے صحیفوں اعمال کے تفصیل اپنے افعال واقوال کی دریافت کرلے گا اور بسبب پوست
اُترنے آسمان کے کہ کنایت ہے عالم مثال کی تجلی سے کہ معدن اور اصل اُس کی افلاک کی
قوت خیالیہ ہے اپنے اعمال کے صور مثالیہ کو دیکھ لے گا اور حقیقت کو حال کے معلوم کرجاے گا
ع کہ با کہ باختہ ام عشق در شب دیجور + اور بھڑکانے سے دوزخ کی آگ کے اور نزدیک
لانے سے بہشت کے اور آرایش اور سجاوٹ سے موافق اجزاؤں عملوں کے کہ خواہش
اُن کی صور مثالیہ کی ہے نہایت روشنی پیدا کرے گا اور اُس وقت مضمون عَلِمَتْ نَفْسٌ
مَّآ اَحْضَرَتْ ؁ کا جلوہ گر ہوگا اور ترجیح انقلاب تعلق آخرت کے عالم سے اور قوائے عقلیہ اور
خیالیہ سے انسان کی رکھتے ہیں اور اسی تقریر سے وجہ اس ترتیب کی رعایت کی بھی ظاہر
ہوئی اور یہ بھی ثابت ہوا کہ عالم برزخ میں نفس انسانی کو باوجود بدن کی مفارقت کے یہ اطلاع
احوال پر اپنے اعمالوں کے ممکن نہیں ہے کیونکہ ہنوز آسمان اور زمین قائم ہیں اور تعلق اُس کا
مکانات اور اپنی رغبت کی چیزوں کی طرف اور توجہ حال پر اقربا اور اپنے بنی نوع کے اور
یاد کرنا اپنے گزرے حالات کا ہنوز مقتضی نہیں ہوا اور ملنا عالم غیب سے بطور خلوص اور
کمال کے اُس کو حاصل نہیں ہوا اسی واسطے اُس عالم کو برزخ کہتے ہیں کہ مِنْ وَجْہٍ احکام دنیا
کے رکھتا ہے اور مِنْ وَجْہٍ احکام آخرت کے جیسے کسی شخص نے ایک شہر میں یا ملک میں بہت
مدت گذران کی پھر کسی اور ملک یا اور شہر کو چلا گیا اور ہنوز گھر اُس کا اس پہلے شہر میں موجود
ہے اور اقارب بھی اُس کے وہاں رہتے ہیں اور خط و کتابت کی بھی آمد و رفت ابھی جاری
ہے ایسی حالت میں انقطاع کلی اُس کو اُس شہر سے ممکن نہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ؁ جس وقت کہ آفتاب لپیٹا جاوے گا اور معنی تکویر کے عرب کی
لغت میں کسی چیز کو گرد لپیٹنے کے ہیں جیسے رسّی یا پگڑی کہ اُس کو حلقہ کر کے لپیٹتے ہیں
وَكَوْرُ الْعِمَامَةِ معنی میں پگڑی کے پیچ کے اسی لفظ سے ہے اور جو آفتاب کہ شعاعیں دراز
رکھتا ہے موقوف کرنے کو اُس شعاع کے ذہن میں تشبیہ لپیٹنے سے پگڑی کے دی ہے اور

اس لفظ کو بطور استعارے کے استعمال فرمایا ہے گویا کہ جب تک کہ شعاع اُس کی پھیلی ہوئی ہے تو مانند اُس تھان یا پارچے کے ہے کہ اُس کو کھول کر پھیلا دیا ہے اور جب وہ شعاع زائل ہوگئی اور جرم اس کا پنیر کی چکتی کے مانند بے نور ہوگیا تو گویا اُس تھان کو تہ کر لیا اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ثوران مکوران یوم القیمۃ یعنی آفتاب اور ماہتاب پنیر کی دو چکتیوں کے مانند بے نور پڑے ہوں گے قیامت کے دن اور بعضی روایتوں میں ثوران عقیران بھی واقع ہوا ہے یعنی مانند دو بیلوں کونچیں کٹی ہووں کے پڑے ہوں گے اور دوسرے اُن کا منقطع ہو جاوے گا اور ثور عرب کی لغت میں بیل کو بھی کہتے ہیں اور پنیر کی چکتی کو بھی اور جب تعلق ستاروں کی ارواح کا جرموں سے اُن کے منقطع ہو جاوے گا تو شعاع اور نور بھی زائل ہو جاویگا اور دورے بھی موقوف تو کبھی زوال نور پر خیال کر کے پنیر کی چکتی سے نسبت دی ہے اور کبھی حرکت کے موقوف ہونے پر نظر کر کے کونچیں کٹی بیل سے تشبیہ دی ہے اور ہر چند کہ آفتاب و مہتاب موافق حدیث کے اس حادثے میں شریک ہوں گے لیکن یہاں پر اکتفا فقط آفتاب ہی کی تکویر کے ذکر پر فرمائی کیونکہ شعاع آفتاب کی جرم سیاہ کو ماہتاب کی نور اور روشنی بخشتی ہے بس تکویر آفتاب کی مستلزم ہے ماہتاب کی تکویر کو حاجت علیحدہ بیان کی نہیں وَاِذَا النُّجُوْمُ انْکَدَرَتْ ۝ اور جس وقت کہ ستارے میلے ہو جاویں گے اور نور بھی اُن کا زائل ہو جائے گا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ اُنھوں نے فرمایا ہے کہ ستارے قندیلوں میں نور کی زنجیروں سے لٹکتے ہیں اور وہ زنجیریں فرشتوں کے ہاتھوں میں ہیں جب فرشتے مر جاویں گے تو وہ قندیلیں اُن کے ہاتھوں سے گر جاویں گی اور ستارے گر کے بجھ جاویں گے اور نور اُن کا زائل ہو جائے گا بس اس سورۃ میں بیان اُس انقلاب کی انتہا کا ہے کہ ستاروں پر ظاہر ہوگا اور اگلی سورۃ میں بیان ہے اُس انقلاب کی ابتدا کا اور اختلاف لفظ میں نجوم اور کواکب کے تعین کلام کے اسلوب کے واسطے ہے اور اس واسطے بھی ہے کہ نجم کے لفظ سے ظہور اشراق کا سمجھا جاتا ہے تو انکدار اس کو مناسب ہے اور کوکب کے لفظ میں استقرار اور استحکام بوجھا جاتا ہے تو انتشار اُس کے ساتھ مناسب ہے وَاِذَا الْجِبَالُ سُیِّرَتْ ۝ اور جب پہاڑ چلائے جاویں گے اور بادلوں کی طرح سے ہوا میں اُڑائے جائیں گے اور پہاڑ جو زمین کے لنگر اور فرسنگ

فرش کے مانند تھے جب اُن کی یہ حالت ہوگی تو زمین کی حالت کو بھی اسی پر قیاس کر لیا چاہیئے کہ کیا کچھ اس کی خرابی ہوگی وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ؈ اور جب گابھن اونٹنیاں جن کا حمل دس مہینے کا ہو چھٹی پھرینگی اور اُن کے مالک اُن کی طرف کچھ التفات نہ کریں گے اور وجہ ایسی اونٹنی کی تخصیص کرنے کی یہ ہے کہ منظور تعلق انسانی کے انقطاع کا بیان ہے اپنے مالوں سے اور سب مال میں سے زیادہ جو محتاج خبرداری کا ہے سو جانور ہیں کیونکہ زر و جواہر اور دوسرے اسباب دمبدم محتاج محافظت کے نہیں ہوتے اور زراعت اور درخت اور عمارات اور مکانات بھی محتاج محافظت اور خبر گیری کے ہوتے ہیں لیکن نہ ہر لحظہ اور ہر ساعت برخلاف جانوروں کے کہ ہمیشہ دھوپ سے چھاؤں میں اور چھاؤں سے دھوپ میں باندھنے کے محتاج ہوتے ہیں اور ہر دم دانے پانی گھاس کی خبر گیری چاہتے ہیں اسی واسطے تجربہ والوں نے کہا ہے کہ غم نداری بز بخر اور اُن سب جانوروں میں اعلےٰ اور عمدہ عرب کے نزدیک جلنے کے قریب والی اونٹنی ہے کہ اُس میں دو طرح کی خوشی ہے ایک تو بچّے کی اور دوسرے دودھ کی اور بسبب بڑے پن کے دودھ اُس کا اور جانوروں کے دودھ سے دو چند سہ چند زیادہ ہوتا ہے اور جو مخاطب اس کلام ہدایت فرجام میں اوّل فرقہ عرب کا ہے تو رعایت اُس چیز کی کہ اُن کے ذہن میں جلد آ جاوے یا وہ چیز اُن کے خیال میں بسی ہے ضرور پڑی کیونکہ مقتضا بلاغت کا یہی ہے اور یہاں پر ایک اشکال ہے کہ بعضے اذکیا اُس کو مشکل جانتے ہیں حاصل اُس کا یہ ہے کہ بعد اس کے کہ حضرت اسرافیل نفخ صور فرماویں گے تو سب جانور مر جاویں گے اونٹنیاں کہاں ہوں گی جو چھٹی پھریں گی اور صور پھونکنے سے پہلے قیامت کہاں ہے کہ اونٹنیاں معطل پھریں پھر یہ بات کون سے وقت کی ہے اکثر دانشمندوں نے کہا ہے کہ یہ کلام فرضی اور خیالی ہے یعنی بالفرض اگر اُس وقت اونٹنیاں اس صفت کے ساتھ موجود ہونگی تو شدت ہول سے اُس روز کے کوئی اُن کی طرف متوجہ نہ ہوگا جیسے یَوْمًا یَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِیْبًا ؈ میں فرمایا ہے لیکن بعد تامل کے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر حاجت اس تکلف کی نہیں ہے اسواسطے کہ جس وقت حضرت اسرافیل پہلے صور پھونکیں گے تو آدمی اور حاملہ اونٹنیاں اکھٹی مر جائیں گی اور جب دوسری بار پھونکیں گے تو سب اکھٹے جی اٹھیں گے تو وہ اونٹنیاں کہ جن کے حمل پر

دس مہینے گذر گئے تھے وہ بھی اسی طور سے زندہ ہوں گی چنانچہ حدیث صحیح میں ہے۔
یحشر النّاسُ یَوْمَ القِیٰمَۃِ علیٰ مَا مَاتُوا عَلَیْہِ اور مالک اُن کے اُس وقت اُنکی طرف
متوجہ نہ ہوں گے اور معطل چھوڑ دیں گے اور بعضے اہل تفسیر نے کہا ہے کہ مراد عشار سے ابر ہیں
کیونکہ عرب ابر کو حمل والے جانور سے نسبت دیتے ہیں اور اُن کے خیال میں ابر کی صورت
مادہ کی سی ہے اور ہوا کی صورت نر کی پس جیسے نر مادہ سے مل کے حاملہ کر دیتا ہے اسی طرح
ہوا سے ابر میں پانی بھر جاتا ہے پس غرض یہ ہے کہ اُس وقت ابر پانی سے خالی ہوں گے اور
کچھ کام نہ آویں گے اور اس تفسیر میں جو کچھ کہ بُعد ہے سو ظاہر ہے اور عشار جمع ہے عشرا کی جیسے
نفاس جمع ہے نفسا کی اور عُشرا دس مہینے کی حاملہ اونٹنی کو کہتے ہیں تمام سال تک اور تمام ہونا
سال کا اونٹنی کے حمل کے تمام ہونے کی پوری مدت ہے تو اس نام سے اُس کو مذکور فرمایا
وَاِذَا الوُحُوْشُ حُشِرَتْ ۝ اور جس وقت کہ وحشی جانور کو ہی اور بیابانی جمع کیے جاویں
اور وجہ اُن کے جمع کرنے کی یہ ہے کہ رہنے کی جگہ اُنکی جو کہ پہاڑ اور جنگل تھے خراب ہو جاویں گے
اور آگ اور دھواں ہر طرف سے اُن کے پیچھے پڑے گا ناچار آدمیوں کے مجمع میں مکان امن
کا سمجھ کے بھاگ آویں گے جیسے سردی کے ملک میں برف پڑنے کے وقت وحشی جانور طبیعت
اصلی کو اپنی نفرت اور وحشت کو چھوڑ کر بستیوں اور گھروں میں گھستے ہیں اور اس واقعے میں
دلیل صریح ہے اس بات پر کہ ہَول اس روز کا اس مرتبے کو پہونچے گا کہ وحشیوں کو انسان سے
نفرت نہ رہے گی اور بعضے جو بعضے سے عداوت طبعی رکھتے تھے اُس روز کچھ خوف و ڈر ایکدوسرے
کا باقی نہ رہے گا اور قتادہؒ اور دوسرے مفسروں نے کہا ہے کہ مراد حشر سے وحوش کے اُن کا زندہ
کرنا ہے بعد اُن کے مرنے کے کہ قصاص کے واسطے اُن کو پھر زندہ کریں گے اور حدیث شریف
میں ہے کہ جانوروں میں بھی قصاص جاری ہوگا یہاں تک کہ مُنڈی بکری سینگوں والی بکری
سے اپنا بدلہ لے گی لیکن قصاص ہو چکنے کے بعد سب کو خاک کر دیں گے اور جو خدا کے نام پر ذبح
ہوئے ہیں وہ بہشت کی خاک ہوں گے مگر وہ جانور جو بہشتیوں کی خوشی کا باعث ہوں گے
یا سبب اُنکی لذت کا سو وہ جانور بہشت میں باقی رہیں گے جیسے طاؤس یا گھوڑا یا اور کوئی
جانور خوبصورت خوش آواز یا وہ جانور کہ جن کا گوشت بہشتیوں کو مرغوب ہوگا وہ اُن کی غذا کے

واسطے چھوڑ دیے جاویں گے چنانچہ قرآن مجید میں سورۂ واقعہ میں مذکور ہے وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ اور وہ چیزیں باقی رہیں گی جو دوزخیوں کے عذاب زیادہ ہونے کا سبب ہوں سو دوزخ میں جاویں گی جیسے سانپ اور بچھو اور مکھی کہ اُن کے جلے بھُنے بدن پر بیٹھیں گی اور اُن کو رنج و دُکھ دیں گی بغیر اس بات کے کہ اُن جانوروں کو اُس دوزخ کی آگ سے کچھ رنج و کلفت ہو اسی واسطے حدیث شریف میں وارد ہے کہ اَلذُّبَابُ كُلُّهٗ فِي النَّارِ اور یہ بھی حدیث صحیح میں وارد ہے کہ اِنَّ فِي الْجَنَّةِ طَيْرًا نَاعِمَةً وَّاَكَلَهَا اَنْعَمُ مِنْهَا وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۝ اور جس وقت کہ دریا بھڑ کائے جاویں گے اور پانی اُن کا دُھواں اور آگ ہو جاوے گا اور ہوا اُس آگ اور دُھوئیں کے ملنے سے حدت اور حرارت پیدا کرے گی اور اہل محشر کی تکلیف اور رنج کا سبب ہو گی لیکن باایمان لوگ شر سے اُس دھوئیں کے محفوظ رہیں گے چنانچہ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ اُس روز کے دُھوئیں سے باایمان لوگوں کو اسی قدر تکلیف پہونچے گی کہ زُکام ہو جاوے گا وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ۝ اور جس وقت نفوس انسانی نفوس سماوی اور ارضی سے ملائے جاویں گے تاکہ قوت خیر و شر کے ادراک کی زیادہ ہو جاوے اور پوری جزا ہر عمل کی نہایت کے درجے میں چکھیں اور بعضوں نے کہا ہے کہ مراد تزویج نفوس سے روحوں کا ملنا ہے جسموں کے ساتھ اور بعضوں نے کہا ہے کہ مراد یہ ہے کہ لوگوں کو ازواج ثلثہ کر دیں گے یعنی تین قسم کر دیں گے کہ تفصیل اُس کی سورۂ واقعہ کی آیت وَكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ۝ میں مذکور ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ ہر شخص کو اپنے ہم مشرب اور ہم مذہب کے ساتھ جمع کر کے جُدے جُدے غول بنا دیں گے اور خیر و شر کے طبقوں کو اس ترتیب میں رعایت رکھیں گے اور بعضوں نے کہا ہے کہ ہر شخص کا اُس شخص کے ساتھ حشر کریں گے جس کے ساتھ دُنیا میں نہایت محبت رکھتا تھا پھر وہ خواہ نیک ہو خواہ بد جیسے پیر اور اُستاد اور بادشاہ اور امیر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ نفوس کو مومنین کے حور عین کے ساتھ جوڑ لگاویں گے اور کافروں کے نفوس کو شیطانوں کے ساتھ ملاویں گے اور زجاج نے کہا ہے کہ ہر نفس کو اس کے عملوں کی صورت مثالی سے خواہ نیکی ہو خواہ بدی جوڑا لگاویں گے وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ۝ اور جب موؤدہ پوچھی جاویگی

اور موٗدہ عرب کی لغت میں جیتی گاڑدی ہوئی لڑکی کو کہتے ہیں مشتق ہے وَادَ یَئِدُ سے اور عرب میں رسم تھی کہ لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی گاڑ دیتے تھے بعضے تو تنگدستی اور شادی بیاہ کے اخراجات کے خوف سے یہ کام کرتے تھے اور بعضوں کو یہ عار تھی کہ ہم اپنی بیٹی کسی کو دیں گے اور وہ ہمارا داماد کہلاوے گا اس خیال فاسد میں گرفتار ہو کر اس امر شنیع میں مبتلا تھے اور اس امر قبیح نے اُس زمانے میں اس ملک میں ایسا رواج پایا تھا کہ اُس کو فخر اور غیرت جانتے تھے اور ہرگز اُس گناہ کے عذاب کا خوف نہیں رکھتے تھے اِس گمان پر کہ ہماری اولاد ہماری ملک ہے اس میں ہم کو اختیار ہے جو چاہیں سو کریں حق تعالےٰ نے اُن کے اس فعل شنیع پر جا بجا قرآن مجید میں مذمت فرمائی اور وجہیں اُس کی بُرائی کی کھول کر بیان کر دیں کہ ضمن میں اس فعل قبیح کے سوائے قطع رحم اقرب کے کہ ولد ہے اور بہت سی قباحتیں موجود ہیں اُن میں سے ایک تو ظلم و ستم ہے بے گناہ معصوم پر کہ وبال اس کا معلوم ہے اور مکروہ جاننا اللہ تعالےٰ کی پیدایش کو بلا وجہ اور ناخوش ہونا اللہ تعالےٰ کی خواہش سے اور مقابلہ کرنا اُس کے فعل کا ضد کے ساتھ کہ اُس خالق نے نو مہینے میں اُسکو بنا کر تیار کیا اور اس نے پیدا ہونے کے ساتھ ہی ارادہ اس کی ہلاکت کا کیا اور دوسرے بے اعتمادی ہے اللہ تعالےٰ کی رزاقی اور کارسازی پر اور یہ کہ مال کا بخل اس درجے کو ہے کہ اپنی اولاد پر مال خرچ کرنا روا نہیں رکھتا بس اسی طرح کی اور بہت سی باتیں ہیں اور اسیواسطے جو عرب میں سمجھ والے لوگ تھے اُس کی قباحت کو دریافت کر کے اپنے کو اس کام سے روکتے تھے لیکن قوم کی رسم سے ناچار تھے یہاں تک کہ زید بن عمرو بن نفیل چچازادے حضرت امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے مکہ میں پیدا ہوے اور جہاں سُنتے کہ فلانے کے گھر میں لڑکی پیدا ہوئی ہے اور وہ جیتی گاڑی جائے گی تو جھپٹ کے وہاں جاتے اور کہتے کہ اس کو میں نے اپنی بیٹی کیا اور جو کچھ کہ اس کے کھانے پینے کا اور بیاہ شادی کا خرچ ہے وہ سب میرے سر تم کو کچھ کام نہیں اسی طور سے بہت سی لڑکیاں بچالیں اسی واسطے ان کو محی الاموات کہتے تھے اور اُن کی اس رسم صالح کی اور قبیلوں کے بھی بعضے بعضے عرب اتباع کرتے تھے چنانچہ صعصعہ فرزدق شاعر کا دادا بھی یہی کام کرتا تھا اسی واسطے فرزدق نے اپنے

دادا کے اس فعل کی بُرائی اکثر اپنے شعروں میں کی ہے اور اب اس اُمت میں اس فعل شنیع
نے دوسری صورت سے نمود پکڑی ہے اور شیطان کا قاعدہ ہے جو کسی بُرے کام کو لوگ ممانعت
شرعیہ یا دلائل عقلیہ کے سبب سے قبیح جان کر چھوڑ دیتے ہیں تو وہ لعین اُسی کام کو دوسری
صورت میں اُن کی نظروں میں بھلا دکھاتا ہے تاکہ اُس کا اصل مطلب فوت نہ ہو اور وہ صورت
جو اس اُمت میں رکھی ہے یہ ہے کہ اگر لونڈی باندی یا کسی اور کم اصل عورت کو کسی سے حمل
رہ گیا تو مارے غیرت کے کہ مبادا لڑکی پیدا ہو تو کسی کم اصل سے رشتہ کرنا پڑے گا پس اس
بات کو ننگ و غیرت شرافت کی جان کر بعد جان پڑنے کے کہ مدت اُس کی اکثر چار مہینے گزرنے
کے بعد ہے گروا دیتے ہیں اور اس امر شنیع کے مرتکب ہوتے ہیں اور بطور فخر اور بڑائی کے اس کو
بیان کرتے ہیں حالانکہ خون ناحق میں دوسری قباحتوں میں سر مُوموءُدہ سے یہ فعل کم نہیں ہے
لیکن اگر روح پڑنے سے پہلے ہو تو صحابہ کو گرانے میں عذر شرعی سے جیسے جلنے کی سختی یا کثرت
عیال کے یا قلت مال کے یا مسافرت کے سبب سے یا جانے کہ اگر یہ لونڈی جنے گی تو خدمت
نہ کر سکے گی اختلاف واقع ہوا تھا اور حضور میں حضرت امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالےٰ
عنہ کی اس امر میں بہت گفتگو ہوئی یہاں تک کہ حضرت امیر المومنین مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا
کہ واللہ لاتکون موءدۃ حتے تاتی علیہ التارات السبع اس کلام کو حضرت امیر المومنین
عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے پسند فرمایا ہے اور یہی بات ٹھہر گئی اور بعضے صحابہؓ
اس کو بھی احتیاط کیواسطے حرام جانتے تھے اور اُس کو موءودہ صغریٰ کہتے تھے کیونکہ اگرچہ قتل نفس کا
اس عمل میں نہیں ہے لیکن اُس کی رزاقیت پر عدم توکل اور معارضہ اُس کے فعل کا ساتھ
ضد کے بلا وجہ اور سوا اس کے دوسری قباحتیں بھی موجود ہیں لیکن صحیح یہ بات ہے کہ جائز
ہے عزل کے قیاس کے اعتبار سے اور وہ جو حدیث شریف میں عزل کے حق میں وارد ہے کہ
ذلک الوأد الخفی وہ عزل کی حرمت پر دلالت نہیں کرتا بلکہ کراہت اور اولاد کے ترک ہونے
پر دلالت کرتا ہے کیونکہ خفی ہر امر کا اُس کے جلی کا حکم نہیں رکھتا جیسے ریا کہ شرک خفی ہے حکم
شرک جلی کا نہیں رکھتی اور جائز ہونا عزل کا روایات صحیحہ مشہورہ سے ثابت ہے لاشبہۃ فیہ
اور استعمال کرنا دواؤں کا قبل جماع کے یا بعد جماع کے کہ حمل نہ رہنے پاوے مانند عزل کے جائز

اور رواہے اور یہاں پر ایک شبہہ ہے کہ اکثر خیال میں گذرتا ہے وہ یہ ہے کہ موؤدہ بیچاری مظلوم
ماری گئی ہے اس سے سوال کرنا کوئی وجہ نہیں رکھتا چاہیئے تھا کہ سوال اُس کے قاتل سے کیا
جاتا تاکہ اُس کو سرزنش ہوتی پس جواب اس شبہے کا یہ ہے کہ سوال موؤدہ سے اس وضع پر نہ
نہ ہوگا کہ توکیوں ماری گئی تاکہ خلاف قاعدے کے ہو بلکہ اس وضع سے ہوگا کہ بِاَیِّ ذَنۡبٍ قُتِلَتۡ ؁
کہ کس گناہ پر ماری گئی ہے وہ موؤدہ اور لائق اس سوال کے مظلوم ہے نہ ظالم کیونکہ غرض اس
سوال سے تلقین دعویٰ کی اور ظاہر ہونا ظلم کی وجہ کا منظور ہوتا ہے کہ مظلوم کہہ دے کہ مجھ پر
فلانے نے بے وجہ یہ ظلم کیا ہے اور موؤدہ سے سوال کرنے میں اس طور سے یہ بھید ہے کہ
نفس صغیر ہر چند کہ اُس جہان میں شعور اور فہم اور ادراک پیدا کرے گا لیکن تو بھی ادراک
اُس کا ادراک سے دار القضا کے مشاقوں کے اور دنیا کے جھگڑنے والوں سے کہ اُن ہی کاموں
میں تمام عمر اپنی صرف کی البتہ کم ہوا چاہیئے اور جو کچھ کہ دکھ درد اُس کو جان جانے کا گزرا تھا سو
چنداں اس کو گراں نہیں گزرا تھا کیونکہ وہ زندگی اس کی ایک خواب و خیال تھی کہ دیکھی اور
گزر گئی اور یہ بھی ہے کہ پہلے ہی دعوے ماں باپ پر کرنے میں حیا کے سبب سے پیش قدمی
نہ کر سکے گی تو ضرور ہوا کہ اُس طرف سے اس طور سے اُس کو تلقین اور یاد دلانا دعویٰ کا ہوگا
جیسے کسی مظلوم بے سمجھ کو کہ بیان کرنے میں اپنی حجت کے اور پورا کرنے میں اپنے دعویٰ کے
قصور کرتا ہے تو حکام باانصاف اُس کو اس قسم کی تلقین و تذکیر کرتے ہیں کہ حقوق اُس کے
برباد نہ جاویں اور اسی طور سے اگر کوئی مظلوم بسبب کسی علاقے کے کہ ظالم سے رکھتا ہے صاف
صاف بیان کرنے سے اُس کے ظلم کے شرماتا ہے یا خوف کھاتا ہے تو اُس کے حق مین بھی ارباب
عدالت کا یہی وتیرہ معمول ہے اور فقہانے بھی لکھا ہے کہ قاضی کو تلقین مدعی اور شاہد کی اس
قسم کی صورتوں میں درست ہے کیونکہ مظلوم کو حق پہونچنا بدون اس کے ہو نہیں سکتا اور
باوجود اس بات کے اس سوال میں بھی مراتب اُس کے ادب کے والدین کے ساتھ موجود
ہیں کیونکہ اوّل ذکر اُس کے قاتل کا نہ فرمایا گویا قاتل سے سوال منظور ہی نہیں ہے تاکہ فضیحت
نہ ہو اسی واسطے مجہول کے صیغے سے لائے ہیں کہ قُتِلَتۡ یا سوال اُس گناہ کا فرمایا کہ موجب
اُس کے قتل کا ہوا گویا کہ اشارہ فرماتے ہیں کہ والدین کو تو اپنی اولاد سے کمال شفقت اور

محبت ہوتی ہے بغیر کسی گناہ عظیم کے تجھ سے یہ معاملہ نہ کیا ہوگا اس واسطے تجھ سے پوچھتے ہیں
کہ وہ کیا گناہ تھا لیکن رعایت اس ادب کی ماں باپ کے حق میں موؤدہ کی طرف سے
موجب ماں باپ کے کمال رسوائی اور فضیحتی کا ہوگا خصوصًا موؤدہ کے گناہ کے سوال کرنے
میں کہ وہ ہرگز محل گناہ کا نہیں ہوسکتی تعریض الزام صریح سے نیکے ہوگی اور اگر پہلے ہی سوال
والدین سے واقع ہوتا کہ تم نے بے گناہ اپنی بیٹی کو کیوں مار ڈالا تو یہ فضیحتی اور رسوائی اور
اتنی زیادتی خوف اور دہشت کی حاصل نہ ہوتی اور یہ بھی ہے کہ ترک کرنے میں سوال
کے اُن سے اور متوجہ کرنا سوال اور خطاب کا موؤدہ سے اُن کی کمال شقاوت اور بدبختی کی
نشانی ہے کہ اُن سے بسبب کمال قہر وغضب کے اِس حرکت بے برکت سے سوال خفگی اور
عتاب کا بھی نہیں فرماتے ہیں کیونکہ کلفت عذاب اور عتاب کی لذت سے کلام وخطاب کے
سبک معلوم ہوگی اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ہ چنانچہ کسی کا قول ہے **شعر** پرسش
اگر نیست بگو ناسزا ⁂ کز دہنت یک سخنم آرزوست ⁂ اور یہاں پر سمجھ لیا چاہیئے کہ حدیث
صحیح میں وارد ہے کہ اَلْوَائِدَۃُ وَالْمَوْؤُدَۃُ فِی النَّارِ جس عورت نے کہ اپنی بیٹی جیتی
گاڑ دی ہے وہ اور اُس کی بیٹی دونوں دوزخ میں جائیں گے معتزلہ اِس حدیث کے سُننے سے متحیر
ہوتے ہیں اور مقابل میں اس حدیث صحیح کے اس آیت کو سند پکڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جو
حق تعالیٰ بسبب موؤدہ کے کافروں کو زجر و توبیخ فرمائے گا تو ممکن نہیں ہے کہ موؤدہ عذاب
کی جاوے اور اس دلیل پکڑنے سے اُن کی کمال جہل اور نادانی ثابت ہوتی ہے کیونکہ ماں باپ
پر عذاب اس واسطے ہے کہ خون ناحق کیا ہے اور موؤدہ پر عذاب اس جہت سے ہے کہ کفر میں
ماں باپ کے تابع ہے جیسے ظالم اور مظلوم کہ دونوں کافر ہوں تو ایک پر دوسرے کیواسطے عذاب
کریں گے اور اصل عذاب میں دونوں شریک ہیں بسبب کفر کے اسی واسطے اہل سنت کے
نزدیک کافروں کے لڑکوں کو معذب ہونا باعتبار شریعت کے قاعدے کے ظاہر ہے کیونکہ نفس
طفل کا خصوصًا وہ طفل کہ ایسی چھوٹی عمر میں اس جہان سے گیا ہووے تو گویا ماں باپ کے وجود
کا ایک ٹکڑا ہے ابھی استقلال وتکمیل حاصل نہیں کی ہے جب والدین عذاب کیے جاویں گے
تو نفس سادہ بھی اُن کی تبعیت سے عذاب میں ہوگا جیسے تو آئینہ کہ ساتھ ہی ہنستے ہیں اور ساتھ

ہی روتے ہیں اور بھوکے پیاسے بھی ایک ہی وقت میں ہوتے ہیں کیونکہ اتصال نفسانی اُن کا
مفارقت اتصال سے ہنوز مبدل نہیں ہوا واللہ اعلم اور یہاں ایک نکتہ ہے کہ قابل بیان کے
ہے وہ یہ ہے کہ قُتِلَتْ کو غائب کے صیغے سے کس واسطے لائے خطاب تو اِس بات کو چاہتا تھا
کہ قُتِلْتِ مؤنث مجہول مخاطب کے صیغے سے فرماتے جواب اس کا یہ ہے کہ منظور تو واقعات
قیامت کا بیان ہے اور موؤدہ کا حال غَیْبت کے صیغے سے بیان فرماتے ہیں پس مدعا خبر دینا
ہے موؤدہ کے سوال سے کہ واقع نہ ہوگا نہ حکایت خطابی کہ اس کے ساتھ درمیان میں آوے گی
اور حکم فقہ کا یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے ہاتھ سے اُس کی اولاد خطا سے تلف ہو جاوے جیسے چار مہینے
کا حمل گرا دینا یا اندازے سے زیادہ افیون کھلا دینا یا محافظت سے قصور واقع ہونا مثلاً کوئی عورت
چھجے پر بیٹھی اپنے لڑکے کو کھلاتی تھی اور وہ لڑکا اُس کے ہاتھ سے چھوٹ کے زمین پر گر پڑا اور
مرگیا اور علیٰ ہذا القیاس تو اُن پر کفارہ لازم ہوتا ہے اور قتادہؓ سے روایت ہے کہ قیس عاصم تمیمیؓ کا
بیٹا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھ سے ایک بڑا سخت
گناہ ہوا ہے کہ کفر کی حالت میں آٹھ بیٹیاں میں نے جیتی گاڑ دی ہیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا کہ عوض میں ہر لڑکی کے ایک غلام آزاد کر اُس نے عرض کی کہ یا رسول اللہ میں تو اونٹوں
والا ہوں غلام تو میرے پاس نہیں ارشاد ہوا ہر لڑکی کے عوض ایک ایک اونٹ اللہ کی راہ میں
دے وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ۝ اور جس وقت صحیفے اعمال کے کہ لپیٹے ہوئے سجین اور علیین
میں رکھے تھے کھولے جاویں گے اور ہر شخص جو کچھ کہ اُس کے صحیفوں میں ہے معلوم کرے گا اور
قتادہؓ سے مروی ہے کہ آدمی کے اعمال کے صحیفوں کو اس کے مرنے کے بعد لپیٹ کر کے دفتر میں
نگاہ رکھتے ہیں اور بعضے مفسروں نے نشر کو پراگندہ کے معنوں میں لیا ہے یعنی اعمال ناموں کو
بکھیر دیں گے اور جس دفتر میں کہ اکٹھے جمع تھے وہاں سے نکال کر بانٹ دیں گے کسی کو بائیں
ہاتھ میں پیٹھ کے پیچھے سے اور کسی کو داہنے ہاتھ میں مُنھ کے سامنے سے دیں گے اور مرثد بن
وداعہ سے مروی ہے کہ قیامت کے دن صحیفوں کو عرش کے نیچے سے اڑا دیں گے بس جو صحیفہ کہ
ایماندار کے ہاتھ میں آوے گا اُس میں یہ لکھا ہوگا کہ فِیْ جَنَّةٍ عَالِیَةٍ اور جو کافر کے ہاتھ میں
آوے گا اُس میں یہ لکھا ہوگا کہ فِیْ سَمُوْمٍ وَّحَمِیْمٍ اور یہ صحیفے فال کے قرعوں کے مانند ہونگے

اعمال کے صحیفے نہ ہوں گے چنانچہ کشاف میں مذکور ہے وَاِذَا السَّمَآءُ کُشِطَتْ ۝ اور جب
آسمان کا پوست اُتارا جائے گا جیسے جانور کا کہ بعد ذبح کے پوست اُتار لیتے ہیں اور تمام اجزا
اور اعضا اور رگ اور ریشے اُس کے ظاہر ہو جاتے ہیں پس اسی طرح سے حالات فلک کے
مکنونات کے اشیا کی صور مثالیہ میں ظاہر اور منکشف ہو جاویں گے اور فرشتے حاملان صحف اور
دوسری قسموں کے فرشتے نازل ہوں گے وَاِذَا الْجَحِیْمُ سُعِّرَتْ ۝ اور جس وقت کہ دوزخ
بھڑکائی جائے گی اور شدت اُس کی سوزش کی زیادتی پکڑے گی وَاِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ ۝
اور جس وقت کہ بہشت محشر کے نزدیک لائی جائے گی بس مسلمانوں کو خوشی پر خوشی زیادہ
ہوگی اور کافروں کو حسرت پر حسرت۔ اور جو بارہ حادثے متحقق ہوں گے کہ چھ اُن میں سے
دنیا میں قبل صور پھونکنے کے ہوں گے اور چھ اُن میں سے بعد صور پھونکنے کے ہوں گے
عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ ۝ جان لے گا ہر جی جو لے کر آیا ہے نیکی سے اور بدی سے اور
بعضے اہل تاویل نے کہا ہے کہ ان بارہ حالتوں کو موت کے وقت کہ قیامت کا نمونہ ہے معلوم
کرلیں گے اسی واسطے اس کو قیامت صغریٰ کہتے ہیں اور حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ
مَنْ مَّاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِیَامَتُهٗ یہی اعتبار سکیے کرنا پس آفتاب آدمی کی روح کے مانند
ہے کہ شعاع سے اُس کی بدن زندہ ہوتا ہے اور جو علاقہ اُس کا تدبیر سے بدن کی منقطع ہوگیا
تو گویا انسان کے بدن کا آفتاب مکدّر اور بے نور ہو گیا اور انکدار النجوم کا نمونہ ہے حواس و قوائے
انسانی کی بیکاری کا کہ موت کے وقت نمودار ہوتا ہے اور جنبش پہاڑوں کی باطل ہو جانا اعضائے
رئیسہ کا اور اُس کے بدن کی ہڈیوں کا ہے کہ اپنے کام سے معزول ہو کر برباد ہو جاتے ہیں اور
تعطیل عشار کی نمونہ ہے دودھ اور چربی کے خشک ہو جانے کا اور افعال طبیعی کے باطل ہونیکا
کہ کار پرداز اِس کا جگر اور دوسرے آلات غذا کے ہیں اور حشر وحوش ظہور افعال بہیمیہ
اور سبعیہ کے نتائج کا ہے اور بھڑکانا دریاؤں کا خشک ہونا خون کا اور بدن کی دوسری
رطوبتوں کا یا باطل ہونا اوہام اور خیالات اور اُمیدوں اور آرزوؤں کا کہ ہر ایک ایک دریائے
بے پایاں ہے کہ بغیر موت اختیاری یا اضطراری کے انقطاع اُن کا متصور نہیں اور تزویج نفوس
جمع ہونا ملکات مکسوبہ کا ہے آپس میں نورانی کا نورانی سے اور ظلمانی کا ظلمانی سے اور موؤدہ

ایک قوت ہے کہ آدمی نے اُس کو اس کے غیر مقر رمصرف میں صرف کرکے برباد کیا اور بعضے دانشمندوں سے منقول ہے کہ جو کوئی نکتہ نفیس مقدمات علمیہ کا خاطر اذکیا میں گذرے اور اس کو قید کتابت میں مقید نہ کردیں یہاں تک کہ وہ بھول جاوے تو وہ بھی موءدہ میں داخل ہے اور آسمان کا کشط کنایت ہے روح کے احکام ظاہر ہونے سے اور تسعیر جحیم دیکھنا ہے سختیوں اور دہشتوں کا کہ بعد موت کے ظاہر ہوں گی اور نزدیک لانا بہشت کا عبارت فرحت اور خوشی سے ہے کہ نیکوں کی ارواح کو اس وقت پہونچادیں گے اور بدوں کو اُس سے محروم رکھیں گے اور بعضے اہل تصوف نے ان سب حالتوں کو طے ہونے پر سلوک کے مرتبوں کے انتہائے فنا تک کہ اُن کے نزدیک اوّل منزل وصول کی ہی تطبیق دی ہے اور تفصیل اس تطبیق کی نہایت طولانی چاہتی ہے کہ اس تفسیر کی وضع سے خارج ہے حاصل کلام کا یہ ہے کہ جو اسباب کھلنے خیر وشر کی حقیقت کے نفس انسانی پر بیان کیے گئے اور تحقیق اس اسباب کی خبر مخبر صادق سے کہ اصدق الصادقین ہے یعنی حق تعالےٰ کی ذات پاک سے متیقن ہوئی تو حاجت قسم کی نہیں رہی اسی واسطے یوں فرمایا ہے فَلَآ اُقْسِمُ پھر قسم نہیں کھاتا ہوں میں کیونکہ باوجود میرے خبر دینے کے حاجت قسم کی نہیں ہے اور اگر ان سب باتوں کے ساتھ بھی تم قسم کے محتاج ہو تو بِالْخُنَّسِ ۙ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ۙ قسم کھاتا ہوں میں کئی ستاروں پیچھے ہٹ جاتے سیدھے چلتے دبک جانے والوں کی آور حضرت امیر المومنین مرتضیٰ علیؑ کرم اللہ وجہہٗ اور اکثر مفسرین صحابہؓ سے منقول ہے کہ وہ ستارے خمسۂ متحیرہ ہیں یعنی زحل اور مشتری اور مریخ اور زہرہ اور عطارد کہ اُن کو اپنی حرکت میں ایک حیرت نمودار ہوتی ہے اول تو مغرب سے مشرق کو ترتیب سے برجوں کے حمل سے ثور میں اور ثور سے جوزا میں جاتے ہیں اور بعد اُس کے تھوڑے دنوں حرکت اُن کی نمودار نہیں ہوتی ایک جا پر کھڑے رہتے ہیں پھر رجعت قہقری کرتے ہیں یعنی اُلٹے پھرتے ہیں اور مشرق سے مغرب کو آتے ہیں پہلی حالت کو علم ہیئت کی اصطلاح میں استقامت کہتے ہیں اور دوسری حالت کو وقوف اور اقامت کہتے ہیں اور تیسری حالت کو رجعت اور رجوع اور یہ تین حالتیں اور کسی ستارے میں نہیں ہیں جیسے ماہتاب تھوڑا سا وقوف رکھتا ہے لیکن رجعت نہیں رکھتا اور دوسرے ستارے نہ وقوف رکھتے ہیں نہ

رجعت پس حیرت ان پانچ ستاروں کی صریح دلیل ہے اس بات پر کہ آسمانی چیزوں کا بدلنا ایک حال سے دوسرے حال پر ممکن ہے تو بس انقلاب جائز ہونے میں آسمان کے تمام اجزامیں اور زائل ہونے میں ستاروں کے کچھ تعجب نہ رہا اور خاص ہونا اُن پانچ ستاروں کا رجعت اور استقامت اور وقوف کے ساتھ ہر چند کہ نزدیک تلاش کرنے والوں ہیئت آسمانی کے ایک وجہ رکھتا ہے کہ وہ اختلاف حاملوں کی حرکت اور ان کے دائروں کی حرکت ہے اس واسطے اُن کے حوامل یعنی اُٹھانے والے مغرب سے مشرق کو جاتے ہیں اور دائرے اُن کی زمین کے شامل نہیں ہیں لہذا اوپر والے ان کے مغرب سے طرف مشرق کے جاتے ہیں اور نیچے والے اُن کے مشرق سے طرف مغرب کے اور جو یہ ستارے دائروں میں گڑے ہوئے ہیں اور یہ دائرے حوامل کی گدازگی میں گڑے ہوئے ہیں تو بالضرور ان ستاروں کو دونوں حرکتیں بالتبع ہوتی ہیں تو جب تک کہ حوامل کی حرکت اور دائروں کی حرکت موافق ہوتی ہے سریع السیر استقامت سے معلوم ہوتے ہیں اور جب دونوں حرکتیں مخالف ہوتی ہیں تو بطی السیر (جلد چلنے والے) معلوم ہوتے ہیں اور جب دونوں حرکتیں آپس میں مخالفت کرتی ہیں اور ایک دوسرے کی معارض (دیر میں چلنے والے) ہوتی ہیں یعنی جس قدر ستارہ ایک حرکت کے سبب سے آگے بڑھا اسی قدر دوسری حرکت کے سبب سے پیچھے ہٹا تو واقف اور ساکن معلوم ہوتے ہیں گویا جنبش نہیں رکھتے ہیں اور جب دوسری حرکت غلبہ کرتی ہے تو اُن کی حرکت اُلٹی معلوم ہوتی ہے اور ستارہ راجع یعنی اُلٹا پھرا معلوم ہوتا ہے لیکن مطلب اس سبب کے معلوم کرنے سے زیادہ تر کھل جاتا ہے اور ظاہر ہو جاتا ہے اس واسطے کہ آسمان کے ستارے تغیر اور انقلاب کے قبول کرنیوالے ہوئے اور ان کی حرکتوں اور وضعوں کے اسباب مختلف ہوئے اور تخالف اور تجاذب طبعی اور ارادی اُن میں ثابت ہوا تو البتہ صدموں کے قبول کرنے کے آمادہ ہوئے یعنی خراب ہو سکتے ہیں جو چیز کہ اختلاف اور تغیر سے بچی ہو اُس کے خراب ہونے میں اور صدمے کے قبول کرنے میں اگر تعجب کیا جاوے تو البتہ کچھ جگہ تعجب کی نہیں ہے اس واسطے کہ کبھی اُس میں صدمے نے راہ نہیں پائی تھی اور ان پانچ ستاروں کا ذکر اس مقام پر لانا اس واسطے ہے کہ آسمان کے ستارے دو قسم کے ہیں ایک قسم کو ستیارہ کہتے ہیں یعنی چلنے والے وہ سات ہیں

اور دوسری قسم کو ثوابت کہتے ہیں یعنی ایک جگہ پر ثابت رہنے والے قسم اول کو یعنی سیاروں کو
تعدادِ افلاک کے سبب سے حرکتیں مختلف لاحق ہوتی ہیں اور قسم دوم یعنی ثوابت کو حرکت مختلف
نہیں ہے بلکہ اُن کے آسمان کی حرکت بھی بہت سُست ہے اور کم دکھلائی دیتی ہے اور ثوابت
کو رجوع اور استقامت اور وقوف اور انتقال سرعت سے بطور کی طرف اور بطور سے سرعت کی
طرف لاحق نہیں ہوتا ہے اور سیاروں کو یہ سب لاحق ہوتا ہے اور سب سیاروں میں سے
آفتاب اور ماہتاب کو بارہا قرآن مجید میں تغیر اور انقلاب کے مقام پر ذکر فرمایا ہے اور اکثر دونوں
کے تغیرات سب خاص وعام میں مشہور ہیں علی الخصوص تغیر چاند کا کہ ہر مہینے میں گھٹنا بڑھنا
اس کا سب دیکھتے ہیں اور سورج گہن اور چندر گہن بھی سب پر ظاہر ہے تو اس مقام پر اجرام
آسمانی کے تغیر کا بیان کرنا منظور رہا تو ان پانچوں ستاروں کا ذکر کرنا کہ یہ بھی تغیر اور انقلاب
رکھتے ہیں ضرور ہوا اور تامل کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ثوابت کو آپس میں ربط اور میل نہیں ہے
اسی واسطے ہر ایک کا ان میں سے ایک ہی حال ہے اور ان پانچوں ستاروں کو سورج اور
چاند سے اور آپس میں بھی اُن کے ربط اور میل مختلف اور متعدد ہوتا ہے اور مصدر قوتوں متعددہ
کے ہوتے ہیں اور ارتباطات عجیبہ آفتاب سے رکھتے ہیں اور ہر ارتباط میں ایک نئی تاثیر ظاہر
ہوتی ہے تو یہ پانچ ستارے عالم آسمانی میں مرکبات عنصریہ کے مانند ہیں جیسے معادن اور نباتات اور حیوانات
اور انسان اور ان چاروں کی برزخیں اور سورج اور چاند مرکبات ناقصہ کے مانند ہیں جیسے بخار اور غبار اور دُھواں
اور ثوابت عنصریہ بسائط کے مانند ہیں اور تاثیریں اور فعل ان پانچوں ستاروں کے بہت مشابہت رکھتے ہیں ارادے
اور اختیار والوں کے فعل سے اور حرکتیں اُن کی گویا حرکت اختیاری ہیں کہ مرکب ہیں صعود اور
ہبوط اور توجہ اور رجوع اور ہرب اور طلب سے پس ذکر ان پانچ ستاروں کے انقلاب اور تغیر کا
قریب ہے مطلب سے کیونکہ ان کا انقلاب ارادی ہے نہ طبیعی حاصل کلام کا یہ کہ احوال ان پانچ
ستاروں کا اول دلیل ہے اجرام آسمانی کے حالات بدلنے پر اور جب اجرام آسمانی قابل تغیر
اور انقلاب کے ہوئے تو انقلاب میں اجرام سفلی کے کونسا اشکال باقی رہا کہ رات دن انقلاب اور
تغیر اُن کا آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور اگر اس انقلاب کذائی میں کہ موجب تغیر عظیم کا ہوگا کسی کو
تردد اور شک ہو تو دوسری قسم کھائی جاتی ہے وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ ۙ اور قسم کھاتا ہوں میں

رات کی جب اُس کی اُٹھان ہوتی ہے اور جہان کو اندھیرا کر دیتی ہے اور ایک بڑا انقلاب
نمودار ہوتا ہے بازار اُجڑ جاتے ہیں چور چکاروں کا ڈر اور درندوں کا خوف پیدا ہوتا ہے راستے
بند ہو جاتے ہیں اور تلاش روزی کی یک قلم موقوف ہو جاتی ہے اور تمام لوگ چُپ چاپ
مُردوں کے مانند بے حس و حرکت پڑے ہوتے ہیں اور جن و شیاطین پھیل پڑتے ہیں بس
یہ ایک انقلاب ہے کہ ہر رات دن کے دورے میں زمین اور زمین والوں کو اُلٹ پلٹ کر ڈالتا
ہے اگر بالفرض کوئی شخص دن ہی میں ہوشیار رہا ہوا ور اُس نے رات نہ دیکھی ہو اگر اُس کے
سامنے یہ انقلاب بیان کیا جاوے تو ایسا تعجب کرے کہ کافر قیامت کا احوال سُنکر عشر عشیر بھی
اُس کا نہیں کرتے اور رات کے عجائبات سے ایک یہ بات ہے کہ جو چیزیں کہ دور ہیں جیسے
آسمان کے تارے اور ماہتاب اُس میں ظاہر ہوتے ہیں اور وہ جو نزدیک کی چیزیں ہیں جیسے
زمین و آسمان کے درمیان میں یا زمین میں چھپ جاتی ہین آور دن کو اُس کے برخلاف معلوم
ہوتا ہے بس تفاوت دنیا اور آخرت کا ظاہر ہونے میں پوشیدہ چیزوں کے اور چھُپ جانے
میں ظاہر چیزوں کے اسی نمونے سے ظاہر ہوتا ہے اسی واسطے بطور پورا بیان کرنے کے فرماتے
ہیں وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ ۙ اور قسم کھاتا ہوں میں صبح کی جس وقت کہ دم بھرے کہ اُس وقت بھی
ایک انقلاب عظیم ظاہر ہوتا ہے اور لوگ خواب سے بیدار ہوتے ہیں اور بازار اور مجالس آباد
ہو جاتے ہیں اور مسافر بھی چل نکلتے ہیں اور ہر مخلوق تلاش معاش کے درپے ہوتی ہے اور
قوائے حیوانیہ میں ایک فرحت عظیم پیدا ہوتی ہے اور ہر چیز روشن اور ظاہر ہو جاتی ہے اور
روشن ستارے بے نور اور پوشیدہ اور ہر طرف سے لشکر اور قافلے پہاڑوں کے مانند
چلنا شروع ہوتے ہیں آور دم صبح کنایت اُس کے ظاہر کرنے سے ہے آفتاب کو کہ صبح اُس کی
علامت ہے مچھلی سے کہ دریا میں تیرتی ہے ذہن میں تشبیہ دی ہے اور اُس کے انتشار نور کو
قبل طلوع کے دم ماہی سے نسبت کی ہے جیسے مچھلی دریا میں آنکھوں سے پوشیدہ گذرتی ہے
اور اس کے سانس لینے سے پانی اُڑتا ہے اور مُنتشر ہو جاتا ہے اُسی طرح سے آفتاب کی حالت
ہے قبل طلوع کے اور قبل روشنی پھیلنے کے آور بعضوں نے کہا ہے کہ دم صبح کنایت نسیم سے ہے
کہ طلوع صبح کے قریب بہار کے دنوں میں چلتی ہے اور اس نسیم کو تشبیہ دم سے دی ہے کہ

لوگوں کی فرحت اور راحت کا سبب ہوتی ہے گویا کہ صبح مانند ایک مریض یا درومند کے تھی کہ
اب فرصت دم لینے کی پائی اور راحت حاصل کی غرض کہ ثابت ہونا دم کا صبح کے واسطے فارسی
اور عربی شعروں میں رائج اور مشہور ہے اور عسعس کا لفظ مشترک بین الضدین ہے آنے کو بھی کہتے
ہیں اور جانے کو بھی پھر اگر صبح کے مقابلے اور تنفس کی رعایت کریں تو آنے پر قیاس کیا چاہیے
اور اگر مناسبت اور تلازم اس کا منظور رکھیں تو قیاس جانے پر چاہیئے کرنا اور یہ کمال اعجاز ہے
کلام اللہ کا کہ اس مقام ذی وجہیں میں لفظ بھی مشترک بین الضدین ارشاد ہوا لیکن تقدیر ثانی
پر محض ایک انقلاب مذکور ہوگا کیونکہ جانا رات کا ابتدا ہے اس انقلاب کی اور دم لینا صبح کا
اُس کی انتہا اور جو یہ انقلاب آخرت کے انقلاب سے کمال مشابہت رکھتا ہے کہ نمونہ حیات کا
ہے بعد موت کے اور جو ظہور چھپی چیزوں کا اُس میں بہت ہوتا ہے تو اکتفا اس پر کمال مناسب
ہے اور پس غرض یہاں پر یہ ہے کہ حقیقت کھلنے میں خیر و شر کے نفس انسانی پر بعد واقع ہونے
بارۂ انقلابوں کے ہے کہ اُن انقلابوں کے مانند دنیا میں بھی واقع ہوتے ہیں تو حاجت قسم کی
اور تاکید کلام کی نہ رہی کیونکہ امکان اِن انقلابوں کا دلیل عقلی سے ثابت ہے اور ہونا ان
انقلابوں کا سبب خیر و شر کے حقیقت کھلنے کا نفس انسانی پر نظر میں عقل کے بعد تامل کے ظاہر
ہے اور جو مخبر صادق ساتھ واقع ہونے ایک شے ممکن کے سبب ایک خبر کا ہو خبر فرمائے تو واقع
ہونے پر اُس خبر کے یقین حاصل ہوتا ہے اور یہیں سے ہے کہ قسم کی حاجت نہ ہونے کے واسطے
بطور تعلیل کے فرماتے ہیں اِنَّہٗ تحقیق کہ یہ قرآن کہ متضمن قیامت کی خبروں کا ہے لَقَوْلُ
رَسُوْلٍ البتہ یہ بات لائی ہوئی اللہ کے ایلچی کی ہے کہ اللہ کی طرف سے پہونچائی ہے بس کذب
وافترا کے احتمال کو یہاں گنجایش نہیں کیونکہ کلام الٰہی قطعی الصدق ہے یعنی بے شک سچا ہے اور
اگر کسی کے یہ شبہہ دل میں کھٹکے کہ یہ کلام بے واسطہ حضرت حق سے ہم کو نہیں پہونچا تا ہمکو
اس کے مضمون پر یقین حاصل ہو بلکہ ہمارے اور حق تعالےٰ کے درمیان میں واسطے واقع
ہوئے ہیں اور سند ثابت نہیں ہم کہتے ہیں کہ تم جو بے واسطہ یہ کلام اپنے پیغمبرؐ سے سُنتے
ہو تو درمیان میں دو واسطوں سے زیادہ نہیں اوّل تو وہ شخص کہ بطور ایلچی گری کے اللہ تعالےٰ
کی طرف سے اُس کے پیغمبرؐ کے پاس کلام لاتا ہے دوسرا پیغمبرؐ اب ان دونوں واسطوں کے نقصان

اور عدل میں خود فکر کر لو اوّل واسطہ جو ایلچی ہے وہ اِن صفتوں سے موصوف ہے کہ یہ بڑے مرتبے والا اور عالی قدر ہے کہ عدالت اور تقویٰ اُس کا نہایت کو پہونچا ہے کیونکہ بزرگی اُس کے مرتبے کی بغیر تقویٰ کے ہو نہیں سکتی چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے اَلْکَرَمُ التَّقْوٰی وَالْحَسَبُ الْمَالُ اور قرآن مجید میں بھی اشارہ ہے اسی بات کی طرف کہ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ بس عدالت اور تقویٰ تو اس راوی میں موجود ہے اب اُس کے حافظے کی قوت کو معلوم کیا چاہیئے تو دوسری صفت اُس کی یہ ہے کہ ذِیْ قُوَّۃٍ بڑی قوت والا کہ اُس کے حفظ میں ہرگز خلل کو دخل نہیں جو کچھ کہ سُنتا ہے بے گھٹتی بڑھتی کے یاد رکھتا ہے اور بسبب کامل ہونے ہر وقت کے وہ یاد رکھی ہوئی کو اپنی بے کم و زیادہ کے ادا کرتا ہے اور ہرچند منظور اس مقام پر بیان اس ایلچی کی قوت حافظہ اور قوت بیانیہ کا ہے لیکن کمال ان دونوں قوتوں کا علی الاطلاق نہیں ہوتا ہے اِسی واسطے مطلق قوت کے ساتھ اُس کو موصوف فرمایا ہے اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک روز جبرئیل علیہ السلام سے کہ مراد وہی ایلچی ہیں کہ ذات عالی صفات اُن کی موصوف اِن صفتوں کے ساتھ ہے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے تمہاری قوت اور امانت کا وصف فرمایا ہے اور ثنا اور صفت کی ہے کچھ اپنی قوت اور امانت کا حال ہمارے سامنے بیان کرو اُنھوں نے فرمایا کہ قوت تو مجھ میں اتنی ہے کہ حق تعالیٰ نے مجھ کو خراب کرنے کو قوم لوط کے شہروں کے کہ چار شہر تھے بھیجا اور ایک شہر اُن شہروں میں سے کہ اُس کا نام سدوم تھا اُسمیں عورتوں اور بچوں کے سواے چار لاکھ آدمی سلح پوش تھے میں اُن شہروں کو ساتویں زمین کی تہ سے ایک پر کے اوپر اُٹھا کر اس قدر آسمان کے نزدیک لے گیا کہ آسمان کے رہنے والے اُن شہروں کے مرغوں اور کتوں کی آواز سُنتے تھے پھر اُن سب شہروں کو اُسی غار میں اوندھا ڈال دیا اور مجھ کو کچھ تکلیف اور بوجھ معلوم نہ ہوا اور امانت داری میری اس درجے کو ہے کہ مجھ کو کبھی کسی کام کو نہیں فرمایا (یعنی خدائے تعالیٰ نے) کہ بے گھٹتی بڑھتی کے اُس کو بجا نہیں لایا اور کوئی بھید مجھ سے نہیں فرمایا کہ میں نے اپنے سینے میں اُس کو پوشیدہ نہیں رکھا بس ذکر کرنے سے ان دو وصفوں کے دو شرطیں روایت کی کہ عدالت اور قوت حفظ ہے ثابت ہو چکیں اب بطور علاوے کے کئی صفتیں دوسری بھی ذکر فرماتے ہیں کہ پرکھنے والے سند اور روایت کی علم کے ان صفتوں کو بھی مقام میں ترجیح اور کمال صحیح کے اعتبار کرتے

قصہ جبرئیل علیہ السلام

ہیں اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ عِنۡدَ ذِی الۡعَرۡشِ مَکِیۡنٍ ۙ یعنی وہ ایلچی تخت والے کے نزدیک رُو دار عالی مکان ہے اور ظاہر ہے کہ جو روشناسوں کی حضور کے کہ ہمیشہ دربار میں حاضر رہتے ہیں ایلچی گری پر بھیجتے ہیں تو اعتماد اُس چیز پر زیادہ تر متحقق ہوتا ہے اُس سے کہ زبان سے ہر کارے کی یا کسی عہدہ دار کی معرفت وہ پیغام بھیجا جاوے دو جہت سے اوّل تو یہ کہ وہ رو دار بلا واسطہ بادشاہ کا کلام سُنتا ہے اور احتمال اس بات کا کہ اس کلام میں کسی نے کمتی زیادتی کی ہوگی نہیں رہتا دوسرے یہ کہ وہ رو دار عالی مرتبہ اپنے منصب اور مرتبے کی محافظت کے واسطے سرکاری پیغام پہونچانے میں کمال احتیاط کرتا ہے اسی واسطے بخاریؒ اور مسلمؒ شاگردوں سے امام مالکؒ اور دوسرے حدیث کے اماموں کے اُن لوگوں کو کہ اُستاد کے پاس بیٹھتے تھے اور صحبت دائمی سے اُن اُستادوں کی مشہور و معروف تھا اور اُستادوں کے نزدیک قدر اور منزلت پیدا کی تھی روایت میں مرجح اور مقدم کرتے ہیں اور روایت کے اضطراب اور اختلاف کے وقت اُن کی روایتوں کو سند پکڑتے ہیں اور دُنیا داروں کے عُرف میں بھی جو پیغام حضور بادشاہی سے امیر یا وزیر کے واسطے سے پہونچتا ہے وہ زیادہ معتبر ہوتا ہے اُس سے کہ کسی خواص یا دربان یا باری دار کے واسطے سے پہونچے اور ان ہی میں سے ایک یہ بھی ہے مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیۡنٍ ؕ وہ ایلچی سب کا مانا اس عالم میں کہ مملکت الٰہی کے دربار کی کسوٹی ہے اور امانتدار بُوجھا گیا ہے اُس دربار کے ارکانوں میں کہ بے پوچھے اور دریافت کیے فقط اُس کے کہنے پر عمل کرتے ہیں اور رسالت اُس کی اس قدر ذہنوں میں اُس دربار والوں کے اور اُس سرکار کے متوسلوں کے جم گئی ہے کہ اُس کے حکم کو بے پوچھے اور تحقیق کیے حکم الٰہی جان کر فرمانبرداری میں اُس کی دوڑتے ہیں چنانچہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو معراج کی رات اپنے ساتھ لے کر گئے تو آسمان کے دربانوں نے اور بہشت اور دوزخ کے خازنوں نے اُن کے حکم سے دروازے کھول دیے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جہاں چاہتے تھے سیر کرتے تھے چنانچہ معراج کی حدیثوں میں اس کا مفصّل بیان ہے اور ہمیشہ احکام الٰہی ساتوں آسمان والوں کو پہونچانا اُن ہی کا کام ہے گویا حضرت جبرئیل علیہ السلام سب فرشتوں سے اس صفت میں کہ اللہ تعالےٰ کا پیغام پہونچاتا ہے ممتاز اور مشہور ہیں اور تمام قسموں میں فرشتوں کی اُن کا آنا علامت ہے

اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغام لانے کی پھر جس وقت کہ راوی اس درجے کو ثقہ ہو کہ تمام ثقات پیغام کو اُس کے قبول کرتے ہیں اور اُس سے سند نہیں مانگتے ہیں پھر احتمال کذب اور افترا کا اُس کی خبر میں کرنا سوائے مالیخولیا کے کچھ اور نہیں آور دوسرا واسطہ کہ تمھارا پیغمبر سے ہے وہ بھی ایک شخص ہے کہ چالیس برس سے زیادہ ہوئے کہ تمھارا ہم صحبت ہے اور کبھی دروغ اور کذب پر اُسکے کیا خلوت کیا جلوت کیا غرض کیا بے غرض مطلع نہیں ہوئے ہو پھر ایسے شخص کو خبر اور روایت میں معتبر نہ جاننا خلاف عقل کے ہے مگر یہ کہ وہ شخص خفقانی یا سودائی ہو کہ بوجہ فاسد ہونے حواس درونی کے صورتیں عجیب بے اصل اُس کے خیال میں گذرتی ہیں اور آواز عجیب و غریب سُنتا ہے اور جو اُس کے خیال میں آتا ہے اُس کو ہونے والا سمجھتا ہے وَمَا صَاحِبُكُم بِمَجْنُونٍ ۝ اور نہیں ہے یہ ہمنشیں تمھارا سودائی اور خیالی کہ اِس احتمال کو اُس کی خبر میں روا رکھو کیونکہ اتنی صحبت دراز میں کمال اُس کی عقل اور دانائی کا دم بدم اور ساعت بساعت تجربہ کر چکے ہو اور صحت اُس کے خیال اور مُدرکہ کی معلوم کر چکے ہو کہ تمام عقلا سے بالاتر ہے اور اگر باوجود اِن سب باتوں کے تمھارے دل میں شبہہ گذرے کہ یہ پیغمبر ایک صورت کو دیکھتا ہے اور اُس صورت کی زبان سے کلام الٰہی سُنتا ہے مگر ہم کو کیونکر معلوم ہو کہ یہ صورت حضرت جبرئیلؑ ہی کی ہے شاید کہ اِس کو کسی جن یا شیطان نے یہ صورت بنا کر فریب دیا ہو یا آواز کیا ہو کہ پیغمبر نے اُس کو جبرئیلؑ کی آواز سمجھی ہو ہم کہتے ہیں کہ یہ سب شبہے تمھارے اُس وقت پیش جاتے کہ اُس پیغمبر نے کبھی حضرت جبرئیلؑ کو اپنی صورت اصل پر نہ دیکھا ہوتا وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِیْنِ ۝ اور تحقیق دیکھا ہے اُس پیغمبر نے اُس ایلچی کو اپنی اصلی صورت پر کُھلے کنارے آسمان کے یعنی اُفق شرقی میں اور بسبب ہونے آفتاب کے اِس طرف اصلا احتمال شک و شبہے کا نہیں رہا تھا اور جو حقیقت چیز کی ایک بار دیکھ لے اور پہچان لے پھر پہچاننا اُس حقیقت کا ہر صورت اور ہر لباس میں آسان ہوتا ہے جیسے کوئی لڑکا پانی کو دریا میں دیکھے پھر اگر اُس پانی کو پیالے یا آبخورے میں اُس کے سامنے لاویں تو وہ فی الفور پہچان لے گا کہ یہ وہی ہے اور اسی طرح سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دیکھنا حضرت جبرئیل علیہ السّلام کو صورت اصلیہ پر موجب کُھلنے حقیقت جبرئیلیہ کا ہوا تھا کہ بعد اُس کے ہر صورت و لباس میں اُن کو پہچان لیتے تھے **شعر** تو خواہی جامۂ خواہی قبا پوش ❊ بہر رنگے

ترا من مے شناسم ؎ اِلّا ایک بار کہ اعرابی کی صورت پر سوال کرنے کو دین کے مسائل کے
آئے تھے اور بھید اس بار کے نہ پہچاننے میں یہ تھا کہ اُسوقت اُنھوں نے اپنی حقیقت سے کہ رسالت
اللہ تعالےٰ کی لازم ہے اس حقیقت کو تنزل فرما کے اپنے کو سائل کی صورت سے نمودار کیا تھا اور
مقدمہ وحی اور احکام الٰہی کا نہ تھا کہ پہچان جبرئیلیہ ضرور ہوتی اور حدیثؐ شریف میں وارد ہے کہ
میں نے جبرئیلؑ کو کبھی اصلی صورت پر نہیں دیکھا مگر دو بار زمانے میں شروع وحی کے کہ بیتاب
ہو کر چاہتا تھا میں کہ اپنے کو پہاڑ پر سے گرادوں اس ارادے سے موضع اجیاوی میں کہ ایک
مکان ہے مکہ معظمہ میں گزرا میں اُس وقت جبرئیلؑ کو دیکھا میں نے کہ ایک سونے کی جھلکتی
ہوئی کرسی پر زمین و آسمان کے درمیان میں مشرق کی طرف بیٹھے ہیں اور جسم نے اُن کے
تمام کناروں کو آسمان کے گھیر لیا ہے اور اُن کے چھ سو پر ہیں اور اُن کے پر سب یاقوت اور
موتیوں سے بنے ہوئے ہیں بس ایک عجیب نورانی شکل دیکھی میں نے اور دوسری بار شبِ
معراج میں سدرۃ المنتہیٰ کے پاس بھی اسی صورت سے دیکھا اور قرآن مجید میں اوّل میں سورۂ
وَالنَّجم کے ان دونوں بار کا مذکور فرمایا ہے مگر یہ وہاں پر ذکر ہیں پہلی بار کے دیکھنے کو بِالْاُفُقِ
الْاَعْلٰی مذکور فرمایا ہے اور یہاں پر بِالْاُفُقِ الْمُبِیْنِ ۚ اور نکتہ تغیر میں اس عبارت کے اسلوب
کے یہ ہے کہ اس سورۃ میں بیان صدق پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی خبر کا اور واضح ہونا اُس کے
مضمون کا منظور ہے پس مبین کا لفظ مناسب پڑا اور اُس سورۃ میں بیان پیغمبرؐ کے علوِ مرتبت
کا اور چڑھنا اُن کا آسمانوں کے طبقوں پر منظور ہے تو اعلیٰ کا لفظ نہایت چسپاں ہوا اور یہ بات بھی
ہے کہ ابتدا اُن کی استوا کا کہ کنایت حقیقت جبرئیلی کی تجلی سے ایک صورت میں ہے کہ مقتضا
اُس حقیقت کا اُفق اعلیٰ میں تھا اور انتہا اس صورت کی قریب اور نزدیکی کا افق مبین میں ہے
اور بعضے ارباب شہود نے کہا ہے کہ عالم مثال کے دو کنارے ہیں اُفق اعلیٰ اُس کا متصل عالم
تجرد اور تقدس کے ہے اور اُفق ادنیٰ اُس کا ملا ہوا عالم شہادت سے بس حقیقت جبرئیلی نے جو
چاہا کہ اپنی صورت کو مناسب کمال اپنی حقیقت کے جلوہ دے تو اول اُفق اعلیٰ میں لباس
شکل و جسم مثالی کا پہنا اور آہستہ آہستہ نزدیک ہوئے یہاں تک کہ اتصال تام آنحضرت صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا اور مُراد اُفق مبین سے کہ ظاہر کرنے والی اس حقیقت اور معنی کی تھی وہی

۱ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اصلی صورت میں دو بار دیکھا

نیچے کی جانب عالم مثال کی ہے نہ اُفق آسمان کا بس فقط واسطے تشبیہ کے اس کو اُفق سے تعبیر فرمائی ہے کیونکہ غیب کے عالم اکثر نظر میں اہل کشف وشہود کے دائروں کی صورت پر نمودار ہوتے ہیں اور نظم قرآنی بھی سورۂ والنجم میں مددگار اسی تقریر کا ہے پھر جب تمام وجہیں قرآن نازل ہونے کے اشتباہ کی سب صورت سے زائل ہوگئیں تو بس اُن کے خبر دینے میں احتمال کذب کا نہ رہا مگر یہ کہ بعضے کافر بطور شبہے کے اس کلام کو بطور کاہنوں کی باتوں کے جانتے تھے اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کاہن کہتے تھے اور حقیقت کاہن کی یہ ہے کہ بعضے انسانوں کو بعضے شیطانو سے مناسبت حاصل ہوجاتی ہے اور وہ نفوس شیطانی مجلسوں سے ملائکہ کی کہ تدبیریں آئندہ کے کاموں کی اُن مجلسوں میں مذکور ہوتی ہیں چوری سے کچھ اُن میں سے سُنکر اُس اپنے دوست سے بیان کردیتے ہیں پھر وہ شخص اُس بات کو لوگوں میں کہتا ہے اور کبھی کبھی وہ برابر بھی پڑجاتی ہے اور یہ معاملہ شیطانی انسانوں کے ساتھ قبل پیدا ہونے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بہت مروّج تھا اور کئی آدمی اس بات میں مشہور گزرے ہیں جیسے شق اور سطیح کہ عجائب عجائب قصے ان کے اخبار الغیب میں مشہور و مذکور ہیں آور دوسری دو آیتوں میں بھی اس شبہے کو دفع فرمایا ہے آور تقریر اس شبہے کے دفع ہونے کی یہ ہے کہ علم کاہن کا کافی اور گھیرنے والا غیب کے اقساموں کو نہیں ہوتا یہاں تک کہ اگر اُس سے نام اور صفتیں اللہ تعالےٰ کی یا احکام شرعیہ کو کہ عالم غیب میں مقرر ہیں یا حقیت اور بُطلان اہل مذاہب اور ملتوں کا یا احوال بہشت اور دوزخ کا یا وہ جو ارواح کو بعد موت کے پیش آتا ہے اور مانند ان علموں کے پُوچھیں تو گونگے اور لاجواب رہ جاویں بلکہ تواریخ بادشاہوں اور اگلے لوگوں کی بھی نہیں جانتے کیونکہ اُن کے علم کی جڑ تو ملائکہ کی باتوں میں سے کچھ چُوری سے سُن آنا ہے کہ تدبیریں آگے ہونیوالے کاموں کی کرتے ہیں اور بس سو علم اس کا فقط بیان کرنا قریب ہونے والی باتوں کا کہ ملائکہ کو اُن پر اطلاع دی ہے اور اُس کی تدبیر اور جاری کرنے کا حکم فرمایا ہے اور جو حاصل کرنا اس علم کا چوری سے ہے اِسی واسطے اُن کی خبریں پورا پورا بیان اِس واقعے کا نہیں ہوتا بلکہ بطور رمز واشارے کے ایک دو کلمے کہ دلالت اصل پر اُس واقعے کی کریں بطور اجمال کے کچھ اُنکے ہاتھ لگ جاتے ہیں پھر اپنی طرف سے بھی کچھ کچھ اس بات میں مشاقی اور قیاس عقلی سے

بیان حقیقت کاہن کا

بڑھا دیتے ہیں تو کبھی وہ بات خارج میں موافق اُن کے قیاس کے ہو جاتی ہے اور کبھی دوسری طرح
سے ظہور میں آتی ہے بس کاہن کا علم غیب کی باتوں میں رمز واشارے سے زیادہ نہیں ہوتا سو وہ
بھی مخصوص جزئیات عالم کے احوال میں ہے جو قریب ہونے والے ہوتے ہیں اور یہ قرآن
گھیر لینے والا ہے تمام فنون کو غیب سے اور بیان بھی وسیع رکھتا ہے کہ ہدایت اور ارشاد میں کافی
ہے وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ اور نہیں ہے یہ قرآن علم غیب بیان کرنے مین بخیل اور قصور
کرنے والا جو کچھ کہ آدمی کو واسطے معاش اور معاد کے علم و عمل سے چاہیئے اس میں موجود ہے
بس حق میں ایسے کلام کے سراسر ارشاد ہے گمان کہانت کا لیجانا ہی زرباف اور بوریا باف کا قصہ
ہے اور یہ بھی ہے کہ جو کچھ کہ کاہن کی زبان سے نکلتا ہے وہ سخن شیطان کا ہوتا ہے کہ فرشتوں کی
مجلس سے چُرا لاتا ہے وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطَانٍ رَجِيمٍ اور نہیں ہے یہ قرآن بات شیطان
کھدیڑے گئے کی کیونکہ شیطان بے تعظیمی کرنے سے آدم علیہ السلام کی راندہ گیا تو اسکو آدم علیہ السلام
سے کمال عداوت پیدا ہوئی اور جناب الٰہی سے بھی بغض اور دشمنی پیدا کی بس ہر بات میں اُسکی
ایک تہ آدمیوں کی دشمنی کی پوشیدہ ہوتی ہے اُس کو ہدایت اور ارشاد اور امر و نہی سے
اُن کی کیا مناسبت اُس کا کام تو بہکانا اور گمراہ کرنا ہے اُس کو توحید سے اور ذکر کرنے ناموں
اور صفتوں سے باری تعالےٰ کے اور ذکر سے بہشت اور دوزخ کے اور ثابت کرنے سے آخرت
کے عالم کے اور بدگوئی سے بتوں کی اور کفار کی اور قباحت بیان کرنے سے شہوت اور غضب
کے کاموں کی اور خوبی بیان کرنے سے ریاضت اور مشقت کے عملوں کی اور تعریف سے انبیاء
اور صلحا کے اور بد انجامی سے فرعون اور بدکاروں کی کیا غرض کہ یہ کام تو اُس ملعون کے خاشاک
چشم اور جگر کا کانٹا ہیں اور اُس کے مکر و فریب کے بازار کو درہم برہم کرنے والے ہیں
خصوصًا ڈرانا شیطان کے مکر کے فریب کھانے سے اور اُس کی دشمنی کا بیان آدم کی
اولاد سے اور ہجو اور مذمت اُس کے تابعداروں کی اور برائی اُن کاموں کی جو اُس کو پسند
ہیں کیا امکان کہ اُس کی زبان سے نکلیں بلکہ شیطان ایسی باتوں سے کانوں میں انگلیاں
دے کے بھاگتا ہے مصرع دیو بگریزد ازاں قوم کہ قرآں خوانند اب ایسے کلام ہدایت فرجام
کو شیطان کا کلام سمجھنا کمال حماقت اور بے وقوفی ہے چنانچہ کافروں کو اُن کے اِس

گمان فاسد پر بطور خفگی اور گھڑکی فرماتے ہیں فَاَیۡنَ تَذۡهَبُوۡنَ ؕ پھر کدھر کو جاتے ہو اور کن خیالوں میں سرگرداں ہوتے ہو امر واقعی کو چھوڑ کر ایسے احتمالوں پر کہ جن کا ہونا ہرگز ممکن نہیں اور لڑکے بھی اس پر ہنستے ہیں فریب کھاتے ہو گویا گھر کی راہ بھول کر کوئیں میں گرتے ہو اور یہاں پر سمجھ لیا چاہیئے کہ اکثر قرا معتبر نے وَمَا هُوَ عَلَى الۡغَيۡبِ بِضَنِيۡنٍ کو بدلے ضاد نقطہ دار کے کہ ہم شکل صاد کا ہے ظ نقطہ دار سے کہ ہم صورت ط کے ہے پڑھا ہے اور معنی ظنین کے جو ظا کے ساتھ ہے متہم کے ہیں اور اس صورت میں ضمیر ہُوَ کی صاحب کی طرف راجع ہو گی کہ مراد پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات سے ہے یعنی نہیں ہے تمھارا پیغمبر غیب کی بات پر متہم کہ بن دیکھے کہہ دے کہ میں نے دیکھی ہے کیونکہ چھوٹی چھوٹی اور آسان آسان باتوں میں تو اُس کو جھوٹا نہیں جانتے ہو پھر ایسے امر عظیم میں کیسے اُس کو جھوٹا جانتے ہو اور تہمت لگاتے ہو بس یہ شبہہ بھی زائل ہوا کہ یہ پیغمبر جبرئیلؑ کی صورت اصلی پر دیکھنے کے دعوے میں دروغ گو ہو اور فرق مخرج میں ضاد اور ظا کے بہت مشکل ہے اکثر اس ملک کے پڑھنے والے دونوں کو یکساں نکالتے ہیں نہ مقام پر صاد کے ضاد ہوتا ہے نہ مقام پر ظ کے ظ ان دونوں کا مخرج پہچاننا قرآن پڑھنے والے کو بہت ضرور ہے پس مخرج ضاد کا زبان کے کنارے کی جڑ ہے راہ سے دانتوں کی کہ اُس کو اضراس کہتے ہیں خواہ سیدھی طرف سے لیں خواہ اُلٹی طرف سے اور نکالنا اس حرف کا اکثر لوگوں پر بائیں طرف سے آسان ہوتا ہے اسی واسطے اکثر اُسی طرف سے نکالتے ہیں اور مخرج ظا کا کنارے سے زبان کے ہے مدد سے اگلے دانتوں کی جڑوں کے اوپر کی جانب سے کہ اُن کو ثنایائے علیا کہتے ہیں مانند دال اور تا کے اور یہ بھی سمجھ لیا چاہیئے کہ اکثر مفسروں نے ان قسموں کو مضمون پر اِنَّهٗ لَقَوۡلُ رَسُوۡلٍ كَرِيۡمٍۙ کے قرار دیا ہے اور مقسم علیہ اسی مضمون کو ٹھہرایا ہے لیکن تعقیب میں ان قسموں کے کہ مدلول حرف فا کے ہیں فَلَاۤ اُقۡسِمُ میں ایک پوشیدگی ہے اپنے ماسبق پر اور سکیے کہنا کہ جو اکشاف جزائے اعمال کا قیامت کے دن بارہ اسباب پر معلق رکھا ہے تو معلوم ہو کہ قبل واقع ہونے واقعے کے تدبیر اُس کی کیا چاہیئے اور یہ تدبیر بغیر ظاہر کرنے جناب الٰہی کے ممکن نہیں کہ دریافت ہو اور ظاہر کرنا حق تعالے کا نہیں ہے مگر وحی سے اور قرآن بھیجنے سے بس صحت پر قرآن کے مضامین

کے قسم کھانا منظور ہوا تاکہ مکلفین موافق اُس کے عمل کریں اور قیامت کے دن ندامت اور حسرت نہ کھینچیں اب آئے ہم اس بات پر کہ ان قسموں کو اس مضمون سے کیا مناسبت اور کونسی دلالت ہے وجہ اُس کی یہ ہے کہ رجوع اور استقامت اور اقامت ان پانچوں ستاروں کی نمونہ ہے وحی کے بار بار آنے کا اگلے انبیاؤں پر اور باقی رہنا اُس وحی کی نشانیوں کا اُن کی اُمتوں پر ایک مدت دراز تک پھر منقطع ہو جانا اُن نشانیوں کا بعد ایک مُدت کے اور رجوع ہونا اُس علم کا طرف پوشیدگی کے اور آثارات کا نمونہ اُس وقت کا ہے کہ قبل پیدا ہونے خاتم المرسلین علیہ الصّلوٰۃ والسلام کے جہان میں تھا کہ کسی شخص کو تمیز حق و باطل کی نہ رہی تھی اور نشانیاں وحی کی بالکل مٹ گئی تھیں اور دم بھرنا صبح کا مانند نزول قرآن کے اور پیدا ہونے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہے کہ ہر چیز کو دن کے مانند روشن کردیا کہ کسی طرح کا شک و شبہہ باقی نہ رہا گویا کہ اگلے انبیاؤں کا نور ستاروں کا سا تھا اور یہ نور جیسے آفتاب درخشاں ولنعم ما قیل اشعار فانہ شمس فضل ھم کواکبھا ٭ یظھرن انوارھا للناس فی الظلم ٭ حتے اذا طلعت فی الکون عم ھدا ٭ ما العالمین واحیت سائر الامم ٭ اور جو بیان سے اس کلام معجز نظام کے صدق کے اور باطل کرنے سے مخالفوں کے بہتانوں کے فارغ ہوئے تو اب بطور حصر کے تھوڑی سی خوبیاں اس کلام کی بیان فرماتے ہیں کہ اُس کے حق میں اس قسم کے احتمالوں کی گنجایش نہیں اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ نہیں ہے یہ قرآن مگر ایک نصیحت کہ بسبب شامل ہونے کے اسمار اور صفات الٰہی کو حکم ذکر اور پند کا پیدا کیا ہے اور وسیلہ تقرب اور وصول الی اللہ کا ہو سکتا ہے لِّلْعٰلَمِيْنَ جہان کے لوگوں کو مراد انسان اور جن اور فرشتے ہیں کیونکہ پند و ذکر کو سوائے اِن تینوں فرقوں کے کوئی نہیں جانتا آدمی اور جن اس کلام سے نصیحت بھی پکڑتے ہیں اور گناہ سے بھی بچتے ہیں اور طاعت پر رغبت کرتے ہیں اور اُس کی تلاوت سے قُرب معنوی اپنے خاوند حقیقی سے پیدا کرتے ہیں اور فرشتے بھی اُس کی تلاوت سے اُنس رکھتے ہیں اور دور دور سے اُس کے سُننے کو آتے ہیں اور اُس کے حروف وکلموں کی خدمت کرتے ہیں اور آسمان پر لے جاتے ہیں اور مقبولیت کے مقام پر پہونچاتے ہیں اور یہ سب باتیں عند اللہ موجب اُن کی قُرب کی زیادتی کا ہوتی ہیں لیکن

حاصل ہونا ان فائدوں کا قرآن سے خاص ہے لِمَنۡ شَآءَ مِنۡکُمۡ اَنۡ یَّسۡتَقِیۡمَ ؁ اُس شخص کے واسطے کہ تم میں سے جو سیدھا چلتا ہے کیونکہ کجروی قرآن کے معنی سمجھنے میں زیادہ تر موجب سخت ہونے دل کا اور دور ہونے کا نصیحت سے اور بُعد اور حجاب اور سرکشی کا خاوند حقیقی سے ہوتی ہے بس قرآن کی مثال غذائے لطیف کے مانند ہے کہ بدن صالح میں موجب زیادہ ہونے قوت کا اور کمال صحت کا ہوتا ہے اور نقصان والے بدن میں سبب مرض بڑھنے اور ضعف کا ہوتا ہے چنانچہ دوسری جائے پر فرمایا ہے فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ج اور یہ بھی فرمایا ہے وَاَمَّا الَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ فَزَادَتۡهُمۡ رِجۡسًا اِلٰی رِجۡسِهِمۡ ج اور اسی واسطے محققوں نے کہا ہے کہ قرآن مجید اور نور پیغمبر کا اور صحبت اولیا کی اور وعظ اور نصیحت علما کی یہ سب مانند غذا کے ہے حفظ مذاہب کی تکمیل کے واسطے اور وہ جہل و گمراہی کے مرض کی دوا کے مانند ہے وہ اور چیز ہے اِن چیزوں کے سوا اور اگر یہ چیزیں دوا کے مانند ہوتیں تو کوئی شخص عالم میں گمراہی کے مرض میں گرفتار نہ رہتا اور سب اچھے ہو جاتے اب ارشاد اُس چیز کی طرف فرماتے ہیں کہ وہ چیز اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے کسی کو اُس میں دخل نہیں وَمَا تَشَآءُوۡنَ اور نہیں چاہتے ہو تم سیدھے چلنے کو علم اور عمل میں اِلَّآ اَنۡ یَّشَآءَ اللّٰهُ مگر جب اللہ چاہے کیونکہ تم اُس کے قبضۂ قدرت میں مجبور ہو اور تمھارا ارادہ اس کے ارادے کے تابع ہے جیسے بازی گر کی پُتلیاں کہ بازی گر کے ہاتھ میں ہوتی ہیں لیکن اتنا فرق ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنے ارادے سے تمھارے اندر ارادہ اور اختیار پیدا کرتا ہے اور تم موافق اس ارادے اور اختیار کے نیک و بد کام عمل میں لاتے ہو اور مستحق ثواب و عقاب کے ہوتے ہو اور بازی گر کو قدرت پیدا کرنے ارادے اور اختیار کی پُتلیوں میں ممکن نہیں فقط حرکت دے سکتا ہے اسی واسطے پُتلیوں کے کام بازی گر کی طرف منسوب ہوتے ہیں اور خوبی اور بُرائی کی نسبت پُتلیوں کو کوئی نہیں کرتا بلکہ بازیگر کی طرف کرتے ہیں برخلاف آدمیوں کے کہ جو اپنے ارادے اور اختیار سے کام کرتے ہیں تو مورد بُرائی اور تعریف اور ثواب اور عقاب کے ہوتے ہیں اسی واسطے عقلانے کہا ہے کہ واسطہ ہونا مختار کا درمیان میں فعل اور سبب کے علاقے کو اُس فعل کے اس سبب سے قطع کر دیتا ہے

چنانچہ تدبیرات دنیوی میں خطا اور صواب کو مشورت کرنے والوں کی طرف منسوب نہیں کرتے بلکہ خطا اور صواب کے کرنے والے کی طرف بھلائی اور برائی کی نسبت کرتے ہیں اور اسیطرح سے سب کاموں میں یہ قاعدہ جاری ہے اور باوجود تخصیص مشیت کے ہدایت ساتھ بعض افراد کے اور عام ربوبیت اس ذات پاک کی سب جہان والوں سے بحال اور برقرار ہے کیونکہ وصف اُس کا رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ؏ ہے یعنی پالنے والا سارے عالموں کا ہے پس رضامندی اسکی اُس کی تابعداری میں اور غضب اُس کا اُس کی نافرمانی میں ہے تاکہ ربط عالموں کا آپس میں برہم نہ ہو جاوے اور اگر گنہگاروں سے بھی عابدوں کی طرح سے راضی ہوتا اور اُن پر غصہ نہ فرماتا تو عالم قہر اور سیاست اور حکمت اور عدالت کا کہ دوزخ اور اُس کے طبقے کہ نشانیاں اُسی قہر اور سیاست کی ہیں بیکار رہ جاتے اور اگر اہل طاعت کو نوازش اور کرم سے تخصیص نہ کرتا اور نعمتیں بہشت کی اُن کو عنایت نہ فرماتا تو عالم اُس کے لطف و قدر دانی کا کہ بہشت اور اُس کے درجات اور حور و غلمان کہ آثار سے اُس عالم کے ہیں بے کار اور معطل ہو جاتا

ع ۲۹

سُورَۃُ الْاِنْفِطَار

یہ سورۃ مکی ہے اس میں اُنتیس ۲۹ آیتیں اور تین سو اُنتیس ۳۲۹ حرف ہیں اور ربط اس سورۃ کا سورۂ اذا الشمس کُوِّرَتْ سے اس قدر ظاہر اور کھلا ہے کہ بیان کی کچھ حاجت نہیں ہے بلاتشبیہ اس سورۃ کو دوسرا مصرع اس سورۃ کا کہا چاہیئے اور ایک جان دو قالب بلکہ اِن دونوں سورتوں میں جُدائی کی وجہ کا بیان کرنا ضرور ہے کہ باوجود ایک ہونے مضمون اِن دونوں سورتوں کے علیحدہ علیحدہ کیوں نازل کیا سو اُس کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں سورتوں میں قیامت کے شروع حادثوں کا بیان کرنا منظور ہے کہ کس طرح سے یہ دنیا کا عالم خراب ہو کر دوسرا عالم بنے گا اور اُس عالم میں سمجھ بوجھ انسان کی مرتبہ کمال کو پہونچے گی اور قوت علمیہ اُس کی قوت خیالیہ کے اور اجتماع اسباب کے زور سے حکم قدرت رب العالمین کا پیدا کرے گی کہ ایک آن کُنْ فیکون میں درستی تمام کاموں کی کر دیتا ہے اور خلافت انسان کے معنی اُس دن بالکل کھُل جاویں گے لیکن اتنا فرق ہے کہ اس سورۃ میں مجمل اصول

عالم کی خرابی کا بیان فرمایا ہے اور اس سورۃ میں تفصیل سے خرابی اصول اور فروع اس عالم کی اور بنانا اس عالم کے دونوں مکانوں کا کہ بہشت اور دوزخ ہیں ارشاد فرمایا ہے اور اس سورۃ میں انسان کے احاطۂ علمی کے بیان پر کفایت کی ہے کہ کیا کیا کام دنیا میں اس سے ہوا ہے اور کیا کیا کام نہیں ہوا اور اس سورۃ میں اُس چیز کے احاطۂ علمی کا بیان ہے جو اُس کے وقت پر کام آوے جیسے زندگانی جو وحدانیت ملی ہوئی ہے اور کرنا کام کا اور چھوڑنا اُس کا کہ اُس کے جوہر نفس کو لازم ہوگا منظور رکھا ہے اور اس سورۃ میں بھی اس بیان سے مجازات ثابت کرنے کی طرف اور اُس کے منکروں کے اعتقاد کو رد کرنے کی طرف انتقال فرمایا ہے اور اس سورۃ میں اسی بیان سے طرف ثابت کرنے رسالت اور نازل کرنے قرآن کے اور اُس کے منکروں کے رَدّ کرنے کی طرف انتقال فرمایا ہے ان ہی اختلافوں کے سبب سے ان دونوں سُورتوں کو جُدا جُدا نازل فرمایا اور اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب چاہتے ہیں کہ ایک عالم کو خراب کریں اور اُس کے اسباب سے اسی قسم کا دوسرا عالم بنا دیں تو بالضرور پہلے اُس عالم کی جڑ بنیاد کو کھودتے ہیں اور اُس کے اسباب کو کمی زیادتی کر کے دوسری جگہ پر لے جاتے ہیں اور اُس کی شکل وصورت میں بھی تصرف کرتے ہیں تاکہ وہ اسباب اوّل جس شکل پر تھا دوسرے اسباب سے مل کر شکل دوسری جو اس عالم کے مناسب ہو پیدا کرے اور جو جو کام کہ اِس عالم میں کرنا منظور ہیں اس نئی صورت سے سرانجام پاویں جیسے کہ جب کسی حویلی کو باغ بناتے ہیں یا باغ کو مقبرہ یا خالی زمین پر حویلی یا پڑی زمین پر کھیتی کیا چاہتے ہیں تو اسی قسم کا معاملہ کرتے ہیں اور دنیا کا عالم نوع انسانی کی نسبت سے ہمیشہ رہنے کی جگہ نہیں ہے بلکہ صرف اُس کے کمال کے حاصل کرنے کو اس جگہ میں اُس کو لائے ہیں تاکہ اپنے تئیں کامل کر کے حق تعالےٰ کی خلافت کی لیاقت پیدا کرے اور دوسرے عالم کو نہایت کشادگی علم وعمل سے آباد کرے اور وہاں ہمیشہ رہا کرے تو دنیا میں آدمی کو پہلے دو چیز سے ملا ہوا پیدا کیا ہے ایک تو روح آسمانی ہے اور دوسرے جسم کہ زمینی ہے اسیواسطے اُس کے جسم کی غذا ہمیشہ زمین سے پہونچتی ہے اور اس کی روح کی غذا آسمان سے اُترتی ہے اور واسطے خوگر ہونے کاروبار خلافت کے دونوں آسمان وزمین کی چیزوں میں اُسکو

آدمی کو خلافت کا کام سیکھنے اور عمل کرنے کے واسطے اس جہان میں لائے ہیں

تصرف دیا ہے تاکہ جمع اور تالیف کا سلیقہ پیدا کرے اور لائق خلافت کبریٰ کے ہو اور یہی وجہ ہے کہ آدمی تمام مخلوقات کو کھان کی چیز ہو یا پتھر یا گھاس کی قسم کی ہو یا درخت یا چشمہ ہو یا نہر یا جانور چلنے والا ہو یا اُڑنے والا سب کو اپنے کام میں لاتا ہے اور ہمیشہ اُن کے جمع و تالیف میں مشغول رہتا ہے اور عجیب وغریب صناعتیں اور کاریگریاں نئے نئے قسم کے کھانے اور پوشاک اور سواری اور گھر میں ایجاد کیا کرتا ہے اور جناب خالق الاصول والفروع کے ساتھ بنانے میں صورت کے مادے سے اور ایجاد کرنے میں نئی نئی طرح کی چیزوں کے جو کئی کئی طرح کے حکم اور خواص رکھتی ہیں مشابہت پیدا کرتا ہے اور اسی طرح آسمانی مخلوقات سے کہ ستارے ہیں ثوابت ہوں یا سیارہ اور فرشتے جو بڑے بڑے مرتبے رکھتے ہیں اکثر کو اُن میں سے اپنے کام میں لاتا ہے اور اس عالم آسمانی کے تسخیر کے طریقے کو باوجود اس بلندی اور دوری کے جانتا ہے لیکن بعضے آدمی کو اس کام میں بڑا نقصان لاحق ہوتا ہے کہ بسبب اس تصرف بیجا کے خلافت کے مرتبے سے بلکہ بندگی کے رُتبے سے بھی گر پڑتا ہے اور جو کرنا چاہیئے نہیں کرتا ہے اور جو نہ چاہیئے وہ کرتا ہے اور مستحق سزا اور عذاب کا ہوتا ہے اسی واسطے دار الجزا آخرت کو مقرر فرمایا ہے اور وہاں فرق اور امتیاز دونوں فرقوں نیک اور بد میں کیا جاوے اور خلافت کبریٰ کی لیاقت جو نیکوں نے حاصل کی ہے کشادگی اور ہمیشگی سے ظہور کرے اور سرکشی اور نافرمانی اور دوری مرضیات خاوند حقیقی سے جو بدوں کو نصیب ہوئی ہے وہ بھی موافق اپنے عملوں کے رنج و عذاب میں ہمیشگی کے گرفتار ہو دیں پس اس کام کے واسطے دار الآخرت میں ضرور ہوا کہ تمام جسموں اور ارواحوں کو اس مخلوق کا یعنی انسان کا خادم اور تابعدار کر دیں اس واسطے کہ بنیاد اس مخلوق کی نہایت ضعیف ہے طاقت دوام اور ہمیشگی کی نہیں رکھتی اور روح بھی اسکی ضعیف ہے بڑے کام ہمیشگی کے اِس سے ہونا ممکن نہیں اس واسطے ایسا قرار پایا ہے کہ آسمانی ارواحیں سب اس کی روحوں کی مددگاری کریں اور عقلی اور خیالی قوتیں اُس کی عقلی اور خیالی اس مخلوق کے فرقوں میں در آکے مل جاویں اور تمام اسباب زمین کے اِس مخلوق کے جسم میں اور اس کے متعلقات میں کہ اسکی صناعت کے موضوع اور موقوف علیہ ہیں کھانوں سے ہو یا پہننے سے گھروں سے ہو یا پاکی کی چیزوں سے

بلکہ زنجیریں اور طوق اور سانپ اور بچھو اور آگ اور شعلے سب کے سب اس مخلوق کی مدد کریں اور اسی کام میں مصروف ہوں تا کہ نیکوں کی خلافت کے معنی اور بدوں کی سرکشی اور بھاگنا اچھی طرح سے ظاہر ہو جاوے پس اس سورۃ میں چار انقلاب بیان فرمائے ہیں کہ وہ چاروں اس عالم کے اصول سے متعلق ہیں اوّل آسمان کا پھٹنا کہ اس سبب سے عقلوں اور اور نفسوں سماوی کا تعلق اُن کے اجرام سے باطل ہو جائے گا اور اُن کی عقلوں اور نفسوں کا تعلق انسان کے نفوس سے ظاہر ہو گا اور اہل شرع نے اس مطلب کو اس مضمون سے بیان کیا ہے کہ ساتوں آسمانوں کے فرشتے اُس دن اُتریں گے اور آدمیوں کے گرد ہوں گے اور آدمیوں کی روحوں سے نزدیکی پیدا کریں گے اور انکی نزدیکی کے سبب سے بوجھ اور فکر ہر ایک آدمی کی زیادہ ہو گی کلیات اور جزئیات اچھائی اور بُرائی کے جو اُن سے دُنیا میں ہوں گے خوب طرح سے اُن پر کھُل جائیں گے دوسرے یہ کہ سب آسمان کے ستارے بے نور ہو کر گر پڑیں گے اور نورانی روحیں کہ اِن ستاروں سے علاقہ رکھتی تھیں انسان کے بدن سے متعلق ہو جائیں گی لیکن اس اندازے کی مناسبت سے جو ہر ایک روح انسانی کو دنیا میں حاصل ہوا تھا اور جناب الٰہی سے دیا گیا تھا اور اس ملنے ارواح کو کبیہ سے روحیں انسان کی بڑی قوت پکڑیں گی اور اس مطلب کو قرآن مجید میں نزول روح اور قیام روح سے اس عالم میں بیان فرمایا ہے اور یہ دونوں انقلاب آسمانی ہیں کہ روح انسانی کو اُنکے سبب سے خوشی اور خرمی حاصل ہو گی تیسرا انقلاب دریائے شور کا ہے کہ مع کھاڑیوں کے جوش کھا کے اور اَوٹ کے دھُواں ہو جائے گا اُس میں سے کچھ پانی زمین میں خشک اور جذب ہو جائے گا تا کہ اس سبب سے زمین میں رطوبت اور نرمی پیدا ہووے اور منتقش ہونا صورتوں کا اور شکلوں کا اُس پر آسان ہو جاوے اور باقی پانی آگ ہو کے بھڑک اُٹھیگا اور دوزخ کی آگ بھڑکانے کا سبب پڑے گا اِسی مطلب کو کبھی تفجیر بحار سے اور کبھی تسجیر بحار سے بیان فرمایا ہے اور حدیث شریف میں بھی آیا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے دریائے شور کے حق میں فرمایا ہے کہ اَنَّ تَحْتَہٗ نَارًا یعنی مقرر نیچے اُس کے آگ ہے اور بعضوں نے روایت کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما جب دریائے شور

کو دیکھتے تھے تو فرماتے تھے یَا بَحْرُ مَتٰی تَعُوْدُ نَارًا یعنی اے دریا کب پھر جاوے گا تو آگ۔ چوتھا
انقلاب ہلنا زمین کا ہے کہ جا بجا قرآن مجید میں زَلْزَلَۃَ السَّاعَۃِ کر کے اُسی سے تعبیر فرمایا ہے اور
اُس کی نشانیوں سے بہت سی چیزیں ارشاد فرمائی ہیں اُن ہی میں سے بعثۃ القبور یعنی جمع ہونا
اجزاے بدنیہ کا جیسے گوشت ہڈیاں چمڑے وغیرہ اور ظاہر ہونا اُن کا یعنی زمین کے نیچے سے
اوپر آنا کہ اس سورۃ میں بھی مذکور ہے اور ان ہی میں سے ہے تسیر جبال یعنی پہاڑوں کا چلنا
اور اپنے اندر سے چھپی چیزوں کا نکالنا جیسے مُردہ اور خزانہ اور جواہر وغیرہ اور زمین کا برابر ہونا
اور کسی نشان اور علامت کا باقی نہ رہنا اور قوت نامیہ کا زمین سے باطل ہو جانا اور ان ہی
نشانیوں میں سے ہے جو صحیح حدیث میں آیا ہے کہ اُس دن زمین سفید میدے کی روٹی کے
مانند ہو جائے گی کہ محشر والوں کی اُس میدان میں غذا ہو گی اور اس کے سوا بہت نشانیاں ہیں
کہ اگر سب تفصیل سے اس مقام پر بیان کی جاویں تو کلام بڑھ جاوے اور یہ دونوں زمین کے
انقلاب ہیں کہ جسم انسانی کے مواد کی وسعت اور کشادگی کے سبب سے حاصل ہوں گے تاکہ
اُس نفس وسیعہ اور روح کاملہ کی صناعت کا موضوع ہو سکے اور ان چاروں انقلاب کے
بعد نئے عالم کی بُنیاد رکھی جائے گی جس کا نام آخرت ہے اور اس عالم کی بنیاد کا اصل الاصول (یعنی موقوف علیہ ۱۲)
نیک و بد کے عملوں کا کُھل جانا ہے کہ انسان کے نفس پر ظاہر کریں گے اسی واسطے اس سورۃ
میں ان چاروں انقلابوں کے ذکر کے بعد اسی مطلب کو بیان فرمایا ہے اور ان ہی چاروں
انقلابوں پر کفایت کرنے کی وجہ یہ ہے کہ تحقیق کرنے سے عالم کے اصول یہی چار چیزیں معلوم
ہوتی ہیں آسمان اور ستارے پانی اور زمین اور جتنی چیزیں پائی جاتی ہیں سب ان ہی چار
چیزوں کے اجزا جمع ہونے کے سبب سے پیدا ہوئی ہیں جیسے معدنی چیزیں اور بڑھنے والی
اور جاندار اور آسمان اور زمین کے بیچ کی مخلوقات یہ سب عاقلوں کے نزدیک بے شک
ان ہی چاروں سے پیدا ہوتی ہیں لیکن ہوا اور آگ کے عنصر کو کارخانہ عقل کے ظاہر بینوں
نے ارکان مستقلہ گمان کیا ہے مگر تحقیق بات یہ ہے کہ ہوا ایک جسم ہے کہ پانی کی لطافت
سے یا بعضے ستاروں کی تاثیر سے کم اور زیادہ پیدا ہوتی ہے کوئی جگہ پیدائش کی بالاستقلال
اپنے واسطے نہیں رکھتی ہے اور کوئی صورت بھی قبول نہیں کرتی اُس کا کام صرف سیر کرنا

اور پھرنا ہے اور عالم کی مخلوقات کی کیفیت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہونچا دینا جیسے بُو کو ناک میں اور آواز کو کان میں اور سردی اور گرمی اور خشکی اور تری کو قوت لامسہ میں یعنی جاندار کی جلد تک پہونچا دینا ہے اور اسی پر اور چیزوں کو قیاس کیا چاہیے اور آگ تو وہی ہوا ہے کہ سخت حرکت کے سبب سے یا آفتاب کی تاثیر سے سُلگ گئی ہے اور یہ صورت اُس کی ہو گئی ہے اور اس کا کام کچی چیزوں کا پکا دینا اور بے کار چیزوں کا جلا دینا ہے جیسے کھانے کا مصالح کہ آپ اپنی ذات سے کسی کام کا نہیں بلکہ غذا یا پانی جاوے تو یہ بھی کام آوے اور نہیں تو بیکار محض ہے اسی واسطے کوئی جگہ معین آگ کے واسطے نہیں ہے جیساکہ حکما نے خیال کیا ہے کہ آگ اور ہوا کے کرے پانی اور زمین کے کروں کو گھیرے ہوئے ہیں یہ اُن کی ایک بات ہے بے دلیل جس کی کچھ اصل نہیں جیساکہ خرق (پھٹ جانا) اور التیام (مِلنا) آسمان اور ستاروں کا اُن کے خیال میں محال ہے سو یہ بھی اُن کا خیال خام ہے اور دعوٰی بے دلیل ہے اور اس سورۃ کا نام اِس واسطے انفطار رکھا ہے کہ اس میں آسمان کے پھٹنے کا بیان ہے جو نفوس اور عقول آسمانی کے نفوس اور عقول انسانی سے ملجانے کے واسطے بڑے عمدہ اسبابوں سے ہے اور حقیقت میں یہی علاقہ عَلِمَ مَا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ ہ کے حاصل ہونے کا سبب ہے کہ اس سورۃ میں اسی کا بیان کرنا منظور ہے واللہ اعلم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ہ جب آسمان چر جاوے اور آسمان کے چرنے کی کیفیت دوسری جگہ اس طرح پر بیان فرمائی ہے کہ ایک چیز بدلی کے مانند عرش کے نیچے سے نازل ہوگی اور سب آسمان اُس کے صدمے سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاویں گے اور وہ بدلی حقیقت میں تجلی ہے قہر الٰہی کی کہ اس عالم کے خراب کرنے کو اس شکل سے متوجہ ہوگی اس جگہ پر بعضے طالب علم تیز ذہن ایک سوال کرتے ہیں اُس کا جواب دینا ضرور ہے وہ سوال یہ ہے کہ اس عالم کی پیدائش پہلے زمین سے شروع ہوئی خرابی اُس کی آسمان سے کس واسطے شروع ہوگی اس کا جواب یہ ہے کہ جب کسی عمارت کا بنانا منظور ہوتا ہے تو پہلے نیچے سے بناتے ہیں اور جب کھودنا اور ڈھانا منظور ہوتا ہے تو اوپر سے شروع کرتے ہیں وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ہ اور

جب تارے جھڑ پڑیں چھٹک کر اور آسمانی نفسوں کا تعلق جو تاروں اور آسمانوں سے ہے ان دو
انقلاب کے سبب سے باطل ہو جاوے اور اس علاقے کے ٹوٹنے کے سبب سے عقلوں کا تعلق
جو نفوس آسمانی کے ساتھ ہے وہ بھی بیکار ہو جائے گا اور نفسوں کی پیروی سے افلاک کی خیالی
قوتیں اُن کے جرموں سے جُدا ہو جاویں گی اور وہ نفوس وہاں سے جدا ہو کے نفس انسانی سے
ربط اور میل پیدا کریں گے اور عقلوں کے فیضان اور آسمان کے خیال کی کارپردازیاں سب نفس
انسانی سے متعلق ہو جائیں گی بس انسان کے نفس کو ان سببوں سے بڑی وسعت اور کشادگی
حاصل ہوگی اور مَا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ کے معنوں پر کلیۃً اور جزئیۃً جیسا چاہیئے قرار واقعی اطلاع
حاصل ہوگی وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ۞ اور جب دریا بہائے جاویں اور ٹھہراؤ اور رُکاؤ پانی کا جو
اس وقت میں ہے وہ نہ رہے شیخ ابو المنصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ پہلے سب
دریا ایک جگہ اکٹھے کیے جاویں گے اور اس جمع ہونے کے سبب سے اُن میں ایک جوش
ہوگا اور اُن میں سے شعلہ اُٹھے گا کہ سب دریا جل کے کچھ پانی اُس میں سے دُھواں ہو کے
قیامت کے میدان کو پُر کر دے گا اور کچھ پانی دوزخ کی آگ ہو جائے گا سو اس سورۃ میں
پہلے دریا کے انقلاب کا ذکر ہے کہ اپنے ٹھہراؤ اور رُکاؤ سے متغیر ہو کے بہہ نکلیں گے اور سب
کے سب مِل کے ایک دریا ہو جائے گا اور سورۂ تکویر میں اس انقلاب کے پیچھے جلانا اور
دہکانا بیان کیا ہے اور اس سورۃ میں بعثرۃ القبور کی مناسبت سے بہانے کو اختیار فرمایا
ہے اس واسطے کہ جب پانی مکان کی جڑ میں پہونچتا ہے تو اس کو خراب کر دیتا ہے اور اُس
سورۃ میں تسعیر جحیم کی مناسبت کے واسطے جلانے اور دہکانے کو اختیار فرمایا ہے اور عرب
کی لغت میں بحر خاص نام ہے دریائے شور کا اور جتنی ندیاں میٹھی ہیں کتنی ہی لمبی چوڑی گہری
ہوویں اُن کو نہر کہتے ہیں بحر نہیں کہتے اور دریائے شور جس کو سمندر کہتے ہیں وہ ایک ہے
لیکن اُس کے ٹکڑوں اور کھاڑیوں کی رعایت سے جمع لائے ہیں جیسا کہ تاریخ والوں نے
لکھا ہے کہ سمندر کے ایک ٹکڑے کا نام بحر چین ہے اور ایک ٹکڑے کا نام بحر ہند اور ایک
ٹکڑے کا نام بحر فارس اور ایک ٹکڑے کا نام بحر قلزم جو درمیان میں حبش اور عرب
کے جاری ہے اور ایک ٹکڑے کا نام بحر روم ہے جس میں فرنگیوں کے جزیرے واقع ہیں

اور ایک ٹکڑے کا نام مخزروالان ہے اسی طرح اور بھی نام ہیں اور دریاؤں کے بہنے کے
سبب سے انسان کے بدنوں کے مادے اور اُن کے بدنوں کے عذاب اور عقوبت کے
اسباب زیادتی قبول کریں گے اور سماوی نفسوں کا تعلق ان بدنوں سے صحیح ہوجاوے گا
وَإِذَا الْقُبُورُ بُعْثِرَتْ ۝ اور جب قبریں اُٹھائی جاویں یعنی قبر والے اور جو کچھ زمین کی تہ
میں ہے سب زمین کے اوپر آجاویں اور بدنوں کے اجزا آپس میں مل جاویں اُس وقت
ایک پانی عرش کے نیچے سے برسے گا اُس میں زندگانی کی قوت سپرد کی گئی ہوگی اور
مرد کی منی کا حکم رکھے گا اُس کے بعد حضرت اسرافیل علیہ السلام صور پھونکیں گے اور انسان
کی روحیں اپنے بدنوں سے مل جاویں گی اور آسمانی روحیں اُن کی خادم اور مددگار
ہوویں گی اور حشر قائم ہوگا اُس وقت عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ جان لیوے گا ہر جی
جو آگے بھیجا ہے حق تعالیٰ کی طرف نیکی اور بدی سے اور آگے بھیجنے سے مراد اُس کا کرنا ہے
اس واسطے کہ جو کچھ نیکی اور بدی کی گئی ہے سب نامۂ اعمال میں لکھی ہے اور وہ نامہ لکھنے
والوں کے ہاتھ سے حق تعالیٰ کے دربار میں پہونچا ہے وَأَخَّرَتْ ۝ اور پیچھے چھوڑا ہے نیکی
اور بدی سے اور پیچھے چھوڑنے سے نہ کرنا مراد ہے یعنی اُس کام کو نہ کیا اس واسطے جو نہیں کیا
ہے وہ نامۂ اعمال میں لکھا بھی نہیں گیا اور حق تعالیٰ کے دربار میں بھی نہیں پہونچا اور بعضے
مفسروں نے کہا ہے کہ تقدیم سے خرچ کرنا مال اور اسباب کا مراد ہے اللہ تعالیٰ کی رضامندی
میں کہ وہ سب آخرت کا ذخیرہ ہے اور تاخیر سے چھوڑ جانا مال اور اسباب کا مراد ہے وارثوں
کے واسطے اور بعضوں نے کہا ہے کہ مَا قَدَّمَتْ سے وہ اولاد مراد ہے جو ماں باپ کے سامنے
مرگئی ہے اور مَا أَخَّرَتْ سے پیچھے چھوڑی اولاد مراد ہے اور بعضوں نے تقدیم سے اوّل عمر
کے کام اچھے ہوں یا برے مراد لیے ہوں اور تاخیر سے آخر عمر کے کام اور بعضوں نے کہا ہے کہ
نیکی اور بدی کرنا کسی چیز کا ہو یا چھوڑنا سب مَا قَدَّمَتْ میں داخل ہے اور رسم نیک ہو یا
بد اور مذہب یا طریقہ جو کسی شخص نے نیا نکالا اور اُس کے بعد لوگوں نے اُس کو اختیار کیا
اور اُسی راہ پر چلے یہ سب مَا أَخَّرَتْ میں داخل ہے اور حدیث شریف میں حضرت عبداللہ
بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے آیا ہے کہ مَا قدمت من خیرٍ وشرٍ و ما اخرت

من سنّ سنۃً حسنۃً استن بہا بعدہٗ فلہ اجرہ واجور من اتبعہ من غیر ان ینقص من اجورہم شیء او سنّ سنۃً سیئۃً عمل بہا بعدہٗ فعلیہ وزرہ ووزر من عمل بہا بعدہٗ لا ینقص من اوزارہم شیء یعنی جو آگے بھیجا نیکی اور بدی سے اور جو پیچھے چھوڑا طریقۂ نیک سے جس کو لوگوں نے اختیار کر لیا بعد اُس کے پس اُس کو اجر ہے اپنے کیے کا اور اجر ہے اُن لوگوں کا جنھوں نے پیروی کی اُس کی بغیر اُس کے کہ کم ہو اُن کے اجر سے کچھ اور جس نے رسم بُری ڈالی اور اُس کو لوگوں نے اختیار کیا بعد اس کے تو اُس شخص پر ہے گناہ اُس کے کیے کا اور گناہ اُن لوگوں کا جو اُس رسم بد پر چلیں اُس کے بعد بدون اس بات کے کہ کم کیا جاوے گناہ اُن لوگوں سے کچھ اور دوسری حدیث میں آیا ہے کہ ایک سوال کرنے والا آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے آکر کھڑا ہوا اور سوال کیا جتنے شخص آپ کی خدمت میں اُس وقت حاضر تھے سب چُپ رہے ایک شخص حاضران مجلس سے اُٹھا اور اُس کو کچھ دیا پھر اوروں نے بھی اُس کو دیکھ کے اُس سائل کو دینا شروع کیا تب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص نیک رسم نکالتا ہے اور آدمی اُس رسم پر عمل کرتے ہیں تو اس رسم نکالنے والے کو ایک ثواب اپنا ملتا ہے اور ثواب دوسرے عمل کرنے والوں کا بھی بے اس کے کہ اُن کے ثوابوں میں کچھ کمی ہو اور اسی طرح جو شخص بد رسم نکالتا ہے اور لوگ اُسپر عمل کرتے ہیں تو اُس کا وبال اُس رسم کے نکالنے والے پر ہے اور اُن لوگوں کا وبال اُسکی گردن پر ہے جو اُس پر عمل کرتے ہیں بے اس کے کہ اُن کے وبال سے کچھ کمی کی جاوے راوی اِس کا کہتا ہے کہ اس قصے کے نقل کرنے کے بعد حضرت حذیفۃ بن الیمانؓ نے یہ آیت پڑھی کہ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ ۵ حاصل کلام کا یہ ہے کہ نفس انسانی کو اپنی نیکی اور بدی پر آگاہی بخوبی حاصل ہوگی اور جب دیکھے گا کہ جو میں نے کیا وہ سب بُرا تھا اور جو چھوڑ دیا وہ اچھا تھا اور نیکی کی جزا یہاں یہ ہے اور بُرائی کی سزا یہ ہے تب اُس کو بڑی ندامت ہوگی اور اپنی اُلٹی بوجھ پر شرمندہ ہوگا اُس وقت اُس کو کہا جاوے گا یٰٓاَیُّھَا الْاِنْسَانُ اے آدمی تیرا نام تو اُنسیت سے نکالا گیا تھا کس واسطے تو نے حق کی یاد سے اُنسیت نہ پکڑی اور نیکیاں نہ کیں اور تو نے حق کے سوائے کہ سب تیرے حق میں سانپ اور بچھو تھے اُن کو جواہر اور سونے کے نگینے خیال کرکے

اُن سے مانوس ہوا تو اور محبت کی تو نے مَا غَرَّكَ کس چیز نے فریب دیا تجھ کو نفس نے یا شیطان
نے خلق نے یا دنیا نے بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ اپنے پروردگار پر جس نے طرح طرح سے تجھ کو
پرورش اور تربیت فرمایا اور تیرے ساتھ وہ معاملہ کیا جو اس کے کرم کی صفت کا مقتضیٰ تھا
پھر تو نے اس کے عوض میں معصیت اور مخالفت کا داغ اپنے پر لگایا اور اپنی فضیلت اور بزرگی
جو سب مخلوقات پر تجھ کو ملی تھی سب برباد کی تو نے اور کریم کے معنوں میں اختلاف ہے بعضے
کہتے ہیں کہ کریم وہ ہے کہ جس کے ہر کام میں انعام اور احسان ہووے اور اُس کی ہر حرکت
اور سکون میں بھی خیر منظور ہو اور بعضوں نے کہا ہے کہ جو احسان اور انعام کرنے میں اپنا نفع
یا اپنے نقصان کا دفع منظور نہ رکھے وہ کریم ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ کریم وہ ہے کہ دوسروں
کا حق اپنے اوپر نہ رکھے بلکہ جو اُن کو چاہیے دے اور جو اُس کا حق دوسروں پر ہو اُسکو طلب نکرے
اور بعضوں نے کہا ہے کہ کریم وہ ہے کہ جو دوسرے سے تھوڑی خیر قبول کرے اور اُس پر عوض
بہت دیوے اور یہ اللہ تعالیٰ کے کرم کا مقتضا ہے کہ گنہگاروں کے گناہوں کو بھی بخشتا ہے اور
اسی پر کفایت نہیں کرتا بلکہ باوجود اس تمام نافرمانی بندوں کے دمبدم احسان اور تربیت
اور پردہ پوشی اپنے بندے گنہگاروں پر کیے جاتا ہے اور یہاں ایک سوال ہے جواب طلب
جس کا حاصل یہ ہے کہ مغرور ہونے پر منکر کے سرزنش کرنے پر اس غرور کے قہر کی صفت کا ذکر
کرنا زیادہ مناسب تھا اس واسطے کہ قہار سے مغرور ہونا البتہ انکار اور توبیخ کی جگہ ہے بخلاف
اِس کے کہ کوئی اللہ کے کرم پر مغرور ہووے کہ وہ غصے اور انکار کی جگہ نہیں ہے اس واسطے کہ کریم
کا کرم خود غرور کا سبب پڑتا ہے جیسا کہ تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہے کہ ایک دن نوشیرواں
بادشاہ کے سامنے اُس کے خدمتگار اور خواص آپس میں ہنس پڑے ایک وزیر نے جو
وہاں حاضر تھا عرض کیا کہ اِن خدمتگاروں کو آپ کا کچھ خوف و رعب نہیں ہے کہ آپ کے
سامنے ایسی حرکتیں کرتے ہیں نوشیرواں نے کہا کہ ہم کو چاہیئے دشمنوں کو خوف دلاویں نہ اپنے
خدمتگاروں کو اور حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے کہ ایک دن
آپ نے اپنے غلام کو کسی کام کے واسطے دو تین بار پکارا اُس نے باوجود سُننے کے جواب نہ دیا
آپ باہر تشریف لائے اور جانا کہ غلام کہیں کیا ہوگا دیکھا تو غلام حجرے کے دروازے پر کھڑا

ہے آپ نے فرمایا کہ تجھ کو کیا ہوا تھا کہ جواب مجھ کو نہ دیا غلام نے عرض کی کہ آپ کے کرم کے اعتماد پر علاوہ اس کے یہ بھی مجھے خاطر جمع ہے کہ آپ مجھ کو ماریں گے بھی نہیں حضرت علیؓ نے اُس کے جواب کو پسند فرمایا اور اُس کو اُسی وقت آزاد کر دیا تو معلوم ہوا کہ اُس چیز کا ذکر جو آپ ہی غرور کا سبب ہووے غرور کے انکار کی جگہ پر مناسب نہیں ہے جواب اس سوال کا یہ ہے کہ کرم کی صفت کا ذکر اس جگہ پر غرور کی وجہ کے بیان کرنے کے واسطے ہے یعنی اُس کے کریم ہونے کے سبب سے تو مغرور ہو گیا جیسا کہ حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ فرماتے تھے اِلٰهِیْ غَرَّنِیْ حِلْمُكَ لَوْ اَخَذْتَنِیْ بِالْاُوْلٰی مَا جَرَأْتُ بِالثَّانِیَةِ یعنی اے اللہ مغرور کیا مجھ کو تیرے حلم نے اگر پہلے گناہ پر تو مجھ کو پکڑتا تو دوسرے گناہ پر جرأت نہ کرتا میں اور حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے کہ اُن سے پوچھا لوگوں نے کہ اگر تم کو حق تعالیٰ قیامت کے دن اپنے سامنے کھڑا کر کے پوچھے کہ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِیْمِ تو کیا جواب دوگے اُنھوں نے کہا کہ میں کہوں گا غَرَّنِیْ سُتُوْرُكَ الْمُرْخَاةُ فریب دیا مجھ کو تیرے چھوٹے ہوئے پردوں نے یعنی کتنا ہی میں نے گناہ کیا مگر تو نے مجھ کو فضیحت اور رسوا نہ کیا تو جان لیا میں نے کہ کبھی تو فضیحت نہ کرے گا اور اسی قسم کا مطلب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی منقول ہے کہ كَمْ مِنْ مَغْرُوْرٍ بِالسَّتْرِ عَلَیْهِ وَكَمْ مِنْ مُسْتَدْرَجٍ بِالْاِحْسَانِ اِلَیْهِ یعنی بہت سے مغرور ہو رہے ہیں بسبب تیری پردہ پوشی کے اُن پر اور بہت سے استدراج میں گرفتار ہیں بسبب تیرے احسان کے اُن پر اور جب استفہام انکاری مجموع کلام پر وارد ہوا تو موافق قاعدۂ عربی کے اُس کلام کے معنی توبیخ اور سرزنش کے ہوئے اُس غرور پر جو کریم کے کرم کے ملاحظے سے پیدا ہوتا ہے اور جب غرور کا انکار کرم پر کہ غرور کے بڑے عمدہ اسباب سے ہے متوجہ ہوا غرور کی نفی میں بہت مفید پڑا اس واسطے کہ جب کرم پر غرور کرنا نہ چاہیئے تو قہر پر غرور کرنا کس طرح چاہیئے اور اللہ تعالیٰ کی صفت جس طرح کرم ہے اُسی طرح قہر بھی تو وہ کریم بھی ہے اور قہار بھی اور منتقم بھی ہے اور باوجود ان سب صفتوں کے حکیم بھی ہے اور جب اُس کی حکمت قہر اور انتقام کی خواہش کرنے والی ہوئی اُس وقت کرم کے آثار ظاہر نہیں ہوتے اس واسطے کہ احسان اور کرم بدکاروں کے

حق میں خلاف قاعدۂ حکمت کے ہے اسی جگہ سے ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آیت کو تلاوت کرنے کے وقت فرمایا کہ غَرَّہٗ بِاللّٰہِ جَھْلُہٗ یعنی آدمی کو مغرور کیا ہے اُس کی نادانی نے اس واسطے کہ وہ ایک صفت پر اپنے پروردگار کے تکیہ کرکے بیٹھا ہے اور دوسری صفتیں اُس کی کہ حکمت اور عدالت ہیں بھول گیا دوسرا جواب اور بھی ہے وہ یہ ہے کہ توبیخ کسی کام پر اُس جگہ کرتے ہیں کہ اُس کام کے ہونے کا گمان ہووے اور کریم کے کرم پر غرور کا مظنہ ہوسکتا ہے اس واسطے کہ یہ ہوسکتا ہے کہ کسی سے کرم پر کوئی مغرور ہوئے لیکن قہر اور انتقام پر مغرور ہونا ہرگز نہیں ہوسکتا اس پر انکار اور توبیخ کیا نسبت رکھتی ہے مثلاً عرف میں کہتے ہیں کہ فلانے کے حلم پر اعتماد مت کرو اس واسطے کہ محل اعتماد کا حلم ہوسکتا ہے اور یہ ہرگز نہیں کہتے ہیں کہ فلانے کے غصے پر مغرور مت ہو اور اعتماد مت کرو اس واسطے کہ غصہ اور غضب محل اعتماد اور غرور کا ہرگز نہیں ہوتا بلکہ پرہیز اور بچنے کا محل ہے اور بعضے بزرگوں نے کہا ہے کہ اس صفت کا لانا جواب کی تلقین کے واسطے ہے تاکہ بندہ خود کہے کہ غَرَّنِیْ کَرَمُكَ لیکن یہ جواب بن نہیں سکتا کہ اُس کا کرم بھی حکمت سے خالی نہیں اور اُس کی حکمت ہرگز اس بات کو نہیں چاہتی ہے کہ اپنے بندوں کو بے جزا اور سزا مہمل چھوڑ دے اور ظالم سے مظلوم کا بدلہ نہ لے اور مخلوقات کے حق کو ضائع کرے اور نیک کو بد سے اور پرہیزگار کو بدکار سے جُدا نہ کرے تو معلوم ہوا کہ اس جواب میں فی الفور الزام کھانا ہے کہ کرم کے ثابت کرنے میں میری حکمت کا انکار کیوں کیا تو نے اور یہ بھی ہے کہ اللہ تعالےٰ کا کرم آدمی کی خواہش سے پہلے بے عوض اور غرض کے ہے کہ اُس کو پہلے پیدا کیا اور طرح طرح کی نعمتوں سے نوازا اور پہلا کرم پچھلے کرم کا سبب نہیں ہوسکتا کہ اس کے گناہوں کو بالکل چھوڑ دیں اور اس کی بدیوں پر اُس کو تنبیہ نہ کریں بلکہ اللہ تعالےٰ کا پہلا کرم زیادہ تر وحشت اور خوف کا باعث ہے اس واسطے کہ اگر آدمی ایسے شخص کی مخالفت کرے جس کا حق اور احسان کچھ اُس پر نہ ہو تو ہوسکتا ہے کچھ تعجب کی جگہ نہیں ہے لیکن اپنے محسن اور منعم کی مخالفت اور دلی نعمت کی نافرمانی بڑا کفران ہے اور بڑے خوف کی جگہ اور اُس کا پہلا کرم اس بات کو نہیں چاہتا کہ ایسے ناشکر سے درگزر کرے بلکہ عرف میں ایسی چشم پوشی

کرنے کو بے حیائی اور ذلت کہتے ہیں علی الخصوص اُس وقت میں کہ خود اپنے ولی نعمت کو
نہ مانے اور اُس کی نعمتیں دی ہوئیں دوسروں کی طرف نسبت کرے یا اس کی غیر مرضی میں
خرچ کرے اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنْ ذٰلِكَ آب جاننا چاہیئے کہ اس جگہ پر تین چیزیں ہیں غرور اور تمنّا
اور رجا سو جابجا قرآن شریف میں غرور اور تمنّا کو برا فرمایا ہے جیسا کہ ان آیتوں میں ہے وَلَا
يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ط بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَا اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ط وَتِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ط سوائے
اس کے اور بھی آیتیں ہیں اور رجا جو اُمید کے معنوں میں ہے وہ قرآن اور حدیث دونوں
میں پسند ہے جیسا کہ جابجا مومنوں اور نیکوں کی مدح میں مذکور ہے جیسے يَرْجُوْنَ رَحْمَةَ اللّٰهِ
اور سوائے اس کے بھی ہے تو ان تینوں چیزوں میں تفرقہ اور جدائی کھُلی کھُلی بیان کرنا چاہیئے
تاکہ کام ممدوح اور مذموم آپس میں ملتبس نہ ہوویں اور مل نہ جاویں آب جاننا چاہیئے کہ اُمید
کی حقیقت یہ ہے کہ کسی چیز کے انتظار میں آدمی کا دل خوش رہے اور ہر مرغوب کے حاصل
ہونے کے واسطے ایک سبب درکار ہے والّا انتظار ثابت نہ ہووے پھر اگر ایک چیز کے
اسباب بہت جمع ہوئے ہوں اور اُس کا انتظار کھینچے اور اس انتظار میں خوش رہے جیسا
کہ ایک کسان نے اچھا بیج اچھی زمین میں بویا اور پانی بھی وقت پر دیا ہے اور غلّے کا منتظر
ہے اُس کو رجا اور اُمید کہتے ہیں اور اگر ایک چیز کے بہت سے اسباب جاتے رہیں اور
اُس کا انتظار کھینچے تو وہ غرور اور حماقت میں گرفتار ہے جیسا کہ ایک کسان نے اُوسر زمین میں
بیج بویا اور وقت پر سینچا بھی نہیں پھر اُس سے غلّے کی انتظاری کرے اس کو غرور اور حماقت
کہتے ہیں اور اگر اسباب کے حاصل ہونے میں شک واقع ہو پھر اُس چیز کا انتظار کرے
جیسا کہ ایک کسان نے اچھی زمین میں بیج بویا لیکن سینچا نہیں یا اُوسر زمین میں بیج بویا اور
سینچا پھر اُس سے غلّے کا منتظر ہے اس کو تمنّا اور آرزو کہتے ہیں پھر جب یہ مثالیں خوب سمجھ
میں آگئیں تو ایماندار کو چاہیئے کہ اپنی نجات اور فلاح کی حتی المقدور فکر کرے اور اس کے
اسباب کو اپنے میں جمع کرے جیسا کہ فرمانبرداری امر کی اور احتراز نہی سے پھر رحمت آلٰہی
کا اُمیدوار رہے اور اس انتظاری میں خوشی اور خرمی سے گزران کرے اور جس شخص نے
اپنی نجات اور فلاح کے اسباب کو کھو دیا اور اپنی عمر کو نامرضیات آلٰہی میں صرف کیا پھر منتظر

حکایت سلیمان بن عبدالملک اور ابوحازم رحمۃ اللہ تعالیٰ

نجات اور فلاح کا ہے وہ احمق ہے اور غرور میں گرفتار ہے اور شک کی صورت میں جیسے نماز
روزہ کیا لیکن اُس کی شرطوں کو خوب بجا نہ لایا تو وہ آرزومند ہے یعنی شاید کہ اُسکو نجات
ہو لیکن یہ دونوں اللہ تعالےٰ کے نزدیک بُری اور نامقبول ہیں **نقل** کرتے ہیں کہ سلیمان
بن عبدالملک حج کے واسطے ملک شام سے آتا تھا مدینۂ منورہ میں حضرت ابوحازمؒ سے ملاقات
ہوئی اُن سے پوچھا کہ قیامت کے دن بندوں کی ملاقات پروردگار سے کس طرح پر ہوگی ابوحازمؒ
نے کہا اگر بندہ نیک ہے کہ دنیا میں نیکی کر کے گیا ہے اُس کی ملاقات اس طرح پر ہوگی جیسا
کہ کوئی شخص بہت دنوں میں سفر سے پھر کر اپنے گھر میں آوے اور بہت سا مال اور اسباب
کما کے اپنے ساتھ لاوے اُس وقت خیال کیا چاہیے کہ اُس کے گھر والے اُس سے کس طرح
سے خوش ہوں گے اور کس کس طرح سے خاطرداری کریں گے اور اگر بندہ بدکار ہے کہ
دنیا میں بہت بُرائیاں کر کے گیا ہے اُس کا سامنا ویسا ہوگا جیسا کہ کسی کا غلام چوری کر کے
چھُپ کے بھاگا ہو اور اُس کے خاوند نے اُس کے پیچھے پیادے اُس کے پکڑنے کو دوڑائے
ہوں اور وہ پیادے اُس کو پکڑ کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پیروں میں بیڑیاں اور گلے میں
طوق ڈال کے اُس کے خاوند کے حضور میں لاویں اس وقت کی حالت کو خیال چاہیئے کہ کیسا
وہ اپنے دل میں شرمندہ ہوگا اور اپنے خاوند کے نزدیک کس طرح سے لائق لعنت اور
نفریں کے ہوگا سلیمان کو اس بات کے سُننے سے رقت غالب ہوئی بہت رویا اور کہا کہ کیا
اچھی بات ہوتی کہ میں اپنا حال جانتا کہ مجھ کو ان دونوں صورتوں میں سے کون سی طرح پر اُس
مالک مطلق کے سامنے لے جائیں گے ابوحازمؒ نے کہا کہ اس بات کا معلوم کرنا بہت آسان
ہے اور قرآن شریف میں خوب کھول کے بیان فرمایا ہے سلیمان نے پوچھا کس آیت میں ابوحازمؒ
نے کہا حق تعالیٰ فرماتا ہے ان الابرار لفی نعیم و ان الفجار لفی جحیم اب اپنے عملوں کا جائزہ دیکھو
کہ ابرار میں ہو یا فجار میں سلیمان نے کہا اگر ہمارے عمل پر انجام کام کا ٹھہرا تو رحمت الٰہی کہاں
ہے ابوحازمؒ نے کہا کہ اس کا بھی پتہ قرآن مجید میں بتا دیا ہے سلیمان نے کہا کس آیت میں ابوحازمؒ
نے کہا ان رحمۃ اللّٰہِ قریب من المحسنین میں سلیمان کو اس بات کے سُنتے ہی خوف غالب ہوا
اور روتے روتے حالت متغیر ہوگئی اُن کے پاس سے چلا گیا اور کہا کہ اس قسم کی تمھاری باتیں سُننے

کی مجھ کو طاقت نہیں ہے کہ میرا پتا پھٹا جاتا ہے اور جب اس آیت میں آدمی پر توبیخ اور سرزنش متوجہ فرمائی اِس پر کہ ترے اللہ تعالیٰ کے کرم پر مغرور نہ ہوا چاہیئے تو اب کئی نعمتیں جو اُس پر انعام کی ہیں اور وہ غرور اور فریب کو مانع ہیں بیان فرماتے ہیں اُن میں سے ایک یہ ہے الَّذِیْ خَلَقَكَ وہ کریم کہ اپنے محض کرم سے اُس نے تجھ کو پیدا کیا اور ہرگز خواہش اور سوال اور دعا اُس نیستی کی حالت میں تجھ سے متصور نہ تھی اور کسی منفعت کی تجھ سے توقع نہ تھی فَسَوّٰىكَ پھر تیرے بدن کو ٹھیک بنایا اور سب جوڑ بند برابر پیدا کیے اندازے سے ہاتھ برابر ہاتھ کے اور پانوں برابر پانوں کے اور کان برابر کان کے اور آنکھ برابر آنکھ کے کسی کو ان میں سے کم و زیادہ نہیں کیا جیسے اگر ایک پانوں چھوٹا ہوتا اور دوسرا بڑا تو چلنے میں بھی رنج ہوتا اور دیکھنے میں بھی عیب دار اور ناقص ہوتا یہ اسی کا کرم ہے کہ ایک قطرۂ ناپاک سے تجھ کو ایسا خوبصورت اور سڈول پیدا کیا فَعَدَلَكَ ۝ پھر معتدل مزاج بنایا تجھ کو اور تیرے بدن کے خلط کے رکنوں کو یعنی گرمی اور سردی اور تری اور خشکی کو طبیعت میں ایکساں اور برابر کیا تاکہ جو احوال کہ اعتدال سے خارج ہیں اُن کو پہچانے اور بوجھے کہ ظاہری اعتدال سے خارج ہونا کس قدر رنج و الم دیتا ہے پھر معنوی اعتدال سے خارج ہونے کو اُسی پر قیاس کیا چاہیئے فِیْۤ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ۝ جس صورت میں چاہا تیرے پروردگار نے تجھ کو بنایا اُس وقت میں تو حاضر نہ تھا جو عرض کرتا کہ فلانی صورت اچھی ہے اور فلانی صورت بُری مجھ کو اچھی صورت چاہیئے بُری نہ چاہیئے یہ اُسی کا کرم ہے کہ اَحسن اور اچھی صورت پر تجھ کو بنایا ہاتھ دیئے تکبیر میں اُٹھانے کو اور صحف کے پکڑنے کو اور ہتھیار کے اُٹھانے کو جہاد میں اور سوائے اُن کے بہت چیزیں بندگی کی ہیں کہ ہاتھ سے تعلق رکھتی ہیں اور زبان دی ثنا اور صفت اور تسبیح اور ذکر اور تلاوت قرآن کرنے کو اچھی بات کے حکم کرنے کو اور بُری بات سے منع کرنے کو اور ذات اور صفات الٰہی کی حقیقتیں بیان کرنے کو اور پانوں دیے نماز میں کھڑے ہونے کو جہاد میں دوڑنے کو بیت اللہ کے طواف کرنے کو مریضوں کی عیادت کو اولیاء اللہ کی زیارت کو اور سوائے اِس کے جو اچھی چیزیں اِس سے متعلق ہیں اسی طرح ہر ایک عضو کو (یعنی ہر ایک عضو ۱۲) طاعت اور بندگی کے واسطے پیدا کر دیا اور تو نے اِن نعمتوں کو اُس کے عکس میں خرچ کیا اور گناہ کا واسطہ بنایا سو جس نے ایسی نافرمانی اپنے مالک

اکی ہو وہ ہرگز صفت کریمی کے سزاوار نہیں ہوتا اور ایسے شخص کو فریب کھانا اور مغرور ہونا کریم کے
کرم پر زیب نہیں دیتا ہے اور اس مقام پر کہ اللہ تعالےٰ کی نعمتوں کا بیان اور شمار کرنا منظور
ہے خاص پیدایش کی نعمت کو بیان کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اِس نعمت میں کسی طرح کی
خواہش اور سوال بندے کی طرف سے پایا نہیں گیا تھا اور اُس کی پیدایش میں اللہ تعالےٰ کی
بھی کسی منفعت کی توقع یا کسی ضرر کا دفع متصوّر نہ تھا بخلاف اور نعمتوں کے کہ بعد پیدا ہونے
کے اور بعد سوال حالی یا قالی کے عنایت ہوئی ہیں کہ وہ نعمتیں چنداں کرم پر دلالت نہیں
کرتی ہیں اور یہ بھی ہے کہ انسان کی پیدایش کی نعمت ایسی بہتر اور معقول طبیعت کے اعتدال
اور اعضاء کے تناسب کے ساتھ صریح دلیل ہے اس بات کی کہ ایسی مخلوق کو مہمل اور بیفائدہ
نہیں پیدا کیا ہے بلکہ اعتقاد اور عمل کی سیدھی راہ پہچاننے کو اور بُری راہ سے اعتقاد اور
عمل کے احتراز کرنے کو پیدا کیا ہے اس واسطے کہ غیر معتدل کو سوائے معتدل کے کوئی پہچان
نہیں سکتا اور طب کی کتابوں میں قاعدہ ٹھہرا ہوا ہے کہ غیر معتدل اس کیفیت سے جو
اعتدال سے خارج ہے چنداں تاثیر نہیں قبول کرتا ہے اس واسطے کہ وہ کیفیت ہمجنس اس
غیر معتدل کی نہیں ہے بخلاف اپنے ہمجنس کے کہ اس سے زیادہ تاثیر قبول کرتا ہے اور تھوڑے
کو بہت جانتا ہے بس انسان نے جو اس کام میں تصوّر کیا اور اپنے مالک کی نافرمانی کی تو زیادہ تر
لائق غصّے اور غضب کے ہوا پھر اُس کو پہلے کرم پر فریفتہ اور مغرور ہونا ہرگز مناسب نہیں ہے
اور اس مقام پر ایک سوال ہے جواب طلب اُس کا حاصل یہ ہے کہ ان نعمتوں کے بیان
کرنے میں حرف عطف کا کہ ف ہے ہر جگہ پر مذکور فرمایا ہے مگر فِيٓ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ؕ
میں حرف عطف کا نہیں لائے ہیں اُس کی وجہ کیا ہے اُس کا جواب یہ ہے کہ پیدایش
اور اعضا کا برابر ہونا اور کیفیت کا معتدل ہونا یہ تینوں فعل ترتیب سے بیان ہوئے ہیں،
اُن کے درمیان میں مدلول فَ کلمے کا کہ تعقیب ہے گنجایش رکھتا ہے اور بعد ان تینوں
فعل کے صورت کی ترکیب لازم ہے اس واسطے کہ جب تسویہ اور تعدیل سے فراغت پائی تو
تصویر حاصل بلکہ وہی تسویہ اور تعدیل عین تصویر ہے پس گنجایش حرف عطف کی نہ رہی اور
جب یہ نعمت یعنی پیدایش کی تسویہ اور تعدیل دونوں سے مل کر پیدا ہوئی تو اس واسطے

اس کو بطور ان دونوں نعمتوں کے بیان کے بے حرف عطف کے بیان فرمایا اور مفسروں کی ایک جماعت نے فِیۡۤ اَیِّ صُوۡرَۃٍ مَّا شَآءَ رَکَّبَکَ ؕ کی تفسیر میں کہا ہے کہ یہاں مراد یہ ہے کہ لڑکا کبھی باپ کے مشابہ ہوتا ہے اور کبھی ماں اور کبھی چچا کے اور کبھی ماموں کے اور کبھی ان میں سے کسی کے مشابہ نہیں ہوتا جیسا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ ایک شخص سے آپ نے پوچھا کہ مَا وُلِدَ لَکَ یعنی کیا ہے اولاد تیری اُس نے عرض کی کہ یا رسول اللہؐ وما عسیٰ ان یولد لی اما غلام او جاریة یعنی ابھی تک تو کچھ بھی نہیں ہے مگر قریب ہے کہ پیدا ہوگا لڑکا یا لڑکی پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ مِمَّنْ تُشْبِہُ یعنی کس کے مشابہ ہوتا ہے اُس نے عرض کیا کہ تُشْبِہُ اُمَّہٗ وَ اَبَاہٗ یعنی مشابہ ہوگا ماں یا باپ کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لا تقل ھٰکَذَا ان النطفة اذا استقرت فی الرحم احضرالله کل نسب بینھا و بین اٰدمؑ اما قرأت ھذہ الاٰیة فِیۡۤ اَیِّ صُوۡرَۃٍ مَّا شَآءَ رَکَّبَکَ ؕ یعنی ایسا مت کہہ مقرر نطفہ جب ٹھہرتا ہے رحم میں حاضر کرتا ہے اللہ تعالےٰ سب نسب کو جو اُس کے اور آدمؑ کے درمیان میں ہیں کیا نہیں پڑھی تو نے یہ آیت فِیۡۤ اَیِّ صُوۡرَۃٍ مَّا شَآءَ رَکَّبَکَ ؕ اور بعضوں نے کہا ہے کہ اس سے خوبصورتی اور بدصورتی مراد ہے یعنی ہر ایک انسان اچھی صورت ہونے میں اور بُری صورت ہونے میں متفاوت ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ اس سے مراد انسان کی صورتوں کی زیادتی ہے یعنی اللہ تعالےٰ کی قدرت کے عجائبات میں سے ایک یہ ہے اور حقیقت میں بھی یہی ہے کہ اس قدر لاکھوں کروڑوں آدمیوں کے چہرے حضرت آدم علیہ السّلام سے اس دم تک باوجود یکساں ہونے کے صورت اور شکل میں اور بدن کے جوڑ بند میں جیسے آنکھ۔ ناک۔ کان۔ مُنھ۔ چہرہ۔ پھر ہر شخص کی صورت اور مشابہت دوسرے سے جُدا اور علیحدہ ہے اس جگہ سے حق تعالیٰ کے خزانوں کی وسعت اور کثرت دریافت کیا چاہیئے کہ کس قدر نقشے بے انتہا اُس کے خزانے میں موجود ہیں اور بعضوں نے کہا ہے کہ مختلف ہونا صورت نر اور مادہ کا مراد ہے اور اِس صورت میں اس آیت کا ربط پہلی آیتوں سے اِس طرح پر ہوگا کہ تسویہ اور تعدیل نر کی مخالف مادہ کی تسویہ اور تعدیل کے ہے لیکن یہ مخالف صنفی ہے یعنی نر کی قسم اور ہے اور

مادہ کی قسم اور ہے اسی واسطے مادہ کے مزاج کو طب والے ارطب جانتے ہیں یعنی بہت تر ہے اور نر کے مزاج کو ایبس یعنی بہت خشک بوجھتے ہیں اور نر کے بدن کی صحت کو مادہ کے بدن کی صحت سے جدا جانتے ہیں لیکن اصل تسویہ اور تعدیل میں کہ نوع انسانی کا مقتضا ہے دونوں قسم آپس میں شریک ہیں اور بعضوں نے اس آیت کو انسان کے رنگوں کے مختلف ہونے پر حمل کیا ہے جیسے کہ پہلی اور دوسری اقلیم کے رہنے والے سیاہ ہوتے ہیں اس واسطے کہ ہمیشہ آفتاب اُن کے سر کے مقابل میں رہتا ہے یا مقابل سے کچھ ہٹا ہوا اور آفتاب کی سوزش اور گرمی کی ہمیشگی رنگ کو سیاہ کرتی ہے جیسا کہ دھوبیوں میں اور اُن گنواروں میں جو ننگے بدن دھوپ میں کام کیا کرتے ہیں یہ بات ظاہر ہے اور سب دیکھتے ہیں اور تیسری اقلیم کے رہنے والے اکثر گندم گوں ہوتے ہیں اور چوتھی اقلیم کے رہنے والے گورے ہوتے ہیں مگر سُرخی کے ساتھ اور پانچویں اقلیم کے رہنے والے سُرخ رنگ ہوتے ہیں اور چھٹی اور ساتویں اقلیم کے رہنے والے زرد رنگ ہوتے ہیں کچے اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ بعضوں کو ایسی صورت پر پیدا کیا ہے کہ اپنی بندگی کے واسطے اُن کو چن لیا ہے جیسا کہ حضرت موسٰی علیہ السلام کے حق میں ارشاد فرمایا ہے وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ ہ یعنی اور بنایا میں نے تجھ کو اپنے واسطے اور دوسری جگہ ان کے اور دوسرے انبیاؤں کے حق میں فرمایا ہے اِنَّہٗ کَانَ مُخْلَصًا بے شک تھا وہ چُنا ہوا وَاِنَّہٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِیْنَ ہ اور بے شک تھا وہ ہمارے چُنے ہوئے بندوں سے اور یہ گروہ بادشاہی خاص بندوں کے مانند ہیں کہ حضور کی خاص خدمتوں کے واسطے مقرر ہوتے ہیں اور بعضوں کو ایسی صورت پر پیدا کیا ہے کہ اس کے غیر کی طرف مشغول ہیں جیسا کہ بعضے مال کی تجارت میں اور بعضے کھیتی میں اور بعضے کسی اور کسب پیشے میں مشغول ہیں کہ دنیا کا کام چلے اور جو اس کلام میں گمان اس بات کا تھا کہ کرم کی صفت سُننے سے جو اس توبیخ اور سوال میں مذکور ہے شاید کافر کہنے لگیں کہ ہمارا غرور اور اعتماد سب اُس کے کرم پر تھا اس واسطے دوسری تنبیہ اور توبیخ پہلے سے بھی زیادہ سخت ارشاد ہوئی کَلَّا یعنی ایسا نہیں ہے کہ اُس کے کرم پر اعتماد کر کے تم یہ گناہ کرتے ہو اس واسطے کہ یہ اعتماد تو

آخرت کی جزا کے اقرار کرنے پر اور اُس کے اعتقاد لانے پر موقوف ہے اور تم آخرت کا اقرار
اور اعتماد نہیں کرتے ہو بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ ۙ بلکہ تم انکار کرتے ہو جزا کا اور حال یہ ہے کہ
جزا کا وعدہ بھی اُسی کے کرم کا مقتضا ہے تاکہ اچھی جزا کی اُمید پر طاعت اور بندگی کرو اور
دین و دنیا کے تمھارے کام اچھے بن جاویں اور عذاب کے خوف سے گناہ اور نافرمانی سے
بچتے رہو تاکہ کام دونوں جہان کے تمھارے بگڑ نہ جاویں اور جزا کا انکار تم سے کس طرح
بن پڑے گا وَاِنَّ عَلَيْكُمْ اور حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم پر لَحٰفِظِيْنَ ۙ چوکیدار
مقرر ہیں تاکہ نیک اور بد کاموں پر تمھارے خبردار رہیں اور کوئی اچھا کام تمھارا ضائع
نہ جاوے اور کوئی بُرا کام بھی رائگاں نہ ہو كِرَامًا یعنی وہ چوکیدار بھی حق تعالیٰ کی صفت کے
موافق تم سے کرم کا معاملہ کرتے ہیں سو اُن کے کرموں سے جو تم سے کرتے ہیں ایک یہ ہے
کہ تم سے چھپے رہتے ہیں اور اپنے تئیں تم پر ظاہر نہیں کرتے تاکہ کہیں تم شرمندہ ہو کے
عورتوں کی صحبت اور جا ضرور اور پیشاب اور اپنی مزیداریاں اور لذتیں چھوڑ نہ دو اور اُن کے
کرموں سے یہ ہے کہ باوجود تمھارے سب کام جاننے کے تم کو فضیحت اور رسوا نہیں کرتے ہیں
اور کسی آدمی کے سامنے تمھارے بھیدوں کو نہیں کھولتے اور اُن کے کرموں سے یہ ہے کہ جب
کوئی نیکی تم سے ہوتی ہے اُس کو دس گنی کر کے لکھتے ہیں جیسا کہ اگر ایک روپیہ اللہ کی راہ میں
تم نے دیا ہو اُس کو دس روپے لکھتے ہیں اسی پر اور چیز کو بھی قیاس کر لو اور اگر کسی نیکی کا تم نے
قصد کیا اور کسی سبب سے وہ نیکی تم سے ہونے نہ پائی تو تمھارے اُس نیک ارادے کو بھی نیکیوں
میں گنتے ہیں اور ایک نیکی اس کے عوض میں لکھ لیتے ہیں اور اگر کسی گناہ کا تم نے ارادہ کیا اور پھر
اُسے چھوڑ دیا یعنی نہ کیا تو اس چھوڑ دینے کو بھی نیکیوں میں گنتے ہیں اور ایک نیکی لکھ دیتے ہیں
اور اگر کوئی گناہ تم سے ہوتا ہے تو چھ ساعت تک تم کو مہلت دیتے ہیں اور اتنی دیر تک اُس
گناہ کو نہیں لکھتے کہ شاید اس عرصے میں تم توبہ یا استغفار کر دیا اس اپنے کرنے پر شرمندہ ہو یا
اُس کے بعد اتنے عرصے میں کوئی ایسی نیکی تم سے ہو کہ اس کے سبب سے بُرائی تمھاری معاف
ہو جاوے اور اگر اتنی دیر میں ان باتوں میں سے تم سے کچھ نہ ہوا تو ایک گناہ لکھتے ہیں اور
پھر جب توبہ اور استغفار تم کرتے ہو یا کوئی اور نیکی تو اس لکھے ہوئے کو مٹا ڈالتے ہیں اور

وہ چوکیدار تمہارے کاموں کے یاد رکھنے میں بہت احتیاط رکھتے ہیں اور باوجود فرشتے ہونے کے
کہ اُن میں نسیان اور فراموشی ہرگز نہیں ہوتی اپنی یاد پر اعتماد نہیں کرتے بلکہ کَاتِبِیْنَ ہ
یعنی لکھ رکھتے ہیں اور اس کام کے واسطے دفتر تیار کر رکھتے ہیں اور صحیح روایتوں کے موافق
یہ ہے کہ ہر آدمی کے واسطے یہ لکھنے والے چار نفر ہیں دو دن کو آتے ہیں اور دو رات کو اور ہر
دن اور رات کے دونوں دفتر علٰحدہ علٰحدہ رکھ چھوڑتے ہیں اور بعضی روایتوں میں وارد ہوا
ہے کہ اُن کے بیٹھنے کی جگہ آدمی کے دونوں کندھے ہیں اور بعضوں نے کہا ہے کہ ہر آدمی کے
اوپر کے دونوں بڑے دانت اُن کے بیٹھنے کی جگہ ہے اور آدمی کی زبان اُن کا قلم ہے اور
تھوک آدمی کا اُن کی سیاہی ہے اور جب یہ دفتر رات اور دن کا حق تعالیٰ کے حضور میں
لے جاتے ہیں اور باوجود اس بات کے کہ حق تعالیٰ اپنے بندے سے جان کی رگ سے بھی
زیادہ نزدیک ہے لیکن احتیاط کے واسطے حکم ہوتا ہے کہ اس دفتر لکھے ہوئے کا لوح محفوظ
سے مقابلہ کرو اس واسطے کہ اس میں جو کچھ بندہ کرے گا بے کمی اور بیشی کے لکھا ہے بعد
مقابلے کے حکم ہوتا ہے کہ بندگی اور گناہ کے سوائے جو کچھ ہے اُس کو مٹا ڈالو اور صرف بندگی
اور گناہ رہنے دو کہ اُس پر ثواب اور عذاب ہوگا اور اُن چوکیداروں کو کسی طرح پر تمہارے
احوال سے پردہ اور پوشیدگی نہیں ہے اور یہ بھی گمان مت کرنا کہ جس طرح دُنیا کے
اخبار نویسوں اور خفیہ نویسوں سے کسی حیلہ اور مکر سے اپنا کام چھپا رکھتے ہو اُن سے بھی چھپا
رکھو گے اس واسطے کہ وہ چوکیدار یَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ہ جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو اگرچہ ہزار
پردے میں کرو اب یہاں پر جاننا چاہیئے کہ لکھنے والے فرشتوں کا آدمی کے سب کاموں پر
خبردار ہونا اس آیت سے ثابت ہوتا ہے اور آدمی کی سب باتوں پر خبردار ہونا اُن کا دوسری
آیت سے جو سورۂ قاف میں ہے بوجھا جاتا ہے وہ آیت یہ ہے مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْہِ
رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ ہ یعنی نہیں بولتا آدمی کوئی بات مگر اُس کے پاس ایک راہ دیکھتا تیار ہے لکھنے کو
اور کسی کام کو چھوڑ دینے پر خبردار ہونا جیسے روزہ اور اعتکاف اور جو احرام کے اندر منع ہیں
اُن سے بچنا اور جو اس کے مانند ہیں یہ سب دلیل عقلی سے ظاہر ہیں اس واسطے کہ جب
کسی شخص نے ایک کام کی حاجت کے وقت بدون کسی عذر اور مانع کے اُس کام کو نہ کیا

صریح معلوم ہوتا ہے کہ اس کام کو اُس نے چھوڑا لیکن آدمی کی نیت کا حال دریافت کرنا اور
اس کے دل کی چھپی بات پر خبردار ہونا اِس میں علمار کا اختلاف ہے اکثر عالموں نے اس کا
انکار کیا ہے یعنی دل کی بات کی اُن کو خبر نہیں ہوتی اور صحیح حدیث میں وارد ہے کہ یہ لکھنے
والے نیکی کے ارادے کو نیکی لکھتے ہیں اور اُس بدی کے ارادے کو جس کو چھوڑ دیا ہے اُس کو بھی
نیکی لکھتے ہیں اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان فرشتوں کو دل کے احوال پر بھی خبر ہوتی ہے لیکن
اِس کے مُنکر کہتے ہیں کہ یہ خبر اُن کو اللہ تعالٰے کی طرف سے ہوتی ہے الہام کے طور
پر یعنی فلانے شخص نے اس وقت فلانی نیکی کا ارادہ کیا ہے یا فلانی بدی کا ارادہ کر کے پھر اُسے
چھوڑ دیا ہے وَھُوَ الْاَظْھَرُ یعنی یہی ظاہر بھی معلوم ہوتا ہے اور جب کلام جزا کے ثابت کرنے تک
پہونچا تو اب تھوڑی نیکوں کی جزا اور بدوں کی سزا کی تفصیل اس مقام پر بیان کرنا ضرور ہوا
اس واسطے ارشاد ہوتا ہے اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ ۃ مقرر نیک لوگ بڑی نعمت میں ہوں گے
وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ ۃ اور مقرر بُرے لوگ دوزخ میں ہوں گے یَصْلَوْنَھَا یَوْمَ الدِّیْنِ ۃ
پیٹھیں گے اُسی دوزخ میں انصاف کے دن یعنی قیامت کو وَمَا ھُمْ عَنْھَا بِغَآئِبِیْنَ ۃ اور
نہ ہوں گے وہ سب اُس دوزخ سے غائب ہونے والے حاصل اُس کا یہ ہے کہ جس طرح
دنیا کی آفت اور مصیبت سے بھاگ کر یا چھپ کر بچ جا سکتے ہیں اُس دن یہ حیلے اور مکر
اُن کے پیش نہ جاویں گے اور اُس بلا سے کسی طرح اُن کو خلاصی نہ ہوگی اس واسطے کہ
اُس آگ کی لپک بدکاروں کو دور دور سے اپنے اندر کھینچ لاوے گی اور وہ فرشتے جو دوزخ
کے دروازوں پر مقرر ہیں زنجیروں میں اور طوقوں میں اُن کو باندھ کے دوزخ میں ڈال دیں گے
نہ وہاں بھاگنے کی جگہ ہوگی اور نہ طاقت مقابلے کی اور بعضے مفسّروں نے غائب ہونے کو دوزخ
سے نکلنے پر حمل کیا ہے تو اس صورت میں تخصیص کفار کی فجار سے ضرور ہوئی اس واسطے کہ
فاسق ایماندار دوزخ سے ضرور نکلیں گے اور بہشت میں داخل ہوں گے اور علم بدیع کے
عالموں نے کہا ہے کہ اس کلام میں جمع اور تقسیم کی صنعت ہے یعنی پہلے ان علیکم لحٰفظین ۃ
فرمایا اِس میں سب آدمیوں کو نیک ہوں یا بد ایک حکم میں جمع کیا ہے پھر بعد اُس کے جزا
اور سزا کے بیان کرنے میں دونوں کو جُدا جُدا بیان فرمایا ہے یعنی ان الابرار لفی نعیم

وان الفجار لفی جحیم اور اس کلام میں ترصیع کی بھی صنعت ہے اور علم بدیع کی اصطلاح میں جس کلام میں یہ صنعت پائی جاتی ہے اس کلام کو مرصع کہتے ہیں اس واسطے کہ اسمیں دونوں فقروں کی لفظیں سجع میں یعنی آخر کے حرف میں اور وزن میں برابر ہوتی ہیں جیساکہ اس کلام میں موجود ہے یعنی ابرار فجار سے اور نعیم جحیم سے وزن اور سجع میں برابر ہے اور اسی صنعت میں کسی شاعر نے کہا ہے **شعر** اے منور بتو نجوم جلال ٭ وے مقرر بتو رسوم کمال ٭ اس میں بھی منور مقرر سے اور نجوم رسوم سے اور جلال کمال سے وزن اور سجع میں برابر ہیں اور تضاد کی صنعت بھی اس میں پائی جاتی ہے اور اس کو طباق اور تطبیق بھی کہتے ہیں حاصل اس صنعت کا یہ ہے کہ کئی چیزیں جو آپس میں ایک دوسرے کی ضد ہوتی ہیں اُنکو جمع کردیتے ہیں جس طرح اس مصرع میں ہے **مصرع** ہشیار درون رفت برون آمد مست ٭ اور اس آیت میں بھی نعیم جحیم کی ضد ہے اور ابرار فجار کی اور جو بدکاروں کی جزا کے درمیان میں دین کے روز کا بھی ذکر آگیا تھا اور اُس دن کی سختیاں اور مصیبتیں خاطر خواہ بیان نہیں ہوئی تھیں تو سُننے والوں کو خبردار کردینے کے واسطے تھوڑی سی سختیاں اُس دن کی استفہام تہویلی کے طور پر مجملاً بیان فرماتے ہیں کہ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ۙ اور کیا جانا تو نے کہ کیا ہے دن انصاف کا حاصل اس کلام کا یہ ہے کہ اپنی عقل سے سختیاں اور مصیبتیں اُس دن کی آدمی دریافت نہیں کرسکتا ہے اس واسطے کہ جو دُکھ درد کی سختیاں اور آفتیں مصیبت کے دنوں میں اُس پر گذری ہیں یا کسی اپنے ہمجنس سے سُنی ہیں وہ سب اُس دن کی مصیبتوں اور سختیوں کی نسبت سے کچھ حقیقت نہیں رکھتیں تاکہ اُن کو اُن پر قیاس کرلے اور عقل کا کام تو یہی ہے کہ بن دیکھی چیز کو دیکھی چیز پر قیاس کرلے اور بن سُنی کو سُنی پر ثُمَّ مَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ۙ پھر بعد مہلت کے ہم کہتے ہیں کہ تو نے کیا جانا کہ کیا ہے انصاف کا دن اِس مقام پر ثم کے لفظ کا حاصل یہ ہے کہ بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ اُن کو سُنتے ہی آدمی دریافت نہیں کرسکتا ہے اور اُس کی فکر میں نہیں آتا لیکن بعد تھوڑی دیر کے اور تامل کرنے کے اُس کی حقیقت معلوم ہوتی ہے لیکن جو چیز ایسی ہو کہ وہم اور خیال کی اُس میں گنجایش نہ ہو ایسی چیز میں مدتوں تک فکر اور تامل کرنا اور سُنتے ہی اُس کے دریافت سے مایوس ہونا دونوں برابر

ہیں اسی سبب سے فرمایا ہے کہ بعد مہلت اور فرصت دراز کے بھی اس کی حقیقت حال کو دریافت نہ کر سکو گے مگر تھوڑی سی شدت اور سختی اس دن کی تجھ سے بیان کرتے ہیں ہم کہ وہ دن یَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا جس دن نہ مالک ہو کوئی جان کسی کے واسطے کچھ آپ اس مقام سے شدت اُس دن کی بوجھا چاہیئے اس واسطے کہ دنیا میں اگر کوئی شخص کسی بلا میں گرفتار ہوتا ہے تو پہلے عوام الناس سے اس شہر کے اس بلا کے دفعیے کی تدبیر پوچھتا ہے اور اپنی خلاصی ڈھونڈھتا ہے اور جب دیکھتا ہے کہ عوام الناس سے کچھ کاربرآری نہیں ہوتی تب خاص کی طرف جو اُس بلا کا دفعیہ جانتے ہیں التجا لے جاتا ہے جیسے طبیب حاذق کی طرف رجوع کرتے ہیں بیماریوں کے دفع کرنے کے واسطے اور چابک دست جراحوں کی طرف پھوڑے اور وروموں میں اور تیز نظر کحالوں کی طرف آنکھوں کی مصیبتوں میں اور عادل حاکموں کی طرف ظلم اور زبردستی کے مقدموں میں اور ہر کام کے تجربہ کاروں کی طرف دوسرے کاموں میں آور جب دیکھتا ہے کہ ان آدمیوں سے کوئی میرے حال پر متوجہ نہیں ہوتا ہے تب ناچار ہو کے اُن کے یار دوستوں سے سفارش کراتا ہے اور اُن سے مدد چاہتا ہے اور اپنی کاربرآری کرتا ہے لیکن اُس دن جتنے ناتے رشتے خویشی آشنائی کے ہیں سب نیست اور نابود ہو جائیں گے اور سوائے نفسی نفسی کے کسی کو دوسرے کے حال پر شفقت اور مہربانی نہ ہوگی یہاں تک کہ ماں باپ کو اپنی اولاد پر رحم نہ ہوگا اور نہ اولاد کو ماں باپ کا کچھ غم سب اپنے اپنے حال میں مبتلا ہوں گے اور وہاں کے مقدمات میں کسی کو ادنے ہو یا اعلے کچھ دخل نہ ہوگا خاص بندے عوام کی طرح حیران اور پریشان ہوں گے اور بڑے بڑے سردار رعایا کے مانند سرگشتہ اور حیران ہوں گے اُس دن بدون حکم اُس مالک الملک کے کوئی کسی کی سفارش نہ کر سکے گا اور عاجزی اور چاپلوسی اور صبر اور استقلال دونوں بیفائدہ اور بے کار ہوں گے اُس دن وہی ارحم الراحمین جس پر رحم کرے اُس کی نجات اور رہائی ہے اور جس پر قہر اور غضب ہو اُس کی خرابی اور رسوائی اور اس آیت میں تین عموم واقع ہوئے ہیں پہلا عموم مالک کی ذات میں اور دوسرا مملوک کی ذات میں اور تیسرا چیز مملوک

میں اور ان تینوں عموم سے پرلے درجہ کی مایوسی اور ناامیدی حاصل ہوئی اپنی مصیبت کے دفع کرنے میں کسی دوسرے کی طرف التجا کرنے سے اُس دن کے معاملے میں چنانچہ یہ بات ظاہر ہے وَالْاَمْرُ یَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ۝ اور حکم اُس دن اللہ ہی کے واسطے ہے اور دُنیا میں جس طرح بادشاہ کا حکم رعیت پر اور ماں باپ کا حکم اولاد پر اور آقا کا حکم نوکر پر اور خاوند کا حکم جورو پر اور میاں کا حکم لونڈی غلام پر جاری ہوتا ہے اُس دن یہ سب حکم منقطع ہو جاویں گے اور سوا اس مالک علی الاطلاق کے حکم کے کسی کو قدرت دَم مارنے کی نہوگی جس کو اُس مالک نے سب طرح سے پسند کیا اس کی نجات ہے اور جس کو سب طرح سے ناپسند کیا اس کی ہلاکت اور خرابی ہے اور جس کو بعضی وجہ سے پسند کیا اور بعضی وجہ سے ناپسند کیا اُس کے واسطے پیغمبروں یا اولیاؤں یا عالموں یا حافظوں یا شہیدوں یا فرشتوں کو حکم ہوگا کہ فلانے شخص کی شفاعت کرو تا کہ تمھاری بھی عزّت اور مرتبہ بڑھے اور اس طرح کی شفاعت جو حاکم کے حکم پر موقوف ہو اُس میں کسی کو دخل نہیں ہوتا اور اعتماد کرنا بھی نہ چاہیئے اور اسی مضمون سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں شفاعت کی نفی نہیں ہے جو معتزلہ نے سمجھا ہے بلکہ شفاعت کا ہونا حاکم کے حکم پر موقوف رکھا ہے اور یہی ہے اہل سُنّت و جماعت کا صحیح مذہب اور اعتقاد واللہ اعلم بالصواب

ع ۱۹

سُوْرَۂ مُطَفِّفِیْن

اس سورۃ میں چھتیس آیتیں اور چار سو چھتیس حروف ہیں اور اس سورۃ میں اختلاف ہے کہ مکّی ہے یا مدنی اکثر معتبر تفسیروں میں مذکور ہے کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینے میں تشریف لے گئے اور اس وقت میں وہاں کے لوگ ناپ اور تول میں دغابازی بہت کرتے تھے تو یہ سورۃ نازل ہوئی اور اول سورۃ جو مدینے میں نازل ہوئی سو یہی سورۃ ہے پس آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مدینے کے لوگوں کو یہ سورۃ تعلیم فرمائی۔ اور وہ لوگ ہدایت سے قرآن اور رسولؐ کی سنور گئے اور وہ دغابازی چھوڑ دی چنانچہ اُس روز سے آج کے دن تک تمام دُنیا میں کوئی پورا ناپنے تولنے والا مدینۂ منوّرہ کے لوگوں کے

برابر نہیں اور جو لوگ اس سورۃ کو مکی کہتے ہیں سو اُن کا قول یہ ہے کہ یہ سورۃ مکہ معظمہ میں نازل ہوئی تھی جبکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینے کو تشریف فرما ہوئے اور وہاں کے لوگوں کو اس بلا میں مبتلا دیکھا تو یہ سورۃ اُن کے سامنے پڑھی پس اس سبب سے لوگوں نے یہ جانا کہ یہ سورۃ اسی وقت نازل ہوئی ہے اور عطائے مکیؒ نے کہا ہے کہ نزول اِس سورۃ کا مکے اور مدینے کے درمیان میں ہوا ہے ہجرت کے سفر میں اور اس کے ربط کی وجہ سورۂ انفطار سے یہ ہے کہ اس سورۃ میں نیکوکار اور بدکاروں کے نامۂ اعمال کے ابتداء کا مذکور ہے کہ دنیا میں لکھے جاتے ہیں اور اس سورۃ میں اُن اعمالوں کے درمیان کا بیان ہے کہ ہر شخص کی موت کے بعد خواہ نیک ہو خواہ بد ان دونوں دفتروں میں سے کہ سجّین اور علّیّین ہیں ایک دفتر کے متصدّیوں کے حوالے کیے جاتے ہیں چنانچہ سورۂ انشقّت میں اُن ناموں کی انتہا کا بیان ہے کہ حشر کے روز ہر شخص کے ہاتھ میں دیے جائیں گے اور اس سورۃ کا نام سورۂ مطففین اس واسطے رکھا ہے کہ اس کے شروع میں بدحالی مطفّفین کی مذکور ہے اور وہ دلالت کرتی ہے اس بات پر کہ جو شخص اتنا تھوڑا سا حق بھی مخلوق کا تلف کریگا اس کا بھی یہ بُرا حال ہوگا پھر جو شخص کہ حق عظیم اپنے پروردگار کا کہ ایمان لانا اُس کی آیتوں اور اُس کے رسولوں پر ہے تلف کرے گا تو انجام اُس کا کیا کچھ ہونے والا ہے اور مناسبت ان دونوں سورتوں میں کلام کے نظم ونسق کے اعتبار سے بھی ظاہر ہے کہ اس سورۃ میں كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُونَ بِالدِّينِ وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِينَ مذکور ہے اور اس سورۃ میں وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ الَّذِينَ يُكَذِّبُونَ بِيَوْمِ الدِّينِ ۝ وَمَآ أُرْسِلُوا عَلَيْهِمْ حٰفِظِينَ واقع ہے اور اُس سورۃ میں إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ اور اس سورۃ میں بھی بعینہٖ یہی لفظ مذکور ہے اور اس سورۃ میں إِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ يَّصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّينِ آیا ہے اور اس سورۃ میں ثُمَّ إِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيمِ ۝ اور اس سورۃ کا ختم اس کلمے پر ہے کہ وَالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ۝ اور اوایل میں اس سورۃ کے يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِينَ ۝ مذکور ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ ۝

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ ۝ خرابی ہے گھٹانے والوں کی کہ لوگوں کے حق ناپنے تولنے میں گھٹاتے

ہیں ہرچند کہ تطفیف کا لفظ عرب کی لغت میں ناپ اور تول میں خیانت کرنے کے معنوں
میں آتا ہے لیکن شیخ ابوالقاسم قشیری قدس سرہ العزیز نے اور دوسرے بزرگوں نے
فرمایا ہے کہ ظاہر کرنا لوگوں کے عیب کو اور اگر وہی عیب اپنے اندر ہو اُس کو چھپانا اور لوگوں
سے انصاف چاہنا اور خود انصاف نہ کرنا اور دوسرے کے عیبوں کو دیکھنا اور اپنے عیبوں
کو نہ دیکھنا اور لوگوں سے تعظیم چاہنا اور آپ واجب التعظیموں کی تعظیم نہ کرنا اور جو اپنے
واسطے چاہنا وہ دوسروں کے واسطے نہ چاہنا اور نوکروں مزدوروں سے کام پورا لینا اور
ان کی مزدوری اور ماہوار دینے میں قصور کرنا اور رزق مقدر کو جناب الٰہی سے پورا چاہنا
اور آپ اُس کی طاعتوں میں نقصان کرنا یہ سب تطفیف میں داخل ہیں چنانچہ حدیث شریف
میں وارد ہے کہ الصلوٰۃ مکیال فمن وفی وفی لہ وطفف فقد علمتم فیہ ما قال اللہ تعالےٰ
اور یہ بھی حدیث قدسی میں آیا ہے اوف یا ابن ادم کما تحب ان یوفے لک واعدل کما
تحب ان یعدل لک اور دوسری حدیث میں واقع ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے
اس سورۃ کی تلاوت کے بعد مدینے کے لوگوں سے ارشاد فرمایا کہ خمس بخمس یعنی پانچ
چیزیں بدلے میں پانچ چیزوں کے ہوتی ہیں کوئی قوم سب مل کر عہد شکنی نہیں کرتے مگر دشمن
اُن کے اُن پر مسلط کیے جاتے ہیں اور کوئی فرقہ خلاف شریعت کے حکم نہیں کرتا اور رشوتیں
کھا کر حکم شریعت کا تبدیل نہیں کرتا مگر کہ فقر وافلاس اُن میں سرایت کرتا ہے اور کسی
فرقے میں زنا اور لواطت رائج نہیں ہوتی مگر کہ موت اُن پر مسلط ہوتی ہے اور کوئی فرقہ
ناپ اور تول میں نقصان نہیں کرتا مگر کہ زراعت اُن کی برباد ہو جاتی ہے اور قحط میں مبتلا
ہوتا ہے اور کوئی فرقہ زکوٰۃ کا مانع نہیں ہوتا مگر بارش اُن پر بند کی جاتی ہے حاصل کلام
کا یہ ہے کہ مقدمہ ناپ اور تول کا نہایت عمدہ ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم پر جو
عذاب نازل ہوا تھا سو اسی گناہ کی شامت سے تھا اور علما کو اس کے کبیرہ ہونے میں اختلاف
ہے بعضوں نے از راہ مبالغہ کے کہا ہے کہ قصداً اس فعل شنیع کا گناہ کبیرہ سے ہے اور بعضوں
نے فرق کیا ہے قلیل اور کثیر میں کہتے ہیں کہ اگر نقصان ناپ اور تول کا چوری کی نصاب کی حد
کو پہونچے کہ اس ملک کے تین روپے رائج ہوتے ہیں تو کبیرہ ہو جاتا ہے اور اگر اس سے کم ہے

فائدہ ۔ پانچ چیزوں کے سبب سے آدمی پانچ چیزوں میں مبتلا ہوتا ہے

چوری کا نصاب دس درم

توصغیرہ ہے اور اکثر ظاہر بیں اس مقام پر گھبرا کر کہتے ہیں کہ تھوڑا سا حق دبا رکھنا کسی کا اس قدر
وبال نہیں رکھتا اور بالاجماع صغیرہ ہے تطفیف کو کیوں کبیرہ میں گنا ہے اور اس پر سخت وعید
فرمائی ہے جواب اس کا یہ ہے کہ غصب ایک گناہ ہے شریعت کی ٹھہرائی ہوئی صورت کا
بدلنے والا نہیں ہے اور یہ تطفیف ایک ظلم ہے عدل کی صورت میں تفصیل اس کی یہ ہے
کہ تول اور ناپ کی چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے انصاف اور عدل کے قائم کرنے کے واسطے
مقرر فرمایا ہے اور مخلوق کے معاملات کا مدار ان ہی دونوں چیزوں پر رکھا ہے بس ان
دونوں چیزوں کو وسیلہ ظلم کا قرار دینا ایسا ہے جیسے عبادت کو وسیلہ گناہ کا ٹھہرانا
اور یہ بھی ہے کہ تطفیف میں خیانت اور دغا اور مکر ہے کہ نفس کی خیانت پر دلالت کرتا ہے
برخلاف غصب کے دوسرے نہایت خست اور اوچھا پن مزاج کا ہے کہ ایک پیسہ بھر دانوں
کے واسطے اپنے ایمان کو بیچتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے عدل کو ظلم کی صورت میں نمودار کرتا ہے
بس اس قسم کی باتوں سے اس گناہ نے ایسی عظمت پیدا کی ہے کہ دوسرے صغیرہ گناہوں
میں نہیں پائی جاتی ہر چند کہ بعضے بزرگوں سے منقول ہے کہ اپنے زمانے کے بادشاہوں
سے وعظ اور نصیحت کے وقت فرمایا ہے کہ تم کو کچھ معلوم ہے کہ مطفف کے حق میں کیا وعید وارد
ہوئی ہے تم جو لوگوں کا مال بے تول کھاتے ہو تمھارا کیا حال ہونے والا ہے لیکن مراد ان
بزرگوں کی یہ ہے کہ بادشاہ کا ظلم بھی تطفیف کے مانند شریعت کے حکم کے برخلاف اور
اُلٹا ہے کیونکہ قدرت سلطنت کی اس کو اس واسطے دی ہے کہ قائم ہونا عدل کا اور دفع ہونا
ظلم کا ظہور پاوے پھر جو اس قدرت کو عدل کے مٹنے میں اور ظلم کے قائم کرنے میں خرچ
کریں تو قلب موضوع کا اور خلاف مقصود کا لازم آتا ہے غرضکہ بہر صورت اس قسم کے
گناہوں میں سوائے خلق اللہ کی حق تلفی کے تلبیس اور مکر اور رخنہ حکمت الٰہی میں کرتا ہے
اور ظلم کو عدل کی صورت میں نمودار کرنا ایسا ہے جیسے قرآن درمیان میں دے کر دغا
کرے پس ایسی ایسی خباثتیں جمع ہونے کے سبب سے کبیرہ ہوا ہے اور اسی طرح سے مسجد
کو نجاست گاہ بنانا حرام ہے نہ غیر مسجد کو اور دین کے کام دنیا کے غرض کے واسطے اور اپنے کو
صلحاء کی صورت سے نمودار کر کے دادا بلیسی کی دینا نہایت بد ہے

مطلب تطفیف

کھلے بندوں دُنیا طلب کرنے اور ظاہر فسق و فجور کرنے سے اَور جو تطفیف یعنی گھٹانا ناپ اور
تول میں کبھی بے پروائی کی راہ سے بھی ہوتا ہے چنانچہ بعض شخص وارستہ مزاج ہوتا
ہے لین دین میں چنداں احتیاط نہیں کرتا اور یہ تطفیف اپنا حق لینے میں مضائقہ
نہیں رکھتی لیکن دوسرے کے حق میں کرنا حرام اور ممنوع ہے مگر اس قدر شدت اور
عذاب اس کے واسطے نہیں ہے کہ اُس کے کرنے والے پر بے پروائی کا لفظ کہا جاوے
سو اس قسم کی تطفیف کے احتراز کے واسطے مطففوں کو ایک دوسری علامت اور صفت
سے موصوف فرمایا ہے تاکہ معلوم ہو جاوے کہ کم کرنا اُن کا ناپ اور تول میں مزاج کی
بے پروائی اور وارستگی کی راہ سے نہیں ہے بلکہ کمال زیرکی اور ہوشیاری سے
جان بوجھ کر یہ کام کرتے ہیں اور کمال حرص رکھتے ہیں کیونکہ اُن کی صفت یہ ہے کہ اَلَّذِیْنَ
اِذَا اکْتَالُوْا عَلَی النَّاسِ وہ گھٹانے والے ناپ اور تول کے جب ناپ کر لیتے ہیں لوگوں
سے اپنا حق کہ اُن کے ذمے پر رکھتے ہیں تو یَسْتَوْفُوْنَ ٥ پورا بھر لیتے ہیں اور چاہتے ہیں
کہ ہمارے حق میں سے ایک دانہ کم نہ ہو بلکہ پورا کرنے کے بہانے سے تھوڑا سا اپنے حق
سے زیادہ لے لیتے ہیں اور تقریر کرتے ہیں کہ ہم کو اپنا حق پورا آنا یقینی معلوم نہیں ہوتا
جب تک کہ تھوڑا سا زیادہ نہ لیں اور جب کہ ناپ میں یہ حیلہ کرتے ہیں اور اپنے حق
سے زیادہ چاہتے ہیں تو تول میں تو بطریق اولےٰ پورا کرنے کے بہانے سے زیادہ چاہتے
ہیں کیونکہ ناپ میں مسامحہ اور مساہلہ رائج ہے اور تول میں کھینچ اور تنگی بھید اس میں
یہ ہے کہ ناپ چیزوں کی طول اور عرض سے علاقہ رکھتا ہے اور تول چیزوں کی ثقل اور
اعتماد سے سو جو چیزیں کہ آدمی کا تعلق ان کے ساتھ پوشاک اور سکونت کے سبب سے
ہے جیسا کپڑا اور زمین تو اُن میں پیمایش اور ناپ رائج ہے اَور جو چیزیں کہ آدمی کی باطنیہ
قوتوں سے علاقہ رکھتی ہیں جیسے غذا یا دوا یا مالیت سے علاقہ رکھتی ہیں مثل سبعہ متطرقہ
کے یعنی وہ سات چیزیں کہ بغیر اُن کے دنیا کا کام نہیں چلتا جیسے سونا چاندی تانبا لوہا
وغیرہ کہ بھاری پن کے سبب سے اکتناز اجزا کا رکھتے ہیں اور اکتناز اجزا کے سبب سے
اُن میں بقا کا طول پایا گیا اور طول بقا (یعنی ملنا) کے سبب سے اُن کی مالیت زیادہ ہوئی یعنی ہر

دین کے کام دنیا کے واسطے کرنا بہت بڑا عیب ظاہر فسق و فجور کرنے سے

شخص اُن کا خواہاں ہوا اس سبب سے ان چیزوں میں وزن رائج ہوا سو یہی سبب ہے کہ
جو چیزیں ناپی جاتی ہیں اکثر خسیس ہوتی ہیں اور جو تولی جاتی ہیں وہ اکثر نفیس ہوتی ہیں
اَللّٰھُمَّ اِلَّا نَادِرًا یعنی کبھی بعضی چیزوں میں اس قاعدے کا عکس جاری ہوتا ہے اور خسیس
چیزوں میں تول اور نفیس میں ناپ جاری ہوتا ہے جیسے شلغم اور گاجر تولی جاتی ہیں اور کمخاب
اور گوٹا کناری ناپی جاتی ہیں حاصل کلام کا یہ ہے اس جگہ پر فقط ناپ کے ذکر پر اکتفا کرنا
اور وزن کا ذکر نہ کرنا اس کا بھی بھید ہے اور بعضے اذکیا نے کہا ہے کہ اپنا حق لیتے وقت
تول کی چیزوں کی قسم سے ترازو بیچنے والے کے ہاتھ میں ہوتی ہے تول سے زیادہ لینا خریدار
کا ممکن نہیں کیونکہ ترازو کا پلہ اگر دو دانے زیادہ پڑیں تو جھک جاوے اور زیادتی ظاہر
ہو جاوے اور ناپ کے لینے میں خریدار کو بھی البتہ کچھ تھوڑا سا دخل ہوتا ہے کہ پیمانے کو ذرا
ہلاوے کہ چار دانے زیادہ سما جاویں یا کپڑے کو ذرا جھول دیدے کہ کچھ زیادہ آجاوے تو
ہو سکتا ہے برخلاف پرایا حق دینے کے وقت کہ ترازو اور ناپ دونوں اسی کے ہاتھ میں ہیں
اسی واسطے اس مقام پر دونوں کو مذکور فرمایا ہے چنانچہ آگے آجاوے گا انشاء اللہ تعالےٰ اور
لفظ علیٰ کا اس مقام پر اس واسطے لائے ہیں کہ ناپ کر لینا اُن کا لوگوں سے اُن کے ضرر
پہونچانے کے ارادے سے ہے نہ اُن کے فقط اپنا حق لینے کے ارادے سے نہیں تو اصل لغت
میں اکتیال متعدی من کے ساتھ آتا ہے چنانچہ بولتے ہیں اِکْتَلْتُ مِنْکَ یعنی ناپ کر لیا
میں نے تجھ سے وَاِذَا کَالُوْھُمْ اَوْ وَّزَنُوْھُمْ اور جب ناپ کر دیتے ہیں لوگوں کو اُن کا حق
یا تول کر اور لفظ کیل اور وزن کا عرب کی لغت میں جیسے کہ ناپ اور تول کے معنوں میں آیا ہے اسی
طرح سے ناپ دینے اور تول دینے کے معنوں میں بھی آیا ہے پس حاجت اضمار کرنے لام کی لفظ
میں ہُم کے نہیں جیسے کہ اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ مراد کالُوْھُمْ اَوْ وَّزَنُوْھُمْ ہے کیونکہ ناپے اور تولے
سے لوگوں کا مال مراد ہے نہ اُن کی ذات لیکن لام کو لفظ میں سے حذف کر دیا ہے اس واسطے کہ
لام اکثر نفع کے واسطے آتا ہے اور اس مقام پر توہم نفع کا موجب تناقض کے توہم کا کلام
میں ہوا جاتا ہے کیونکہ منظور یہ بات ہے کہ وہ لوگ دینے کے وقت بھی ارادہ مخلوق کی ضرر
کا کرتے ہیں اور دونوں کاموں میں کیا ناپ اور کیا تول یُخْسِرُوْنَ گھٹاتے ہیں لوگوں کا حق

اور اُن کو نقصان پہونچاتے ہیں تھوڑا تھوڑا نکال نکال کر یہاں پر سمجھ لیا چاہیئے کہ دین لین کے پورا بھر دینے اور گھٹانے میں چار صورتیں خیال میں آتی ہیں اوّل تو یہ کہ دونوں میں پورا بھر دے دوسرے یہ کہ دونوں صورتوں میں گھٹاوے تیسرے یہ کہ دینے میں گھٹاوے اور لینے میں پورا بھر لے پس یہی صورت اس آیت میں مذکور ہے چوتھے یہ کہ دے پورا اور لے کم یہ مرتبہ اعلےٰ ہے اور بڑے حوصلے والوں کا کام ہے اور اُن پہلی دونوں صورتوں کو اسی جہت سے یہاں مذکور نہیں فرمایا کہ اُن دونوں صورتوں میں بھی اگرچہ قباحت اور حرمت موجود ہے لیکن پرلے درجے کی بُرائی نہیں رکھتی ہیں کہ اُن کے حال پر واے کہا جاوے کیونکہ دینے کا نقصان لینے کے نقصان کا بدلہ ہو جاتا ہے اسی طرح سے زیادہ لینا زیادہ دینے کا معاوضہ ہے پس ایک صورت سے نیکی اور ایک صورت سے بدی پائی گئی اور یہ اس قیاس پر ہے کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ لوگ قرض کے معاملے میں چار قسم کے ہیں ایک وہ شخص کہ اپنا قرض بھی لوگوں سے سہولیت سے وصول کرتا ہے اور جو لوگوں کا قرض اُس کے ذمے پر ہے اُس کو بھی بخوبی ادا کرتا ہے سو یہ شخص سب سے بہتر ہے دوسرا وہ شخص ہے کہ لوگوں کا قرض بھی کمال شدّت اور ایذا سے ادا کرتا ہے اور اپنا قرض بھی کمال شدّت اور بے مروّتی سے وصول کرتا ہے پس یہ سب سے بدتر ہے تیسرا وہ شخص ہے کہ لوگوں کا قرض بخوبی ادا کرتا ہے اور اپنا قرض شدّت سے طلب کرتا ہے چوتھا وہ کہ لوگوں کا قرض تو خرابی سے ادا کرتا ہے اور اپنا قرض وصول کرنے میں نہایت نرمی اور آسانی کرتا ہے پس یہ دونوں قسمیں میانہ ہیں کہ ایک طرف کی خوبی دوسری طرف کی بدی سے مقابل ہے تو صرف بدی سے بہتر ہے اور اسی طرح سے غصّے کے مقدمے میں بھی لوگوں کو چار قسم فرمایا ہے اوّل قسم تو وہ ہے کہ جلد غصّے ہو اور جلد راضی ہو دوسری قسم وہ ہے کہ دیر سے غصّے ہو اور دیر سے راضی ہو یہ دونوں قسمیں میانہ ہیں تیسری قسم وہ ہے کہ جلد غصّے سے ہو اور دیر سے راضی ہو اور یہ قسم سب سے بدتر ہے چوتھی قسم وہ ہے کہ دیر سے غصّے ہو اور جلد راضی ہو اور یہ قسم سب سے بہتر ہے اور جو مطففین کو اُن کے حال پر واے کر کے ڈانٹ فرمائی تو اب ارشاد کرتے ہیں کہ گویا کہ یہ لوگ اس کام کے اختیار کرنے سے قیامت کے

منکر ہیں کیونکہ جو شخص کہ اعتقاد اس روز کا رکھتا ہے اس قدر تلف کرنے میں خلق اللہ کے حق کے خصوصاً ٹھگئی اور مکر اور حیلے سے جرأت نہیں کرتا اسی واسطے بطور استفہام انکاری کے فرمایا اَلَا یَظُنُّ اُولٰٓئِکَ کیا گمان نہیں کرتے ہیں یہ لوگ کہ عقل وشعور سے دور ہیں اور ظن کے لفظ میں کہ گمان کے معنوں میں ہے آگاہی اس بات کی طرف ہے کہ ہر عاقل اس عقیدے کو یقین صادق سے جانتا ہے بلکہ ہر گھڑی اپنی آنکھوں کے سامنے رکھتا ہے اور یہ لوگ گمان بھی اس کا نہیں کرتے ہیں اعتقاد تو کہاں دوسرے اشارہ اس طرف کو بھی ہے کہ اگر کسی کو اعتقاد کامل اُس دن کا نہ ہو تو فقط گمان بھی اس قسم کی برائیوں سے بچنے کو کفایت کرتا ہے جیسے کہ مسافر راہ کے خطرے کے گمان پر بلکہ محض وہم پر پانی توشہ ساتھ لے لیتے ہیں اور بدرقہ طلب کرتے ہیں اور یہ احمق اس مضمون کا گمان بھی نہیں رکھتے ہیں کہ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ مقرر وہ زندہ کیے جاویں گے ایک بڑے دن میں اور بزرگی اُس دن کی اس سبب سے ہے کہ وہ دن عدل قائم ہونیکا دن ہے اور اللہ جل شانہ کے حق اور بندوں کے حق اُس روز مخلوق سے طلب کیے جائیں گے اور کمال سختی حق دبانے والوں پر کی جاوے گی اور اُس روز کی بزرگی کے اسبابوں سے ایک یہ ہے کہ وہ دن رسوائی کا ہے کیونکہ صفت اُس کی یہ ہے يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ جس دن کھڑے ہوں گے لوگ اگلے اور پچھلے حضور میں حضرت رب العالمین کے اور لفظ رب العالمین کا یہاں پر اسم ذات کے مقام پر لائے ہیں تاکہ اشارہ ہو اس بات کی طرف کہ عموم ربوبیت اُس ذات پاک کی چاہتی ہے کہ اپنے بندوں کا حق پورا ہو جائے پس لوگوں کے حق برباد کرنے والوں کا کھڑا ہونا اُس کے حضور میں کمال ذلت اور رسوائی ہے اور اس کھڑے ہونے کو بعضے مفسروں نے مُردوں کے زندہ ہونے پر قیاس کیا ہے جیسے کہتے ہیں کہ فلانا سوتے سے اُٹھا یعنی بیدار ہوا اور اصح یہ ہے کہ حقیقی کھڑا ہونا مراد ہے چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لوگ قیامت کے دن دنیا کے تین سو برس کے اندازے کے موافق حشر کے میدان میں کھڑے رہیں گے اور اُن کے واسطے کچھ حکم ظہور میں نہ آوے گا لیکن یہ اتنی

بڑی مدت مسلمان کو ایسی تھوڑی معلوم ہو گی کہ گویا نماز سے فارغ ہوا اور صحیح مسلم میں روایت سے مقداد بن الاسودؓ کی آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تفسیر میں اس آیت کی وارد ہے کہ یَقُوۡمُ النَّاسُ فِیۡ رَشۡحِھِمۡ اِلٰی اَنۡصَافِ اٰذَانِھِمۡ یعنی لوگ پسینے میں کھڑے ہوں گے اور اُن کا پسینا اُن کے کانوں کی لَو تک پہونچے گا اور یہ بھی صحیح مسلم اور دوسری صحاحوں میں مروی ہے کہ قیامت کے روز آفتاب آدمیوں کے سر سے ایک کوس یا دو کوس کے فاصلے پر کھڑا ہو گا تو اُس کی گرمی سے لوگوں کے بدن پگھلنے لگیں گے اور پسینا بہنا شروع ہو گا لیکن ہر شخص کے بُرے عملوں کے موافق بعضے کے پسینا گردن تک پہونچے گا اور بعضے کی کان کی لَو تک پہونچ کے لگام کے مانند مُنھ میں رہے گا اور کسی کی گردن تک کسی کے سینے تک کسی کی کمر تک کسی کے زانو تک کسی کے ٹخنوں تک اور علیٰ ہذا القیاس اور منقول ہے کہ ایک دن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس سورۃ کو نماز میں شروع کیا جب اس آیت پر پہونچے تو کمال خوف سے رونے لگے یہاں تک کہ بے تاب ہو کر گر پڑے اور اُس وقت کی نماز ادا نہ کر سکے کَلَّآ یعنی ناپ اور تول کے کم کرنے والوں کو چاہیئے کہ یہ کام نہ کریں اور قیامت کے دن سے اور حضور میں کھڑے ہونے سے عادل زور آور کے بے خبر اور غافل نہ رہیں کیونکہ ہر نیک و بد عمل اُن کا اُن کے اعمال ناموں میں لکھا ہوا اُن کے دفتر کے متصدیوں کے سپرد ہے پھر جو کچھ کہ مخلوق کے حق تلف کیے ہیں سو جب اُسی دفتر کے اُس روز اُن سے باز پُرس ہو گی اور اگر وہ پوچھیں کہ اعمال نامے ہمارے بعد موت کے کس علامت سے معلوم ہوں گے اور کہاں محفوظ رہیں گے تو اُن کو جواب دیا چاہیئے کہ اِنَّ کِتٰبَ الۡفُجَّارِ لَفِیۡ سِجِّیۡنٍ ؕ مقرر اعمال نامے بدکاروں کے اور اُن کی اسم نویسی سجّین کے دفتر میں ہے اور سجّین مبالغے کا لفظ ہے سجن سے کہ زندان کے معنوں میں ہے بس جو وہ مقام کہ اُس دفتر کے اسم نویسی والے وہاں رہتے ہیں وہ ایک ہے نہایت تنگ اور تاریک اور دوزخیوں کی روح کا قید خانہ تو اسی واسطے اس دفتر کو اُس نام سے مسمّٰی کیا چنانچہ بیان اُس کا فرماتے ہیں وَمَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا سِجِّیۡنٌ ؕ اور کیا بوجھا تو کہ کیا

ہے سجّین کتٰبٌ مّرقوم ایک دفتر ہے لکھا ہوا اور علامت کیا ہوا حاصل اُس کا یہ ہے کہ
ایک دفتر ہے کہ اُس میں نام ہر ایک دوزخی کا لکھا ہے جو بندوں کے عمل کے لکھنے والے
بعد اُن بدکاروں کے مرنے اور عمل منقطع ہونے کے ہر ہر شخص کے عمل علٰحدہ علٰحدہ فردوں
میں لکھ کر اُس دفتر خانے میں جس کا نام سجّین ہے داخل کرتے ہیں اور اِس دفتر پر یا ہر
ایک دوزخی کے نام پر ایک علامت اور رقم بنا دیتے ہیں کہ اُس کے دیکھتے ہی معلوم
ہو جائے کہ یہ شخص دوزخی ہے آور اصل لغت میں رقم علامت کے معنوں میں ہے کہ سوداگر
لوگ تھانوں پر قیمت دریافت کرنے کے واسطے لکھ دیتے ہیں کہ اُس کو ہندی لغت میں
آنک کہتے ہیں آور بیان سجّین کا احادیث ضعیفہ سے روایت میں کعب الاحبارؓ کی یوں
آیا ہے کہ وہ دفتر ساتوں زمینوں کے تلے ہے اور وہاں ایک سیاہ پتھر پڑا ہے کہ اُس سے
بدبو اور دُھواں نکلتا ہے جو ابلیس اور دوسرے شیطان اذکار اور انوار سے بھاگتے ہیں تو وہاں
جا کر ٹھہرتے ہیں بدکاروں کی روح کو بعد قبض کرنے کے اوّل آسمان کی طرف لے جاتے ہیں
تو آسمان کے دربان اُس کے واسطے دروازہ نہیں کھولتے اور آنے نہیں دیتے پھر زمین پر لاتے
ہیں تو کوئی مکان اس کو قبول نہیں کرتا کہ اُس روح کو وہاں رکھیں آخر کو اُس کو ساتوں زمینوں کے
تلے اُس پتھر کے نیچے رکھتے ہیں اور جو فرشتے کہ اُس دفتر کے متصدی ہیں اُس کا نام دفتر میں
لکھ لیتے ہیں کہ فلانا فلانے کا بیٹا اِس تاریخ میں دنیا سے برزخ میں پہونچا اور یہ اعمال
لایا اور فردیں اس کے اعمال کے روزنامچے کی کراماً کاتبین کے ہاتھ سے لے کر اُس دفتر میں
داخل کرتے ہیں تاکہ قیامت کے دن وہ سب اُس کے اُلٹے ہاتھ میں دیں اور بدکاروں کی
روحیں بھی اُسی مکان میں رہتی ہیں اور طرح طرح سے عذاب کی جاتی ہیں آور یہاں پر
علم معانی کے قاعدے کے موافق دو سوال وارد ہوتے ہیں کہ جواب طلب ہیں اول یہ کہ ذکر فجار
کے دفتر کا خبر ابتدائی ہے کہ سُننے والے سمجھنے سے اس خبر کے ناواقف تھے اور ہرگز سُنا
نہ تھا اور علم معانی کا قاعدہ یہ ہے کہ کلام ابتدائی میں کہ سُننے والا اُس سے بے خبر ہو تو تاکید
نہیں لاتے پھر اس کلام میں دو تاکیدیں کس واسطے لائے ہیں ایک تو اِنَّ دوسرا لام۔ جواب
اُس کا یہ ہے کہ اگرچہ سُننے والے فجار کے اعمالنامے کا دفتر ہونے سے سجّین میں بے خبر تھے

لیکن ثابت کرنے سے اُس اثبات کے اصل دفتر اعمال کا لازم آتا ہے اور کافر کہ مجازات
اور قیامت کے منکر ہیں اُس دفتر سے کمال انکار رکھتے ہیں تو موافق اِن کے اِنکار
کے تاکید قوی لائے ہیں چنانچہ کسی شخص کے روبرو کہ بالکل زید کے وجود سے منکر ہو کہیں
کہ اِنَّ زَیْدً الفی دار فلانٍ اگر چہ سُننے والا اس فلانے کا گھر نہ جانتا ہو اور اُس کا نام
نہ سُنا ہو دُوسرے یہ کہ جو ذکر سجین کا اوّل گذر چکا تو مقام عہد کا ہوا پھر یوں کہنا
چاہیے تھا کہ مَا اَدْرَاكَ مَا السِّجِّيْنُ چنانچہ كَمَا اَرْسَلْنَا اِلٰى فِرْعَوْنَ
رَسُوْلًا ۰ فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ میں کہا ہے جواب اس کا یہ ہے کہ سُننے والے
معنوں سے سجین کے غافل تھے تو ذکر اُس کا ایسا ہے جیسے کہ ذکر نہ ہوا پس مقام پر اعادے
کی تنکیر بھی مناسب معلوم ہوئی گویا کہ یوں فرمایا کہ کیا ہے سجین مجہول کہ اب تک اُس کے
معنے دریافت نہیں کیے ہیں برخلاف رسول کے لفظ کے کہ اُس کے معنیٰ سُننے کے ساتھ
ہی عربی زبان کے واقف کاروں پر ظاہر ہو جاتے ہیں پس اعادے کے مقام پر تعریف
اُس کی مناسب پڑی اور اہل نظم بھی اس مقام پر شبہہ کرتے ہیں کہ ہر مقام پر
نیکوں کا ذکر بدوں کے ذکر پر مقدم ہے اور نیکوں کی شرافت اور بزرگی کے مناسب
بھی یہی بات ہے کہ نیکوں کا ذکر اوّل بیان کیا جاوے پھر یہاں پر کس واسطے
بدوں کے دفتر کا ذکر مقدم فرمایا ہے جواب اس کا یہ ہے کہ طرز کلام کا اس
سورۃ کی ابتدا سے مطففین کے واسطے تھا کہ ایک قسم ہے بدکاروں کی پس یہی مناسب
ہے کہ اول بلا فصل اُن کے ڈرانے کے واسطے بدکاروں کے دفتر کا ذکر کیا جاوے نہیں
تو یہ مدعا بخوبی حاصل نہ ہوتا اور فصل ساتھ اجنبی کے اس مقام پر لازم آتا ہے اور رعایت
مقام کی کرنا شرافت کی رعایت سے ضرورتر اور چسپاں زیادہ ہے اور جو اس آیت
میں حال بد مآل بدکاروں کا مطلقاً مذکور ہوا اور پہلے گزر چکا ہے کہ کم کرنے والے مخلوق
کے حق کے گمان قیامت کے دن کا نہیں رکھتے اب بطور ترقی کے مذکور اُن لوگوں کا
کہ اعتقاد میں آخرت کے قصور کرتے ہیں اور اس سے انکار مطلق رکھتے ہیں
بیان فرماتے ہیں تا کہ اُس مطففین کے گروہ کو بالخصوص سرزنش حاصل ہو وَيْلٌ

يَوْمَئِذٍ واسطے اُس روز کہ اُس دفتر کو کھول کر ہر ایک کو اُس کے اعمالوں پر مطلع
کریں گے لِلْمُكَذِّبِيْنَ ۙ منکروں کے حال پر کہ ہرگز اعتقاد اُس روز کا نہیں رکھتے اور
گمان کرتے ہیں کہ لوگوں کے حق اُن سے لیے نہ جاویں گے کیونکہ اُن کی صفت یہ ہے
الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ؕ یعنی منکر وہ لوگ ہیں کہ انکار کرتے ہیں جزا کے
دن کا حاصل یہ ہے کہ انکار اُن کا فقط مخلوق کا حق پھیر دینے کے واسطے نہیں ہے بلکہ
جزا کے تمام کارخانوں کے منکر ہیں اور جزا کے دن کا انکار کرنا علامت بڑی قباحت کی
ہے کیونکہ اعتقاد جزا کے دن کا ایمان کے تمام کاموں میں عبادات ہوں خواہ معاملات
دخل رکھتا ہے وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ اور انکار نہیں کرتا اُس روز کا اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۙ
مگر جس شخص نے کہ تجاوز حد سے کیا ہو گا کفر میں اور تجاوز حد سے کیا ہو گا فسق میں لیکن
تجاوز حد سے کفر میں اس جہت سے ہے کہ جو شخص کہ اُس روز کا منکر ہے گویا ربوبیت الٰہی
کی ہمیشگی کا اور اُس کی قدرت کا منکر ہے اپنی ذات پر اور یہ جانتا ہے کہ مرنے کے ساتھ ہی
میں اُس کی بندگی سے نکل جاؤں گا اور وہ میری مالکی سے معزول ہو جاوے گا جیسے دنیا
کے مالک اور اُس کے دوسرے بار زندہ کرنے کی قدرت کا بھی منکر ہے اور اُس کے عدل
کا بھی منکر ہے کیونکہ دنیا میں حق مظلوم کا ظالم سے نہیں لیتا اگر اُس روز بھی نہ لے تو
راضی ظلم پر ہوا بس ان عقیدوں کے سبب سے مرتبے کفر کے تہ بتہ ہو کر حد سے طرف
کفر کے زیادہ ہو جاتے ہیں اور فسق میں تجاوز اس جہت سے کہ جب خوف اُس دن کا اُٹھ
گیا تو گناہ پر دلیری کی اور یہ سمجھ لیا کہ نقد مزیداریوں کو موہوم جزا کے خوف سے چھوڑ دینا
کمال نادانی اور بے وقوفی ہے پس نفس امارہ کی خواہش کے موافق فسق و فجور میں پھنس جاتا
ہے چنانچہ اثیم کا لفظ کہ مبالغہ ہے آثم کا اس بات کی گواہی دیتا ہے اور ایک جماعت نے
مفسروں کی معتدی کو ظالم اور غاصب اور خلق اللہ کے حق تلف کرنے والے پر حمل کیا ہے
اور اثیم کو اُس فاسق اور گنہگار کے واسطے مقرر کیا ہے کہ اُس کے گناہ حق اللہ سے تعلق
رکھتے ہیں جیسے زنا اور لواطت اور شراب پینا یا نماز و روزہ ترک کرنا کیونکہ پہلا شر
متعدی ہے اور دوسرا گناہ محض اسی کی جان کا وبال ہے غرضکہ منظور یہ ہے کہ تکذیب

اور انکار جزا کا اس شخص کا کام ہے کہ کسی مذہب اور مشرب پر مقید نہ ہو اور کسی ملک سے کسی ملت اور دین کے کچھ علاقہ نہ رکھتا ہو اور عقلی دلیلوں کو کہ اس مقصد پر قائم ہیں بسبب دھنس جانے کے گناہوں میں اور دوست رکھنے سے بے قیدی اور الحاد کے اُن سے آنکھ چُراوے بلکہ قرآن کی آیتیں اور اخبار انبیاء کے کہ معجزوں قطعیہ سے تائید کیے گئے اور مضبوط کیے گئے ہیں وہ بھی اُس کے ذہن میں تنبیہ اور عبرت پیدا نہیں کرتے کیونکہ اِذَا تُتْلٰی عَلَیْہِ اٰیٰتُنَا جب پڑھی جاتی ہیں اُس پر آیتیں ہماری کہ ہونے پر جزا کے دن کے اور باز خواست پر خلق اللہ کے حق کے اُس روز کے دلالت کرتی ہیں تو از راہ عناد کے قَالَ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ۝ کہتا ہے کہ یہ کہانیاں ہیں اگلوں کی کہ لوگوں کے خوف دلانے اور ڈرانے کو بُرے کاموں سے بنائی گئی ہیں کہ ظلم اور غضب سے ملک خراب نہ ہو جاوے اور فتنہ و فساد ظہور نہ کرے سو اس کی کچھ اصل نہیں کہ اُن پر یقین کیا چاہیے کَلَّا یوں نہ سمجھنا چاہیے اور یوں نہ کہنا چاہیے کیونکہ واقع ہونا جزا کا اور پھیر دینا خلق کے حق کا دلائل عقلیہ جلیہ اور شواہد نقلیہ صادقہ متواترہ سے ثابت ہے پھر اگر وہ شواہد تشفی منکروں کی خاطر کی نہ کریں اور اُن کے دلنشیں نہ ہوں تو یہ اُن شواہد اور دلائل کے قصور سے نہیں بَلْ سکتہ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ بلکہ زنگ چھا گیا ہے اُن کے دلوں پر یہاں تک کہ دل کا منھ سب سیاہ ہو گیا ہے مَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ ۝ وہ جو کسب کیا تھا دنیا میں اور کیفیت اس کی اس زنگ کے پیدا ہونے کے دلوں پر وہ جو روایت سے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اور دوسرے اصحابوں سے آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے مروی ہے یہ ہے کہ جب بندہ ایک گناہ کرتا ہے تو ایک سیاہ داغ اُس کے دل پر پیدا ہوتا ہے اگر اُس نے توبہ کی تو آئینہ اُس کے دل کا صاف اور روشن ہو جاتا ہے والّا وہ خال سیاہ اُس میں رہ جاتا ہے پھر جب دوسرا گناہ کیا تو ایک اور نقطہ پیدا ہوا اسی طرح سے ہر گناہ سبب پیدا ہونے سیاہی کا ہوتا ہے یہاں تک کہ تمام دل سیاہ ہو جاتا ہے اور اندھیری چھا جاتی ہے اور دل مانند آئینے کے ہے جتنا صاف ہو گا اُتنی اُس میں صورت نمود کرے گی اور جب زنگ آلود ہو گیا تو کوئی صورت اُس میں نقش پذیر نہیں ہوتی پس

پیدا ہونا رَین کا دل پر سچ بات سمجھنے کی استعداد کے باطل ہونے کا سبب ہوتا ہے دلیل اور کشف سے اور ذکر دلیلوں کا اور پیغمبروں کی صحبت کا نور اُس میں تاثیر نہیں کرتا اور حق کو باطل اور باطل کو حق جانتا ہے اور بُرے کو اچھا اور اچھے کو بُرا سمجھتا ہے اور خال سیاہ ہونے کے معنی کہ حدیث شریف میں وارد ہیں سو یہ ہیں کہ ہر فعل بد ایک ہیئت ظلمانی لطیفے پر قلب کے پیدا کرتا ہے نہ یہ کہ اس گوشت کے لوتھڑے پر جو کلی کی صورت ہے زنگ آجاتا ہے کیونکہ یہ گوشت کا لوتھڑا قلب حقیقی نہیں ہے کہ نیک و بد کاموں کو اُس میں تاثیر ہو بس قلب حقیقی عبارت اُس لطیفے سے ہے کہ جسم لحمی سے تعلق رکھتا ہے جیسے بینائی اور شنوائی ایک چیز ہے کہ آنکھ اور کان سے تعلق رکھتی ہے اور یہاں سمجھ لیا چاہیئے کہ حفص اور دوسرے قاری معتبر لام پر بَلْ کے سکتہ کرتے ہیں اور لام کو رے کے حرف میں موافق قاعدۂ یرملون کے صاف ادغام نہیں کرتے اور ظاہر ہے کہ یہ طریقہ ادا کرنے کا مروی اور منقول جناب سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہوگا اور نزول وحی کا اُس کے موافق ہوا ہوگا بس یہ امر ایک نکتے کو چاہتا ہے اور وہ نکتہ نہایت باریک ہے بغیر تمہید ایک مقدمے کے ذہن میں جمتا نہیں اوّل سمجھ لیا چاہیئے کہ ہر لغت کے بلغا کا قاعدہ ہے کہ بعد بَلْ یا بلکہ کے لفظ کے یا دوسرے کلمات اضراب کے علی اختلاف اللغات اگر کسی چیز کو مذکور کرتے ہیں کہ اُس کا ذکر منظور ہے تو وقفہ اور سکتہ نہیں کرتے بلکہ بَلْ کے لفظ کو اُس کے مابعد کے ساتھ متصل لاتے ہیں اور اگر کراہت یا حقارت یا کسی اور مصلحت کے واسطے جو کچھ کہ منظور ہو مذکور نہیں کرتے اور ایک دوسری چیز کہ اس سے کمتر ہو اور آگاہ کرنے پر مطلب کے کافی ہو اُس کے عوض مذکور کرتے ہیں تو وقفہ قلیلہ درمیان میں بَلْ اور اُس کے مابعد کے لازم سمجھتے ہیں اور رعایت اُس وقفہ کی نہایت بلاغت ہے چنانچہ ہر شخص کو اہل بلاغت سے اپنی لغت میں بعد تجربے اور قیاس کے یہ معنی ظاہر ہوتے ہیں اور جو یہ مقدمہ بیان ہوچکا تو سمجھ لیا چاہیئے کہ جو بَلْ کے کلمے پر وقف یسیری کہ عبارت ہے سکتے سے یہاں پر فرمایا تو اشارہ ہوا اس بات کی طرف کہ اُن کافروں کی حالت کہ آیات الٰہی

کے حق میں اگلے لوگوں کی کہانیوں کا گمان کرتے ہیں ایک خراب قسم ہے کہ ذکر اُس
حالت کا جیساکہ چاہیئے فہم میں اُن بندوں کی کہ اپنے دلوں کی بھی خبر نہیں رکھتے تو دوسروں
کے دلوں کے احوال کو کیا پہونچیں گے آنے کا نہیں لیکن ذکر زنگ کے پیدا ہونے کا کہ نظر صحیح
اور کشف صریح کو مانع ہے اس مقام پر کافی ہے اور سامنے والوں کی فہم سے بھی نزدیک ہے
کیونکہ پیدا ہونا زنگ کا ظاہری آئینوں میں دیکھتے ہیں اور بسبب اس زنگ کے صورت
کا نظر نہ آنا اُس آئینے میں جانتے ہیں الغرض اس آیت میں نہایت ڈرانا منظور ہے
اُس شخص کا کہ گناہ پر گناہ کیے جاتا ہے اور اُس کا علاج جلد توبہ اور ندامت اور استغفار
سے نہیں کرتا تو اُس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ ایک مریض تھوڑے سے بگڑنے کو طبیعت
کے خیال میں نہیں لاتا اور کھانے میں پینے میں بے اعتدالی کرتا ہے اور دوا دارو کی
تدبیر نہیں کرتا یہاں تک کہ فساد مزاج کا مستحکم ہو جاوے اور قابل علاج کے نہ رہے اور یہ
مرض باطنی ہے کہ سوائے اطبائے روحانی کے کہ مراد انبیا اور اولیا ہیں اس کو اور کوئی
نہیں جانتا اور علاج کر نہیں سکتا اور بڑی قباحت یہ ہے کہ یہ مرض جیساکہ رُوح کے
مزاج کے فساد کا موجب ہے اور مانع نظر اور کشف کا ہوتا ہے اسی طرح سے انبیا و اولیا
سے دور کرتا ہے اور ایک حجاب کثیف اطبائے روحانی کی دریافت میں پیدا کرتا ہے
پھر جبکہ طبیب کو نہ پہچانا اور دجّال کو مسیح جانا تو معالجہ محال ہو گیا اور نوبت یاس و حرمان
کی پہونچی اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنْ ذٰلِکَ اور کبھی زنگ آلودہ دلوں والے کہیں کہ ہم کو بہت
بہت سے ذکروں سے اور گناہوں کے ترک سے تصفیہ اور صیقل کرنا دل کا کاہے کو
چاہیئے کیونکہ قیامت کے دن تجلّی الٰہی کی چمک سے خود بخود یہ زنگ دور ہو جاوے گا
اور صفائی کامل حاصل ہو گی جیساکہ اُس روز کے معتقدوں کا گمان ہے تو جواب میں
کہنا چاہیئے کَلَّا یوں گمان کرنا نہ چاہیئے کہ اُن کے دلوں کے زنگ نے فقط دنیا
میں تاثیر کر کے اُن کو فہم حق سے اور معرفت سے آیات اللہ کی اور اعتقاد سے جزا کے
دن کے روک رکھا ہے بلکہ تاثیر اُس زنگ کی قیامت کے دن اور زیادہ قوت پکڑیگی
کیونکہ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ۞ بے شک وہ اُس دن اپنے پروردگار

سے محجوب ہوں گے اور چمک سے نور تجلی کے فائدہ مند نہ ہوں گے اور دیدار اُس کا
نہ پاویں گے کیونکہ قاعدۂ عقلی ہے کہ نور بغیر نور کے نہ سکیے دیکھنا اور جس طرح سے آنکھ
اُن کی دنیا میں کمال زنگ آلودگی سے دیکھنے اور تلاوت سے آیات الٰہی کے اندھی تھی
اسی طرح بینائی اُن کی آخرت میں بسبب ظلمات ذاتیہ اور عرضیہ کے دیدار سے اللہ تعالیٰ
کے اور ظاہر ہونے سے اُس ذات پاک کی تجلیوں سے اندھی ہوگی **شعر** ہر کہ امروز نہ بیند
اثر قدرت دوست * غالب آن ست کہ فرداش نہ بیند دیدار * اور جو محجوب ہونا دیدار سے
پروردگار کے جزا کے دن کافروں اور منکروں کی بد مآلی کے مقام پر مذکور فرمایا تو دلیل
صریح ہوئی اس بات پر کہ مسلمان اُس روز دیدار سے اپنے پروردگار کے محجوب نہ ہونگے
اور اس لذت و بہجت سے خوش وقت و شاداں ہوں گے اور اگر مسلمانوں کو بھی یہ
دولت نصیب نہ ہو تو کافروں میں اور ان میں اس بات میں فرق نہ ہوا اور ذکر کرنا
اس صفت کا کافروں کے حق میں نہایت نامناسب اور آئین بلاغت کے خلاف ہوا
معاذاللہ کہ کلام الٰہی کو کوئی اس نوع کا سمجھے اور حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام کو کہ سوال
رویت کا کیا تھا اُس کے جواب میں لَنْ تَرَانِیْ ارشاد ہوا تو منظور یہ تھا کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ
کے دیدار کی طاقت ان آلات جسمیہ سے کہ فنا پذیر ہیں تو نہ لا سکے گا نہ یہ کہ آخرت میں بھی نہ
دیکھے گا کیونکہ کلام آیندہ یعنی اِنِ اسْتَقَرَّ مَکَانَہٗ فَسَوْفَ تَرَانِیْ موقوف ہونا رویت
کا اوپر استقرار کے کرتا ہے اور سورۂ فرقان میں بہشت کے حق میں وارد ہے کہ حَسُنَتْ
مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ہ وَعِنْدَ حُصُوْلِ الشَّرْطِ یَجِبُ حُصُوْلُ الْمَشْرُوْطِ اور جب
شرط پائی گئی تو مشروط ضرور پایا جائے گا یعنی آخرت میں اچھا اچھا استقرار پایا جائیگا
تو رویت بھی باری تعالےٰ کی ضرور ہوگی اور احادیث متواتر المعنی سے ثابت ہے کہ تمام
مومنین کو یہ دولت نصیب ہوگی لیکن موافق اپنے اپنے عملوں کے اس نعمت میں بھی
تفاوت کے ساتھ ہوں گے عام مومنین کو جمعے کے دن کہ آخرت میں اُس کا نام یوم المزید
ہوگا اس دولت سے سرفراز فرماویں گے اور خاصوں کو ہر روز دو بار صبح اور عصر کو
اور اخص الخواص کو کہ جنت عدن کے رہنے والے ہیں ہمیشہ قرب اُس ذات پاک کا

اور انکشاف تجلیات کا حاصل ہوگا چنانچہ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ مَا بین القوم و بین ان ینظروا الی ربھم الا رداء الکبریاء علی وجھہ فی جنۃ عدن یعنی نہ ہوگا درمیان قوم کے اور درمیان دیکھنے اُن کے کے پروردگار اپنے کو کوئی حجاب مگر چادر بزرگی کی اُس کے مُنھ پر جنت عدن میں آور وہ جو بزرگوں سے منقول ہے کہ دیدار اللہ تعالیٰ کا بے کیف و بلا مقابلہ و مواجہہ ہوگا مخالف احادیث صحیحہ کے ہے کہ ان میں دیکھنا صورتوں کا فرمایا ہے ہنیں کیونکہ حشر کے میدان میں ساتھ صورت کے ہوگا اور بہشت میں داخل ہونے کے بعد بے صورت کے یا یہ کہ بعضے اوقات میں کیفیت اور مقابلے کے ساتھ ہوگا اور بعضے وقت میں بلا کیفیت اور بلا مقابلے کے آور تحقیق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دیدار کے وقت ماسوائے اللہ نظر سے محو ہو جاویں گے اور دنیا میں جو ہم کسی چیز کو دیکھتے ہیں تو اُسکے ساتھ دوسری چیزوں کو بھی دیکھتے ہیں اس سبب سے مقابلہ اور جہت اور دوسری خصوصیات نظر عقل کو ملحوظ ہوتے ہیں اور جو اس ذات پاک کے ساتھ کوئی اور چیز اصلاً نظر نہ آوے گی تو لحاظ جہت اور مقابلہ اور دوسری خصوصیات کا نظر عقل سے ساقط ہو جاوے گا بلکہ جس وقت دنیا کے دیکھنے کی چیزوں کو جو ہم دیکھتے ہیں تو جو اسباب کہ بینائی کے ہیں وہ تو دیکھنے کے کام میں مصروف ہوتے ہیں اور دوسرے اسباب اور قویٰ اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہوتے ہیں اور عقل اپنے کام میں اس واسطے تشخیص صورت اور شکل اور رنگ اور مناسبت اعضا کی طول و قصر میں یا اور خصوصیات میں ہوسکتی ہے اور جس وقت کہ تمام جوارح اور اعضا رویت میں مصروف ہو جاویں اور استغراق کلی حاصل ہو تو اُس وقت تشخیص ان چیزوں کی ہرگز ممکن نہیں جیسے کہ دنیا میں کبھی کبھی فی الجملہ شرکت حواس وغیرہ کے دیکھنے سے بعضی محبوب چیزوں کے حاصل ہوتی ہے تو گویا کہ نمونہ اُس حالت کا نمودار ہوتا ہے حالانکہ اب بھی اُس استغراق اور اس استغراق میں زمین و آسمان کا فرق ہے آور جو بیان فرمایا کہ قیامت کے دن دل کے زنگ کی تاثیر دیدار کی دولت سے کہ سب لذتوں سے بڑی لذت ہے محروم رکھے گی تو گمان اس بات کا ہوا کہ زنگ آلودہ دلوں والے کہ مشغول لذات جسمانی اور گرفتار حرص و ہوائے نفسانی کے ہیں اس محرومی دیدار

اور بے نصیبی کو خیال میں نہ لاویں گے اور اس طرح کے عذاب کو آسان جانیں گے تو اس
واسطے بیان فرماتے ہیں کہ اُن دونوں کے حق میں فقط اسی قدر حرمان و ہجران پر اکتفا
نہ ہوگی بلکہ ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ ہ پھر بعد اس بات کے تحقیق یہ لوگ پیٹھیں گے
دہکتی آگ میں آور جلنا اُن کا اس آگ میں بہ سبب محروم ہونے کے دیدار کی لذّت سے
دونی تاثیر کرے گا کیونکہ اگر دیدار کی لذت پاتے تو دوزخ کی تکلیفوں کو وہ لذّت آڑے
آتی اور وہ تکلیفیں آسان معلوم ہوتیں سو منظور اُن پر زیادتی عذاب کی ہے اسی واسطے فقط
اُس داخل ہونے پر دوزخ کے بھی اُن کے حق میں اکتفا نہ کی ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِيْ
كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ پھر کہا جاوے گا یہ وہی دن ہے جس کا تم انکار کرتے تھے اور
جھوٹ جانتے تھے تاکہ عذاب عقلی اور حسی دونوں جمع ہو جاویں اور جس طرح سے اُن کا
بدن دوزخ کی آگ میں جلتا ہے اُن کی جان بھی اس جھڑکی اور خجالت سے کباب
ہو جاوے اور جب فجّار کی بد مآلی کے بیان سے فارغ ہوئے تو گمان اس بات کا تھا کہ
شاید کہ واقع ہونے کو جزا کے اور مکافات کو قیامت کے دن کی یہی ایک دفتر بدکاروں کا کفایت
کرے گا اور امتیاز بدکاروں اور نیکوکاروں میں اسی قدر ہو جاوے گا کہ اعمال بدکاروں کے
اُس دن اُن کو دکھا کر حقوق خلق اللہ کے اُن سے پھرا دیں گے اور نیکوکاروں سے کچھ بات
چیت درمیان میں نہ آوے گی اور وہ جو اُنھوں نے حقوق خلق اور خالق کے ادا کیے تھے
ظہور میں نہ آویں گے کیونکہ حقدار کا حق پہونچا دینے میں کچھ احسان نہیں ہوتا کہ اُس کے
بدلے متوقع جزا کے ہوں بس اُس کی جزا یہی بس ہے کہ سرزنش اور عتاب اور رنج و
عقاب سے سلامت رہیں سو اُس گمان فاسد کو بطور جواب سوال مقدر کے دفع کرتے ہیں
اور حقیقت حال کی ارشاد فرماتے ہیں کہ كَلَّا یوں نہ سمجھنا چاہیئے کہ مجازات اور مکافات
ہی پر بدکاروں کی اُس روز قناعت کی جاوے گی اور اُن کے مخالفوں کو اُن کے جلانے
کے واسطے طرح طرح کی نعمتیں اور سُرخ روئیاں عنایت نہ فرماویں گے بلکہ اُن کے مخالفوں
کو اُن کے سامنے قسم قسم کی نعمتوں سے سرفراز کریں گے اور اُن بدکاروں کو اُن کے
سامنے ایک ٹھٹھا بنا دیں گے تاکہ بدلہ اُن کی ہنسی ٹھٹھول کا کہ نیکوکاروں سے دنیا میں

کرتے تھے حاصل ہو کیونکہ اِنَّ کِتَابَ الْاَبْرَارِ لَفِیْ عِلِّیِّیْنَ ۝ تحقیق نیکو کاروں کے
اعمال نامے اور اُن کی اسم نویسی البتہ علیین کے دفتر میں ہے اور علیین جمع علی کی ہے
فعیل کے وزن پر کہ علو سے اشتقاق کیا ہے اور ہم وزن سجین کے ہے اور اس جمع کو
نیکوں کی ارواح کے قائم مقام نام کیا ہے تاکہ دلالت کرے وسعت اور کشادگی پر اس
مقام کی لیکن اعراب اُس کا جمع کے اعراب کے مانند ہے کیونکہ جمع کی صورت پر ہے
اگرچہ معنی اُس کے مفرد ہیں اور نکتہ مفرد مقرر ہونے میں سجین کے اور جمع ہونے میں علیین
کے یہ ہے کہ جو معنے میں سجین کے ضیق اور تنگی اور ازدحام واقع ہے تو اُس کے لفظ کو بھی
مفرد اختیار فرمایا کیونکہ ایک مکان بہت سی مخلوق جمع ہونے کی حالت میں تنگ اور
تاریک ہو جاتا ہے اور معنی میں علیین کے فراخی اور وسعت واقع ہے تو لفظ میں بھی اُس کے
جمع اختیار فرمائی گویا یوں ارشاد ہوا کہ مکان ہر نیک کی روح کا ایک مکان ہے بلند اور
فراخ اور سمجھ لیا چاہیئے کہ بلندی کو مکان کی فراخی اور وسعت اور مد نظر لازم ہے تو
مقابلہ علیین کا سجین کے ساتھ بہ اعتبار لغوی معنوں کے بھی درست ہوا کیونکہ دونوں کے
درمیان میں مقابلہ بالعرض متحقق ہوا اور مقام علیین کا ساتوں آسمانوں کے اوپر ہے اور
نیچے کا سرا اُس کا سدرۃ المنتہیٰ کے پاس ہے اور اوپر کا سرا اُس کا عرش مجید کے سیدھے
پائے کے متصل اور نیکوں کی ارواح ہیں قبض ہونے کے بعد وہاں پہونچتی ہیں اور مقربین یعنی
انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ وہیں رہتے ہیں اور عوام صلحا کو بعد اسم نویسی کے اور
اعمال ناموں کے پہونچنے کے موافق مرتبے کے کسی کو آسمان دنیا میں اور کسی کو زمین و آسمان
کے درمیان میں اور کسی کو چاہ زمزم میں رکھتے ہیں اور ان روحوں کو ایک علاقہ اپنی قبر
سے بھی ہوتا ہے کہ آنے سے زیارت کرنے والوں کے اور اقربا اور دوستوں کے مطلع
ہوتے ہیں کیونکہ روح کو قرب اور بُعد مکانی اس دریافت کو مانع نہیں ہوتا اور مثال اُسکی
انسان کے وجود میں روح بصری ہے کہ ساتوں آسمانوں کے ستاروں کو کنوئیں کے اندر سے
دیکھ سکتی ہے اور جو وہ مقام عقل میں بشر کی آنہیں سکتا جب تک کہ جناب الٰہی سے
آگاہی نہ ہو تو اسی واسطے تفسیر میں علیین بطور سوال و جواب کے ارشاد کرتے ہیں وَمَآ اَدْرٰىكَ

علیین کے لفظ کی تحقیق

مقام علیین کا بیان اور مومنوں کی روحوں کے مقام کا اور ان کے علم کا بیان

مَا عِلِّيُّوْنَ ؕ اور کیا بوجھا تو کہ کیا ہے علیین كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ؕ ایک دفتر ہے لکھا ہوا اور علامت کیا ہوا کہ جو شخص اُس کو دیکھے تو جان لے کہ اس دفتر والے بہشتی ہیں آور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ دفتر ایک زمرد سبز کی تختی پر کھدا ہوا ہے اور وہ تختی سیدھے پائے سے عرش معلٰے کے لٹکتی ہے اور پائین اُس کا سدرۃ المنتہیٰ تک پہونچا ہے اور وہ دفتر اللہ تعالےٰ کے خاص بندوں کے حوالے ہے چنانچہ فرماتے ہیں يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ حاضر رہتے ہیں اور گواہ ہوتے ہیں اس دفتر پر مقرب فرشتے کہ حاملان عرش اور خادمان کرسی ہیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ مراد ہو کہ حاضر ہوتی ہیں اُس مقام عالیشان میں ارواح مقربوں کی اہل کمال سے جیسے انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام ؒ آور ابرار کے حق میں اتنا فخر بھی بس ہے کہ اُن کے نام اُس مقام میں لکھے جاویں اور اعمال حسنہ اُن کے اُس دفتر والوں کے مقبول اور پسندیدہ ہوں اور یہاں پر سمجھ لیا چاہیئے کہ قرآن میں اہل نجات اور فلاح کو کئی سورتوں میں دو قسم سے یاد فرمایا ہے کبھی ابرار اور مقربین اُن دونوں کا نام رکھا ہے اور کبھی اصحاب الیمین اور سابقین فرمایا ہے آور اہل تحقیق اِن دونوں قسموں کی تحقیق میں اختلاف رکھتے ہیں بعضے کہتے ہیں کہ سابقین اور مقربین صاحب محبت ذاتیہ کے ہیں کہ محبت اُن کی اللہ تعالیٰ سے محض اُس کی ذات کے واسطے تھی اور ابرار اور اصحاب الیمین وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے محبت انعام کی توقع پر رکھتے تھے اور اسی قول کے قریب ہے وہ جو کہا ہے کہ مقربین اور سابقین فنا فی اللہ اور بقا باللہ والے ہیں اور ابرار اور اصحاب الیمین وہ لوگ ہیں کہ انوار اور طاعات اور اذکار سے منوّر ہوئے ہیں اور انشراح صدر پیدا کیا ہے لیکن ہنوز مرتبہ بقا اور فنا کا حاصل نہیں ہوا آور بعضے کہتے ہیں کہ ہر نیک عمل کے واسطے دو حدیں مقرر ہیں ایک تحتانی یعنی تلے کی اور ایک فوقانی یعنی اوپر کی پھر جس شخص نے ایک کام نیک کیا نہایت صدق اور خلوص نیت سے اور سب اُس کی شرطوں اور سنتوں اور آدابوں کی رعایت سے اور اُس عمل کے ثمرات کو یعنی اُس کے ثواب کو محفوظ رکھا بطلان اور حبط سے اور نقصان اجر سے اور ان سب باتوں کی رعایت پرلے درجے کو کی یہاں تک کہ حد فوقانی کو پہونچا تو وہ شخص مقربین

میں سے ہے اور جو اِس سے کمتر ہے اور اِن باتوں کی رعایت میں ورلے درجے میں پہلے
کی نسبت سے تو وہ ابراروں میں ہے اور اس تقریر سے ابرار اور مقربین کا جمع ہونا ایک
شخص میں باعتبار بعض اعمالوں کے سوائے بعض کے ہو سکتا ہے اور جو لفظ سے ابرار اور مقربین
کے اور اصحاب الیمین اور سابقین اور جو سنق سے ارشاد الٰہی کے کہ وصف اُن دونوں
گروہوں کا کیا ہے معلوم ہوتا ہے سو یہ ہے کہ ابرار اور اصحاب الیمین ایک جماعت ہیں کہ
ادا کرنے میں حقوق خلق اور خالق کے اور احسان کرنے میں لوگوں سے اور اعمال نیک اور
پسندیدہ میں کوشش کر کے قوت ملکیہ کو قوت بہیمیہ اور سبعیہ پر اپنی غالب کیا ہے
اور مقربین اور سابقین ایک جماعت ہیں کہ بطور جذب الٰہی کے ان صفتوں اور عملوں
کے سبب سے اُن کے پردے باطنی اُٹھ گئے ہیں اور شہود اتم یعنی حضوری پوری نصیب
ہوئی ہے اور سلوک ان کا ساتھ جذب کے منتہی ہو گیا ہے اور قرب حقیقی اپنے محبوب سے پیدا
کیا ہے واللہ اعلم۔ اور تحقیق حقیقت سجین اور علیین کے مقام کی جس طور سے کہ بعضے عارفوں
نے فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ کمال نوع انسانی کا موافق وسعت معرفت اور اُس کی تنگی کے اور
باعتبار تہذیب لطائف اور تحصیل انوار ملکیہ اور تکدر لطائف اور لحوق ظلمات بہیمیہ
اور سبعیہ کے عرض عریض رکھتا ہے کہ کسی اور نوع میں اس قدر عرض عریض ممکن
نہیں اسی واسطے کسی شاعر نے کہا **شعر** ولم ار امثال الرجال تفاوتوا لدی
الفخر حتی عد الف بواحد۔ پس کمال انسانی کی شکل کو مانند دائرہ وسیع کے خیال کیا
چاہیئے کہ مرکز اُس کا ادنےٰ مراتب انسانیہ کا ہے اور اعلیٰ اُس کا برابر عرش محیط کے وسعت
رکھتا ہے اور جو عالم غیب میں یہ شکل متخیل مثالی متحقق پیدا کی تو اُس دائرے کے محیط کا نام
علیین ہوا اور اُس کے مرکز کا نام سجین اور مقرر ہے کہ جو دائرے کہ مرکز کے قریب ہوتے ہیں
وہ نہایت تنگ اور چھوٹے ہوتے ہیں اُن دائروں سے کہ محیط کے قریب ہیں پس فجار کی
انسانیت کے مرتبے درجے بدرجے مرکز کے نزدیک ہیں اور ضیق اور تنگی میں مترقی اور ابرار
کی انسانیت کے مرتبے درجے بدرجے محیط کے قریب ہیں اور وسعت اور فراخی میں ایک
دوسرے سے زیادہ یہاں تک کہ نوبت اعلیٰ علیین کو پہونچی کہ مقام مقربین اور سابقین کا

ہے اور ابرار کو بھی تبعیت سے مقربین کی عبور روحانی اُس مقام پر حاصل ہوتا ہے لیکن رہنے کی جگہ اُن کی وہ مقام نہیں یہ عبور روحانی بعد جُدا ہونے روح کے جسم سے ایک تاثیر کریگا کہ روح کو اُن کی اُس مقام پر لے جاویں گے کہ اُس مقام کے رہنے والوں کے پیروں میں لکھ دیں گے اور جو احوال بیان کرنے سے ابرار کی ارواح کے بعد قبض ہونے روح کے کیا معاملہ اُن سے گذرے گا فارغ ہوئے تو اب اُن کے انجام کا حال کہ قیامت کے دن کیا ہوگا بیان فرماتے ہیں اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ ۙ تحقیق نیکو کار نعمتوں میں ہوں گے اور نعیم کا لفظ بہشت کی تمام موجود چیزوں کو شامل ہے حور اور قصور اور طعام اور شراب اور پوشاک اور سواری اور خادم خوبصورت اور مکان پاکیزہ اور دوسری جو جو نعمتیں کہ وہاں طیار ہیں سب کو شامل ہے اور علاوہ ان سب نعمتوں سے ایک یہ ہے کہ اُن کو وہاں پر سونے کے جڑاؤ تختوں پر بٹھائیں گے اور اُن تختوں پر موتیوں کے قبے کھڑے کیے جاویں گے کہ جنتی اُس کے اندر بیٹھے سب کچھ دیکھیں اور اُن کو کوئی نہ دیکھے چنانچہ فرماتے ہیں عَلَی الْاَرَآئِكِ یَنْظُرُوْنَ ۙ نیک لوگ سایہ دار تختوں پر بیٹھے دیکھتے ہیں اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ مومن کو بہشت میں سب نعمتوں سے وہاں کی بہرہ مند کریں گے برخلاف دنیا کے کہ حقتعالےٰ یہاں پر نعمتیں بعضے لوگوں کو دیتا ہے مگر لطف اُن نعمتوں کا اُن کو نصیب نہیں ہوتا جیسے بادشاہ مریض یا ضعیف الباہ کہ ہرگز نفیس کھانوں سے اور ستھری پاکیزہ باکرہ عورتوں کی صحبت سے کچھ کیفیت نہیں اُٹھا سکتا اور یہ بھی حدیث صحیح میں وارد ہے کہ ادنیٰ اور کم سے کم درجے کا وہ بہشتی ہوگا کہ اُس کو دنیا کے برابر مکان نعمتوں سے بھرا ہوا ملیگا اور مفعول کو یَنْظُرُوْنَ کے تعمیم کے واسطے حذف فرمایا ہے تاکہ اپنی نعمتوں کے دیکھنے کو جیسے حور اور قصور اور انہار اور اشجار اور دوسری بہشتیوں کی نعمتوں کو اور عذاب اور شدت دیکھنے کو دوزخیوں کے بھی شامل ہو اور منظور یہ ہے کہ تخت سایہ دار اِن کو سیر سے عالم بہشت اور دوزخ کے حاجب اور مانع نہ ہوں گے برخلاف دنیا کے تختوں کے کہ وہ بیٹھنے والے کو سیر و تماشے سے مانع ہیں آرائیکہ لغت میں اُس تخت کو کہتے ہیں کہ اُس پر قبے کے مانند سائبان بنا ہو اور منقش پردوں اور مرصع جھالروں اور آویزوں سے سجا ہو جس کو

ہندی لغت میں چھپرکھٹ کہتے ہیں اور عارفوں نے کہاہے کہ بہشت کے ارائک کہ نیکوں کو
نصیب ہوں گے اور جابجا قرآن مجید میں کمال مدح کے ساتھ اُن کا ذکر آیا ہے سو وہ نمونہ
ہیں نیکوں کے مقامات کے اسمائے الٰہیہ سے کہ دنیا میں اُن کا ہونا ان مقاموں میں آنکھ
اور عقل سے خلق کی پوشیدہ تھا اور وہ اس مقام پر ٹھہر کر تمام مرتبوں کو وجود کے وہاں
سے سیر کرتے تھے تَعْرِفُ فِیْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِیْمِ ۚ معلوم کرے گا تو اے دیکھنے
والے چہروں میں اُن کے تازگی نعمتوں کی حاصل یہ کہ دوزخیوں کا حال دیکھنے سے کچھ
اُن کو ملال اور غبار خاطر اور تغیر چہرے کا ظاہر نہ ہوگا کیونکہ اپنے دشمنوں کا اپنی آنکھوں کے
سامنے ذلیل ہونا تو اور بھی فرحت اور خوشی کی بات ہے اسی واسطے نشانیاں سرور اور بہجت
کی چہروں میں اُن کے ہمیشہ نظر آویں گی یُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِیْقٍ پلائے جاویں گے خالص
شراب کہ محبت الٰہی کا نمونہ ہے اور دنیا میں اُس کو اپنے دل میں جگہ دی تھی شراب کے
مانند قوی اور روحوں میں اُن کی سرایت کی تھی اور وہ محبت خالص محبت تھی کہ اُس کے
ساتھ ہوائے نفسانی اور معاصی کی محبت کی آمیزش نہ تھی اور شراب بہشت کی
اکثر نہروں اور چشموں میں جاری ہوگی جیسے کہ دوسری سورتوں میں مذکور ہے تو اُس
تصریح شراب سے احتراز کے واسطے کہ ہاتھ ہر خاص و عام بہشتی کا اس میں پڑتا ہے
ایک دوسری قید کو اُس میں بڑھاتے ہیں مَّخْتُوْمٍ یعنی وہ شراب خالص مُہر کی گئی
ہے اور عام شرابوں سے ممتاز اور جُدی ہے اور بھید مختوم ہونے میں اُس شراب خالص
کے کہ نمونہ محبت الٰہی کا ہے یہ ہے کہ وہ محبت باوجود کمال غلو اور ہیجان کے کہ عشق کے
مرتبے سے کوسوں بڑھ گئی تھی تو بھی شرع کی مہر سے مختوم تھی اور احکام الٰہی کی مہر کے نیچے
محفوظ ہرگز محبتیں وہمیہ محرمہ اور شہوات نفسانیہ منہیہ اور نجاسات شیطانیہ اس محبت
سے کچھ آمیزش نہیں رکھتی تھیں اور عجائبات سے اُس شراب مختوم کے ایک یہ بات ہے
کہ دنیا کی شراب کے شیشوں کو بھی جو اُن کی احتیاط منظور ہوتی ہے تو مہر کر دیتے ہیں لیکن
جس چیز سے کہ مہر کرتے ہیں تو وہ مٹی یا موم یا لاکھ وغیرہ ہوتی ہے اور نیکوں کی مختوم شراب
کا وصف یہ ہے کہ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ۭ یعنی جس چیز کی کہ اُس پر مہر کی ہے وہ مشک ہے

تاکہ خوشبو مُشک کی شیشہ لیتے ہی دماغ میں بس جاوے اور دماغ کو خوش کردے
اور جس مشک کی کہ اُن پر مُہر کی جاوے گی وہ نمونہ حکم شرع کا ہے ساتھ اُن مباح چیزوں
کے کہ نیکوں کے دلوں کی قوت دینے والیں اور اُن کی خاطر کو خوش کرنے والیں اور
اُن کے ذوق وشوق کی بڑھانے والیں دنیا میں تھیں وَفِیْ ذٰلِكَ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ
اور اس قسم کی شراب میں کہ نمونہ اور مثال اس قسم کی نفیس شے کا ہے چاہیئے کہ رغبت کریں
رغبت کرنے والے نہ ایک مُٹھی جَو یا گیہوں میں کہ لوگوں کا حق ناپ اور تول میں گھٹا کر لیں
کہ اس کو اس سے کچھ نسبت نہیں اور بعضے مفسروں نے ختام کو ختم اور انتہا کے معنی میں
ٹھہرایا ہے اور اسی کے موافق اس حدیث شریف میں جو ابو الدرداؓ سے مرفوعًا ثابت ہوئی
ہے وارد ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ پچھلی شراب بہشتیوں کی
مسک ہے اور مسک ایک شراب کا نام ہے کہ سفید ہے جیسے چاندی کے پترا گر کوئی
دنیا کا شخص اُس میں ہاتھ ڈبو کر پھر نکالے تو تمام جاندار دنیا کے اُس کی خوشبو سے مست
ہو جاویں ظاہر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس خالص شراب کا پچھلا پیالہ بہشتیوں کے لیے
ہوگا اس واسطے اس کا نام مسک رکھا ہے کہ مسک حار دواؤں میں سے ہے کہ ہاضمہ کی
مددگار ہوتی ہے غذا کے ہضم کرنے میں اور مُنھ میں خوشبو پیدا کرتی ہے اور بار دیگر جلد
اشتہا پیدا کرتی ہے اور وہ شراب کہ بہشتیوں کی شراب کی مجلس کا ختم اس پر ہوگا
وہ بھی یہی کام کرے گی اور جو بعضے اوقات شراب میں کچھ ملانا بھی اہل مجلس کو منظور ہوتا ہے
تو اس واسطے فرماتے ہیں کہ شراب خالص کو جب چاہیں گے کہ کسی اور چیز سے ملا کر پئیں تو
بھی ہو سکے گا وَمِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِیْمٍ اور ملونی اُس کی تسنیم ہوگی اور تسنیم لغت میں
اُس چیز کو کہتے ہیں کہ شربت پر خوشبو یا ذائقے کے واسطے جیسے گلاب یا بید مشک یا
کچھ اور اُس کے مانند ملا دیں اور تسنیم ماخوذ سنام سے ہے کہ اونٹ کے کوہان کے
معنوں میں ہے کیونکہ ایسی چیزوں کے ڈالنے سے شراب کے برتن میں بُلبلے اُٹھتے ہیں
کہ اونٹ کے کوہان کے مانند معلوم ہوتے ہیں اور مراد تسنیم سے اس جاۓ پر ایک چشمہ
ہے بہشت میں کہ سب قسموں کی شراب سے بہتر اور لذیذ ہے اور مقربین اور سابقین کو

اس چشمے سے خالص پلاویں گے اور ابرار اور اصحاب الیمین کو بطور گلاب اور بید مشک کے ملا کر دیں گے اور بعضی روایات میں مروی ہے کہ تسنیم برخلاف دوسرے چشموں کے ہوا میں جاری ہوگا نہ بہشت کی زمین پر اور بھید اس کا یہ ہے کہ وہ چشمہ نمونہ محبّت ذاتیہ الٰہیہ کا ہے کہ بے تعین محل اور صورت کے بلکہ بے تشخیص حال اور صفت کے ارواح کو مقربین کی فریفتہ کر دیا ہے اور کہتے ہیں کہ وہ چشمہ عرش کے نیچے سے ابلتا ہے اور مقربین کے مکانوں کے صحنوں میں بہتا ہے چنانچہ اس کے حال میں ارشاد فرماتے ہیں عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ یعنی مراد ہماری تسنیم سے چشمہ ہے کہ پیتے ہیں اس سے مقرب لوگ حاصل کلام کا یہ ہے کہ مقرب لوگ اس چشمے کی شراب کو خالص پیتے ہیں اور ابرار کو اس شراب سے بطور گلاب کے ملا کر دیتے ہیں اس واسطے کہ مقرب مشغول طرف ماسوائے اللہ کے نہیں ہوئے ہیں اور حق کی محبت کو غیر کی محبّت میں ملایا نہیں برخلاف ابرار کے کہ محبت اُن کی فعلوں اور صفتوں کے سبب سے تھی اور جو ابرار کے تنعم کے مذکور میں اُن کی شراب نوشی کا بھی ذکر فرمایا تو اس کے نکتے کو بھی ارشاد فرماتے ہیں اور تفصیل اس نکتے کی یہ ہے کہ حق تعالٰے کو اُس روز بدلہ لینا کفار سے ہنسی ٹھٹھول کا کہ اُس کے بندوں سے دُنیا میں کرتے تھے منظور ہو گا اور وہ خاص بندے خدا کے بہ سبب کمال تمکین اور وقار کے اس بات کا بدلہ لینے میں توقف کریں گے ناچار اُن کو ایسی شراب کے جام پلا کر سرشار کر دیں گے کہ اُس کی فرحت سے البتہ اس تمکین اور وقار میں کچھ فرق ہو جاویگا اور انتقام اپنے تمسخر اور ٹھٹھول کا اُن سے لیں گے چنانچہ فرماتے ہیں اِنَّ الَّذِیْنَ اَجْرَمُوْا مقرر جو لوگ گناہ کرتے تھے دنیا میں جیسے انکار آیات الٰہی کا اور خلق کے حقوق کا اور کم کرنا ناپ اور تول میں كَانُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یَضْحَكُوْنَ ۝ ہنسی ٹھٹھول کرتے تھے اُن لوگوں سے جو ایمان لائے تھے اور کہتے تھے کہ اس گروہ کو کیا خیال فاسد دامنگیر ہوا ہے کہ آنکھوں دیکھی لذتوں کو خیالی لذتوں کی توقع پر چھوڑتے ہیں اور فقط اتنی ہنسی پر بھی اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ وَاِذَا مَرُّوْا بِهِمْ یَتَغَامَزُوْنَ ۝ اور جب گزرتے تھے ان مسلمانوں پر تو آپس میں سینیں مارتے تھے کہ یہ گروہ وہی بے عقل اور احمق ہیں کہ

اپنے کو نقد لذتوں سے خیال پر بہشت کے جو موہوم ہے محروم رکھا ہے وَاِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمُ اور جب لوٹ کر جاتے تھے یہ کافر اپنے گھر والوں میں اور وہاں پر مجمع طرح طرح دنیاوی لذتوں کا دیکھتے تھے جیسے عورتیں خوبصورت اور لڑکے مرغوب اور لڑکیاں محبوب اور فرش نفیس اور برتن مکلف اور کھانے لذیذ اور پانی سرد خوشبودار تو جانتے تھے کہ یہ چیزیں ہمکو اس عقیدے سے حاصل ہوئی ہیں کہ ہم جزا کے روز کا اعتقاد نہیں رکھتے اور کچھ خوف اور ڈر اُس روز کا ہمارے دل میں نہیں اور مسلمان نیکوکاران لذتوں سے اسی سبب سے محروم ہیں کہ توقع پر بہشت کی موہوم نعمتوں کے اور خوف سے دوزخ کے خیالی عذابوں کے ان لذتوں سے دست بردار ہیں تو مثال اُنکی ایسی ہے جیسے مجنوں کہ اپنے خیال فاسد کے سبب سے غذاؤں لطیف فائدہ مند سے ڈرتا ہے اور پرہیز کرتا ہے انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ ۝ پھرتے تھے باتیں بناتے اور خوش طبعی کرتے وَاِذَا رَاَوْهُمْ اور جب دیکھتے تھے مسلمانوں کو کہ اپنی جان کو مشقت میں طاعت اور عبادت کے گلاتے ہیں اور اچھی پوشاک نہیں پہنتے اور کھانا خشک بے مزہ کھاتے ہیں اور گرمی کے دنوں میں روزہ رکھتے ہیں قَالُوْٓا اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ ۝ کہتے تھے کہ تحقیق یہ لوگ البتہ راہ بھولے ہوئے ہیں کہ موہوم لذتوں کو موجود لذتوں پر ترجیح دیتے ہیں اور بیحاصل مشقتوں کا کمالات حقیقی نام رکھا ہے وَمَآ اُرْسِلُوْا عَلَيْهِمْ حٰفِظِيْنَ ۝ اور نہیں بھیجے گئے ہیں وہ کافر مسلمانوں پر نگہبان کہ اُن کو نیک راہ سے پھرنے نہ دیں اور ہر مجلس اور مجمع میں اِن کا پیچھا کریں اور طعن و تشنیع کرتے رہیں اور یہ کافر اس درجے کو اس کام میں تعدّی کرتے ہیں کہ اوّل تو ہنستے ہیں اور بعد اُس کے غمزے اور اشارے کرتے ہیں بعد اُسکے غائبانہ اُن کے اوپر پھبتیاں بولتے ہیں اُس کے بعد مُنھ بہ مُنھ گمراہ کہتے ہیں اور وجہ ان چاروں حالوں کی اس ترتیب کے ساتھ یہ ہے کہ جب کسی شخص کو کسی شخص کی کوئی حرکت ناپسند آتی ہے تو اُس پر حقارت کی راہ سے ہنستا ہے اور جب اُس سے زیادہ نفرت ہوتی ہے تو اپنے ہم مشربوں کو بھی چشم و ابرو سے بتاتا ہے تاکہ اہانت اور حقارت کرنے میں اُس حرکت والے کی شریک ہوں اور جو تنفر نہایت کو پہونچتا ہے تو غائبانہ بھی اُس حرکت والے پر لطیفے

اور پھبتیاں کہتا ہے اور خوش طبعیاں کرتا ہے تاکہ تنفر اور امانت کا حق ادا کرے اور جب بات تنفر سے بھی گذر گئی تو منھ بہ منھ ساتھ حماقت اور جہالت اور گمراہی کے نسبت کرتا ہے اس واسطے اس ترتیب کی ان آیتوں میں رعایت رکھی ہے اور کافروں کے اس ظلم بیان کرنے کے بعد مسلمانوں کو ارشاد ہوتا ہے کہ یہ ظلم بھی اُن کا رائگاں نہ جاوے گا بلکہ جزا کے روز اس قسم کے ظلم کا بھی انتقام لیں گے فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سو آج کے دن کہ جزا کا روز ہے جو لوگ کہ ایمان لائے تھے اور کمالات حقیقی کو ساتھ قوت ایمانی کے لذت انسانی پر ترجیح دے کر اختیار کیا تھا وہ مِنَ الْكُفَّارِ کافروں سے کہ کمالات کے منکر تھے اور کمال کے حاصل کرنے کو دنیا کی فانی لذتوں میں منحصر جانتے تھے يَضْحَكُوْنَ ہنستے ہیں کہ یہ لوگ کیا کوتاہ اندیش اور احمق تھے کہ کس فانی خسیس چیز کو کس نفیس باقی رہنے والی چیز پر ترجیح دی تھی اب دوزخ میں کس طرح سے عذاب میں اور طوق و زنجیروں میں جکڑے گئے ہیں اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ کافروں کو دوزخ میں ایک دروازہ بہشت کی طرف کھول دیں گے اور دوزخ کے دربان کہیں گے کہ ہاں جلد آؤ بہشت میں وہ گرتے پڑتے طوق و زنجیروں میں جکڑے ہوئے اُس دروازے کی طرف جاویں گے جب قریب پہونچیں گے تو اس دروازے کو بند کر دیں گے اور دوسری طرف کا دروازہ کھول دیں گے اور کہیں گے اس دروازے سے جاؤ تو اس دروازے کی طرف جانے کا ارادہ کریں گے اور آگ کے پہاڑوں پر گرتے پڑتے گزریں گے اور جب نزدیک پہونچیں گے تو اس کو بھی بند کر دیں گے علیٰ ہذا القیاس اُن کو دوزخ میں اِن حیلوں سے سرگرداں اور پریشان کریں گے اور مسلمان جب بہشت میں سے یہ حالت اُنکی دیکھیں گے تو ہنسیں گے لیکن باوجود ایسے بُرے حال دیکھنے کے کہ ہنسی کے سبب ہیں اُن کو تمکین اور وقار مانع آوے گا اور حد سے ہنسی اور مسکرانے کی تجاوز نہ کریں گے اور کافروں کی طرح سے کہ دنیا میں چشم و ابرو سے غمازی کرتے تھے اور غائبانہ پھبتیاں کہتے تھے اور منھ بہ منھ گمراہ بولتے تھے یہ بات اُن سے ہرگز ظہور میں نہ آوے گی بلکہ باوجود ایسا حال دیکھنے کے کہ موجب کمال ہنس پڑنے اور لوٹ جانے کا ہے چنانچہ اکثر لوگ اس قسم کے تماشوں کے

واسطے دوڑتے ہیں اور دُور دُور جاتے ہیں وہ لوگ اپنے مکانوں سے جنبش نہ کریں گے بلکہ عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ۝ اپنے سایہ دار تختوں پر بیٹھے دیکھتے اور آپس میں کمال تمکین اور وقار سے پوچھتے ہیں هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝ کیا سزا پائی ان کافروں نے اپنے کاموں کے عوض اس کی جو دنیا میں کرتے تھے جیسے غمزے اور ٹھٹھے کرنا اور پھبتیاں کہنا اور گمراہ نام رکھنا

سُوْرَةُ الِانْشِقَاقِ

سورۂ انشقت مکی ہے اس میں پچیس آیتیں اور ایک سو نو کلمے اور چار سو تیس حرف ہیں اور ربط اس سورۃ کا سورۂ مطففین سے ابتدا سے انتہا تک ظاہر ہے کہ دونوں سورتوں کے مضمون اور معنی قریب قریب ہیں جیسا کہ اس سورۃ میں وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ واقع ہے اور اس سورۃ میں يَدْعُوْا ثُبُوْرًا اور اس سورۃ میں اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ اور اس سورۃ میں اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ يَّحُوْرَ اور اس سورۃ میں يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اور اس سورۃ میں فَمُلٰقِيْهِ اور اس سورۃ میں مذکور ہے کہ اعمال نامے نیکوں کے اور بدوں کے بعد ان کے مرنے کے دفتر میں علیین اور سجین کے داخل ہوں گے اور اس سورۃ میں بھی نیکوں اور بدوں کے اعمال ناموں کا مذکور ہے کہ بعد حشر کے سیدھے یا اُلٹے ہاتھوں میں دیں گے اور اس سورۃ میں تکذیب قرآن کی کہ کافر کرتے تھے اس عبارت سے مذکور ہے وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اور اس سورۃ میں اس عبارت سے مذکور ہے وَاِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا يَسْجُدُوْنَ اور اس سورۃ میں اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ واقع ہے اور اس سورۃ میں يَصْلٰى سَعِيْرًا اور اس سورۃ میں اہل نجات کے حق میں تعرف فی وجوھھم نضرۃ النعیم واقع ہے اور یہ بھی ہے کہ فالیوم الذین اٰمنوا من الکفار یضحکون اور اس سورۃ میں وینقلب الیٰ اھلہ مسرورًا اور اس سورۃ میں کافروں کے حق میں بہ نسبت مسلمانوں کے مذکور ہے کہ کانوا من الذین اٰمنوا یضحکون واذا انقلبوا الیٰ اھلھم انقلبوا فکھین

آور اس سورۃ میں انہ کان فی اہلہ مسرورا اور علی ہذا القیاس مناسبت کلی بعد تامل کے ظاہر ہوتی ہے آور اس سورۃ کا نام سورۂ الشقت اور انشقاق اس جہت سے رکھا ہے کہ اوّل میں اس کے پھٹنا آسمانوں کا حکم الٰہی سے قیامت کے دن مذکور ہے اور یہ واقعہ ایک بڑی محبت ہے آدمی پر کیونکہ جو آسمان باوجود اس بڑے پن اور بلندی کے کہ رکھتا ہے اس امر شاق کو بمجرد حکم اپنے پروردگار کے بغیر توقع ثواب اور خوف عذاب کے بجالا یا پھر آدمی کہ نہایت پست اور ذلیل بنا ہے آسان سے کام کو اللہ تعالیٰ کے کہ کچھ اتنا سخت اور بھاری نہیں ہے باوجود ثواب کے توقع اور عذاب کے خوف کے کیوں قبول نہ کرے اور بجا نہ لاوے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِذَا السَّمَآءُ انۡشَقَّتۡ ۙ جس وقت آسمان پھٹ جاوے حضرت امیر المؤمنین مرتضےٰ علی کرم اللہ وجہہٗ سے مروی ہے کہ پھٹنا آسمان کا کہکشاں کے مقام سے واقع ہوگا آور وجہ اُس کے پھٹنے کی اُس روز یہ ہے کہ فرشتے مؤکل دروازوں پر آسمان کے کہ روزی رزق اُتارنے کو بندوں کے اور اوپر لے جانے کو اُن کے اعمال کے مقرر ہیں اپنے کام سے فراغت کر کے اُتریں گے آور دوسرے فرشتے کہ رہنے والے آسمانوں کے ہیں صفیں باندھکر گرداگرد محشر کے کھڑے ہوجاویں گے اور تجلی قہر الٰہی کی اُس روز عرش معلّے پر غلبہ کر کے اُسکو نیچے کی جانب حرکت دے گی تو اُس تجلی کے صدمے سے اور عرش معلّے کے بوجھ سے آسمان کے اجزا پاش پاش ہوجاویں گے آور یہ بھی ہے کہ منظور اُس وقت خراب کرنا اس عالم کا اور تعمیر کرنا دوسرے عالم کا ہے اور نئے مکان کی تعمیر بغیر پُرانے مکان کے توڑنے پھوڑنے کے ہو نہیں سکتی اور یہاں سمجھ لیا چاہیئے کہ آدمی دو چیز سے مرکب ہے۔ روح اور جسم منشا اس کی روحانیت کا آسمان ہے کیونکہ نفس ناطقہ اُس کا نفوس سماوی سے ماخوذ ہے اور اُن سے کلی مشابہت رکھتا ہے اور روح ہوائی کہ مرکب نفس کے ساتھ ہے اور لحمی بدن میں دائر و سائر ہے سو اُس کا جوہر بھی آسمان کے جوہر سے مشابہت کلی رکھتا ہے کہ پھٹنے چرنے ٹوٹنے پھوٹنے کے قابل نہیں ہے اور ہر چند کہ مرض

اور بڑے بڑے صدمے اُٹھاتی ہے لیکن بالکل فنا نہیں ہوتی انتہا اُس کی فنا کا یہ ہے کہ
بدن سے جُدا ہو جاتی ہے پھر بھی روحوں کے مُوکلوں کے پاس محفوظ اور مامون رہتی ہے
اور روح کی سعادت اور شقاوت کا سبب کہ اُس کو عُرف میں بخت کہتے ہیں اور طالع
کے ساتھ بھی منسوب کرتے ہیں تو یہ بھی اوضاع حرکات آسمانی سے اور اُس کے ستاروں
سے ماخوذ ہے اور غذا روح کی اور اُس کے مرضوں کی دوا کہ شریعت اور طریقت ہے وہ بھی
آسمان سے نازل ہے پس انشقاق آسمان کا دلیل قوی اور برہان ظاہر ہے اس بات پر
کہ آدمی کی روحانیت کو اطاعت اور رام سے اپنے پروردگار کے چارہ نہیں ہے اس واسطے
کہ معدن اور ارکان اِس کا کہ آسمان ہے باوجود اس عظمت اور بلندی کے کہ رکھتا ہے
لیکن اللہ کی فرمانبرداری سے نکل نہیں سکتا اور پھٹنا آسمان کا اُس روز بسبب ضعیف
ہونے اُس کی بنیاد کے نہ ہوگا جیسا کہ ٹوٹنا دنیا کی عمارتوں کا اور اس جہاں کی بنی ہوئی
چیزوں کا ہوتا ہے بلکہ اُس کو کمال قدرت اور متانت اور عظمت کی حالت میں کہ رکھتا ہے
حکم اللہ تعالےٰ کا اُس کے پھٹ جانے کے واسطے پہونچا وَاَذِنَتۡ لِرَبِّهَا اور کان رکھے
اس آسمان نے اور فرمانبردار ہو گیا حکم ماننے کو اپنے پروردگار کا اور قبول کرنے سے اِس
حکم کے کہ نہایت شاق تھا سر نہ پھیرا اور یہ فرمانبرداری کہ اُس سے واقع ہوئی سو اِس قسم
سے نہیں ہے کہ اُس کی عظمت اور بلندی کو مانع ہو بلکہ یہ تذلیل لائق اور سزاوار اُس کی
عظمت کے تھی وَحُقَّتۡ ۚ اور وہ آسمان لائق اُس کی تابعداری اور فرمانبرداری کے تھا
وَاِذَا الۡاَرۡضُ مُدَّتۡ ۚ اور جس وقت کہ زمین کھینچی جاوے گی کہ لمبی اور چوڑی ہو جاوے
اور اُس مجمع عظیم کے واسطے کہ ساتوں آسمانوں کے فرشتے اور حاملان عرش اور طرح
طرح کی مخلوقات جن وانس اور جانور اولین وآخرین کے سب اُس وقت جمع ہوں گے
اور زمین پر کھڑے ہوں گے کہ سب کو گنجایش کرے اور دوسرے کھینچنا زمین کا اس
سبب سے بھی ہوگا کہ بلندی اور پستی اور عمارتیں اور پہاڑ سب برابر ہو جاویں گے کہ
کھڑے ہونے والوں کے واسطے وہاں اونچا نیچا نہ ہو اور کوئی چیز آپس میں ایک دوسرے
کی آڑ اوٹ نہ ہو اور ایک کا حال دوسرے پر ظاہر رہے جیسے کہ فرش اور بچھونوں میں

نظر آتا ہے کہ کھینچنے اور تاننے کے سبب سے دو فائدے معًا حاصل ہوتے ہیں ایک تو
وسعت اور فراخی دوسرے ہمواری اور جو زمین کہ منشا انسان کے جسم کا ہے اور اُس کا جُزو
غالب ہے اور غذا اور منفعتیں دوسری طرح کی بھی اس کو زمین سے پہونچتی ہیں پس
فرمانبرداری اس کی خدائے تعالےٰ کے حکم کو دلیل قوی ہے اِس بات پر کہ آدمی اپنے
تمام اعضا اور رگ و ریشے سے اپنے مطیع اور فرمانبردار حکم الٰہی کا ہو وَاَلْقَتْ مَافِیْهَا
اور اُگل دے گی زمین کھینچنے کے سبب سے جو اُس میں ہے مُردوں کے اجزا اور خزانے اور
دفینے اور کانیں تا حشر آدمیوں کا اُن کے تمام اجزا سے حاصل ہو اور منفعتیں زمین کی کہ اُس پر
جنگ و جدال اور ضرب و قتال کرتے تھے اور ایک دوسرے کی حق تلفی کرتے تھے کمال ذلیل
اور بے قدر اُن کی نظروں میں ظاہر ہوں وَتَخَلَّتْ ہ اور خالی ہو جاوے گی زمین اُن چیزوں
سے جو اُس سے متعلق ہیں اعمال آدمیوں کے تاکہ جزا موافق اُس کے ٹھہر جاوے آور زمین کو
اِس اُگل دینے اور خالی ہو جانے میں کچھ عوض یا ضرر یا نفع دینا کسی کو منظور نہیں بلکہ فرمان
الٰہی اُس کو اسی کام کرنے کو پہونچا ہے وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ہ اور کان رکھے زمین
نے اپنے پروردگار کے حکم پر اور فرمانبردار ہوئی اور لائق بھی اس فرمانبرداری کے تھی
آور یہاں پر یہ سمجھ لیا چاہیئے کہ اکثر عوام گمان کرتے ہیں کہ یہ آیت مکرر ہے اور حال یہ ہے
کہ یہ بات یوں نہیں ہے بلکہ اوّل بار آسمان کے واسطے ہے اور دوسری بار زمین کے واسطے
تو ہرگز تکرار نہ ہوئی آور جزا شرط کی محذوف ہے یعنی جو آسمان ایسا فرمانبردار ہو جاوے اور
زمین ایسی تابعداری کرنے لگے تو اے آدمی تجھ پر الزام صریح لاحق ہوگا اور حجت قائم کیجاویگی
کہ تو نے کس واسطے حکم اپنے پروردگار کا روح اور جسم سے قبول نہ کیا اور امر الٰہی کی مخالفت
میں عمر گذاری چنانچہ الزام حجت کے بیان کرنے کے واسطے ظاہر کرکے فرماتے ہیں یَآاَیُّهَا
الْاِنْسَانُ اے آدمی تو کچھ آسمان سے بڑا اور اونچا نہیں ہے اور نہ زمین سے زیادہ سخت
ہے کہ اپنے پروردگار کے حکم کو قبول نہ کرے اور اُس کے حکم کی اطاعت بجا نہ لاوے حالانکہ
حکم اللہ تعالےٰ کا تیرے حق میں بہت آسان ہے اور اُن دونوں کے حق میں شاق اور گراں
ہے اور اُن دونوں نے باوجود گرانی اور سختی کے فرمانبرداری کی اور سر نہ پھیرا اور علاوہ

اس کے یہ بھی ہے کہ جو حکم کہ آسمان و زمین پر ہو گا سو اُس میں کچھ عذاب اور ثواب نہیں
اور جو حکم کہ تیرے حق میں آیا ہے اُس کے ساتھ ثواب اور عذاب کی بھی توقع ہے کہ آسمان
اور زمین کو ہرگز اُس کی اُمید نہیں کیونکہ اِنَّکَ کَادِحٌ اِلٰی رَبِّكَ بیشک تو کوشش
کرنے والا ہے کہ قرب حاصل کرے اپنے پروردگار کا کَدۡحًا کمال مشقت سے کیونکہ
تجھ کو استعداد وصول کی دی ہے اور اُس کی دُھن تیرے دماغ میں رکھی ہے برخلاف
آسمان و زمین کے کہ نہ اُن میں استعداد وصول کی ہے اور نہ اُن کو اُس کے حاصل
کرنے کا خیال آور یہ وصول موعود اور دیدار بے پردہ کہ اُس کی فکر حصول میں تو لگا ہے
محض خیال نہیں ہے کہ دنیا میں تو خوشش تھا بلکہ لاکلام ہونے والا ہے چنانچہ فرماتے
ہیں فَمُلٰقِیۡهِ پھر ملاقات کرنے والا ہے تو اپنے پروردگار سے بے پردہ خیال اور
ادراک کے بغیر حجاب نمونہ اور مثال کے پس تجھ کو تابعداری اللہ تعالےٰ کے امر کی اس قدر
درکار ہے کہ کسی مخلوق کو اس قدر درکار نہیں کیونکہ اُس روز عین ملاقات اور حضوری
کے وقت تو شرمندگی نہ اُٹھاوے اور ندامت نہ کھینچے کہ اُس روز قوت اور ضعف تیرا
سعی میں قرب کے مرتبے کے حاصل کرنے میں ظاہر ہو جاوے گا اس طور سے فَاَمَّا
مَنۡ اُوۡتِیَ کِتٰبَهٗ پھر جس شخص کو دیا جاوے گا نامۂ اعمال اُس کا اپنے پروردگار کی
ملاقات کے وقت کہ اُس نامے میں سعی جمیل اُس کی اور اطاعت اور فرمانبرداری اُسکے
حکموں کی لکھی ہے تاکہ بالکل اُن چیزوں کا جو اُس کے شوق میں بجالایا تھا موجب اُسکے
سرور و لذت کا ہو اور جانے کہ سعی میری ٹھکانے لگی بِیَمِیۡنِهٖ سیدھے ہاتھ میں اُسکے
علامت نجات اور رضامندی کی ہے کیونکہ سیدھا ہاتھ اکثر اُلٹے ہاتھ سے غالب ہوتا
ہے اور اُس شخص نے کہ اطاعت اللہ تعالیٰ کے فرمان کی کی تو اپنے نفس کی خواہش پر
غالب آیا اور ایک قوت عظیم پیدا کی اور نیکیوں نے اُس کی بدیوں پر غلبہ کیا فَسَوۡفَ
یُحَاسَبُ پس بعد دینے اعمال نامے کے سیدھے ہاتھ میں حساب کیا جاوے گا بُرے
کاموں پر کہ مغلوب اور تھوڑے سے رہ گئے تھے حِسَابًا یَّسِیۡرًا آسان حساب حدیث
شریف میں آیا ہے کہ اُمّ المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ یارسول اللہ حساب

یسیر کیا ہے تب رسول اللہؐ نے فرمایا کہ حساب یسیر وہ ہے کہ بندے کے نامۂ اعمال اُس کو
دکھاویں گے اور آواز آوے گی کہ اے میرے بندے مسلمان جو تو نے بندگی کی سو میں نے
قبول کی اور جو تو نے خطا کی سو میں نے بخشدی اور کسی بات کے واسطے کہا نہ جاوے گا کہ جو
باتیں کرنے کی تھیں سو تو نے کیوں نہ کیں اور جو نہ کرنے کی تھیں سو کیوں کیں فَاَمَّا مَنْ
نُوْقِشَ فِی الْحِسَابِ عُذِّبَ یعنی پھر جس شخص کے واسطے تکرار اور پوچھ پاچھ ہوئی تو
وہ شخص آفت میں پڑا اس واسطے کہ اُس وقت کوئی عذر گناہ کا نہیں رکھتا ہے اور گناہ
سے خالی نہیں ہے اور یہ بھی حدیث صحیح میں وارد ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم
ایک روز فرماتے تھے کہ جس شخص سے حساب لیا جاوے گا اُس کو عذاب بھی ہوگا حضرت اُم المومنین
عائشہؓ نے عرض کیا کہ خدائے تعالیٰ تو فرماتا ہے فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا اور اس
آیت سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعضے آدمی حساب کے بعد نجات پاویں گے آنحضرت صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ حساب نہیں ہے محض عملوں کا دکھانا ہے کہ تو نے یہ کچھ کیا اور ہم نے
عفو کیا اور فلانے فلانے کام نہیں کیے اور ہم نے درگذر کی لیکن مراد میری یہ ہے کہ جس شخص
کے واسطے پوری پوری پوچھ ہوگی تو وہ ہلاک ہوگا وَیَنْقَلِبُ اِلٰٓی اَھْلِهٖ مَسْرُوْرًا اور پھریگا
اپنے اہل کی طرف خوش ہو کر نہ اُس کو خوف عذاب کا رہے گا اور نہ خجالت جھڑکی اور غصے
کی لاحق ہوگی بلکہ نجات کی خوشی اہل وعیال کے ملنے کی خوشی کے ساتھ مل کر ایک عجیب راحت
اُس کو نصیب ہوگی کہ کوئی کیفیت برابری اُس کی کر نہیں سکتی اور مراد اہل خانہ سے اُس کے
حوریں ہیں اور دنیا کی عورتیں جو اُس کے نکاح میں تھیں اور بہشت میں ملیں گی اور دوسرے
ناتے رشتے والے کہ حشر میں اُس کے حساب وکتاب کی اطلاع کے واسطے منتظر کھڑے ہونگے
اور یہاں سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ بندے میں دو غم جمع نہیں کرتا جو کوئی کہ دنیا میں دین کا
غم کرے گا تو اُس روز خوش ہوگا اور لفظ سَوْفَ کا کہ دلالت تراخی اور تاخیر پر کرتا ہے اشارہ
اس بات کی طرف ہے کہ اول اعمال نامے نیکی کے اُس کو دکھا کر خوش وقت کریں گے اور
بہت سی مہلت کے بعد اُس کو بدیوں پر اطلاع دیں گے تاکہ اول ہی بار بدیوں پر اطلاع
دینے سے شرمندہ نہ ہو اور پشیمانی نہ اُٹھاوے وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَهٗ اور جو شخص کہ

اللہ تعالیٰ بندے میں دو غم جمع نہیں کرتا

دیا جاوے اعمال نامہ اپنا اُلٹے ہاتھ میں اور یہ علامت ہلاکت اور عذاب کی ہے کیونکہ اُلٹا ہاتھ
بہت ضعیف ہے سیدھے ہاتھ سے اور اس شخص نے ضعیف جانب کو اپنے کہ خواہش نفس
تھی قوی جانب پر اپنے کہ فرمانبرداری اللہ تعالیٰ کی ہے مقدم رکھا تھا پس قوی کو ضعیف
اور ضعیف کو قوی کیا تھا اور معاملے کی صورت کو اُلٹا کر دیا تھا اسی واسطے اعمال نامے کو
اُس کے اُلٹے ہاتھ میں دیں گے لیکن سامنے سے نہ دیں گے بلکہ اُلٹے ہاتھ کو اُس کے پیچھے
باندھ دیں گے اور اعمال نامے کو اُس کے ہاتھ میں دیں گے وَرَآءَ ظَهْرِهٖ پیچھے سے
اُس کی پیٹھ کے فَسَوْفَ يَدْعُوْا ثُبُوْرًا پھر آگے پکارے گا موت کو یعنی آرزو کرے گا کہ
کسی طرح موت آجاوے اور مجھ کو ہلاک کر ڈالے کہ ان اپنے بُرے کاموں کی سزا سے خلاصی
پاؤں اور لفظ سَوْفَ کا کہ دلالت تاخیر پر کرتا ہے اسی واسطے اِس جائے پر لائے ہیں کہ
اُس کو اپنی موت خوب طرح سے بعد عمر کے جمع خرچ کے مطالعے کے ظاہر ہو جاوے گی
اوّل بار میں نیک و بد اعمال کو دیکھ کے خیال کرے گا کہ شاید میری نیکیاں میری بُرائیوں پر
غالب آ دیں اور میں نجات پاؤں اور یہ مطالعہ اور برابر کرنا حساب کا ایک مہلت چاہتا
ہے اور وہ جو سورۂ حاقہ اور دوسری سورتوں میں مذکور ہے کہ بعضوں کو اعمالنامے سیدھے
ہاتھ میں اور بعضوں کو اُلٹے ہاتھ میں دیں گے سو اِس بات کے مخالف نہیں کہ پیٹھ کے پیچھے
سے دیں گے جیسے کہ یہاں مذکور ہے کیونکہ اعمال نامے کا دینا اُلٹے ہاتھ میں اِسی طور سے
ہو گا کہ پیٹھ کے پیچھے سے دیں گے اور جو بعضے علماء نے تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ آدمی اُس روز
تین قسم پر ہوں گے ایک نجات والے اُن کو اعمال نامے اُن کے سیدھے ہاتھ میں دیں گے
اور دوسرے ہلاک ابدی والے اُن کو اُلٹے ہاتھ میں دیں گے اور تیسرے عذاب والے جن کو
کہ بعد عذاب کے نجات ہوگی انکو سیدھے ہاتھ میں پیٹھ کی طرف سے دیں گے یا ہلاک ابدی
والوں کو اُلٹے ہاتھ میں پیٹھ کے پیچھے سے دیں گے اور اہل نجات کو بائیں ہاتھ میں سامنے
سے پس یہ قول مطابق قرآن و حدیث کے نہیں ہے محض احتمال ہے کیونکہ اہل شمال اور
اہل ظہر دونوں کے حق میں جو وعیدیں کہ آئی ہیں ایک دوسرے کے قریب ہیں نجات
اور خلاص پر دلالت نہیں کرتیں باوجود اس بات کے کہ بعضی حدیثوں میں تصریح

اعمال ناموں کے دینے کی اسی طور سے روایت ہے کہ بیان کی گئی واللہ اعلم اور جو اس شخص کا حال کہ اپنے دوزخی ہونے کی علامت اپنے اعمال نامے سے جو اس کی پیٹھ کی طرف سے دیا جائے گا دریافت کرے گا اور واویلا مچاوے گا اور دعا موت اور ہلاکت کی شروع کرے گا بیان فرمایا اب ارشاد ہوتا ہے کہ اس قدر جزع اور فزع اور اضطراب اور بے قراری اور بے تابی پر اُس کی اکتفا نہ ہو گا بلکہ وہ چیز جس سے وہ ڈرا ہے واقع ہوگی وَيَصْلٰى سَعِيْرًا ۝ اور پیٹھے گا دہکتی آگ میں کیونکہ اِنَّهٗ كَانَ فِيْٓ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ۝ تحقیق کہ وہ تھا اپنے گھر والوں میں دنیا میں خوش اور بے غم کہ نہ دنیا کا غم رکھتا تھا نہ آخرت کا اور کفر اور گناہ سے بھی نہ ڈرتا تھا اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی جانب کی اصلا رعایت نہیں کرتا تھا اور یہاں سے معلوم ہوا کہ دنیا کی خوشی کے پیچھے آخرت کا غم لگا ہے چنانچہ دوسری جائے پر فرمایا ہے فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ اور جو شخص کہ اس دنیا میں دکھ اور غم آخرت کا رکھتا ہو گا تو اُس کے مآل کا حال یہ ہے کہ ہمیشہ کی خوشی اُس کو حاصل ہوگی اور یہاں پر سمجھ لیا چاہیے کہ خوشی دنیا کی وہی بری ہے کہ غفلت اور رفاہیت اور آسودگی سے پیدا ہو اور جو خوشی کہ بسبب راضی ہونے کے حکم الٰہی پر یا واسطے حاصل ہونے مراتب علیہ دینیہ کے ہو تو عین محمود اور سراسر نافع ہے چنانچہ سورۂ یونس میں فرمایا ہے قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا اور یہاں مذکور اسی خوشی اور نعمتوں کا ہے کہ نہایت غفلت سے دنیا میں حاصل تھیں چنانچہ صاف فرماتے ہیں کہ اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ يَّحُوْرَ ۝ یہ تمام خوشی اُس کافر کو اس واسطے تھی کہ وہ گمان کرتا تھا کہ ہرگز پھیرا نہ جاوے گا عالم ارواح کی طرف اور اپنے عملوں کا حساب نہ دیکھے گا اس واسطے کہ جس وقت دنیا کی خوشی کے واسطے آخرت کا غم یاد آتا ہے یا اپنی روح کا جانا عالم ارواح میں اور اپنے عملوں کا بدلہ پانا قیامت میں یاد آتا ہے اور اس پر یقین ہوتا ہے تو وہ خوشی بالکل نیست و نابود ہو جاتی ہے اور اسی واسطے کہا گیا ہے **شعر** مرا در منزل جاناں چہ امن و عیش چوں ہر دم ؛ جرس فریاد میدارد کہ بربندید محملہا ؛ اور یہی مضمون ہے اس شعر کا **شعر** عشرت امروز بے اندیشۂ فردا خوش است ؛ فکر شنبہ تلخ دارد جمعۂ

ش عنہ اللہ عزیز ۱۲

[illegible]

اطفال را ہؤا اور ثابت کرنے کو حشر اور نشر کے اور جزا اور حساب کے اور رَدّ کرنے کو اُس کے گمان کے فرماتے ہیں بَلیٰ ج یوں نہیں ہے جیسا کہ اُس نے گمان کیا ہے بلکہ پھر جانا اُس کا عالم ارواح کی طرف پھر وہاں سے حشر و نشر کے عالم میں پھر حساب کے میدان میں پھر وزن اعمال کے مقام پر پھر مجازات کے محل میں کہ بہشت و دوزخ ہے ضروری ہے اور دلیل اُس کی یہ ہے اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِيْرًا ۙ تحقیق پروردگار اُس کا اُس کو دیکھتا تھا ابتدائے پیدائش سے انتہائے موت تک کہ روح اُس کی کہاں سے آئی ہے اور بدن اُس کا کس کس چیز سے بنا ہے پھر کیا اعتقاد اور کیا عمل کیا ہے اور دل میں کون سی چیز قائم ہے اور زبان سے اُس کی کیا نکلا اور ہاتھ سے اُس کے کیا ہوا اور بعد موت کے رُوح اُس کی کہاں گئی اور بدن اُس کا کس کس مکانوں میں بکھرا ہے پھر جو آدمی کے حال سے اس قدر واقف ہو تو البتہ اُس کو مہمل نہیں چھوڑے گا اور اُس کے کیے کا بدلہ پورا دے گا اور روح کو اُس کے بدن کے اجزا سے جمع کرے گا پس گمان اُس کا محض بیجا ہے کچھ حاجت قسم کی نہیں اس کے باطل کرنے میں اور اگر کسی کو اس عجیب حالت کے سُننے سے کہ بعد موت کے نمود ہوگی اور وارد ہونے میں ان حادثوں کے کہ بعد جُدا ہونے روح کے بدن سے واقع ہوتے ہیں کچھ رشک اور تردد ہو تو فَلَاۤ اُقۡسِمُ بِالشَّفَقِ ۙ پھر سوگند کھاتا ہوں میں شفق کی اور شفق نام ہے ایک سُرخی کا کہ آفتاب ڈوبنے کے بعد کناروں پر مغرب کے نظر آتی ہے اور اُس کے باقی رہنے تک مغرب کی نماز کا وقت باقی ہے چنانچہ امام شافعیؒ اور صاحبینؒ کا مذہب یہی ہے اور اسی پر فتویٰ ہے اور بعضی روایتوں میں حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ شفق نام ہے ایک سفیدی کا کہ سُرخی جانے کے بعد پیدا ہوتی ہے اور دیر تک رہتی ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ حضرت امام اعظمؒ نے اس مذہب سے رجوع کی ہے اور عرب کے لوگ شفق کو اپنے اشعاروں میں اور محاوروں میں تشبیہ سُرخی کے ساتھ دیتے ہیں تو یہ دلیل صریح ہے اس بات پر کہ مراد شفق سے سُرخی ہے نہ سفیدی آور وہ جو بعضے علمانے کہا ہے کہ اوّل دن کی سُرخی کنارے مشرق کے کسی مقدمے میں روزہ ہو یا نماز معتبر نہیں بلکہ معتبر سفیدی ہے کہ اُس کو

مسئلہ شفق کی سرخی کا [illegible]

صبح صادق کہتے ہیں تو چاہیئے کہ مغرب کی نماز کا وقت صبح کی نماز کے وقت کے برعکس ہو کہ ابتدا اُس کی آفتاب کے غروب سے ہے اور انتہا اُس کی طلوع آفتاب سے پس جواب اس کا یہ ہے کہ وہ وقت یعنی فجر کا نور کے ظہور کا وقت ہے اندھیرے میں اور ابتدا نور کے ظہور کی صبح صادق کے طلوع سے ہے کہ سفیدی اُس کی عام و خاص کو نظر آتی ہے اور جو اول سے رات کے اندھیرے میں تھی اور یہ وقت یعنی مغرب کا اندھیرے کے پھیلنے کا وقت ہے نور پر کہ پہلے سے اس میں تھا اور بعد جانے سُرخی شفق کے کچھ امتیاز اندھیرے میں خاص و عام کی نظروں میں نہیں رہتا ہے اور اُس وقت آفتاب کا اثر بالکل جاتا رہتا ہے تو اُس وقت کا ٹھہرانا یعنی مغرب کا سُرخی کے جانے پر نہایت مناسب ہے اور ٹھہرانا اُس وقت کا یعنی صبح کا سفیدی کے آنے پر مناسب ہے اور فرق دونوں وقتوں کے درمیان میں بسبب مقدم ہونے اندھیرے کے ہے نور پر اور بالعکس کیونکہ حکمت کا قاعدہ ہے کہ انفعال حاسہ باحد الضدین موجب سُرعت و قوت احساس کا دوسری ضد سے ہوتا ہے اور اثر اُس ضعف کی ضد کا محسوس ہوتا ہے واللہ اعلم وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ۞ اور قسم ہے رات کی اور اُس چیز کی جس کو جمع کرتی ہے رات آدمیوں سے ہوں یا جانوروں سے کیونکہ جانداروں کی ہمیشہ یہ عادت ہے کہ دن کو تلاش معاش کے واسطے اپنے مکانوں سے نکلتے ہیں اور ہر شخص ایک طرف کو جاتا ہے اور منتشر ہو جاتے ہیں اور جب رات ہوتی ہے تو سارے اقربا اور متعلق اس کے ایک گھر میں جمع رہتے ہیں اور ایک مکان پر رات گزارتے ہیں پس گویا رات جامع المتفرقین ہے اور اسی واسطے نیک و بد کام جو اخفا اور پوشیدگی سے تعلق رکھتے ہیں جیسے حلقے ذکر اللہ کے اور جماعتیں تراویح کی اور مجلس رقص کی اور شراب پینا وغیرہ سب رات میں ہوتے ہیں اور اُن کے واسطے جمع ہونا محقق ہوتا ہے وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ۞ اور قسم کھاتا ہوں میں چاند کی جب نور اُس کا پورا بھرتا ہے اور شام سے صبح تک رات کی اندھیری کو دور کرتا ہے اور بُرائی کے حجاب کو اُٹھا دیتا ہے اور یہ تینوں چیزیں یعنی شفق اور اندھیری رات اور روشن چاند نمونہ ہے تینوں حالتوں کا کہ آدمی پر بعد موت کے گذرتی ہیں گویا نمونہ ہے آفتاب

ان کی اور موت کے بعد حالتوں کا بیان ہے[illegible]

زندگی کے غروب کا ظاہر ہوتا ہے اوّل جو حالت کہ بمجرد جُدا ہونے روح کے بدن سے ہوگی تو اُس میں کچھ اثر پہلی زندگانی کا اور اُلفت بدن کے تعلق کی اور دوسرے اپنے جنس کے آشنا دوستوں کی اُلفت باقی رہے گی اور وہ وقت گویا برزخ ہے دنیا کی زندگانی اور استغراق قبر کے عالم میں کہ کچھ اِس طرف سے اور کچھ اُس طرف سے علاقہ رکھتا ہے وہ وقت بعینہ مانند شفق کے وقت کے ہے کہ ہنوز تصرفات مخلوق کے اور آمد و شُد اُن کی منقطع نہیں ہوتی اور جاندار سب بیدار اور دیکھتے بھالتے چلتے پھرتے ہیں اور دن کے باقی رہے کاموں میں مشغول ہیں اور یہ حالت حالت ہے انکشاف کی اور جزاے برزخ کی جو نیکیوں سے اور بدیوں سے کیا تھا اور مدد زندوں کی مُردوں کو اس حالت میں جلد پہونچتی ہے اور مُردے ایسے وقت میں اس طرف کی مدد کے منتظر ہوتے ہیں اور یوں گمان کرتے ہیں کہ گویا ابھی ہم جیتے ہیں اسی واسطے حدیث شریف میں قبر کے احوال میں وارد ہے کہ مسلمان آدمی وہاں کہتا ہے کہ دُعُونِیْ اُصَلِّیْ چھوڑو مجھ کو کہ میں نماز پڑھوں اور یہ بھی وارد ہے کہ مُردہ اس حالت میں غریق کے مانند ہے کہ انتظار فریاد پہونچنے والے کا رکھتا ہے اور صدقے اور دُعائیں اور فاتحہ اُس وقت اُس کے بہت کام آتی ہیں اور اسی واسطے اکثر لوگ ایک سال تک علی الخصوص ایک چلّے تک موت کے بعد اس قسم کے کاموں میں کوشش اور سعی کرتے ہیں اور مُردے کی روح بھی موت کے قریب کے دنوں میں خواب میں اور عالم مثال میں زندوں سے ملاقات کرتی ہے اور اپنا حال بیان کرتی ہے دُوسری وہ حالت ہے کہ بعد قطع ہونے دنیا کی زندگانی کے علاقوں کے بالکلیہ ظاہر ہوتی ہے اور استغراق عظیم دیکھنے سے اُن کیفیتوں کے جو دنیا میں کمایا تھا نیکی اور بدی سے اُس کو حاصل ہوتا ہے اور قواے مدرکہ اور متصرفہ اُس کے اس عالم سے ایک لخت ٹوٹ کر اُس عالم کی طرف متوجہ ہوجاتے ہیں اور حس و حرکت معنوی اُس کی اِس جہان سے مطلقاً بیکار ہوجاتی ہے اور یہ حالت مانند رات کے اندھیرے کے ہے کہ بعد زائل ہونے شفق کے ہجوم کرتی ہے اور لوگوں کو خواب اور معطل ہوجانا حواس اور حرکتوں کا لاحق ہوجاتا ہے اور مالوفات اور مکسوبات کے دن سے مطلقاً غافل ہوجاتا ہے لیکن وہ مالوفات اور مکسوبات ظاہر بدن

سے انتقال کرکے باطن میں بدن کے جمع ہوتے ہیں اور رُوح اُن کو رنگارنگ صورتوں میں
مطالعہ کرتی ہے اور متلذذ اور متالم ہوتی ہے یعنی خوش ہوتی ہے اچھائی کو دیکھ کر اور رنجیدہ
ہوتی ہے بُرائی کو دیکھ کر اور یہ حالت عام مُردوں کی ہے اور بعضے خاص اولیاء اللہ جن کو
اللہ تعالیٰ نے محض اپنے بندوں کی ہدایت اور ارشاد کے واسطے پیدا کیا ہے اُن کو اس
حالت میں بھی اس عالم کے تصرف کا حکم ہوتا ہے اور اُس طرف متوجہ ہونے سے اُنکے
استغراق میں کمال وسعت مدارک کے سبب سے کچھ خلل واقع نہیں ہوتا اور وہ استغراق
اس طرف کے متوجہ ہونے کو منع بھی نہیں کرتا اور بہت سے لوگ باطنی کمالوں کو اُن ہی سے
حاصل کرتے ہیں اور حاجت مند اور غرض والے اپنے اڑے کاموں کی کشادگی کا سبب
اُن سے پوچھتے ہیں اور اُن کے کہنے پر چلنے سے اپنا مطلب پاتے ہیں اور اُن کا حال
اُس وقت میں اِس مصرع کے مضمون پر گواہی دیتا ہے مصرع من آیم بجان گر تو آئی بہ تن +
تیسری ایک اور حالت ہے کہ بعد حشر اور نشر کے ظاہر ہوگی اور وہ مانند چودھویں رات کے چاند کے
ہے کہ پردے کو اندھیرے کے دور کرکے نیک و بد کو اُن کے طرح طرح کے اظہار سے جلوہ گر
کرے گی اور ہر شخص اپنے نفع اور ضرر کی چیزیں اور دوست اور دشمن اور زہر اور تریاق میں
امتیاز کرے گا اور یہی حالت ہے اعمالناموں کے دینے کی اور نیک و بد عملوں کے ظہور کی
رنگارنگ صورتوں سے اور عملوں کے تولنے کی اور نیکی اور بدی کے حساب کی اور دوسرے
بہت سے کاموں کی اور اِس حالت کی انتہا ایک اور زندگانی ہے کہ اتم اور اکمل اس
جہان کی زندگانی سے ہے لیکن وہ جو زندگانی تغیر اور تبدیل نہیں رکھتی اور یکساں ہمیشہ قائم
و برقرار ہے اسی واسطے کچھ مثال اُس کے واسطے نہیں ہے کہ مقام پر قسم کے لائی جاوے بلکہ
وہ زندگانی اس قسم کی بھی نہیں ہے کہ اُس کے احوال اور صفات متغیر ہوتے رہیں یعنی کبھی کچھ
اور کبھی کچھ تاکہ بیان کے مقام پر وہ حالتیں بیان کی جاویں اِسی واسطے ان ہی تین قسم پر اکتفا
فرماکر اُس مضمون کو کہ اثبات اُس کا منظور ہے ارشاد فرماتے ہیں لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ؕ
البتہ تم سب کو چڑھنا ہے کھنڈ پر کھنڈ یعنی پہلے بعد جانے کے اس دنیا سے ایک حال میں
ہوگے کہ اُس کو رجوع الی اللہ سمجھوگے بعد اس کے اس حالت سے گذر کر ایک دوسری

حالت کو پہونچوگے تو جانوگے کہ حالت رجوع کی یہی ہے اور اگلی حالت اس حالت کی تمہید تھی اور علیٰ ہذا القیاس یہاں تک کہ بہشت میں یا دوزخ میں جا ٹھہروگے اور سفر تمہارا تمام ہو جاوے گا بعد اس کے سدا رہا کروگے اور جو گذرنا ان حالتوں سے قطع منازل اور طے مراحل کے مشابہ تھا اسی واسطے رکوب کا لفظ کہ معنی میں سوار ہونے کے ہے اس مقام پر استعمال فرمایا ہے اور جو یہ حرکت یعنی دنیا سے آخرت کو جانا حرکت صعودی ہے یعنی اس خاکدان پست سے عالم بالا کی رفعت گاہ کو جاتے ہیں اُس کی حالتوں اور منزلوں کو طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ؕ ارشاد فرمایا ہے کیونکہ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ تہ بتہ چیز کو کہتے ہیں چنانچہ سات طبق آسمان کے مشہور ہیں اور عمارت کے طبقے بھی عرف میں رائج ہیں اور ان انتقالوں کی دلیلیں ہر دن اور رات میں اور ہر مہینے اور برس میں آنکھوں میں ہر خاص و عام کے جلوہ گر ہیں ایمان نہ لانے سے کافروں کے اور اُن کے یقین نہ کرنے سے واقع ہونے کو ان حالتوں کے بعد موت کے تعجب فرما کر ارشاد کرتے ہیں فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ؕ پس کیا ہو گیا ہے ان کافروں کو کہ باوجود اس بیان واضح اور روشن مثالوں کے ایمان نہیں لاتے اور یقین نہیں کرتے کہ ہم کو بعد موت کے بھی کسی طرف رجوع ہونا ہے اور سفر در پیش ہے اور اس سفر کا غم نہیں کھاتے اور توشہ اُس کے واسطے نہیں اُٹھاتے اور نقصان اور نفع سے اُس عالم کے کہ منتہا اس سفر کا ہے کچھ خبر نہیں ہوتے اور بعضے مفسروں نے لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ؕ کو دوسرے معنوں پر حمل کیا ہے کہ اس مقام پر چنداں مناسبت نہیں رکھتے اگرچہ امر واقعی ہے اور وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت کو خطاب ہے اور مراد توبیخ اور تشنیع ہے یعنی تم بھی اختیار کروگے ایک ایک طبقے کو گناہوں سے بعد ایک طبقے کے یعنی اگلی اُمتوں کی طرح سے مکروہات صغیرہ اور کبیرہ اور طرح طرح کے الحاد اور بدعتیں کہ اگلوں نے کی تھیں تم بھی کروگے چنانچہ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی اُمت کے حق میں فرمایا ہے کہ تم بھی اگلوں کی پیروی کروگے بالشت بالشت سے اور گز گز سے یعنی اگر اگلے لوگ ایک گز راہ حق سے دور رہے تھے تم میں سے بھی بعضے لوگ اسی قدر راہِ حق سے دور رہیں گے اور اگر اگلے لوگ ایک

بالشت دور رہے ہوں گے تو تم میں سے بھی ایک گروہ اسی قدر دور رہیں گے یہاں تک
کہ اگر اگلی اُمتوں میں کوئی ایسا ہوا ہوگا کہ اُس نے اپنی ماں سے زنا کھلے بندھوں کیا ہوگا تو
تم میں سے بھی بعضے شخص کریں گے اور اگر کوئی اگلوں میں سے گوہ کے سوراخ میں گھسا ہوگا
تو تم میں سے بھی کوئی اُس سوراخ میں گھُسے گا اور یہ بھی حدیث صحیح میں وارد ہے کہ تمھارا
حال بھی ادا نہ کرنے میں حق اللہ اور حق خلق کے اور جھٹلانے میں پیغمبروں کے اور کتاب اور
قیامت کے اور دوسرے گناہوں کے کرنے میں بعینہ اگلی اُمتوں کے مطابق اور موافق ہے
جیسے کہ ایک جوتی دوسری جوتی کے برابر ہوتی ہے کہ جَو بھر کا بھی دونوں میں تفاوت
نہیں ہوتا بلکہ تم کتنی چیزیں زیادہ کروگے کہ اگلی اُمتوں میں وہ چیزیں نہ تھیں جیسے بیچنا احرار
کا یعنی ایسے شخص کا کہ وہ کسی کا غلام لونڈی نہ ہو اُس کو فریب و مکر سے بیچنا اور اُس کی قیمت
کھانا اور اُن ہی میں سے ہے شعر بازی اور مساحقہ عورت کا عورت کے ساتھ یعنی چپٹی لڑانا
اور اُن ہی مین سے ہے قتل کرنا اپنے پیغمبر کی اولاد کو جس پر ایمان لائے اور باوجود ایمانداری کے
دعوے کے ایسی بات کسی اُمت میں نہیں ہوئی کافروں نے ہر چند اپنے پیغمبروں کو قتل کیا
ہے اور ایذا دی ہے لیکن کفر کی حالت میں ایسا کسی نے نہیں کیا کہ دعویٰ ایمان کا کریں اور
یہ کام کریں اور بعضے قاریوں نے لَتَرْكَبُنَّ کے بے کو زیر سے پڑھا ہے اور اِس صورت میں
مفسروں نے معنی اس کے اس طور سے لکھے ہیں کہ خطاب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
کی طرف ہے اور مراد معراج کا وعدہ ہے کہ البتہ تو بُراق پر سوار ہو کر سات طبق آسمانوں پر
ایک پر بعد دوسرے کے گزرے گا اور یہ معنی بھی سباق اور سیاق سے آیتوں کے ہر گز
مناسبت نہیں رکھتے بلکہ بے کی زبر کی حالت میں بھی خطاب ہر نبی کو عام ہے جیسے پیش
کی حالت میں سب بنی آدم کو خطاب تھا غرضکہ ظاہر معنی وہی ہیں جو اول بیان کیے گیے اور
مدعا کافروں کا ڈانٹنا ہے کہ آخرت کے سفر کی نشانیوں کو جان بوجھ کے اس سفر کا انکار
کرتے ہیں اور جو جو معاملے کہ وہاں ہونے والے ہیں اُن پر ایمان نہیں لاتے اور اگر
ان کی عقل خود بخود ان حالتوں کو دریافت نہیں کرسکتی تھی تو اُن کو لازم تھا کہ قرآن کے
بیان سے فائدہ اُٹھاتے یعنی قرآن سُنکر اُس پر عمل کرتے اور اُس کو سچ جانتے لیکن

اُن کو اس قدر ایمان لانے سے آخرت پر انکار اور دوری ہے کہ قرآن میں بھی اُن
مضمونوں کو سُنکر فرمانبرداری نہیں کرتے وَاِذَا قُرِیَٔ عَلَیۡهِمُ الۡقُرۡاٰنُ اور جب
پڑھا جاتا ہے اُن پر قرآن تو اُس کی عبارت کو کہ سراسر اعجاز ہے سُنکر متحیر ہوجاتے ہیں
لیکن عاجزی اور تذلل نہیں کرتے اور جس وقت کہ مسلمان اپنا عجز ظاہر کرنیکو سجدہ کرتے
ہیں تو یہ لوگ لَا یَسۡجُدُوۡنَ ۝ سجدہ نہیں کرتے حالانکہ سجدہ کرنا اللہ تعالے کو جس نے
اِس طرح کا قرآن فصیح اور بلیغ اُتارا کہ کوئی ایک سورۃ اُس کے برابر بنا نہیں سکتا ہے
کسی آئین اور مذہب میں منع نہیں اور فقط نافرمانی اور سجدہ نہ کرنے پر اکتفا نہیں کرتے
ہیں بَلِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا یُکَذِّبُوۡنَ ۝ بلکہ جو لوگ کہ کافر ہیں جھٹلاتے ہیں قرآن کو اور
ہرچند کہ زبان سے نہیں کہتے لیکن حق تعالےٰ اُن کے اِس انکار کو جو دل میں رکھتے ہیں
جانتا ہے وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمَا یُوۡعُوۡنَ ۝ اور اللہ خوب جانتا ہے جو دل کے برتن میں کرتے
ہیں یعنی جو کچھ کہ باطن میں اُن کے سوائے تکذیب اور انکار کے مخالفت اللہ تعالیٰ کے
امروں کی اور نافرمانبرداری اُس کے حکموں کی اور خوشی اور شادمانی دُنیا کی زندگانی پر
اور اِس گمان پر کہ آخرت کا سفر ہمکو درپیش نہیں اور محبت گناہوں اور شہوتوں سے
اور مکروحیلے کرنے پیغمبروں سے دل اُن کے لبالب اور مالامال ہیں سو اللہ تعالیٰ
سے پوشیدہ نہیں اور لفظ میں یُوۡعُوۡنَ کے اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ وہ نادان
کوتاہ اندیش ان قبیح چیزوں کو کمال احتیاط سے اپنے اندر کے باسن میں نگاہ رکھتے ہیں
لیکن احتیاج کے وقت جب اس باسن سے یہ موذیات نکلیں گے تب یہ جانیں گے کہ ہم
کیا چوکے کہ اندھیری رات میں کالے ناگ کو پھولوں کا گجرا سمجھ کر گلے میں پہنا چنانچہ کسی نے
کہا ہے **شعر** بوقت صبح شود ہمچو روز معلومت ٭ کہ با کہ باختۂ عشق در شب دیجور ٭ لیکن
جو یہ جاہل اِن بُرائیوں کو نیکی جانتے ہیں اور آئندہ کے نفع کے واسطے زر و جواہر کے مانند
کمال احتیاط سے جان کے برتن میں رکھتے ہیں نہ مٹی تانبے کے برتن میں پس تجھ کو بھی
چاہیئے کہ اُن کے باطل اعتقاد کے موافق ہنسی ٹھٹھے کی بات چیت کر فَبَشِّرۡهُمۡ بِعَذَابٍ
اَلِیۡمٍ ۝ پس خوشخبری دے اُن کو دُکھ کی مار کی اُن کی فرحت اور شادمانی پر دُنیا

سجدۂ

کے اور بشارت کا لفظ اس مقام پر استعارہ ٹھٹھول کا ہے واسطے ڈرانے اور خوف دلانے کے اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یعنی اُن کے سب لوگوں کو عذاب الیم کا وعدہ دے مگر اُن لوگوں کو کہ ایمان لاویں اور اچھے کام کریں اور کفر اور گناہوں کو اپنے اس عمل نیک کے سبب سے محو کریں پھر جو ایسا کریں اُن پر ہرگز عذاب نہیں ہے نہ الیم نہ غیر الیم بلکہ لَهُمْ اَجْرٌ اُن کے واسطے نیگ ہے ایمان اور اُن کے نیک عمل پر اور باز رہنے پر کفر اور گناہ سے اور وہ نیگ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۠ بے انتہا ہے ہرگز تمام ہونیوالا نہیں ہر چند کہ اُن کا ایمان خواب اور غفلت کے وقت منقطع ہو جاتا تھا اور نیک عمل اُن کا بہ سبب مرض اور شغل اور سفر اور موت کے بھی موقوف ہو جاتا تھا لیکن رحمت الٰہی نے اس غیر دائمی ایمان کو حکم دائمی ایمان کا دیا اور اس منقطع عمل کو استمراری قرار دیا اور نعمت سدا رہنے والی عوض میں اُس کے امداد فرمائی اور یہ سورہ سجدے کی سورتوں میں سے ہے بعد لَا يَسْجُدُوْنَ کی آیت کے سجدہ ہے اور حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے ترک کرنے پر سجدے کے مذمت اور عتاب جو اس جائے پر وارد ہے اُس سے یہ استدلال کیا ہے کہ سجدہ تلاوت کا واجب ہے اِس واسطے کہ ترک سُنت پر مذمت اور عتاب نہیں آتا ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سجدہ تلاوت کا سُنت ہے جواب اِس کا یہ ہے کہ مراد سجدے سے اِس جائے پر خضوع اور انقیاد ہے اور ارادہ فرض نماز کے سجدے کے واسطے ہے نہ سجدۂ تلاوت کا لیکن اس جواب میں خدشہ ہے کیونکہ اگر یہی مراد ہوتی تو سجدۂ تلاوت اس جائے پر مسنون کس واسطے ہوتا حالانکہ حدیث صحیح میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ اس سورۃ کو عشار کی نماز میں پڑھا ہے اور اس مقام پر سجدہ کیا ہے اور مقتدیوں سُننے والوں نے بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سجدہ کیا ہے چنانچہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی اس جماعت میں داخل تھے اور ظاہر ہے کہ جب اُن کافروں کی جو سجدہ نہیں کرتے اس آیت میں مذمت فرمائی تو البتہ مسلمانوں کو لازم ہے کہ کافروں کی مخالفت کی جہت سے سجدہ کریں اور تمام سجدے کی آیتیں جو قرآن میں ہیں یا تو اُن آیتوں میں بُرائی کافروں کی ہے بسبب سجدہ

ع ۱۵

نہ کرنے کے یا مدح مسلمانوں کی ہے اور فرشتوں کی بسبب سجدہ کرنے کے لیکن ملامت
اس جانب سے ہے یعنی جو سجدہ کہ قرآن میں ہے اس قسم کی آیتوں میں ہے نہ اس کے
برعکس کیونکہ قرآن میں بہت سی جائے پر اس قسم کی آیتیں آئی ہیں کہ اُن میں سجدہ
نہیں ہے اسی واسطے کہا ہے کہ آیتیں سجدے کی توقیفی ہیں یعنی شارع کی مقرر کی ہوئی
ہیں نہ قیاسی کہ جہاں اس قسم کا مضمون پائیے وہاں سجدہ کیجیے واللہ اعلم بحقیقۃ الحال
والیہ المرجع والمآل

سُوْرَۃُ الْبُرُوْجِ

سورۂ بروج مکی ہے اس میں بائیس آیتیں اور ایک سو نو کلمے اور چار سو تیس حرف ہیں
اور ربط اس سورۃ کا سورۂ انشقاق سے یہ ہے کہ ابتدا میں اُس کے ذکر آسمان کے پھٹنے
کا ہے قیامت کے دن اور اس سورۃ میں ذکر ہے آسمان کے حصے کرنے کا دنیا میں بارہ
جگہ برابر کہ ہر ایک جدا جدا حکم رکھتا ہے اور اخیر میں اُس سورۃ کے بَلِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا
یُکَذِّبُوْنَ ۝ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِمَا یُوْعُوْنَ ۝ واقع ہے اور انتہا میں اس سورۃ کے بَلِ
الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِیْ تَکْذِیْبٍ ۝ وَّاللّٰہُ مِنْ وَّرَآئِھِمْ مُّحِیْطٌ ۝ ہے اور یہ دونوں مضمون
آپس میں ظاہراً اتحاد رکھتے ہیں اور درمیان میں اس سورۃ کے حال بہشتیوں اور دوزخیوں
کا مذکور ہے جیسے کہ درمیان میں اس سورۃ کے مذکور ہے پس دونوں سورتوں کو آپس میں
کمال مناسبت حاصل ہوئی اور اس سورۃ کے نازل ہونے کا سبب یہ تھا کہ مکے کے کافر
مسلمانوں کو بسبب اسلام لانے کے طرح طرح کے رنج و اذیت پہونچاتے تھے اور مسلمان
یہ قصہ جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کرتے تھے اور جناب
رسالت مآبؐ ارشاد فرماتے تھے کہ ایک وقت ایسا آوے گا کہ تم کو حق تعالیٰ اُن لوگوں سے
بدلہ لینے کی طاقت بخشے گا اور جو کچھ کہ یہ تمھارے ساتھ کرتے ہیں ایسا ہی تم اُن کے ساتھ
کروگے کافروں نے جو یہ ماجرا سنا تو طعن اور ٹھٹھول شروع کیا کہ یہ ذلیل مفلس کیا حقیقت
رکھتے ہیں کہ ہم سے بدلہ لے سکیں گے اگر ہماری عزت اور اُن کی ذلت حق تعالیٰ کے نزدیک

ثابت نہ ہوتی تو ہم کو کیوں اُن پر غالب کرتا پس معلوم ہوا کہ ہر وقت اور ہر آن انعام الٰہی ہمارے ہی نصیب اور ذلت اور عجز اور خواری اُن کے نصیب ہے کافروں کی اِس بات کے جواب میں یہ سورۃ نازل فرمائی اور مطلع میں اس سورۃ کے سوگند آسمان کی کھائی ہے کہ جو بارہ بُرج رکھتا ہے اور ہر بُرج سبب ہے عالم اور اہل عالم کے انقلاب کا اور بہت سی چیزیں ہیں کہ ایک بُرج کی تاثیر کے سبب سے عزیز ہوتی ہیں اور وہی دوسرے بُرج کی تاثیر سے ذلیل اور بے قدر ہو جاتی ہیں چنانچہ پوشاکیں شال اور پوستین وغیرہ گرمی کے دنوں میں اور ٹھنڈا پانی اور لطیف شربت اور برف جاڑوں میں یہاں سے اس انقلاب کو اپنے دل میں خوب سمجھیں اور بوجھیں اور اپنی عزت پر مغرور نہ ہوں اور ذلت پر مسلمانوں کی طعن اور استہزا نہ کریں کہ ہر سال اختلاف موسم کے وقت اس انقلاب کو دیکھتے ہیں آور یہاں سے معلوم ہوا کہ اس سورۃ کا نام سورۃ البروج اسی مناسبت کے واسطے رکھا ہے کہ منظور اس سورۃ میں یہاں نیکی اور بدی کے پے در پے آنے کا ہے اور سعادت اور نحوست کے بدلنے کا تا معلوم ہو جاوے کہ جو شخص کہ مسلمان کو ایذا اور رنج پہونچاتا ہے اور نہایت قوت اور غلبہ رکھتا ہے ہو سکتا ہے کہ انتقام میں گرفتار ہو اور خراب ہو اور زیادہ تر اور مشہور تر اسباب نیک بختی اور بدبختی کی لیاقت کے نزدیک عوام کے کہ ہر سال اُس کو دیکھتے ہیں اور جانتے ہیں آسمان کے بارہ[۱۲] بُرج ہیں اسی واسطے قمری مہینے کو اس حق میں اعتبار نہیں فرمایا ہے کہ اُن کے اختلاف کے سبب سے انقلاب عالم میں نظر نہیں آتا اور یہی سبب ہے کہ مہینے قمری ہر موسم میں آتے ہیں اور حکم اُس موسم کا پکڑتے ہیں اور خود بھی بہ سبب بدلنے بُرجوں کے احکام کے انقلاب قبول کرتے ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ۙ قسم کھاتا ہوں میں آسمان بُرج والے کی کہ ہر برج نیکی اور بدی اور سعادت اور نحوست میں جُدا حکم رکھتا ہے اور باوجود حکموں کے اختلاف کے تعاقب اور دوران کرتا ہے اور چند روز حکم اُس کا عالم میں جاری ہوتا ہے پھر زائل ہو جاتا ہے وہی حکم پھر آتا ہے سو کسی شخص کے واسطے یوں اعتماد نہ کرنا چاہیئے کہ یہ حالت خاص اسی کے

ذکر برجوں کا احوال

واسطے ہے دوسرے کو زنہار نصیب نہ ہوگی کیونکہ ہو سکتا ہے کہ یہ حالت موجودہ معدوم ہو جاوے
اور وہ حالت معدومہ لوٹ آوے اور حقیقت بُرجوں کی یہ ہے کہ آفتاب کی گردش کے
سبب سے آسمان میں ایک دائرہ پیدا ہوتا ہے اُس کو دائرۃ البروج کہتے ہیں اور آفتاب
اُس کو ایک سال کی مدت میں تمام طے کرتا ہے اور جب اُس دائرے کو بارہ حصّوں پر
برابر تقسیم کریں تو بارہ حصّے ہوں گے ہر حصّے کو بُرج کہتے ہیں اور سب مل کے بارہ بُرج
پیدا ہوتے ہیں اور وجہ اس دائرے کے تقسیم ہونے کی بارہ حصّے پر نہ اس سے کم نہ زیادہ
کہ جناب الٰہی سے دلوں میں تمام بنی آدم کے القا ہوا ہے اور تمام طائفے ہنود اور فارسیوں
اور یونانیوں اور عربوں اور فرنگیوں اور دوسری قوموں کے اسی بات پر متفق ہیں سو یہ
ہے کہ جو مدت ہے آفتاب کے ہونے کی ہر ربع میں ارباع فلک کے اُس کا نام فصل رکھا
ہے کہ ہوا اور خاصیت اُن فصلوں کی مخالف ایک دوسرے کے ہے جیسے ربیع اور خریف
اور گرمی اور جاڑے اور ہر فصل کو ابتدا اور بیچ اور انتہا ہے کہ حکم اس فصل کا ان حالتوں
میں ساتھ قوت اور ضعف کے بدلتا ہے تو آسمان اسی واسطے بارہ قسم پر تقسیم کیا گیا اور ہر قسم
کا بُرج نام رکھا ہے اور آفتاب کو بھی ایک دورۂ کامل کی مدت میں بارہ[۱۲] مرتبے چاند سے
ملنے کا اتفاق ہوتا ہے اور یہ دونوں آسمان میں ایک مکان پر اکٹھے ہوتے ہیں اور ہر بار جمع ہونا
چاند کا آخر تک یہی قمری مہینہ ہے اسی واسطے آسمان کو موافق گنتی جمع ہونے شمس اور قمر
کے بارہ[۱۲] حصّے پر مقرر کیا ہے اور ہر قسم کو بُرج مقرر کیا ہے اور ہر بُرج کا موافق اُس صورت
کے کہ جمع ہونے سے تاروں کے اُس بُرج میں پیدا ہوئی ہے نام رکھا ہے جیسے حمل[۱] اور ثور[۲]
اور جوزا[۳] اور سرطان[۴] اور اسد[۵] اور سنبلہ[۶] اور میزان[۷] اور عقرب[۸] اور قوس[۹] اور جدی[۱۰]
اور دلو[۱۱] اور حوت[۱۲] اور ہر ایک کو ان برجوں سے آفتاب کی حرکت کے دنوں کے مانند
تیس[۳۰] حصّوں پر تقسیم کیا ہے اور ہر قسم یعنی ہر حصّے کا اُن بُرجوں سے درجہ نام رکھا ہے اور
ہر درجے کو ساٹھ جگہ بانٹا ہے اور ہر حصّے کا نام ان درجوں سے دقیقہ رکھا ہے کہ ہندی
لغت میں اتنی دیر کو گھڑی کہتے ہیں اور دقیقے کو ساٹھ قسم پر تقسیم کر کے ثانیہ نام رکھا کہ ہندی
لغت میں اُس کو پل کہتے ہیں اور ہر ثانیہ کو پھر ساٹھ حصّے کیا ہے اور اُس کا نام ثالثہ رکھا

ہے جس کو ہندی میں چھن کہتے ہیں اور علیٰ ہذا القیاس اور یہ بارہ برج آپس میں صورت اور احکام میں نہایت اختلاف رکھتے ہیں پس حمل بکری کے بچے کی صورت ہے کہ سر مغرب کی طرف اور دُم مشرق کی طرف رکھتا ہے اور منہ پیچھے پھیرے ہوئے کسی کو دیکھ رہا ہے اور جو ستارے کہ اُسکی صورت میں واقع ہیں تیرہ ستارے ہیں اور پانچ ستارے دوسرے بھی اس کی صورت سے تعلق رکھتے ہیں گو کہ صورت سے خارج واقع ہوتے ہیں اور ثور بیل کی صورت ہے کہ سر اُس کا مشرق کی طرف ہے اور دُم اُس کی مغرب کی طرف ہے اور صورت اُسکی بتیس تاروں سے مرکب ہے اور دوسرے تارے بھی مانند عین الثور اور ثریا کے کہ انگور کے خوشے کے مانند ہے اور دوسرے بھی اُس کی صورت سے تعلق رکھتے ہیں اگرچہ صورت سے خارج ہیں اور جوزا دو آدمیوں کی صورت پر ہے ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے کہ سر اُن کے شمال اور مشرق کی طرف ہیں اور پانوں اُن کے جنوب اور مغرب کی طرف ہیں اور اٹھارہ تارے اس برج کی صورت میں واقع ہیں اور سات ستارے دوسرے خارج ہیں کہ اُن میں سے ذراع اور تہبیعہ بھی ہیں اور سرطان ایک جانور کی صورت پر ہے کہ معروف اور مشہور ہے کہ فارسی میں اس کو خرچنگ کہتے ہیں اور ہندی میں کیکڑا اور نو ستاروں سے اُس کی صورت مرکب ہے اور اسد شیر کی صورت ہے کہ ستائیس تاروں سے مرکب ہے اور دوسرے تارے جیسے قلب الاسد اور زہرہ بھی اس سے تعلق رکھتے ہیں اور سنبلہ ایک عورت کی صورت پر ہے کہ ایک خوشہ اُس کے ہاتھ میں ہے سر اُس کا اسد کے پیچھے ہے اور پانوں اُس کے میزان کی طرف ہیں چھبیس تاروں سے مرکب ہے اور دوسرے تارے بھی اس سے تعلق رکھتے ہیں اور اُس کے ہاتھ کے پاس جس ہاتھ میں خوشہ ہے ایک تارہ ہے جس کا نام سماک اعزل ہے اور میزان ترازو کی صورت ہے آٹھ تاروں سے مرکب ہے اور عقرب بچھو کی صورت ہے مرکب ہے اکیس تاروں سے اور قلب العقرب اور اکلیل اور دوسرے تارے بھی اس سے تعلق رکھتے ہیں اور قوس ایک مرد کی صورت ہے تیر و کمان ہاتھ میں اکتیس تاروں سے مرکب ہے اور جدی کی صورت بھیڑ کے بچے کی ہے مرکب ہے اٹھائیس تاروں سے اور سعد ذابح بھی اسی سے تعلق رکھتا ہے اور دلو بھی ایک مرد کی صورت ہے کہ ڈول کنوئیں سے نکال کے ہاتھ میں پکڑ کے اُس کو

اوندھا کیے ہوئے پانی اُس کا زمین پر گراتا ہے اور صورت اُس کی بیالیس[۴۲] تاروں سے
مرکب ہے اور[۱۲] حوت کی شکل دو مچھلیوں کی سی ہے کہ آپس میں دونوں پیٹھ اور پیٹ ملائے
ہوئے پڑی ہیں ایک کو اُن میں سے سمک مقدم کہتے ہیں کہ جنوب کی طرف ہے اور صورت
اُن دونوں مچھلیوں کی چونتیس[۳۴] تاروں سے مرکب ہے یہ بیان ہے بُرجوں کی صورتوں کے
اختلاف کا لیکن بیان اُن بُرجوں کے احکام کے اختلاف کا بس یہ ہے کہ حمل مریخ کا گھر ہے
اور وبال زہرہ کا اور شرف آفتاب کا اُنیسویں درجے میں ہے اور ہبوط زحل کا اور حمل کو بُرج مذکر
اور نہاری اور حار و یابس اور صفراوی اور بُرج منقلب اور ربیعی اور شمالی کہتے ہیں اور[۲] ثور زہرہ
کا گھر ہے اور وبال مریخ کا اور شرف قمر کا اُس کے تیسرے درجے میں ہے اور اُس کو مؤنث
اور لیلی اور سرد و خشک اور سوداوی اور ثابت گنتے ہیں اور[۳] جوزا عطارد کا گھر ہے اور وبال
مشتری کا اور شرف راس کا اور ہبوط ذنب کا اور اُس کو مذکر اور نہاری اور گرم و تر اور دموی
اور ذوجسمین گِنتے ہیں اور[۴] سرطان قمر کا گھر ہے اور وبال زحل کا اور شرف مشتری کا اور ہبوط
مریخ کا اور مؤنث اور لیلی اور بُرج منقلب ہے اور[۵] اسد سورج کا گھر ہے اور وبال زُحل کا اور
اُس میں شرف اور ہبوط نہیں ہے اور ثابت ہے اور مذکر اور نہاری اور حار و یابس و
صفراوی ہے اور[۶] سنبلہ عطارد کا گھر ہے اور شرف بھی عطارد کا اور وبال مشتری کا اور ہبوط
زہرہ اور ذوجسدین کا اور مؤنث اور لیلی اور سرد و خشک اور سوداوی ہے اور[۷] میزان زہرہ کا
گھر ہے اور وبال مریخ کا اور شرف زحل کا اور ہبوط آفتاب کا اور برج منقلب ہے اور مذکر اور
نہاری اور گرم و تر اور دموی ہے اور[۸] عقرب مریخ کا گھر ہے اور وبال زہرہ کا اور ہبوط قمر کا اور
برج ثابت اور مؤنث سرد و تر بلغمی ہے اور[۹] قوس مشتری کا گھر ہے اور وبال عطارد کا اور شرف
ذنب کا اور ہبوط راس اور ذوجسدین کا اور مذکر اور نہاری اور گرم و خشک اور صفراوی ہے
اور[۱۰] جدی زحل کا گھر ہے اور وبال قمر کا اور شرف مریخ کا اور ہبوط مشتری کا اور برج منقلب
اور مؤنث ہے اور[۱۱] دلو زحل کا گھر ہے اور وبال آفتاب کا اور کسی ستارے کو اُس سے شرف
اور ہبوط نہیں ہے اور برج ثابت ہے اور ہوائی اور گرم و تر اور مذکر اور نہاری ہے اور[۱۲] حوت
مشتری کا گھر ہے اور وبال عطارد کا اور اُس کے ہبوط کا اور شرف زہرہ کا اور مؤنث لیلی

اور سرد و تر اور بلغمی اور ذو جسدین ہے حاصل کلام کا یہ کہ ظاہر خواص اور احکام سے اِن بُرجوں
کے کہ بہ نسبت عوام کے ذہنوں کے ظاہر اور روشن ہے سو اختلاف فصلوں کا ہے کہ اُس کے
ضمن میں عزت اور ذلت تمام عالم میں تعاقب اور تبادل کرتی ہے اور ہر سال یہ انقلاب
ظاہر ہوتا ہے پھر دوسرے برس اُسی طور سے عزتِ مفقود اور ذلتِ معدوم پھر عود کرتی ہے
تو یہ دلیل صریح ہے حالات کے تبدیل پر اور انقلاب عزت کا ذلت سے اور ذلت کا عزت
سے اور جو اس قسم کے انقلاب کو کہ ہمیشہ نظر میں خاص و عام کے مشہود اور محسوس ہے ثابت
فرمایا اب ایک قسم اور واسطے بیان کرنے ایک انقلاب کے کہ واقع ہونے والا ہے اور عام
و خاص کی نظر سے مستور اور مخفی ہے اور عقل کسی عاقل کی خود بخود بغیر نور نبوّت کی مدد کے
اُس کو معلوم نہیں کر سکتی ہے یاد فرماتے ہیں وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ۙ اور قسم کھاتا ہوں میں
اُس دن کی کہ وعدہ کیا گیا ہے جزا دینے کے واسطے اور اُس میں ایک بڑا تغیر اور تبدل ظاہر
ہو گا کہ آسمان اور آسمان کے برج اور زمین سب اُس روز اُلٹ پلٹ ہو جاویں گے اور
ایک عالم دوسرا اُس روز پیدا ہو گا اور اس عالم کے عزت داروں کو اُس روز کمال ذلت
ہو گی اور ذلیلوں کو اِس عالم کے اُس عالم میں کمال عزت حاصل ہو گی اور جو وہ روز جزا
کے واسطے مقرر ہے تو پہونچانے میں جزا کے تین چیزیں ضرور ہیں اوّل مستحق جزا کا ہونا
دوسرے حاکم کا ہونا کہ ہر شخص کو اُس کے موافق بدلہ دیوے تیسرے اُس کام کا ہونا نیکی اور
بدی سے کہ موافق اُس کے جزا دی جاوے اِس واسطے بیان کرنے کو ان تینوں چیزوں
کے کہ اُس روز جمع ہوں گی دو قسمیں اور یاد فرمائیں وَشَاهِدٍ اور قسم کھاتا ہوں میں ہر
حاضر ہونے والے کی جنس سے آدمیوں کی اور جنوں کی اور فرشتوں کی کہ اُس روز ایک
جائے پر حاضر ہوں گے اور ایک جماعت عظیم کہ ہرگز اُس کے مانند خیال میں نہیں سماتی
ترتیب پاوے گی اور بہ سبب اُس اجتماع کے مقدمہ جزا کا درست ہو گا کہ مدعی اور مدعا علیہ
اور گواہ سب محکمے میں موجود ہیں وَّمَشْهُوْدٍ ۙ اور قسم کھاتا ہوں میں اُس چیز کی کہ اُس کے
پاس حاضر ہوں گے اور وہ چیز بھی کئی صورتیں رکھتی ہے اوّل عمل نیک اور بد کہ بمجرد
اُٹھنے کے گور سے اور زندہ ہونے کے نمودار ہوں گے اور ہر شخص کے ہمراہ ہوں گے دوسری

فرشتے کہ رنگارنگ صورتوں سے تنعیم اور تعذیب کیواسطے آدمی کے ظاہر ہوں گے اور فرشتے ساتوں آسمانوں کے اور حاملان عرش اور لکھنے والے اعمال کے سب بے حجاب آدمی کو نظر آویں گے تیسری نامے اعمال کہ ہر شخص کو دیں گے تاکہ مطالعہ کرے چوتھی عملوں کا وزن کہ وقت حاضر ہونے میزان کے کھل جاوے گا پانچویں تجلی آلہی کہ حاکم اُس روز کی ہے بے پردہ نمایاں ہو جاویگی چھٹی بہشت اور دوزخ کہ اس جہاں میں پوشیدہ اور مخفی ہیں ساتھ لباس اور آرائیش کے اور ہول اور شدتوں کے جلوہ کریں گی آور بسبب ظاہر ہونے ان چھ چیزوں کے ایک انقلاب عجیب آدمی کی جان اور بدن میں بلکہ تمام عالم میں نمودار ہو گا آور تفسیر میں شاہد اور مشہود کے بہت اختلاف ہے اور وہ جو اس جگہ مذکور ہوا وہ صحابہ کرام کے معتبر قولوں سے منقول ہے جیسے عبداللہ بن عباس اور حضرت امام حسن اور ضحاک اور مجاہد اور ابن المسیب رضی اللہ عنہم لیکن معالم التنزیل میں بغوی سے اور دوسری حدیث کی معتبر کتابوں میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ مراد شاہد سے جمعے کا دن ہے کہ ہر شہر اور ہر مسجد مین کہ اُس مین جمعہ پڑھا جاتا ہے برکتیں اُس روز کی حاضر ہوتی ہیں آور مراد مشہود سے عرفے کا دن ہے کہ حاجی دور دور کے مُلکوں سے حج کے انوار حاصل کرنے کو اُس روز ایک خاص مکان میں جمع ہوتے ہیں پس گویا وہ دن اُس مکان میں سکونت رکھتا ہے اور لوگ اُس کے مُشتاق ہو کر اُس کے پاس آتے ہیں آور وجہ نکرہ ہونے شاہد اور مشہود کے برخلاف اگلی قسموں کے کہ معرّف ساتھ لام کے ہیں یہی ہے کہ جمعے کا دن اور عرفے کا دن ایک فرد میں منحصر نہیں مکرر وارد ہوتے ہیں برخلاف قیامت کے دن کے اور آسمان اور بُرجوں کے کہ غیر مکرر واقع ہوئے ہیں آور حدیث شریف میں وارد ہے کہ خیر یوم طلعت فیہ الشمس یوم الجمعۃ فیہ خلق اٰدمؑ وفیہ ادخل الجنۃ وفیہ اھبط منھا وفیہ تقوم الساعۃ وفیہ تاب اللہ علیٰ اٰدمؑ یعنی بہتر دن جس میں سورج نکلا جمعے کا دن ہے اسی دن پیدا کیے گئے آدم علیہ السلام اور اسی دن داخل کیے گئے جنت میں اور اسی دن نکالے گئے تھے اور اسی دن قیامت قائم ہوگی اور اسی دن توبہ قبول کی اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی آور یہ بھی وارد ہے کہ جمعے کے دن میں ایک ساعت ہے کہ اگر بندۂ مسلمان اُس ساعت کو ساتھ دعا اور التجا کے جناب الٰہی

میں مطلب حاصل ہونے کے واسطے اچھی طرح گزارے تو مطلب اُس کا حاصل ہو جاوے اور
یہ بھی وارد ہے کہ اَکْثِرُوا الصَّلٰوۃَ عَلَیَّ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ یعنی بہت بھیجو مجھ پر درود جمعے کے دن
کہ وہ متبرک ہے اور یہ بھی حدیث شریف میں ہے کہ حق تعالیٰ عرفے کے روز فرشتوں کو فرماتا
ہے کہ دیکھو میرے بندوں کو کہ کیسی دھولوں میں اٹے ہوئے بال بکھرے ہوئے کہاں کہاں سے
میرے گھر کا حج کرنے کو آئے ہیں گواہ ہو کہ میں نے اُن کو بخش دیا اور اُس روز شیطان عام
مغفرت الٰہی کو دیکھ کر واویلا مچاتا ہے اور خاک سر پر اُڑاتا ہے اور اُسی دن کا روزہ دو سال
اگلے اور دو سال پچھلے گناہوں کی کفارت ہے اور یہ بھی حدیث شریف میں آیا ہے کہ ہفتے
کے دنوں میں بہتر دن جمعے کا ہے اور سال کے دنوں میں بہتر دن عرفے کا ہے یعنی نویں
ذیحجہ کی اور اگر دونوں جمع ہوں تو نورٌ علیٰ نور ہو جاوے اور ان دونوں دنوں میں بھی ایک
طرح کا انقلاب ہے کیونکہ جمعے کا دن ہماری شریعت میں ہفتے کی ابتدا ہے اور عرفے کا دن
سال کی عبادتوں کی انتہا ہے بہ سبب ادا کرنے عبادت کبریٰ کے کہ حج ہے خانۂ کعبہ کا اور
بعضے مفسروں نے کہا ہے کہ جو دن کہ اُس میں اجتماع عظیم واقع ہو اور بہت سے لوگ
حاصل کرنے کو برکت کے یا سرانجام پہونچانے کو کسی مہم کے حاضر ہوں تو وہ دن مشہود ہے
اور حاضر ہونے والے اُس روز کے شاہد اور بموجب اس تفسیر کے مشہود جمعے کا دن ہے اور
عرفہ اور عیدین کا اور ترویے کا دن یعنی آٹھویں ذیحجہ کی اور دوسرے دن اجتماعوں کے
اور ایک گروہ نے تفسیر والوں سے شاہد اور مشہود کو شہود سے جو معنوں میں حضور کے ہیں
نہیں پکڑا بلکہ شہادت کے جو معنی میں گواہی کے ہیں اختیار کیا ہے اِس تقدیر پر شاہد
اور مشہود بہت سی چیزیں ہیں اول تو ذات حضرت حق کی جیسے سالم بن عبداللہؒ نے
کہا کہ شاہد خدا ہے اور مشہود خلق کَفٰی بِاللّٰہِ شَہِیْدًا اور سعید بن جبیرؓ نے کہا کہ شاہد
خدا ہے اور مشہود بہ توحید ہے شَہِدَ اللّٰہُ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ دوسرے یہ کہ شاہد پیغمبر ہیں
اور مشہود علیہ ہے قول اللہ تعالے کا فَکَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ کُلِّ اُمَّۃٍ بِشَہِیْدٍ تیسرے
یہ کہ شاہد عملوں کے لکھنے والے ہیں اور مشہود مکلفین جیسے قول ہے اللہ تعالیٰ کا وَجَآءَتْ
کُلُّ نَفْسٍ مَّعَہَا سَآئِقٌ وَّشَہِیْدٌ چوتھے یہ کہ شاہد آدمی کے اعضا ہیں اور مشہود علیہ

جمعے کا دن ابتداے ہفتے کا ہماری شریعت میں

آدمی جیسے قول ہے اللہ تعالےٰ کا یَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ
پانچویں یہ کہ شاہدرات اور دن ہیں اور مشہود بہ بنی آدم کے اعمال جیسے حسن بصری رضی اللہ
عنہ سے منقول ہے کہ مَامِنْ یوم الا ینادی الیٰ یوم جدید وانی علی ما یعمل فی
شَهِيْدٌ چھٹے یہ کہ شاہد آسمان وزمین ہیں کہ ہر قطعہ آسمان کا جو چیز کہ اُس کے نیچے واقع
ہوئی ہے نیکی اور بدی سے بیان کرے گا اور ہر ٹکڑا زمین کا جو کچھ کہ اُس پر واقع ہوا ہے
نیکی سے یا بدی سے قیامت کے دن گواہی دے گا اور مشہود بہ نیک و بد کام ہیں کہ آسمان
کے نیچے اور زمین کے اوپر واقع ہوتے ہیں۔ ساتویں یہ کہ شاہد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
کی ذات مبارک ہے اور مشہود علیہ دوسری اُمتیں قولہ تعالےٰ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً
وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ما
آٹھویں یہ کہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ شاہد تمام ممکنات ہیں اور مشہود ذات
پاک واجب الوجود کی کہ ہر ذرہ ذرات سے عالم کے وجود پر ذات اور صفات حق تعالیٰ کے
گواہ ہے اور موافق اسی تفسیر کے ہے اصطلاح اہل کلام کی کہ قیاس غائب کا شاہد پر
درست نہیں اور دلیل پکڑنا ساتھ شاہد کے اوپر غائب کے ہوسکتا ہے نویں یہ کہ شاہد حجر
اسود ہے اور مشہود لہ حجاج کیونکہ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ الحجر الاسود یمین اللہ
فی الارض یجیٔ یوم القیٰمۃ لہ عینان یبصر بھما ولسان ینطق بہ یشھد علیٰ
من استلمہ بحق اور حضرات صوفیہ رحمہ نے بھی فرمایا ہے کہ مقام میں جلا کے شاہد حق ہے
اور مشہود خلق اور استجلا کے مقام پر شاہد خلق اور مشہود حق بہرتقدیر یہ چیزیں کہ مذکور ہوئی
ہیں بسبب شرافت اور عظمت کے کہ رکھتی ہیں قابل قسم کھانے کے ہیں اور فی الجملہ دلالت
انقلاب پر احوال کے بھی کرتی ہیں اور موافق بعضے معانی کے تنکیر اور ابہام بھی مناسب
اُن کے ہے اور معین کرنے میں ان قسموں کے جواب کے مفسروں کو بڑا اختلاف ہے بعضے
کہتے ہیں کہ جواب ان قسموں کا قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ہے مقدر ماننے سے لام اور
قدْ کے اور بعضوں نے کہا ہے کہ یہ کلام تقدیم و تاخیر پر بنایا گیا ہے یعنی قتل اصحٰب
الاخدود والسماء ذات البروج اور ابن مسعود اور قتادہ رضی اللہ عنہما سے منقول

ہے کہ جواب ان قسموں کا بَطۡشَ رَبِّكَ لَشَدِيۡدٌ ہے اور درمیان میں اُن کے جو کہ مذکور ہے حکم جملہ معترضہ کا رکھتا ہے اور کشاف والے اور تھوڑے سے متقدمین نے یوں اختیار کیا ہے کہ جواب قسم کا محذوف ہے یعنی لعن من یؤذی المؤمنین کما لعن اصحٰب الاخدود اور اصح یہ ہے کہ جواب قسم کا ان الذین فتنوا المؤمنین ہے اور قتل اصحٰب الاخدود بطور گواہی کے اس مضمون پر بعد ان چاروں قسموں کے درمیان میں لائے ہیں کہ دلائل عقلیہ ساتھ دلائل نقلیہ کے مل کر کمال قوت سے اثبات مطلب کا کریں اور یہ بھی ہے کہ ان قسموں سے انقلاب عالم کا اور انتقام ظالم سے دنیا میں دائرہ نحوست کے آنے کے وقت اور وعدہ دیے گئے دن میں بعد قائم ہونے شاہدوں کے اور اظہار مشہور بہ کے مطلقاً ثابت ہوتا ہے اور اس قصے سے بالخصوص مسلمان بندوں کی مدد اللہ تعالیٰ کی طرف سے معلوم ہوتی ہے پس لانا اس قصے کا واسطے تمام کرنے تقریب سخن کے اور تنزیل عام کے اوپر خاص کے ہے کہ تقدیر مطالب میں اُس سے ناچاری ہے یعنے مقدر ماننے میں مطلب کے ضرور ہے گویا یوں فرماتے ہیں کہ انتقام مسلمانوں کا ظالموں سے کیا دنیا میں اور کیا آخرت میں بعد لانے گواہوں کے اور ثابت ہونے حق کے ضرور ہونے والا ہے جیسے قبل اُس کے واقع ہو چکا ہے کہ قتل اصحٰب الاخدود کا قتل عام کیے گئے خندق والے کہ طول میں چالیس۴۰ چالیس۴۰ گز اور عرض میں بارہ۱۲ بارہ۱۲ گز کھودی تھیں تاکہ مسلمانوں کو ان خندقوں میں ڈالیں اور عذاب کریں اور وہ خندقیں ایسی گرم ہوئیں اور تپی تھیں کہ النَّارِ ذَاتِ الۡوَقُوۡدِ کا تمام وہ خندق ایک آگ تھی شعلہ والی یا بہت سی لکڑیوں والی کہ اُس میں جلا کر نہایت گرم کیا گیا تھا اور حدیث شریف میں ہے کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تلاوت میں اس سورۃ کی اس آیت کو پہونچتے فرماتے تھے کہ اعوذ باللہ من جھد البلاء اور یہ قتل عام کہ خندق والوں کو واقع ہوا بدلہ تھا جلد اور سریع کہ بہ سبب بھڑکنے آگ کے اور اُس کی چنگاریوں کے بعد ڈالنے مسلمانوں کے اُس میں فی الفور ہلاک ہوئے اور فرصت گھر تک پھر جانے کی نہ پائی اس واسطے کہ یہ انتقام اُس وقت واقع ہوا کہ اِذۡ هُمۡ عَلَيۡهَا

قُعُوْدٌ جس وقت کہ وہ خندق والے اُس آگ پر بیٹھے تھے قبل اِس کے کہ کرسیوں سے اُٹھیں اور
گھر کو جاویں جل گئے اور تھوڑی سی فرصت بھی نہ پائی آور اِس قسم کا بدلہ جلد اور سریع لینا بیشتر
عوام کی نظروں میں موجب عبرت کا ہوتا ہے اور فی الواقع اِس جماعت نے ظلم میں کمال مرتبے کو
زیادتی کی تھی کہ ایسی جلد سزا کو پہونچی کیونکہ دوسرے ظالم جو کسی پر ظلم کرتے ہیں اپنے روبرو
مار دھاڑ نہیں کرتے بلکہ پیادوں کو یا قید خانے والوں کو حکم کر دیتے ہیں کہ گنہگاروں کو سزا
پہونچادیں تا کہ خلاف مروّت کے اور خلاف وقت جنسیت کے واقع نہ ہو وَّهُمْ مَا يَفْعَلُوْنَ
بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ اور یہ ظالم کہ صاحب خندق کے تھے جو کچھ کہ ایمان والوں سے کرتے تھے
خود اپنے حضور میں کرتے تھے آور یہاں سمجھ لیا چاہیے کہ قصّہ اصحاب خندق کا کہ دین اور ایمان
کے سبب سے لوگوں کو اُس آگ بھری خندق میں ڈالا ہے اور خود بھی جلد اُسی وقت انتقام
میں گرفتار ہو کر کندۂ دوزخ ہوے چار بستیوں میں کہ قریب حجاز کے ملک کے ہیں واقع ہوا
ہے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ آیت سے یہ چاروں قصّے مراد ہوں اور منظور اہل مکّہ کو ڈرانا ہے
تا کہ ان قصّوں سے کہ اُن پر بھی ظاہر ہیں عبرت پکڑیں اور مسلمانوں کے ایذا دینے میں زیادتی
نہ کریں پہلا قصّہ جو شام کے ملک میں واقع ہوا کیفیت اُس کی حدیث صحیح میں کہ مسلم اور دوسری
صحاح میں صُہَیب رومی رضی اللہ عنہ کی روایت سے وارد ہے سو یہ ہے کہ اُس مُلک میں ایک
بادشاہ تھا بڑا جلیل القدر اور اُس کے یہاں ایک جادوگر تھا کہ جادو کے فن میں کمال مہارت
رکھتا تھا اور اُس بادشاہ کی سلطنت گویا اُسی کے سبب سے قایم تھی جو دشمن کہ ارادہ اُس کے
ملک کا کرتا وہ جادوگر اُس کو جادو سے ہلاک کر دیتا تھا کچھ لڑنے بھڑنے کی بھی حاجت نہ ہوتی تھی
اور جب کبھی ارکان اور اُمرا اُس مملکت کے بادشاہ سے اُس کی نالایق حرکتوں کے سبب سے
بددل اور رنجیدہ ہوتے تو یہ جادوگر جادو کے زور سے اُن کو رجوع کر دیتا تھا اور اِسی طرح سے
ہر امر میں سحر اُس کا کام کرتا تھا یہاں تک کہ وہ جادوگر بوڑھا ہوا اور اپنی زندگی سے نا اُمید ہوا
تب بادشاہ سے عرض کی کہ میں بوڑھا ہو گیا اور قریب ہی اِس جہان فانی سے رخصت ہوا
چاہتا ہوں اب کوئی لڑکا خوب عاقل اور ہوشیار اپنے غلاموں میں سے میرے سپرد کرد
تا کہ اُس کو سحر کا علم تعلیم کر دوں کہ بعد میرے کاروبار تمھاری مملکت کا وہ لڑکا درست کرتا رہے

خندق والوں کے قصّوں کا بیان

بادشاہ نے ایک غلام ہوشیار اپنے غلاموں میں سے تجویز کر کے اُس کو حکم کیا کہ صبح سے
شام تک ساحر کے پاس حاضر رہا کر اور جادو کا فن سیکھ اُس لڑکے نے روز آنا جانا جادوگر
کے گھر شروع کیا اور جادو سیکھنے لگا اتفاقاً ایک روز راستے میں کیا دیکھتا ہے کہ بہت سے
آدمی ایک دروازے سے نکلتے ہیں پوچھا کہ اِس گھر میں کون ہے کہ لوگ اُس کے پاس
جاتے ہیں کسی نے کہا کہ یہاں ایک راہب ہے یعنی عابد کہ دنیا کو ترک کر کے خدا کی طرف
مشغول ہے یہ سُنکر وہ لڑکا بھی اُس راہب کے مکان میں آیا اور اُس کے حضور میں بیٹھا اور
اُس کی باتیں سُنیں پس سُنتے ہی راہب کے کلام کا اُس کے دل میں اثر ہو گیا یہاں تک
نوبت پہونچی کہ جب بادشاہ کے دولت خانے سے ساحر کے گھر کو جاتا تو راستے میں راہب
کے پاس بیٹھتا تھا اور جو کبھی راہب کے پاس زیادہ بیٹھ جاتا تو جادوگر اُس کو نہایت غصہ
اور تنبیہ کرتا کہ دیر کیوں کی وہ لڑکا کہتا کہ مجھ کو گھر میں دیر لگی آخر ساحر نے یہ ماجرا بادشاہ کے
حضور میں عرض کیا بادشاہ نے نہایت تقید فرمائی کہ یہ لڑکا بہت سویرے ساحر کے پاس
جایا کرے لوگوں نے عرض کی کہ یہ لڑکا یہاں سے تو صبح دم جاتا ہے اگر دیر کرتا ہے تو راہ میں
کرتا ہے پس بادشاہ اور ساحر دونوں نے یہ خبر سُنکر لڑکے کو دھمکایا کہ خبردار پھر ایسی دیر نہ کرنا
لیکن یہ خیال کیا کہ شاید راستے میں لڑکوں کے ساتھ کھیل کود میں لگ جاتا ہے اِس واسطے
دیر ہو جاتی ہے یہاں تک کہ ایک روز یہ لڑکا راہب کے گھر سے بادشاہ کے دولت خانے
کی طرف آتا تھا ناگاہ کیا دیکھتا ہے کہ راستے میں ایک بڑا اژدہا پڑا ہے اور راستہ بند ہے
اُدھر کے لوگ اُدھر اٹک رہے ہیں اور اِدھر کے لوگ اِدھر ٹھٹک رہے ہیں لڑکے نے اپنے
دل میں کہا کہ آج امتحان کرتا ہوں کہ ساحر کی صحبت بہتر ہے یا راہب کی پس یہ کہکر
ایک پتھر اُٹھایا اور کہا اے بار خدایا اگر دین اور مذہب گوشہ نشیں کا بہتر ہے سحر اور ساحری
سے تو اس اژدہے کو مار ڈال تاکہ لوگ خلاص ہو جاویں اور اُس پتھر کو اژدہے کی طرف
پھینکا اُس پتھر کے پہونچتے ہی وہ اژدہا ہلاک ہو گیا لوگ اِس معاملے کو دیکھکر پکار اُٹھے کہ
یہ لڑکا جادوگری کے کمال کو پہونچا رفتہ رفتہ یہ خبر گوشہ نشیں کو پہونچی تو اُس نے خلوت
میں لڑکے سے کہا کہ اے لڑکے تجھ کو خدائے تعالیٰ نے بزرگ کیا اور تیرا رُتبہ اللہ تعالیٰ کے

نزدیک بڑا عالی ہو گا اُس کو میں خوب جانتا ہوں لیکن تو ایک بلا میں مبتلا ہو گا خبر دار
مجھ کو نہ بتانا لڑکے نے گوشہ نشیں سے قول و قرار کیا کہ میں ہرگز تیرا نام نہ لوں گا اور تجھ کو
نہ بتاؤں گا تو خاطر جمع رکھ پھر لڑکے کو حق تعالےٰ نے برکت سے گوشہ نشیں کی صحبت کے
اور انجیل مقدس کی تلاوت کی برکت سے کہ اُس سے تعلیم لی تھی اور دین عیسوی کی
اتباع کی برکت سے کہ اُس زمانے میں حقیقت اُسی دین میں منحصر تھی ولایت عظمیٰ کے مرتبے
کو پہونچایا یہاں تک کہ کوڑھی اور مادرزاد اندھے اُس کے ہاتھ کی برکت سے اچھے ہو جاتے
تھے اور بہت سے مریض کہ طبیب اُن کے معالجے سے عاجز ہوتے تھے اُس لڑکے کی دعا سے
تندرست ہو جاتے تھے اتفاقاً بادشاہ کے ایک مصاحب کی آنکھیں جاتی رہی تھیں اور اندھے
پنے کے سبب سے بادشاہ کی مصاحبت چھوٹ گئی تھی جب اُس لڑکے کی شہرت اُس کے
کان میں پہونچی تو اُس کے پاس آیا اور کچھ ہدیہ اور نذرانہ اُس کے واسطے لایا اور کہنے لگا کہ مجھ پر
بھی توجہ فرما اور شفا بخش اُس لڑکے نے کہا کہ میں کیا چیز ہوں کہ شفا دوں شفا اللہ تعالیٰ کے
ہاتھ میں ہے اگر تو اللہ تعالےٰ پر ایمان لاوے اور بت پرستی چھوڑ دے اور بادشاہ کو اپنا
پروردگار نہ جانے تو میں جناب الٰہی میں دعا کروں گا کہ تجھ کو شفا نصیب ہو وہ اندھا اُسی
مجلس میں مشرف بہ ایمان ہوا اور دعا سے اُس لڑکے کی فی الفور اچھا ہو گیا اور موافق معمول
کے بادشاہ کی مجلس میں حاضر ہوا بادشاہ نہایت متعجب رہا اور کہنے لگا کہ اطبا اور کحال ہماری
سرکار کے تیری آنکھوں کے معالجے سے عاجز ہو گئے تھے اب تو کس طور سے اچھا ہوا اُس نے
کہا پروردگار نے میرے بے وساطت غیر کے مجھ کو بینا کیا بادشاہ نے فرمایا کہ میرے سوائے
پروردگار تیرا کون ہے مصاحب نے کہا کہ پروردگار میرا اور پروردگار تمہارا اللہ تعالےٰ کی
ذات پاک ہے جس نے مجھ کو اور تجھ کو نیز سب خلق کو پیدا کیا ہے بادشاہ غصے ہوا اور اُس کو
مار دھاڑ شروع کی کہ یہ عقیدہ تو نے کس سے سیکھا جب مار کوٹ نہایت ہونے لگی تو گھبرا کر اُس
لڑکے کا نام بتا دیا بادشاہ نے لڑکے کو اپنے حضور میں بُلایا اور کہنے لگا کہ تجھ کو میری پرورش سے
اور میرے ساحر کی برکت سے یہ فیض حاصل ہوا ہے کہ اندھوں کو انکھیارا کرتا ہے اور ہر مرض
کو شفا دیتا ہے یہ کیا کُفران نعمت ہے کہ میری پرورش کو کنارے کر دیا اور پروردگار اپنا

دوسرے کو ٹھہرایا لڑکے نے کہا کہ شفا نہ میرے ہاتھ میں ہے نہ آپ کے نہ ساحر کے محض اللہ تعالیٰ
کی قدرت پر موقوف ہے بادشاہ نے فرمایا اس لڑکے کو خوب عذاب کرو اور کہا کہ یہ لڑکا جو
ساحر سے غائب رہتا تھا معلوم ہوا کہ دوسری جگہ جاتا تھا اور وہاں سے اِس عقیدے کو
سیکھا ہے ساحر بھی اس بات کے سُننے سے گرتا پڑتا بادشاہ کے حضور میں پہونچا اور عرض
کی کہ یہ لڑکا ایک مدّت سے میرے پاس نہیں آتا معلوم نہیں کہ یہ کہاں جاتا ہے اور
سرکاری لوگوں نے بھی عرض کی کہ یہ لڑکا یہاں سے تو صبح سے جاتا ہے نہیں معلوم کہ
کہاں رہتا ہے بادشاہ نے فرمایا کہ اس کو طرح طرح سے عذاب کر کے پوچھو کہ یہ عقیدہ
کہاں سے سیکھا ہے وہ لڑکا نہایت عذاب سے بے قرار ہو گیا اور نام اُس گوشہ نشیں کا
بتلا دیا بادشاہ نے اُس کو بُلا کر آرا اُس کے روبرو رکھا اور کہا کہ اگر تو اپنے دین سے
نہ پھرے گا تو یہ آرا تیرے اوپر پھرے گا راہب نے کہا کہ میں ہرگز اس دین حق سے
پھرنے والا نہیں آگے جو تیری مرضی ہو سُو کر بادشاہ نے فرمایا کہ اِس کو آرے سے چیر ڈالو پس
موافق حکم کے فی الفور اُس کو چیر کے ڈال دیا پھر اُس مصاحب کو سمجھانے لگے کہ اِس راہب
کے دین سے پھر جا اور توبہ کر اُس نے بھی قبول نہ کیا آخر اُس کو بھی اسی طرح ہلاک کیا۔ پھر
اُس لڑکے کو لائے بادشاہ نے اس سے کہا کہ سزا ان دونوں کی تو نے دیکھی اگر تجھکو اپنی زندگی
منظور رہے تو اس دین سے تبرّا کر لڑکے نے بھی انکار کیا پھر بادشاہ نے اپنے کئی مصاحبوں
کو حکم دیا کہ اس کو فلانے پہاڑ پر لے جا کر اُس کی چوٹی پر کھڑا کرو اور اُس کو خوب سمجھاؤ
اگر یہ سمجھ گیا تو اس کو بڑا امیر کروں گا اور اپنا مصاحب بناؤں گا اور اگر باز نہ آوے تو اُس کو
وہاں سے ڈھکیل دینا کہ بند بند اس کا پاش پاش ہو جاوے لڑکے کو جب اُس پہاڑ کی
چوٹی پر لے گئے تو لڑکے نے جناب الٰہی میں عرض کی کہ یا رب تو کسی طرح مجھ کو ان کے شر
سے بچا اُسی وقت پہاڑ میں ایک زلزلہ پیدا ہوا اور سارے مصاحب بادشاہ کے پہاڑ تلے
گر پڑے اور پُرزے پُرزے ہو گئے اور وہ لڑکا صحیح و سلامت گھر کو آیا بادشاہ نے پوچھا کہ
تیرے رفیق کیا ہوئے غلام نے عرض کی کہ اُسی خدا نے کہ جس کا دین میں نے قبول کیا ہے
اُن کی آفت سے مجھ کو بچا لیا بادشاہ اور زیادہ غصّے ہوا اور دوسرے مصاحبوں کو حکم کیا کہ اِس

لڑکے کو ایک کشتی میں سوار کرکے دریا کے اندر لے جاؤ اگر یہ لڑکا دین اپنے سے توبہ کرے تو بہتر والا اس کو دریا میں پھینک دینا جب اُس لڑکے کو لے کر دریا کے بیچ میں پہونچے اور اُس کو مرتد ہونے کی ترغیب دینے لگے تو اُس غلام نے پھر جناب الٰہی میں عرض کی کہ بار خدایا مجھ کو شر سے اس گروہ کے بچالے فی الفور کشتی اُلٹ گئی اور بادشاہ کے مصاحب سب کے سب غرق ہوگئے اور غلام صحیح و سلامت نکل کے بادشاہ کے حضور میں گیا بادشاہ نے پوچھا پھر کیا کر کے آیا غلام نے تمام قصہ بیان کیا بادشاہ سُنکر تعجب میں رہگیا غلام نے عرض کی کہ اگر بادشاہ کو اس بندے کا قتل ہی منظور ہے تو بغیر ایک حیلے کے نہ ہوسکیگا بادشاہ نے کہا وہ کیا ہے غلام نے عرض کی کہ وہ حیلہ یہ ہے کہ اِس شہر کے سب لوگوں کو شہر کے باہر ایک میدان میں جمع کرو اور مجھ کو سُولی پر چڑھا کر ایک تیر اپنے ترکش سے نکالو اور اس کے سُوفار کو کمان کی زہ پر رکھ کے اس افسوں کو پڑھو بسم اللہ رب الغلام یعنی نام سے اللہ کے جو رب ہے غلام کا پھر اس تیر سے مجھ کو مارو تو میں اُس سے مرجاؤں گا بادشاہ نے ویسا ہی کیا اور اُس تیر کو غلام کے مارا جب وہ تیر جاکر غلام کی کنپٹی میں لگا تو غلام نے اپنا ہاتھ اُس پر رکھا اور کہا کہ مَیں نے اپنا مطلب پایا کہ اپنے پروردگار کے نام پر ذبح ہوا بس ایک شور مخلوق سے اُٹھا کہ اٰمَنَّا بِرَبِّ الْغُلَامِ اٰمَنَّا بِرَبِّ الْغُلَامِ یعنی ایمان لائے ہم پروردگار پر غلام کے ایمان لائے ہم پروردگار پر غلام کے یہ بات سُنکر مصاحبوں نے بادشاہ سے عرض کی کہ اِس بات میں بڑی خرابی پیدا ہوئی جس بات سے ہم ڈرتے تھے وہی پیش آئی کیونکہ سب شہر والوں نے خوب سمجھ لیا کہ اِس غلام کا پروردگار نہایت زبردست اور قدرت والا ہے اور تم اُس سے ضعیف اور زیردست ہو کیونکہ جب تک کہ اس غلام کے پروردگار کا نام نہ لیا تب تک اِس غلام کے مارنے پر قادر نہ ہوئے بادشاہ یہ بات سُنکر کمال غصے میں آیا اور شرمندگی سے جھنجھلا کر کہنے لگا کہ شہر کے کوچوں کے کناروں پر خندقیں کھودو اور بادشاہ اور تمام اعیان دولت خندق پر حاضر ہوئے اور کرسیاں بچھائے ہوئے اُس عذاب کا تماشا کرتے تھے یہاں تک کہ ایک عورت کو پکڑ لائے اُس کی بغل میں ایک دودھ پیتا بچہ تھا چاہا کہ اُس عورت کو بھی آگ میں ڈالیں وہ عورت آگ

میں گرنے سے ڈری اور جھجک کر پیچھے ہٹی بادشاہ نے کہا کہ اس عورت کو مہلت دو شاید
کہ اپنے دین سے پھر جاوے اور وہ دودھ پیتا لڑکا جو اُس کی گود میں تھا آواز بلند سے کہ
ہر خاص و عام نے سُنا کہنے لگا کہ اے ماں نادان یہ کیا کرتی ہے صبر کر کہ تو سچے دین پر ہے
بسم اللہ کر کے اِس میں بیٹھ جا کہ یہ آگ تجھ پر گلزار ہو جاوے گی تو وہ عورت یہ بات سُنتے
ہی بے دھڑک بچے سمیت آگ میں کود پڑی اور وہ آگ ایکبار گی ایسی بھڑکی کہ بادشاہ
اور اُس کے مصاحبوں کو جو کرسیوں پر بیٹھے تماشا دیکھتے تھے اتنی فرصت نہ دی کہ بھاگ
جاویں سب کو وہیں جلا کر خاک کر دیا اور ہر خندق پر اُسی قسم سے آگ بھڑکی اور اکثر شہر
والوں کو کہ بادشاہ کی تبعیت میں تھے اور مسلمانوں کی ایذا اور جلانے میں مشغول تھے سب کو
جلا کر فنا کر دیا اور ربیع بن انسؓ نے کہا ہے کہ حق تعالےٰ اُن مسلمانوں کی جانوں کو کہ
اُس آگ میں ڈالے جاتے تھے قبل اِس کے کہ آگ کی گرمی اُن کے بدن تک پہونچے
اُن کی جان قبض کر لیتا تھا اور بہشت میں داخل کرتا تھا اور اِس قصے میں ایک باریک نکتہ
ہے کہ حضرت شیخ اکبرؒ اور اُن کے پیرو اس بات کی طرف گئے ہیں وہ یہ ہے کہ قتل
غلام کا بادشاہ کے ہاتھ سے مکافات دنیوی کے واسطے تھا کہ راہب سے قول و قرار کر کے
پھر گیا تھا و اِلّا بادشاہ اُس غلام پر غالب نہ ہوتا اور مکافات دُنیوی کا ایک کارخانہ ہے
سوائے مجازات اُخروی کے کارخانے کے کیونکہ مکافات دنیوی اس قسم کی صورتوں میں
موجب عتاب اور نارضامندی حضور خداوندی سے نہیں ہوتی بلکہ اہل کمال کی ترقی کا
باعث ہو جاتی ہے بہ خلاف مجازات اُخروی کے چنانچہ سید الشہدا حضرت حمزہ رضی اللہ
تعالےٰ عنہ کو بہ سبب مارنے اونٹنیوں حضرت امیر المومنین مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہٗ کے اور
بہ سبب اُن کے پیٹ چاک کرنے اور اُن کی کلیجی کے کباب کرنے سے کیا کچھ واقع ہوا کہ
خود بھی شہید ہوئے اور کافروں نے اُن کے سینے کو چاک کر کے جگر کو نکال کے چاب کے
ڈال دیا اور تفصیل اس مقام پُر اسرار کی فتوحات میں موجود ہے دوسرا قصہ وہ ہے کہ جو نجران
کی سرزمین میں ہوا اور وہ شہر یمن کے مُلک میں واقع ہے کیفیت اُس کی یہ ہے ایک شخص
مُسلمانوں میں سے کہ اُس وقت میں مسلمان انجیل ہی کے تابعدار تھے ایک شخص سے

دوسرا قصہ خندق والوں کا

مکان پر آکر نوکر ہوا اور رات دن اُس کے دروازہ پر بیٹھا رہتا تھا تاکہ جس کام کا حکم ہو بجا لاؤں اُس مسلمان شخص کو انجیل مقدس یاد تھی ہمیشہ اُس کو پڑھا کرتا تھا اُس شخص کی بیٹی کو جس شخص کا یہ نوکر تھا ایسا نظر آیا کہ انجیل پڑھنے کے وقت ایک نور عظیم اُس کے سینے سے نکلتا ہے اور عالم میں پھیل جاتا ہے لڑکی نے اپنے باپ کے سامنے اِس عجائب بات کا مذکور کیا تو اُس کے باپ نے بھی اُس کی انجیل پڑھنے کے وقت سوراخ سے دیکھا کہ فی الواقع ایک نور عظیم ظاہر ہوتا ہے اُس نوکر سے پوچھا کہ یہ کیا کلام ہے اور کیا اُس کی تاثیر ہے کہ ہم تجھ سے سُنتے ہیں اور دیکھتے ہیں تو وہ مسلمان وہاں کے بادشاہ کافر کے خوف سے اور رئیسوں کے ڈر سے اِس بھید کو چھپاتا تھا لیکن وہ گھر والا اُس کا پیچھا نہ چھوڑتا تھا اور تنگ کرتا تھا یہاں تک کہ ناچار ہو کر احوال دین اسلام کا اور انجیل مقدس کا اُس سے بیان کیا پس وہ شخص اور اُس کی بیٹی فی الفور مسلمان ہو گئی اور انجیل کو پڑھ کر اُس کی تلاوت میں مشغول رہتی تھی رفتہ رفتہ یہ بات اُس شہر میں مشہور ہوئی تو ستاسی آدمی دوسرے مرد اور عورتوں سے شرف اسلام سے مشرف ہوئے یہاں تک کہ یوسف ذی نواس حمیری کے بیٹے نے کہ بادشاہ اُس شہر کا تھا اور بُت پرستی میں مستغرق تھا یہ بات سُنکر اُن سب مسلمانوں کو کہ نوّے آدمی تھے اپنے حضور میں بُلایا اور ایک خندق کھُدوائی اور خوب آگ سے دُہکائی اور حکم دیا کہ تم لوگ اگر عیسیٰ علیہ السلام کے دین سے نہ پھروگے تو تم کو آگ میں پھونک دوں گا اُس جماعت میں بھی ایک عورت تھی بچے والی کہ دودھ پیتا بچہ اُس کی گود میں تھا اُس دودھ کے بچے نے آواز بلند سے کہا ہاں بسم اللہ اس آگ میں گھسو کہ بدلہ اس آگ کا بہشت ہے سدا رہنے کو پھر بعد اس بات کے کہ مسلمان ہلاک ہو چکے بادشاہ اور اُس کے مصاحب خندق کے پاس کرسیوں پر بیٹھے تھے کہ یکایک اُس آگ کے شعلے ایسے بھڑکے کہ اُن سب کو جلا کے خاک کر دیا اور یہ قصہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اُٹھ جانے کے بعد واقع ہوا تھا اُس روز سے نجران کے لوگوں نے دین نصرانی کو حق جان کر قبول کیا چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک اُسی دین پر تھے اور سردار اُن کے کہ سید اور عاقب وغیرہ تھے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت کو مدینۂ منورہ میں آکر حضرت عیسیٰ

علیہ السلام کے حال میں بحث اور تکرار کی تھی اور آیت مباہلہ کی ان ہی کے جواب میں نازل ہوئی تھی تیسرا قصہ فارس کی زمین میں واقع ہوا تھا کیفیت اُس کی حضرت امیر المومنین مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہٗ سے منقول ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ مجوسی بھی اصل میں کتاب آسمانی رکھتے تھے اور ایک پیغمبر کے دین کے تابع تھے اور شراب اُن کے دین میں اس قدر کہ بے ہوش نہ کرے بدن کے نفع کے واسطے حلال تھی ایک روز مجوسیوں کے بادشاہ نے شراب بہت پی اور اُس مستی کی حالت میں اپنی بہن سے صحبت کی جب ہوش میں آیا تو نہایت نادم اور پشیمان ہوا اور اپنی بہن سے تدبیر اس عار کی کہ اُس کو لگ گئی تھی پوچھی بہن نے کہا کہ اس کی تدبیر یہ ہے کہ تو دعوی بہن کے حلال ہونے کا کر اور کہہ کہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں بھی بہن بھائی کا نکاح ہوتا تھا میں بھی اُسی وضع پر قائم ہوں بادشاہ نے لوگوں کو جمع کر کے اس مذہب اور مسئلے کو بیان کیا لوگوں نے ہرگز قبول نہ کیا پھر بادشاہ کی بہن نے کہا کہ انکو کوڑوں سے مار اُس نے اِسی طور سے کیا لیکن لوگوں نے قبول نہ کیا پھر اُس کی بہن نے کہا کہ اُن کی گردنیں مار اُس نے ویسا ہی کیا لیکن لوگوں نے اس پر بھی قبول نہ کیا پھر اُس نے کہا کہ خندقیں کھدوا اور اُن میں ایندھن بھروا کے آگ ڈلوا دے جب آگ خوب دہک جاوے تو حکم کر کہ جو کوئی اس مسئلے سے انکار کرے اُس کو اس آگ میں پھینک دو اُس نے ایسا ہی کیا قدرت الٰہی سے عین لوگوں کے جلانے کی حالت میں خود بھی جل گیا اُس روز سے مجوس کے مذہب میں آتش پرستی اور بہن کا حلال جاننا رائج ہوا چوتھا قصہ تفسیر زاہدی میں منقول ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شہر مسلمانوں کا تھا اُس میں قحط پڑا تو مسلمان اُس شہر کے غول کے غول حبش کی طرف بھاگ کر گئے حبش کے لوگوں کافر تھے اپنے بادشاہ سے عرض کی کہ اگر یہ مسلمان قحط کے مارے ہوئے اس شہر میں آویں گے تو غلّے کی ہم پر تنگی ہو جاوے گی اور یہاں پر بھی قحط پڑ جاوے گا بادشاہ نے حکم دیا تو شہر کے دروازے پر ایک خندق کھودی اور اُس کو آگ سے بھرا اور بادشاہ خود بھی اپنا تخت بچھا کر وہاں بیٹھا اور ایک بڑا بُت ہاتھی کے برابر وہاں کھڑا کیا اور شہر میں منادی پھروا دی کہ ان غریب الوطنوں اور باہر کے آئے ہوؤں سے جو کوئی اِس بُت کو سجدہ نہ کرے تو اُس کو اِس آگ میں جھونک دو

مجوسی کے پاس بھی کتاب آسمانی تھی

چوتھا قصہ خندق والوں کا

اتفاقاً ایک مسکین عورت کو کہ بچہ اُس کی گود میں تھا پکڑ کر لائے اور اُس سے کہنے لگے کہ اِس بُت کو سجدہ کر اُس نے کہا معاذ اللہ بادشاہ نے خفا ہو کر کہا کہ اِس کے بچے کو اُس سے چھین کے آگ میں ڈال دو جب بچے کو اُس سے چھین کے آگ میں ڈال دیا تو وہ ماں نہایت بے قرار ہو گئی تب اُس بچے نے آگ کے اندر سے آواز دی کہ اے ماں کچھ خوف نہ کر بے دھڑک چلی آ کہ یہ آگ نہیں ہے پھول ہیں اُس عورت نے ہاتھ اُٹھا کر جناب باری میں دعا کی کہ یارب تو دیکھتا ہے اور جانتا ہے تیرے روبرو حاجت بیان کرنے کی نہیں فی الفور اُس آگ سے ایک شعلہ چالیس گز کا اُونچا اُٹھا اور اُن سب کافروں کے پاس پہونچکر قنات کے مانند ہو کر سب کو گھیر لیا اور ایک ایک کو جلا دیا پھر جب اشارۂ اجمالی سے کہ ان چاروں قصّوں سے منظور تھا فارغ ہو چکے اور بیان کر چکے کہ ان ظالموں سے دُنیا میں بدلہ ہاتھوں ہاتھ بلا مہلت واقع ہوا اور اُن کا کام اُلٹا ہو گیا یعنی جو آگ مسلمانوں کے جلانے کے واسطے تیار کی تھی اُس میں آپ ہی جل گئے اب وجہ ایسے ہاتھوں ہاتھ بدلہ لینے کی کہ خلاف عادت ہے بیان فرماتے ہیں وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اور بدلہ نہ لیتے تھے یہ کافر ظالم مسلمانوں سے اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ مگر اس بات کا کہ ایمان لائے تھے اللہ پر اور صیغہ مستقبل کا اِس جہت سے لائے ہیں کہ مطلب کافروں کا مسلمانوں سے ایمان چھڑانا مستقبل کے زمانے میں تھا اور اُن کے ثابت رہنے اور صبر کرنے پر اُن کو عذاب کرتے تھے نہ ایمان ماضی کے ترک کے واسطے اور اس عبارت سے معلوم ہوا کہ کسی وجہ کی اُن کافروں کو مسلمانوں سے عداوت نہ تھی مگر ایمان کی جہت سے پس اس جہت سے عداوت مسلمانوں کی عداوت ایمان کی ہوئی برخلاف اور کافروں کے کہ باوجود مسلمانوں کی ایذا دینے کے سالہا سال کی مُہلت پائی اور پاتے ہیں کیونکہ عداوت اُن کی فقط ایمان کی جہت سے نہیں بلکہ طمع ریاست کی اور اُمید مال و جاہ کی بھی اُس میں ملی ہوئی ہے اور اُن لوگوں کو عداوت خالص ایمان کے واسطے تھی اور جس ایمان سے دشمنی رکھتے تھے وہی ایمان صحیح تھا کیونکہ متعلق اُس ذات پاک کے ساتھ تھا جو اِن صفتوں کے ساتھ موصوف ہے اَلْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط وہ اللہ کہ غالب ہے سب خوبیوں پر سراہا گیا اور وہ وہ ذات ہے کہ اُسی کیواسطے ہے بادشاہت آسمانوں اور زمین کی

اور ہر صفت ان تینوں صفتوں میں سے اسی بات کو چاہتی ہے کہ ایمان اُسی پر لانا چاہیے کہ وہ اپنے سب ماسوا پر غالب ہے اور کسی کی عزت اُس کی عزت کو نہیں پہونچتی تو اُس پر ایمان لانا بھی عزت اور افتخار کا سبب ہوا اور جو وہ محمود ہے تو شکر اُس کا دل اور زبان اور اعضا سے واجب ہوا اور اظہار ایمان کا فرض و لازم ہوا اور جو اُسی کے واسطے بادشاہتیں آسمانوں کی اور زمین کی ہوئیں تو اُس کے مخالفوں سے ڈرنا جائز نہ ہوا اور یہ تینوں صفتیں مذکورہ جیسی موجب اظہار کرنے ایمان کی ہیں اسی طرح سے باعث ہیں جلد بدلہ لینے کی کیونکہ بدلہ لینا دشمنوں سے موجب عزت کا ہے نہیں تو ذلت پہونچتی ہے اور مقتضا محمودیت کا بھی انتقام لینا دشمنوں سے ہے کیونکہ مخالفوں سے بدلہ نہ لینے والے کی بھی تعریف نہیں کرتے ہیں مگر عفو کی صورت میں سو عفو کفار پر جائز نہیں اور بادشاہت بھی موجب انتقام کی ہے دشمنوں سے والا دشمن دلیر ہو جاویں اور بادشاہت کے کارخانے میں خلل واقع ہو جاوے اور اگر باوجود ان صفتوں کے کوئی انتقام لینا چھوڑ دے تو ضرور رعایا کے حال سے بے خبر ہے کہ دشمنوں کی دشمنی کو اور دوستوں کی دوستی کو نہیں جانتا یا دشمنوں کی ایذارسانی سے کہ اُس کی دوستی کے سبب سے اُس کے دوستوں کو پہونچاتے ہیں بے خبر ہے یا محمول کسی اور اسباب پر کرتا ہے اور خدائے تعالیٰ اِس بے خبری سے پاک ہے کیونکہ وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ شَہِیۡدٌ ۙ اور اللہ ہر چیز پر خبردار ہے اور جب کافر ایمانداروں سے ایمان کی جہت سے عداوت کرنے لگے اور انتقام سے اللہ تعالیٰ کے غافل ہوئے تو گویا عزت اور بادشاہت اور خبرداری اور محمودیت اُس جناب کی کو انکار کیا تو حکمتیں اللہ تعالےٰ کی ان باعثوں کے جمع ہونے کے سبب سے تعجیل انتقام کو تقاضا فرمائی ہیں چنانچہ خندق والوں کے قصّوں میں نمود ہوا اور جو دلیل ایک فرد خاص میں صحیح ہوئی تو قیاس کلی کا اُس پر درست آیا چنانچہ فرماتے ہیں اِنَّ الَّذِیۡنَ فَتَنُوا الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ہ تحقیق جو لوگ کہ ایذا دیتے تھے ایماندار مردوں کو ایمان کی عداوت کے سبب سے وَالۡمُؤۡمِنٰتِ اور ایماندار عورتوں کو اگرچہ اُن کا ایمان بسبب عقل کے نقصان کے اور ہوا و ہوس کے غلبے کے ضعیف و ناقص ہے لیکن وہ ضعف بسبب بیکسی اور عجز کے کہ رکھتے ہیں مقابلے اور مدافعے سے بدلہ ہو جاتا ہے ثُمَّ لَمۡ یَتُوۡبُوۡا پھر باوجود مہلت اور فرصت کے

اِس ظلم سے توبہ نہ کی اور اسی شغل میں مرگئے اور اگر توبہ کر لیتے تو ہر چند کہ حق العباد کی جہت سے اُن سے پُرسش ہوتی اور معذب ہوتے لیکن یہ شدت اُن پر نہ ہوتی کیونکہ عداوت ایمانی اور حق اللہ کے تلف کرنے کے الزام سے چھوٹ جاتے اور اسی آیت سے دلیل پکڑی ہے جو کوئی کہ مسلمان کو عمداً مارے اور پھر توبہ کرے تو توبہ اُس کی قبول ہے لیکن اس استدلال میں بحث ہے کیونکہ مسلمان کا قتل عمداً اگر کفر کی حالت میں ہو گیا ہے تو بالاجماع توبہ اُس کی مقبول ہے کسی کا اختلاف اس میں نہیں ہے اور اس آیت میں مراد کافر ہیں کہ ایمان کے واسطے مسلمانوں کو مارتے اور ایذا دیتے تھے فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ پھر اُنکے واسطے عذاب ہے دوزخ کا اور اُس میں طرح طرح کی ایذائیں ہیں سُو وہ سارے دُکھ اور ایذائیں اُن ہی کے کام میں مصروف ہوں گی وَلَهُمْ اور اُن کے واسطے ہے اور ظالموں سے علاوہ عَذَابُ الْحَرِيقِ عذاب جلن کا کہ تن مَن اُن کا اس میں گرفتار ہوگا جیسے ایمان والوں کے دلوں کو جور وجفا سے جلایا تھا اور بعضے مفسروں نے کہا ہے کہ عذاب جلن کا قبر میں ہوگا دوزخ کے عذاب سے پہلے اور بعضوں نے جلنے پر خندق والوں کے کھڑک سے شعلوں کی جلنے میں حمل کیا ہے اور جو ظالموں کا حال سُننے سے کہ ایمان داروں کو ایمان کی جہت سے ایذا دیتے تھے سُننے والے کو ایک رنج پیدا ہوا کہ وہ ایمان والے کہ ظالموں کی بلا میں گرفتار تھے اور جانیں اُنکی ایمان کے سبب سے برباد ہوئیں نہیں معلوم کہ بدلہ اُس کا قیامت کے دن کیا پاویں گے تو اُس انتظار کے دفع کے واسطے نئے سرے سے ایمان والوں کا حال بیان کرنا ضرور پڑا اور جو یہ بیان ایک نئی بات ہے سامع کے انتظار کی تسکین کے واسطے کچھ مقصود اصلی اس جاے پر نہ تھا تو اسی واسطے حرف عطف کا ترک فرما کے ارشاد فرماتے ہیں اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تحقیق جو لوگ کہ ایمان لائے اور ایمان پر ثابت رہے اور باوجود ظالموں کی ایذا اور تکلیف کے صبر کیا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور کام کیے اچھے کہ بھلے کام اسی حالت میں بڑی پونجی ہے جیسا بلا پر صبر کرنا اور قضا پر راضی رہنا اور اللہ تعالےٰ کی طرف کو اختیار کرنا سو اپر لَهُمْ جَنّٰتٌ اُن کے واسطے باغ تیار ہیں کہ دنیا کی بلاؤں کے بدلے میں ملیں گے پس دنیا کا عذاب اُن کے حق میں ایسا ہے کہ کسی کو اُس کے محبوب کے روبرو اُسکی محبت

کے واسطے ایذا دیں کہ وہ ایذا اُس کو عین راحت ہو جاتی ہے تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ ؕ بہتی ہیں اُس کے درختوں کے تلے نہریں طرح طرح کی شہد اور دودھ اور پانی اور شراب کی بدلے میں اس لہو اور پسینے کے کہ کافروں کے ظلم کے سبب سے بہا تھا ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْکَبِیْرُ ؕ یہ بڑی مراد ملنی ہے کیونکہ دنیا کی مرادیں ملنا فانی ہیں اور یہ مرادیں باقی کہ ہرگز فنا ہونے والی نہیں اور یہ بھی ہے کہ مطالب دنیوی کے حاصل ہونے میں رضامندی محبوب حقیقی کی مشکوک اور نامعلوم ہے اور اُن آخرت کی لذتوں میں یقینی اور قطعی ہے اب یہاں ایک سوال باقی رہا کہ جواب طلب ہے اور وہ یہ ہے کہ کافروں کی جزا کے بیان میں حرف فائے جزائیہ لائے ہیں اور فَلَھُمْ عَذَابُ جَھَنَّمَ ارشاد فرمایا ہے اور مسلمانوں کی جزا کے بیان میں اس حرف کو ترک کر دیا اور لَھُمْ جَنّٰتٌ ارشاد کیا اس میں کیا نکتہ ہے جواب اس کا یہ ہے کہ ثواب آخرت کا محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے عمل پر موقوف نہیں جیسے نابالغ لڑکا یا جو شخص کہ بلوغ کے وقت سے مجنون ہو گیا یا جو شخص کہ پہاڑ کی چوٹی پر بالغ ہوا اور طریقۂ اسلام سے واقف ہی نہ ہوا اور توفیق عبادت اور طاعت کی بھی نہ پائی یہ سب آخرت میں بغیر عمل اور طاعت کے ثواب پاویں گے بخلاف دوزخ کے عذاب کے کہ بغیر فسق کے یا کفر کے نہ ہوگا کیونکہ عذاب عدل کو چاہتا ہے اور عدل بغیر سبب کے ہو نہیں سکتا تو ان دونوں چیزوں کے فرق کے واسطے کہ فضل اور عدل ہے اُس جائے پر سبب اور تعقیب کی تصریح فرما کر (ف) کا حرف لائے ہیں اور یہاں حذف کیا ہے اور جو معاملہ حق تعالیٰ کا اُن ظالموں سے کہ بسبب ایمان کے مسلمانوں کی ایذا کے درپے ہوتے ہیں اور ان مظلوموں سے کہ ایمان کے واسطے تحمل جفا کا کرتے ہیں دنیا اور آخرت میں بیان فرمایا تو یہ مطلب ثابت ہوا کہ اِنَّ بَطْشَ رَبِّکَ لَشَدِیْدٌ ؕ تحقیق پکڑ تیرے رب کی بہت سخت ہے کیونکہ اوروں کی پکڑ سے زور سے یا زاری سے یا صبر سے یا شفاعت سے خلاصی ممکن ہے اور عذاب سے اللہ تعالیٰ کے کسی طور سے ممکن نہیں اور یہ بھی ہے کہ دوسروں کی پکڑ کی نہایت یہ ہے کہ ہلاک کر دینا پھر بعد موت اور ہلاک کے مقدور نہیں رکھتے کہ ایذا دے سکیں کیونکہ اُن کی طاقت نہیں کہ مُردے کو جلا دیں بخلاف اللہ تعالیٰ کے کہ مرنے اور

خاک ہونے کے بعد بھی اُس کے دست قدرت سے خلاصی ممکن نہیں کہ وہ قادر ہے کہ مار ڈالے
پھر زندہ کرے پھر مار ڈالے اسی طرح ابدالآباد تک عذاب میں گرفتار رکھے اس واسطے کہ
اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيْدُ ۚ تحقیق وہی ایسا ہے کہ اول بھی پیدا کرتا ہے اور بعد فنا کے بھی پھر
پیدا کرتا ہے وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ۙ اور وہ اللہ تعالیٰ باوجود اس صفت قہاری اور کرخت
گیری کے اپنے مسلمان بندوں پر بخشش کرنے والا ہے اور دوست رکھنے والا کہ دوستی کی
شدت کے سبب سے گناہ اپنے دوستوں کے بخشتا ہے اور عیبوں کو اُن کے چھپاتا ہے اور
دوستوں اور دشمنوں سے اُس کا معاملہ ایسا کیوں نہ ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ ۙ
صاحب ہے جہان کے سلطنت کے تخت کا اور بزرگی اُس کی قدیم ہے اور مجد عرب کی لغت
میں خاندانی اور موروثی بزرگی کو کہتے ہیں اور جو قدم اور دوام موروثی بزرگی کو لازم ہے
تو یہاں مراد قدیم بزرگی رکھی ہے اور قدیم السلطنت بادشاہوں کی عادت ہے کہ اپنے دوستوں
اور دشمنوں سے اسی طرح معاملہ خوشی اور ناخوشی کا فرماتے ہیں نہیں تو اُن کی سلطنت کے
قدم میں خلل واقع ہو جاوے اور باوجود اس بات کے بادشاہوں کے ایک چیز میں ممتاز ہے
کہ کسی بادشاہ کو متصور نہیں اور وہ چیز یہ ہے فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ۙ کر ہی ڈالتا ہے جو چاہتا ہے
جب ارادہ اُس کا کسی چیز کے متعلق ہوتا ہے پھر اُس میں امکان مخالفت کا نہیں برخلاف
اور بادشاہوں کے کہ بہت سی چیزیں چاہتے ہیں اور میسر نہیں ہوتیں ایسے شہنشاہ سے
ہر وقت اور ہر آن ڈرنا چاہیئے اور اُس کی رحمت کے اُمیدوار رہنا باقی رہا یہاں ایک
سوال جواب طلب وہ یہ ہے کہ پہلی صفتوں میں جیسے الغفور اور الودود اور ذوالعرش المجید میں
لام تعریف کا یا اضافت معرف باللام کی طرف واقع ہے اور اس صفت میں کہ فَعَّالٌ لِّمَا
يُرِيْدُ ہے تنکیر کو اختیار کیا ہے اِس میں کیا نکتہ ہے جواب اس کا یہ ہے فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ
مشابہ مضاف کے ہے طالعًا جبلًا کے قبیل سے اور مشابہ مضاف حکم مضاف کا رکھتا ہے
حاجت تعریف کی نہیں اور مبالغے کے صیغے کو اوپر صیغۂ فاعل لما یرید کے اس واسطے اختیار
کیا ہے تاکہ اشارہ ہو کثرت پر مُرادوں کی اور کثرت پر حق تعالےٰ کے مفعولوں کی جیسے کہ واقع
ہے حاصل کلام یہ ہے کہ ان صفات متضادہ متخالفۃ الآثار سے منظور یہ بات ہے کہ اُس

مالک سے بعید نہیں کہ کبھی معاملہ مہربانی اور مغفرت اور دوستی کا بندوں سے کرے اور کبھی سخت پکڑ میں پکڑے بلکہ اُس ذات پاک سے ہو سکتا ہے کہ انعام اور انتقام کو حق میں ایک فرقے کے اور ایک آدمی کے اوقات مختلفہ میں جمع کرے سو انعام حق تعالیٰ کے ایک وقت میں اپنے حال پر مصروف ہوں تو مغرور ہونا نہ چاہیئے اور انتقام سے اُس مُنتقم عادل کے بے خوف اور بے دھڑک نہ رہیئے چنانچہ فرماتے ہیں هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ کیا پہونچی ہے تجھ کو بات اُن لشکروں کی کہ ایک مدت تک دروازہ انعام کا اُن پر کھلا تھا اور ہر طرف سے طرح طرح کی نعمتیں اُن کو پہونچتی تھیں پھر کیسا کچھ انتقام اُن سے لیا اور سبب اُن کی خرابی اور بدلے کے بھی ذلیل اور قلیل لوگ ہوئے کہ انعام الٰہی کے زور کے سبب سے اُن لوگوں کو کمال ذلت اور خواری سے رکھتے تھے اور وہ لشکر فِرْعَوْنَ وَثَمُوْدَ ۝ فرعون والے اور ثمود کی قوم تھی پس فرعونیوں کو ایک مدت تک حکومت اور نعمت دے کے بنی اسرائیل پر کمال تسلط دیا تھا کہ سارے ہیچ اور پوچ کام بیگار پکڑ کے اُن سے کراتے تھے پھر تمام مال اور مُلک اُن کا چند روز کے عرصے میں اُن ہی بنی اسرائیل کو دلوا دیا اور اُن فرعونیوں کو اُنکی آنکھوں کے دیکھتے دریائے قلزم میں غرق کر دیا اور ثمود کی قوم کو اوّل تو نہایت قدرت اور قوت عنایت فرمائی یہاں تک کہ ایک ہزار سات سو بستیاں تمام سنگین عمارات کی آباد کی تھیں اور حضرت صالح علی نبینا وعلیہ السلام کو اور ضعیف مسلمانوں کو اونٹنی کے بابت کیا کیا کچھ تذلیل اور ہتک کرتے تھے وہ سب کے سب ایک کڑک میں ہلاک ہو گئے اور وہاں کے بدبخت اور اشرار کو حضرت صالح علیہ السلام کی بددعا سے اندھا کر دیا پس یہ قصے عاقلوں کی عبرت کے واسطے کفایت کرتے ہیں تا کہ اللہ تعالےٰ کے انعام پر مغرور نہ ہو جاویں اور انتقام سے اُس کے ڈرتے رہیں لیکن کافر ان قصوں سے عبرت نہیں پکڑتے ہیں اور غرور اور بے خوفی میں گرفتار ہیں بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ تَكْذِيْبٍ ۝ بلکہ جو لوگ کہ کافر ہیں سو ان قصوں کے انکار کے درپے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ قصے اِس قسم کے ہیں کہ اہل تواریخ نے لوگوں کے تعجب کرنے کو بنائے ہیں اور کتابوں میں لکھ دیے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ قطع نظر ان قصوں کے اللہ تعالےٰ کی قدرت ہر شخص کو ہر وقت بے پردہ نمایاں ہے اور اگر اپنے ہی حال میں غور کریں

تو دیکھیں کہ آدمی کا دم کہ زندگانی انسان کی اُس سے تعلق رکھتی ہے وہ بھی اُسی کے ہاتھ میں ہے وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ ۝ اور اللہ تعالیٰ آگے پیچھے سے اُن کے گھیرے ہے کہ اُن کے زمانے سے پہلے بھی بہت سے سرکشوں کو ہلاک کیا اور اُن کے زمانے کے بعد بھی بہتوں کو ہلاک کریگا پس انکار ایسے قصوں کا کہ اس طرح کے قصّے ہر وقت میں نمودار ہیں بے جا ہے اور لفظ وَرَاء کا اصل لغت میں اُس چیز کے معنوں میں ہے کہ کوئی شخص اُس چیز کو چھپاوے یا وہ چیز کسی شخص کو چھپاوے اسی واسطے اس لفظ کو آگے اور پیچھے دونوں کے معنوں میں استعمال کرتے ہیں اور اس آیت میں بطور اشتراک معنوی کے یا عموم مجاز کے دونوں معنوں کو شامل ہے باوجود اِس بات کے یہ قصّے اِس قسم سے بھی نہیں ہیں کہ فقط اہل تاریخ نے ان کو ذکر کیا ہے بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ۝ بلکہ یہ قصّہ قرآن قدیم ہے کہ اِس قصّے کے ہونے سے پہلے لکھ گیا تھا فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ۝ ایک تختی میں کہ شیاطین اور جن اور انسان کے دخل سے باہر ہے اور محفوظ ہے اُسمیں کوئی تصرف نہیں کرسکتا کہ زیادہ اور کم اور تحریف اور الحاق کردے پس اس قسم کی محفوظ چیز میں احتمال جھوٹ بناوٹ کا کرنا مقتضائے عقل کے خلاف ہے اور بغوی معالم میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کی سند کے ساتھ لایا کہ لوح محفوظ سفید موتی کی ہے طول اُس کا جیسے زمین سے آسمان اور عرض اُس کا جیسے مشرق سے مغرب اور کناروں پر اُس کے یاقوت جڑے ہیں اور دونوں دفتیاں اُسکی یاقوت سُرخ کی ہیں اور نور کے قلم سے کلام قدیم اُس میں لکھا ہے سر اُس تختی کا عرش سے معلق ہے اور نیچے کی طرف اُسکی ایک معزز فرشتے کی گود میں رکھی ہے اور وہ عرش عظیم کی سیدھی طرف کھڑا ہے اور سرے پر لوح کے یہ عبارت واقع ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ دِيْنُهُ الْاِسْلَامُ وَمُحَمَّدٌ عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ فَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَصَدَّقَ بِوَعْدِهٖ وَاتَّبَعَ رَسُوْلَهٗ اَدْخَلَهُ الْجَنَّةَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ

ع ۱۲

سُوْرَةُ الطَّارِقِ

سورۂ طارق مکی ہے اس میں اُنیس[19] آیتیں اور اکسٹھ[61] کلمے اور دو سو اُنتالیس[239] حرف ہیں اور ربط اس سورۃ کا سورۂ بروج سے بسبب مناسبت کلام کے ہے کہ ابتدا میں

دونوں کی قسم ساتھ آسمان کے اور بُرجوں کے اور ستاروں کے واقع ہے اور انتہا میں بھی دونوں کے بیان محافظت آلہی کا غیب کی چیزوں کو جیسے لوح محفوظ اور آسمان اور آدمی کی جان سو یہ چیزیں ظاہر ہیں کچھ حاجت بیان کی نہیں آور اس سورۃ کا نام سورۂ طارق اس واسطے رکھا ہے کہ طارق عرب کی لغت میں اُس مہمان کو کہتے ہیں جو رات کے وقت آوے اور جو حادثہ کہ رات کو نمود ہو اُس کو بھی طارق کہتے ہیں اسی واسطے حدیث شریف میں وارد ہے کہ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ طَوَارِقِ اللَّیْلِ یعنی پناہ لیتے ہیں ہم اللہ کی اُس شر سے کہ رات کو اچانک آپڑے کیونکہ دفع کرنا ایسی آفت کا مشکل پڑتا ہے آور عرب کے اشعار میں معشوق کے خیال کو بھی کہ بار بار عاشق کے دل میں گذرتا ہے طارق کہا ہے کیونکہ معشوق کے خیال کا آنا اکثر فراغت کے وقت میں ہوتا ہے اور بڑی فراغت کا وقت رات ہے اور حدیث شریف میں مسافر کو منع فرمایا ہے کہ طروق کرے یعنی یکایک رات کے وقت گھر میں چلا آوے جب تک کہ اُس کی گھروالی بَن سنور کے درست نہ ہو لے کہ اُس کو بگڑے حال میں دیکھ کے نفرت نہ ہو جاوے آور اس سورۃ میں مراد طارق سے آسمان کے تارے ہیں اور سب تارے اِس صفت میں برابر ہیں اس واسطے کہ رات کو نظر آتے ہیں اور دن کو غائب ہو جاتے ہیں آور بعضے علماء کے نزدیک یہاں زُحل مراد ہے کیونکہ سب تاروں سے اونچا ہے اور اُس کی شعاع ساتوں آسمانوں کی موٹائی کی تاریکی کو سوراخ کر کے زمین پر پڑتی ہے پس کمال ظہور ثاقبیت کا اُس میں پایا جاتا ہے اور بعضوں کے نزدیک ثُریّا مراد ہے کہ بسبب جمع ہونے روشنی تاروں کے اُس میں چمک زیادہ پائی جاتی ہے آور اکثر علما اس بات پر ہیں کہ مراد جنس ہے اور ہر ستارہ اُس میں داخل ہے کیونکہ ہر ستارہ تین صفتیں رکھتا ہے اوّل تو یہ کہ ہر ستارہ اپنی شعاع سے تاریکی کو دفع کرتا ہے دوسرے یہ کہ تعین طرف کا پتا راہ کا مشرق کی طرف ہو یا مغرب کی طرف ہر مسافر کو تری کا ہو یا خشکی کا اِن سے معلوم ہوتا ہے تیسرے یہ کہ یہ سبب ہیں آسمان کی محافظت کے شیاطین کے شر سے اور اس کے دو سبب ہیں اوّل تو یہ کہ شیاطین دخانی مادے سے پیدا ہوئے ہیں اور ظلمت اور تیرگی کو بالطبع دوست رکھتے ہیں اور روشنی سے بھاگتے ہیں چنانچہ تجربہ کیا ہوا ہے کہ اکثر غلبہ

ان کا اندھیرے میں اور اندھیرے مکان میں ہوتا ہے اور جس مکان میں چراغ اور شمع ہوتی ہے وہاں ان کا دخل کم ہوتا ہے پس آسمان کو ان نورانی قندیلوں سے روشن کیا تاکہ روشن ہونے سے آسمانوں کے کہ محض شفاف ہیں سب شیطان چُندھلا کر بھاگ جاویں دوسرے یہ کہ فرشتے شعاع سے ستاروں کی گیند بنا کر شیاطین کو مارتے ہیں جیسے توپ کے گولے سے دشمنوں کو مارتے ہیں اور محافظت آسمان کی تاروں سے ایسی ہے جیسے محافظت قلعوں کی ہوتی ہے توپوں سے کہ برجوں اور فصیلوں پر چُنی ہوتی ہیں لیکن فرق اس قدر ہے کہ تاروں کو اور اُن لوگوں کو کہ فرشتے اُن تاروں کی شعاعوں سے تیار کر کے شیطانوں کو مارتے ہیں دونوں کو عرب کی لغت میں نجم اور کوکب اور ہندی میں تارا کہتے ہیں اور توپ کے گولے کو توپ نہیں کہتے ہیں اور قرآن مجید میں ستاروں کے ان فائدوں کو جا بجا مذکور فرمایا ہے اور یہ تینوں وصف کہ ہر ستارے میں موجود ہیں اس قسم میں منظور ہیں کیونکہ جس مضمون کی کہ اس قسم سے تاکید فرمائی ہے یہ ہے کہ آدمی کی جان ہرچند کہ تکلیف اور محنتوں میں گرفتار ہوتی ہے لیکن اللہ تعالے کی نگہبانی کے سبب سے ٹوٹنے اور فنا ہونے سے محفوظ ہے اور اسی واسطے حدیث شریف میں وارد ہے کہ اِنَّمَا خُلِقْتُمْ لِلْاَبَدِ یعنی جان آدمی کی کہ حقیقت میں آدمی عبارت اُسی سے ہے ابدی ہے ہرگز فنا ہونے والی نہیں اور جو عرف میں مشہور ہے کہ موت جان کو ہلاک کرتی ہے محض مجاز ہے موت کا نہایت کام یہ ہے کہ جان کو بدن سے جدا کر دیتی ہے اور بدن بسبب نہ ہونے مرتی اور نگہبان کے بیکس ہو کر بکھر جاتا ہے والا جان کو ہرگز فنا نہیں ہے اور ثابت ہونا عالم برزخ کا اور ہونا حشر اور نشر کا موقوف اسی مسئلے پر ہے اور اس سورۃ میں بھی معاد کو اسی راہ سے ثابت کیا ہے اور تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ آدمی دو چیز سے مرکّب ہے جان اور بدن اور جزو اعظم اُس کا جان ہے کہ تبدل اور تغیر کو اُس میں دخل نہیں اور بدن مانند لباس کے ہے جب تک کہ ماں کے پیٹ میں تھا تو اور رنگ تھا پھر جب ماں کے پیٹ سے نکلا تو آخر لڑکپن تک کچھ اور ہی رنگ رکھتا ہے اور جوانی اور بڑھاپے میں کچھ اور ہی اختلاف ہوتا ہے پس جزو اعظم اس کا کہ جان ہے اور شعور اور ادراک اور لذت اور دکھ کو دریافت کرنا اسی کا خاصہ ہے جو فنا کو قبول نہیں کرتی اور ہاتھوں میں نگہبانوں کے کہ حضور سے جناب کبریا کے اُن پر مقرر ہیں مقید رہتی ہے تو جمع ہونے میں بدن کے اور دوبارہ بنا دینے میں

اُس کے اُسی صورت اور شکل پر کون سا تعجب باقی رہا کہ اسی طرح کا معاملہ شروع پیدائش سے آخر عمر تک ہمیشہ نظر آتا ہے اور جو دلیل جان کی محافظت کی ساتھ معین ہونے نگہبانوں آسمان کے طفیل سے ستاروں کے تھی تو پہلے ہی ثابت کرنے میں اس مطلب کے قسم آسمان کی اور ستاروں کی یاد فرمائی اور اس سورۃ کا ستاروں کے نام پر نام رکھا ہے کہ بیشتر ثابت ہونا مطلب کا اُسی کی محافظت کے ملاحظے سے ہے یہاں پر سمجھ لیا چاہیے کہ اس سورۃ کا سبب نزول دلالت کرتا ہے اِس بات پر کہ مراد طارق سے ٹوٹنے والا تارا ہے جس کو شہاب[۱] کہتے ہیں اور حقیقت میں شیطانوں کو آسمان کے جانے سے روکنے والا وہی ہے کہ شیطان کی راہ کو بند کرتا ہے اور اُس کو جلا دیتا ہے اگرچہ توپ کے گولے کے مانند شعاع سے جڑے ہوئے ستاروں کی پیدا ہوتا ہے پس بہتر یہ ہے کہ طارق شہاب پر حمل کیا جاوے اور سبب اس سورۃ کے نازل ہونے کا یہ تھا کہ ابو طالب حضرت ؑ کے چچا آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیکھنے کو آپ کے مکان پر تشریف لائے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کھانا اُن کے روبرو رکھا کہ دودھ اور روٹی تھی پھر دونوں کھانے لگے اُس وقت ایک تارا آسمان سے ٹوٹا اور اس قدر زمین سے نزدیک ہوا کہ تمام گھر اُسکی روشنی سے بھر گیا اور ابو طالب کی آنکھیں چُندھلا گئیں اور گھبرا کر ہاتھ کھانے سے کھینچ لیا اور اُٹھ کھڑا ہوا اور پوچھنے لگا کہ یہ کیا ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تارا ہے کہ فرشتے آسمان کی محافظت کیلئے شیطانوں سے اُس کو اوپر پھینکتے ہیں اور یہ ایک علامت ہے اللہ تعالےٰ کی قدرت کی علامتوں سے ابو طالب متعجب ہو کر خاموش بیٹھ گیا اتنے میں حضرت جبرئیل علیہ السلام اس سورۃ کو لائے اور اس سورۃ میں اشارہ اس بات کی طرف ہوا کہ ان چیزوں کے دیکھنے سے عقائد حقہ پر دین اسلام کے مضبوط ہونا چاہیئے اور اس کو بے فائدہ چھوڑ دینا نہ چاہیئے کیونکہ یہ معاملہ بڑی دلیل ہے آدمی کے حشر اور نشر اور معاد پر اس واسطے کہ آسمان باوجود اپنی عظمت اور بلندی کے

---

[۱] شہاب بفتح نام رنگ سُرخ معروف کہ دراصل شاہ آب بود بمعنی بچۂ سگ و بکسر اوّل ستارۂ روشن و بمعنی شعلۂ آتش بلند شدہ و ستارۂ مانند چیزیکہ بشکل انار آتش بازی بر فلک دواں می شود و آں رجم شیاطین ست و نزد حکما آں دخان ارضی است کہ بکرۂ نار رسیدہ مشتعل می شود ۱۲ مولوی محمد عبد العزیز صاحب مرحوم

یہاں تک کہ ہاتھ کسی کا اُس تک پہونچ نہیں سکتا تب بھی محافظت الٰہی کا محتاج ہے اور صورت اُس کی محافظت کی اس وضع پر ظاہر ہوئی کہ گرتے ہوئے تاروں سے آسمان کے ایک ستارہ دوڑنے والا پیدا ہوتا ہے کہ شیطانوں کو سدِ راہ ہوتا ہے اور بھگاتا ہے سو آدمی کی جان کہ نہایت ناتواں ہے کس طور سے بغیر اللہ تعالےٰ کی محافظت کے ایسی مصیبتوں اور حادثوں کی کشمکش میں باقی اور سلامت رہ سکے گی پس جب یہ بات ثابت ہوئی کہ آدمی کی جان اللہ تعالیٰ کے قبض و تصرف میں ہے زندگی میں ہو خواہ بعد موت کے تو بس یہیں سے سمجھ لیا چاہیے کہ بعد موت کے نعمتیں اور تکلیفیں وہاں کی اللہ تعالےٰ کے دست قدرت میں ہیں باقی رہا حال بدن کا سو اُسکو بھی ساتھ تامل اور فکر کے قابل پھر پیدا ہونے کے سمجھا چاہیئے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ۙ قسم کھاتا ہوں میں آسمان کی اور اُس تارے کی کہ رات کے وقت نمودار ہوتا ہے اور جو اُس ستارے میں کہ رات کے وقت دوڑتا نظر آتا ہے لوگوں کو اس میں تردد ہے بعضے تو یوں کہتے ہیں کہ دھواں زمین سے اُٹھکر آسمان کی طرف جاتا ہے جب کرۂ نار کے متصل پہونچتا ہے تو بسبب دُہنیت کے کہ اُس میں باقی ہے جل اُٹھتا ہے پھر اگر لطیف ہے تو جلد محو ہو جاتا ہے اور اگر غلیظ ہے تو کئی روز تک بطور نیزے کے یا دُم دار ستارے کی طرح یا کسی اور صورت سے رہتا ہے اور بعضے یوں کہتے ہیں کہ آسمان قمر کے نیچے آگ کا کرہ ہے اور اُس کرے سے کبھی حرکت کی زیادتی سے ایک شعلہ کہ بسبب جمع ہونے شعاع ستاروں گرم مزاج کے کسی درجے میں درجوں آسمان سے حاصل ہوتا ہے اور اُس شعلے سے کوئی چیز مثل چنگاری کے جدا ہو کے نیچے آتی ہے اور دُخانی طبقے میں کہ درمیان میں کرۂ آگ اور ہوائے صرف کے ہے وہ چیز نمود ہوتی ہے تو دوڑتے ستارے کی طرح نظر آتی ہے اور جب طبقۂ زمہریر کو پہونچتی ہے تو جم جاتی ہے اور نظر سے غائب ہو جاتی ہے اور ان دونوں باتوں میں بہت سی بحثیں ہیں کیونکہ جو نور کہ اُس دوڑتے تاروں میں نظر آتا ہے اُس کو ہرگز آگ کے شعلے سے کہ دُھوئیں کے ساتھ روشن ہوتا ہے مشابہت معلوم نہیں ہوتی بلکہ نور اُس تارے کا کمال مشابہت نور آسمانی سے رکھتا ہے چنانچہ ظاہر نظر آتا ہے اور دوسرے یہ بھی ہے کہ حرکت کی جہت اس ستارے

کی موقوف تحت اور فوق پر نہیں ہے تاکہ دھوئیں چڑھنے والے کے شعلے پر یا انگارے گرنیوالے پر حمل کیا جاوے اکثر اوقات داہنے سے بائیں طرف اور بائیں سے داہنی طرف دوڑتا ہے پس صریح معلوم ہوتا ہے کہ حرکت اُن کی طبعی نہیں بلکہ کوئی زبردست ارادے اور اختیار والا اُن کو دوڑاتا ہے پس دفع کرنے کو ان ترددوں کے بطور سوال و جواب کے ارشاد فرماتے ہیں وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ۙ اور کیا جانتا ہے تو کہ کیا ہے وہ ستارہ رات کا آنے والا النَّجْمُ الثَّاقِبُ ۙ ایک تارا ہے کہ شیطانوں کی آنکھوں میں چکاچوندھ کر دیتا ہے اور کبھی اُس شعلے سے کہ اُس میں سے پیدا ہوتا ہے اُن کو جلا دیتا ہے اور شیطانوں کی اُسکی شعاع کے زور سے ایسی حالت ہو جاتی ہے جیسے چمگادڑ کی سورج کی چمک سے اور جبکہ طارق کی حقیقت بیان کرنے سے فارغ ہوئے تو اب اُس مضمون کو کہ جس پر قسم کھائی ہے یاد فرماتے ہیں اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ۭ کوئی جان نہیں چھوٹی ہو یا بڑی نیک ہو خواہ بد مگر کہ اُس پر ایک نگہبان ہے اللہ تعالےٰ کی طرف سے کہ اُس کو حادثوں کی سختی میں اور صدموں میں فنا نہیں ہونے دیتا یہاں پر سمجھنا چاہیئے کہ دار وغہ آدمی کی جان کی محافظت کا کہ فنا نہ ہو جاوے ایک فرشتہ ہے حضرت اسرافیلؑ کے لشکر کا آخر کام اُس کا یہ ہے کہ جان کو درمیان دونوں نفخوں کے صور میں داخل کر دے گا اور آدمی کے اور کاموں کے واسطے نگہبان بہت ہیں کہ نوبت بنوبت رات و دن چوکی پہرہ کرتے ہیں جب تک کہ تقدیر الٰہی اُس کی تکلیف کے واسطے متوجہ نہ ہو پھر جب مقدر وقت تکلیف کا آجاتا ہے تو وہ لوگ دست بردار ہو جاتے ہیں اور تقدیر الٰہی کو سونپ دیتے ہیں اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ وُكِّلَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِائَةٌ وَّسِتُّوْنَ مَلَكًا يَذُبُّوْنَ كَمَا يَذُبُّ عَنْ قَصْعَةِ الْعَسَلِ الذُّبَابَ وَلَوْ وُكِّلَ الْعَبْدُ اِلٰى نَفْسِهٖ طَرْفَةَ عَيْنٍ لَاخْتَطَفَتْهُ الشَّيَاطِيْنُ عَضْوًا عَضْوًا یعنی مقرر کیئے گئے ہیں ہر مسلمان پر ایک سو ساٹھ فرشتے کہ ہانکتے ہیں اُس سے شیطانوں کو جیسے شہد کے پیالے سے مکھیوں کو ہانکتے ہیں اور اگر بندے کو بندے پر ایک پلک مارنے برابر چھوڑ دیں تو شیطان اُس کی بوٹی بوٹی توڑ کے لے جاویں اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں پر اور آدمیوں سے زیادہ نگہبان ہیں کیونکہ ایمان کے سبب سے

ثاقب کا احوال

ان دو شخصوں کا بیان جو آدمی کی نگہبانی کرتے ہیں

اُس کے دشمن بہت ہیں کہ اُتنے دشمن اور کافروں کے نہیں ہیں آور وہ نگہبان کہ مومن
اور کافر کو آفتوں سے نگاہ رکھتے ہیں اُن کا ذکر سورۂ رعد میں ہے لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ
بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ یَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اور بیان ہر شخص کی جان کے
نگہبانوں کا سورۂ انعام میں مذکور ہے وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَیُرْسِلُ عَلَیْكُمْ
حَفَظَةً ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا یُفَرِّطُوْنَ ۝ اور
دوسرے فرشتے کہ آدمیوں کے نیک اور بد اعمال لکھنے کے واسطے مقرر ہیں اُن کا مذکور
سورۂ اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ۝ میں ہے یعنی اِنَّ عَلَیْكُمْ لَحٰفِظِیْنَ كِرَامًا كَاتِبِیْنَ ۝ اور
جو فرشتہ کہ حرف اور لفظ پر آدمی کے مقرر ہے اور اُن کو گنتا اور لکھتا ہے اُس کا ذکر سورۂ
قاف میں ہے یعنی مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ ۝ غرضکہ یہاں بیان جان
کی محافظت کرنے کا ہے کہ یہ امر سب کے واسطے ہے اور کبھی اس محافظت میں قصور نہیں
ہوتا اور جو آدمی کو بحث معاد کا اور باقی رہنا اُس کی جان کا اور محفوظ رہنا اُس کے نفس کا
قبل موت کے اور بعد موت کے معلوم ہو چکا اور سمجھ چکا کہ میری جان کہ حقیقت میں ذات میری
وہی ہے اور بدن اُس کے لباس کے مانند ہے سو وہ جان مالک حقیقی کے قبضۂ تصرف میں
ہے تو اب اُس کو اعتقاد کرنے میں معاد کے واقع ہونے کے اور سچ جاننے میں حشر و نشر کے
کچھ تردد نہ رہا مگر استبعاد کی جہت سے بدن کے اعادے میں کہ اجزا اُس کے بعد موت کے
نہایت متفرق اور پراگندہ ہو جاتے ہیں کچھ زمین اور خاک میں مل کر نیست و نابود ہو جاتے ہیں
اور کچھ حیوانات کا طعمہ ہو جاتے ہیں پھر وہ حیوانات ملکوں میں جا کر مرتے ہیں اور خاک میں
رُل مِل جاتے ہیں اور بعضے ایک ملک سے دوسرے ملک کو اور ایک جنگل سے دوسرے
جنگل کو اُڑ جاتے ہیں پھر اُن منتشر اجزاؤں کو جمع کرنا اور پہچاننا کہ یہ جزو فلانے بدن کا ہے
اور یہ جزو فلانے بدن کا یہ ایک کام ہے کہ عقل ظاہر بیں کو نہایت دشوار معلوم ہوتا ہے اور
اسی سبب سے کسی کہنے والے نے کہا ہے ہندی کا دوہرہ **دوہرہ** بات جھڑتے یوں کہیں
سُن رے بنکے راے ✤ اب کے بچھڑے نا ملیں دور پڑینگے جاے ✤ ناچار اس تعجب کے
دفع ہونے کے واسطے ایک راہ اُس کو اور بتاتے ہیں کہ فَلْیَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۝

پس دیکھے آدمی کہ کس چیز سے بنایا گیا ہے اور مادہ اُس کی خلقت کا کہاں کہاں سے جمع کر کے لائے ہیں تفصیل اس کی یہ ہے کہ نطفہ آدمی کا خلاصہ ہے لہو کا کہ غذا سے حاصل ہوتا ہے اور غذا یا اُگنے والی چیزوں سے ہے یا جاندار چیزوں سے تو اگر اُگنے والی چیزوں سے ہے تو اُسکی بہت قسمیں ہیں جیسے اناج اور ساگ اور ترکاری اور میوے اور مصالح گرم اور سرد اور سوائے اس کے بہت سی چیزیں ہیں اور جو حیوانی ہے تو اُس کی بھی کئی قسمیں ہیں جیسے گوشت اور دہی اور دودھ اور گھی اور چربی اور بیضہ اور سوائے اس کے اور طب کے علم میں مقرر ہے کہ غذائے صالح کے کھانے کے بعد جب بہتر ساعتیں گذرتی ہیں تو منی پیدا ہوتی ہے پس آدمی کو اپنی ہر روز کی غذا میں فکر کرنی چاہیئے جیسے چانول کہ کہاں سے آئے ہیں کس قطعۂ زمین میں کس کھیت میں کس گانوں میں اور وہ گانوں کس پرگنے میں اور وہ پرگنہ کس سرکار میں اور وہ سرکار کس صوبے میں اور وہ صوبہ کون سی مملکت سے متعلق ہے جہاں ان چانولوں کو بویا تھا اور بنجاروں کو کس ارادے نے اُس بات پر مستعد کیا کہ اُس ملک سے اُونٹوں یا بیلوں پر لاد کر اُس بازار میں لائیں اور مجھ بیچارے کے ہاتھ بیچیں اور مجھ کو اُن میں سے کھانا نصیب ہوا اور اسی قیاس پر حال تمام ضروریات کو اپنی غذا کی جانے اور بوجھے کہ میرے ماں باپ کو بھی اِسی طرح سے غذائیں طرح طرح کی دور دور کے ملکوں سے جمع کر کے کھلائی تھیں تو نطفہ میرا اُن کے بدن میں پیدا ہوا تھا اور مجھ کو اُس نطفے سے بنایا پھر جو شخص کہ ہر روز کی غذا میں اِس قدر اجزائے متفرقہ کو جمع کرتا ہے کہ اگر اُن سب کو ایک جائے پر اکٹھا کریں تو آدمی کے بدن کے اندازے سے ہزاروں درجے زیادہ ہو پھر اُس سے کیا بعید ہے کہ چالیس برس کے عرصے میں کہ دونوں نفخوں کے درمیان میں ہے تمام اجزا کو بدن کے کہ بلاشبہ اس مقدار سے کمتر ہیں متفرق مکانوں دور و دراز سے جمع کر کے صورت گوشت اور پوست کی پہنادے پھر بعد اُس کے غذا کو نطفہ کر کے کہاں سے کہاں کو پہونچاتے ہیں اور راہ میں نطفے کی کون کون سی ہڈیاں بڑی بڑی سخت کہ آدمی کے بدن میں پہاڑوں کے مانند حائل ہیں پھر باوجود اس بات کے اُس نطفے کو کس تدبیر سے دماغ سے کھینچ کے احلیل کو یعنی پیشاب کے مقام کو پہونچاتے ہیں پھر اُس راہ

دونوں نفخوں کے درمیان میں چالیس برس کا عرصہ ہوگا

سے رحم کے اندر کس طور سے پہونچاتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ۙ پیدا کیا گیا ہے آدمی اُچھلتے پانی سے اور وہ پانی مرد و عورت کا نطفہ ہے کہ رحم میں خلط ہو کر یکساں ہو جاتا ہے ہر چند کہ دفق یعنی اُچھلنا مرد کی منی کا خاصہ ہے لیکن جو بعد مل جانے کے دونوں ایک ہو جاتی ہیں تو مرد کی منی کی صفت کو بسبب غالب ہونے کے اُن دونوں میں اطلاق فرمایا اور بعضے طبیب اس بات کے قائل ہیں کہ عورت کی منی بھی رحم میں اُچھلتی ہے لیکن رحم کے گہرے پن کے سبب سے معلوم نہیں ہوتی چنانچہ تھرتھرا اُٹھنا عورت کا انزال کے وقت اس بات پر گواہ ہے پس اُس غذا کو بعد سے ہو جانے ہضمیت کے درجوں کے صورت بخشنا دلیل صریح ہے کہ بدلنا صورتوں کا یعنی ایک صورت کو دوسری صورت پر کر دینا قدرت الٰہی کے روبرو بہت آسان کام ہے یَّخْرُجُ مِنْۢ بَیْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ؕ نکلتا ہے وہ اُچھلتا پانی درمیان سے پیٹھ کے اور سینے کی ہڈیوں کے کیونکہ مادّہ منی کا اوّل دماغ سے نزول کرتا ہے اور اُن رگوں میں کہ دونوں کانوں کے پیچھے ہیں وہاں سے گذر کر نخاع میں آتا ہے اور مقام نخاع کا درمیان میں پیٹھ اور سینے کے ہے پھر مرد کے وہ مادّہ پیٹھ کے منکوں کی راہ سے گذر کر گُردوں میں آتا ہے وہاں سے خُصیوں میں وہاں سے ذکر کی نیچے کی رگ میں ہو کر رحم میں گرتا ہے اور عورت کے سینے کی طرف سے اسی طور سے خُصیوں میں کہ رحم کے عمق میں ہیں آ کر جماع کی حرکت کے سبب سے رحم میں گرتا ہے اور رحم کے اندر دونوں مل جاتے ہیں اور یہاں سے معلوم ہوا کہ منظور اس آیت سے پانی کے گذرنے کا بیان ہے کہ کس کس طور سے اس قسم کی سخت راہ سے کہ دونوں طرف ایسی بڑی بڑی ہڈیاں ہیں اُسکو روانہ کرتے ہیں اور اُس کے سفر کی انتہا کو پہونچا دیتے ہیں نہ یہ کہ مادّہ منی کا پیٹھ میں یا سینے کی ہڈیوں میں پیدا ہوتا ہے وا الاطب کے قاعدے کے مخالف ہو کیونکہ اُن کے نزدیک منی تمام اعضا سے لے جاتی ہے اسی واسطے اولاد میں مشابہت ماں باپ کی ہر عضو میں پائی جاتی ہے اور وہ مادّہ دماغ میں جمع ہوتا ہے اور وہاں سے رگوں کے راستے سے جو کانوں کے پیچھے ہیں اُترتا ہے اور جب آدمی کو آپ اپنی جان کی حفاظت حضرت حق کے قبضے میں معلوم ہو چکی اور کیفیت اپنی تمام غذائے متفرقہ کی اور اپنے ہونے کی مادے کے ابتدائے خلقت میں اور ر

بدلنا اُس کا ایک صورت سے دوسری صورت میں اور گذرنا اُس کا ایک جائے سے دوسری جائے کو بھی ظاہر ہو چکا پھر پیدایش اور معاش کو بھی اپنی خوب معلوم کرلیا تو اب اگر آخرت کو بھی اِن ہی دونوں حالتوں پر قیاس کرلے گا تو اُس کے نزدیک یقینی ثابت ہو جائے گا کہ اِنَّهٗ عَلٰی رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ؕ تحقیق کہ اللہ تعالیٰ خالق آدمی کا ہے اس طور سے کہ البتہ وہ پھیر لانے پر اُس کے قادر اور توانا ہے اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ جب اللہ تعالیٰ لوگوں کے زندہ کرنے کا ارادہ کرے گا تو ایک مینھ عرش عظیم سے نازل کرے گا اُس کا پانی خاصیت مرد کی منی کی رکھتا ہوگا اور قوت جماؤ کی اُس کے اندر ودیعت یعنی امانت رکھی ہے کہ مُردے کے بدن کے اجزا کو زندگی کے قبول کرنے کا مستعد کرے اور تعلق ارواح کا اُن کے ساتھ صحیح ہو جاوے گا لیکن اس بار کا پھیر لانا موقوف ہے ایک وقت پر کہ بیان اُس وقت کا اس آیت میں ہے یَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ۙ جس دن ظاہر کیے جاویں گے بھید اور تحقیق اس مقام کی یہ ہے کہ آدمی پر دنیا میں احکام بدن کے غالب ہیں اور احکام روح کے مغلوب اسی واسطے اپنی روح کے اوصاف کو صنعت اور تکلف سے دبا چھپا سکتا ہے یہاں تک کہ ہرگز اثر اُس کا بدن پر ظاہر نہیں ہونے دیتا جیسا کہ لوگ نامردی اور بخل اور دوسری بُری خصلتوں کو اپنی صنعت اور تکلف سے پوشیدہ رکھتے ہیں اور اثر اضطراب اور گھبراہٹ کا چہرے پر ظاہر نہیں ہونے دیتے اور قیامت کے دن حکم روح کا غالب ہو جاوے گا اور جو سیاہی کہ روح کے جوہر میں مخفی تھی چہرے کی سیاہی بن کر ظاہر ہوگی اور رجوروحیں کہ اعضا میں منتشر ہیں کاموں پر اُن اعضا کے گواہی دیں گی اور تمام اوصاف باطن کے ظاہر ہو جاویں گے اور جو پھیر لانا آدمی کا جزا دینے کے واسطے ہے تو ضرور اُس وقت پر موقوف ہونا چاہیے اور پہلے اُسے پھیر لانا حکمت کے خلاف ہے اور سرائر لغت میں چھپی چیزوں کو کہتے ہیں اور یہاں پر شامل ہے عقائد باطلہ کو اور فاسد نیتوں کو اور نیک اور بد عملوں کی نشانیوں کو جو کہ آدمی کی روح میں سما جاتے ہیں اور مانند اچھے بُرے رنگ کے روح کے چہرے پر نمودار ہوتے ہیں اور بعضے مفسّروں نے کہا ہے کہ مراد سرائر سے پوشیدہ گناہ اور مکر اور حیلے ہیں کہ دُنیا میں اُن کے

چھپانے کے واسطے کوششیں کرتے تھے اور بعضوں نے کہا ہے کہ مراد اس سے وہ فرائض
ہیں کہ ادا کرنا اور نہ کرنا اُن کا محض آدمی کے ظاہر کرنے پر موقوف ہے دوسرے کو اُس پر
اطلاع ممکن نہیں جیسے نماز و روزہ وضو غسل جنابت کا اور ادا کرنا زکوٰۃ کا اور دوسرے
واجبات سے کہ درمیان میں اللہ تعالےٰ کے اور بندے کے واقع ہیں دوسرے آدمیوں
کو مطالبہ اُس کا نہیں پہونچتا اور ادا کرنا اُس کا دوسروں سے تعلق نہیں رکھتا مثلاً اگر
کوئی شخص بے روزے والا ظاہر کرے کہ میں روزہ دار ہوں یا جُنب ظاہر کرے کہ میں نے
غسل کیا یا کوئی بے وضو کہے کہ مجھ کو وضو ہے یا جو شخص کہ زکوٰۃ نہیں دیتا اور کہتا ہے
کہ میں زکوٰۃ دیتا ہوں تو فقط اس کے اُس کہے پر چھوڑ دینا چاہیئے اور اُس سے
تعرض نہ کرنا چاہیئے اور تحقیق یہ بات ہے کہ لفظ سرائر کا اِن چیزوں سے عام ہے اور
سب کو شامل ہے فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ پھر نہ ہوگی آدمی کو اُس روز کچھ قوت کہ اپنے کاموں
کو ظاہر نہ کرے اور بھیدوں کو چھپا رکھے جیسے کہ دُنیا میں قوت روکنے چھپانے کی رکھتا
تھا کہ خوف اور گھبراہٹ کے وقت اپنے کو تھامتا تھا اور باوجود مار دھاڑ کے اپنی
چوری بدکاری کا اقرار نہ کرتا تھا وَّلَا نَاصِرٍ اور نہ ہوگا کوئی مددگار کہ باوجود ظاہر
ہونے قصور کے اُس کی سزا موقوف کردے جیسے دنیا میں یار و دوست باوجود ظاہر ہونے
تقصیروں کے آڑے آجاتے ہیں اور سزا نہیں دیتے اور جو دنیا میں طریقہ نجات کا سزا
سے وقت ثابت ہونے گناہوں اور تقصیروں کے اِن ہی دو طریقوں میں منحصر ہے
اِس طور سے کہ کمال قوت سے اُس کو چھپا ہوا اور پوشیدہ رکھے اور کسی طرح ثابت
نہ ہونے دے یا باوجود اظہار کے مدد سے رفیقوں اور مددگاروں کی بدی سے اُس کی
محفوظ رہے اِن دونوں طریقوں کو اُس دن مطلق نیست و نابود کردیں گے تاکہ سزا دینے
میں جو قابل سزا کے ہے قصور واقع نہ ہو نہیں تو وہ دن بھی دُنیا کے دن کی طرح سے
درہم برہم ہو جاوے اور روزِ فصل نہ رہے اور جبکہ ان آیتوں میں دو مضمون مذکور
ہوئے اوّل تو یہ کہ دوسری بار پیدا کرنا آدمی کا روح اور جسد کے ساتھ مقدور اللہ تعالیٰ کا
ہے دوسرے یہ کہ قیامت کا دن سرائر اور پوشیدگی کے ظہور کا دن ہے کہ چھپے بھید نفس کے

اُس روز ظہور کریں گے اور حیلے اور تدبیر سے چھپانا اُن کا ممکن نہ ہوگا اب ثابت کرنیکو
ان دونوں مضمونوں کے دو دلیلیں دوسری قسم کی صورت سے مذکور فرمائی ہیں وَالسَّمَآءِ
ذَاتِ الرَّجْعِ ۙ اور قسم کھاتا ہوں میں آسمان چکر مارنے والے کی کہ ہمیشہ حرکت دوریہ
میں اپنی وضع متروک کو کہ پھر عود کرتا ہے اور ہر دورے میں رات و دن کے ہر جزو
اُس کا اپنی وضع متروکہ کو رجوع کرتا ہے بعضے ستارے سال میں بعضے مہینے میں بعضے
اس سے زیادہ میں اپنی وضع متروکہ کو رجوع کرتے ہیں پس رجوع ہونا انسان کی روح
کا اپنی حیات متروکہ کی طرف اور اپنے بدن قدیم کی تدبیر کے واسطے کیا بعید ہے کیونکہ
اسی طور سے ہر رات و دن میں حرکت دوریہ فلک کی نظر آتی ہے وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ۙ
اور قسم ہے زمین دڑاڑ کھانے والی کی کہ اُس کے پھٹنے سے طرح طرح کی نباتات اُس کے
اندر سے ظہور کرتی ہیں اور چشمے جاری ہوتے ہیں اور زر و جواہر معدنوں سے
نکلتے ہیں پس قیامت کے دن ظاہر ہونا اسرار مودعہ کا یعنی امانت کا جو نفس انسانی
میں ہے کچھ بعید نہ رہا کیونکہ زمین کو جو خزاں کے دنوں میں دیکھیے تو ساری نباتات
اُس میں پوشیدہ اور مخفی ہوتی ہیں پھر جب موسم بہار کا پہونچتا ہے اور مینھ کا پانی
اُس زمین کے اجزاء میں ملتا ہے اور اُس کو نرم کر دیتا ہے پھر تمام چھپی چیزیں اُسکی
ظاہر اور نمود ہوتی ہیں پس یہی حالت نفس کی ہوگی جب اُس پر روح کا فیضان ہوگا
عالم آخرت میں اور بعضے مفسروں نے رجع کو مینھ پر قیاس کیا ہے اور کہتے ہیں کہ بخارات
زمین اور دریا کے اوپر چڑھتے ہیں جب طبقۂ زمہریر کے اوپر چڑھتے ہیں تو پانی ہوکر برستے
ہیں پس اس تفسیر سے بھی بخارات کے مادے کو اپنے مکان اصلی کی طرف رجوع ثابت
ہوا اور یہ دلیل انسان کے رجوع ہونے کی ہے عالم روحانی کی طرف کہ مقر یعنی ٹھکانا اصلی
اُس کا تھا اور اِس بات سے پہلا مضمون ثابت ہوتا ہے اِنَّهٗ تحقیق یہ بات کہ حق تعالیٰ
پھیر لانے پر انسان کے قادر ہے اور پھیر لانا اُس کا موقوف ہے اسرار ظاہر ہونے کے
وقت پر کہ وہ قیامت کا دن ہے لَقَوْلٌ فَصْلٌ ۙ البتہ یہ بات کھلی دو ٹوک ہے کچھ شبہہ
اس میں نہیں وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ۙ اور نہیں ہے یہ بات ٹھٹھے کی کہ دلیل قوی نہ رکھتی ہو

اور بطور خیال کے دل میں گذرتی ہو یا شعرا کے مبالغوں کی طرح کچھ اصل نہ رکھتی ہو جیسے
کفار کہتے ہیں کہ وعدے اور وعید پیغمبروں کے بعث اور جزا کے دن کے ایسے ہیں
جیسے لڑکوں کو فرضی ناموں سے ڈراتے ہیں کہ شوخی نہ کریں اسی طرح سے پیغمبر بھی
اِس لیے ڈراتے ہیں کہ دستور عالم کا فاسد نہ ہو جاوے اور رسمیں بد اور اعمال قبیح
رائج نہ ہوں پس ازراہ عقلمندی کے وعدہ اور وعید اور ترغیب اور ترہیب کرتے
ہیں اور حقیقت میں یہ چیزیں کچھ بھی نہیں ہیں اور ان کا محال ہونا ثابت کرنے کو کافر
حجتیں اور شبہے بیان کرتے ہیں چنانچہ حق تعالےٰ نے فرمایا ہے اِنَّھُمْ تحقیق یہ کافر
قرآن کو کلام فیصل نہیں جانتے بلکہ ہزل سمجھتے ہیں یَکِیْدُوْنَ کَیْدًا ہ کرتے ہیں ایک
داؤ یعنی قرآن کے مضمون کے دفع کرنے کو شبہے پیدا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ باتیں عقل کے
خلاف ہیں تا عام لوگوں کے نزدیک ہزل ہونا اس کا ثابت ہو جاوے وَاَکِیْدُ کَیْدًا ہ
اور میں بھی اُن کے مقابلے میں داؤ کرتا ہوں بطور مکر کے تاکہ کلام فیصل ہونا اُس کا
مدلل اور واضح ہونا اُس کا عام و خاص کے نزدیک ظاہر ہو جاوے کیونکہ جس وقت
کہ کافر واقع ہونے میں جزا اور حشر اور نشر کے شک و شبہے لاتے تھے تو جواب اُس کا ساتھ
تمثیلوں اور دلیلوں کے جزا اور حشر اور نشر کے مقدمے میں صاف صاف نازل ہوتا تھا
یہاں تک کہ مجمل باتیں مفصل ہو گئیں اور کسی طرح کا شک و شبہہ اس میں نہ رہا تو شبہے
اُن کے سبب ہوئے زیادتی ثبوت مطلب اور وضوح مقصد کے اور وہ اس بات
سے بے خبر اور غافل رہے اور یہی حقیقت ہے کید کی کہ بے خبر حریف کو ملزم کر دے
اور اُس کے مطلب کا نقیض یعنی اُلٹا ثابت ہو جاوے اور ہرچند کہ حق تعالےٰ قادر ہے
کہ اثبات مطلب کا عین ہوشیاری اور خبرداری کی حالت میں کر دے لیکن بے خبری
کی حالت کے الزام دینے میں کمال خجالت اور ذلت اُن کی منظور ہوئی کیونکہ وہ لوگ
بھی ذلت اور خجالت دینے میں اُس کے رسولوں کے ارادہ کرتے تھے اور جب معلوم ہوا
کہ ہونا کافروں کا اُس وقت میں کہ وقت نزول وحی کا اور اوائل اسلام کا تھا اور
طرح طرح کے شبہے لانا اُن کا اسلام کے عقیدوں میں گویا دلائل اسلام کی ترقی کا

موجب تھا اور جب تک وہ زندہ ہیں اور شبہے لاتے ہیں تو گویا اسلام کی دلیلوں کی ترقی میں کوشش کرتے ہیں اس سبب سے کہ حقیقت کار سے بے خبر ہیں پس یہ عین منفعت اور اسرار حکمت ہے تو ہلاکت کی دعا کرنا اُن کے واسطے اُس وقت مناسب نہ تھا اگرچہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم تنگ دلی کے سبب سے چاہتے تھے کافر جلد ہلاک ہوں اسی واسطے ارشاد ہوا فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ پس مہلت دے کافروں کو اور جلدی اُنکی بددعا میں نہ کر کہ اُن کے شبہے کرنے کے سبب سے نزول وحی کا اور جواب شبہوں کا پے در پے پہونچتا ہے اور حقائق شریعت اور دین کے اور احوال حشر اور نشر کے کماحقہٗ تحقیق اور واضح ہوئے جاتے ہیں اور بعد اُس کے کہ ظہور دین کا خوب متحقق ہو جاوے اور الزام اور حجت اور دفع شبہے کا اپنی نہایت کو پہونچے تو اُس وقت تجھ کو جہاد اور قتال پر مامور کریں گے اور تیرے ہاتھوں سے اُن کو ہلاک کریں گے اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ؏ فرصت دے اُن کو تھوڑے دنوں کی کہ وہ دن ابتدائے بعث سے قریب چودہ برس کے تھے اور اس عرصے میں جو شبہہ کہ اُن کی خاطر میں گذرتا تھا کرتے تھے اور جواب اُس کا پاتے تھے بعد اُس کے کوئی شبہہ اُن کے دل میں نہ رہا تو عناد اور شرارت اُن کی ظاہر ہوگئی اور قابل سیاست اور تنبیہ کے ہوگئے اور اتنی مدت کی مہلت دینے میں نکتہ یہ ہے کہ یہ مقدار آدمی کے سن بلوغ کی ہے کہ جب اس عمر کو پہونچتا ہے تو عقل اور بدن اُس کا کامل ہو جاتا ہے اور قابل سیاست اور جزا کے ہوتا ہے پس ابتدائے بعثت میں مکے اور عرب کے کافر حکم لڑکے کا رکھتے تھے کہ آہستہ آہستہ تعلیم اور سمجھانا شریعت کے حکموں کا اور تامل کرنا اُس کے دلائل میں اور جاننا بھلائی اور برائی دین کے قاعدوں کی اُن کو منظور تھی اور دکھانا معجزوں اور آیات بینات کا اس مقدمے میں کفایت کرتا تھا جبکہ اس مدت تک بھی بعضے اُن میں سے صلاح پذیر نہ ہوئے تو باوجود پرورش کامل کے محتاج تادیب اور تعزیر کے ہوئے تو پس حکم جہاد اور قتال کا نازل ہوا

جہاد کے حکم نازل ہونے کی وجہ

سُورَۃ الاعلیٰ

سورۂ اعلیٰ مکی ہے اور اس میں اُنیس آیتیں اور بہتر کلمے اور دو سو اکہتر حرف ہیں اور وجہ اُسکے ربط کی سورۂ طارق سے یہ ہے کہ اُس سورۃ میں بیان فرمایا ہے کہ نفس انسان کے واسطے نگہبان مقرر ہیں اللہ تعالےٰ کی طرف سے اور اس سورۃ میں یہ بھی مذکور رہے کہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے نفس کا اللہ تعالیٰ حافظ و نگہبان ہے اِس بات سے کہ علوم غیبی کی وحی کو فراموش کریں اور اُس سورۃ میں انسان کی کیفیت کی ابتدا کا بیان ہے کہ نطفہ اُس کا کہاں سے آتا ہے اور کہاں کو جاتا ہے اور اس سورۃ میں اُس کی خلقت کی انتہا کا بیان ہے کہ بعد تربیت کے کیا صورت پکڑی ہے اور اُس سورۃ میں قرآن مجید کے اوصاف مذکور ہیں کہ اپنی ذات سے وہ کلام اعجاز نظام کیا کچھ مرتبہ رکھتا ہے اور اس سورۃ میں بھی اوصاف قرآن مجید کے بیان ہیں بہ نسبت آدمیوں کے کہ عمل کرنا اس پر موجب نجات کا ہے مُنھ پھرانا اس سے ہلاکت کا سبب ہے اور ان مضمونوں کو جو کچھ آپس میں ربط ہے سو پوشیدہ نہیں ہے اور اُس سورۃ کا نام اعلیٰ اِس واسطے رکھا ہے کہ اوّل میں اس کے یہ نام اسمائے الٰہی میں سے مذکور ہے اور حقیقت اِس نام کی دلالت کرتی ہے اِس بات پر کہ اللہ تعالےٰ مرجع ہے ہر کمال کا ابتدا میں بھی اُس کمال کے اور انتہا میں بھی اس کمال کے کیونکہ عالی ہونا مرتبے کا منحصر ہے دو قسم میں ایک قسم علو بدایت کا ہے یعنی کمال وہاں سے شروع ہوتا ہے اور دوسرا قسم علو نہایت کا کہ کمال وہاں انتہا کو پہونچتا ہے اور جو کہ دونوں قسموں کو جامع ہے وہ اعلیٰ ہے اور جو حق تعالےٰ نے اپنی ذات کو اس نام سے مذکور فرمایا تو معلوم ہوا کہ اُس کے بخشے ہوئے کمالات میں ہرگز نقصان نہیں آتا ہے والا علو مرتبے میں اُس کے ابتدا میں یا انتہا میں قصور لازم آوے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو فوراً ذکر سے اس نام کے تسلی خاطر کی حاصل ہو اور جو دغدغہ کہ خاطر مبارک میں آتا تھا بالکل زائل ہو جاوے اور اس سورۃ کے نازل ہونیکا سبب اس طور سے بیان کیا ہے کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر بڑی بڑی سورتیں

نازل ہونا شروع ہوئیں اور بیحد وحساب غیب کی طرف سے جبرئیل علیہ السلام کے واسطے
سے علوم نازل ہونا شروع ہوئے تو خاطر مبارک میں آپ کی یہ دغدغہ خلجان کرتا تھا کہ
میں تو اُمّی محض ہوں یاد رکھنا اِن الفاظوں اور معنوں کا بغیر لکھنے اور کتابت کرنے کے
مجھ سے کیا ہو سکے گا، مبادا بہت سی چیزیں اس میں سے بھول جاؤں اور رسالت
کے مقدمے میں نقصان واقع ہو جاوے پس حق تعالےٰ نے اُن کی خاطر مبارک کی تسلی
کے واسطے یہ سورۃ نازل فرمائی اور اس سورۃ میں خوشخبری دی کہ جناب خداوندی نے خود
تیری اُستادی فرمائی ہے اور تجھ کو سبق بھولنے کا خطرہ ہرگز نہ چاہیے کرنا اور اسی واسطے
حدیث شریف میں وارد ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اس سورۃ کو بہت دوست
رکھتے تھے اور وتر کی پہلی رکعت میں اور جمعے کی پہلی رکعت میں اس سورۃ کو اکثر پڑھتے تھے
اور سلف کے لوگ بھی اکثر تہجد کی نماز میں اس سورۃ کو پڑھتے تھے اور اُس کی برکت
سے اُمیدوار رہتے تھے اور عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آیت
فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ نازل ہوئی تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس
تسبیح کو اپنے رکوع میں مقرر کرو یعنی رکوع میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ کہو اور جب آیت
سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى نازل ہوئی تو فرمایا کہ اس تسبیح کو اپنے سجدے میں بجالاؤ
یعنی سجدے میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى کہا کرو اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی
منقول ہے کہ جو شخص سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى پڑھے تو چاہیئے کہ اُس کے ساتھ ہی
سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى کہے تاکہ فرمانبرداری امر الٰہی کی ادا ہو جاوے

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى پاک سمجھ نام کو اپنے پروردگار کے کہ سب اونچوں سے اُونچا
ہے اس جگہ پر جان لیا چاہیے کہ پاک جاننا نام کا اکثر مفسروں کے نزدیک کنایہ ہے
پاک جاننے سے ذات کے کیونکہ عرب کا قاعدہ ہے کہ تعظیم اور ادب کے مقام پر ذات
کو نام کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں چنانچہ عرف میں مشہور ہے کہ بادشاہوں اور امیروں کے
حضور میں عرض کرتے ہیں کہ حضور کے نام سے یہ کام ہوا اور فلانا قلعہ فتح ہوا پس اگر

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ فرماتے تو یہ رعایت تعظیم اور ادب کی حاصل نہ ہوتی دوسرے یہ کہ ذات
کو حق تعالےٰ کی سوائے حق تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا پس پاک جاننا اُس کی ذات کا
یہی ہے کہ ناقص اور بے ادبی کے ناموں کو اُس کی ذات پاک کی طرف نسبت نہ کرے
حق تعالےٰ کی ذات پاک کو جاننے کے معنی جس قدر کہ شریعت میں وارد ہیں یہ ہیں کہ اجمال
کے طور سے سمجھ لیجئے کہ حق تعالےٰ کی ذات ہماری عقل اور وہم اور ادراک سے برتر ہے
اور کوئی نالائق صفت اور نقصان اور عیب اُس کی جاہ و جلال کے سراپردوں کے گرد
نہیں بھٹکتے اور تفصیل سے بھی سمجھ لیا چاہیئے کہ وہ ذات پاک نہ جوہر ہے نہ جسم نہ عرض اور کل
اور بعض کو اُس میں گنجایش نہیں اور صورت اور جہت اور حد اور نہایت اور مکان اور
محل کی قیدیں ہرگز اُس کو لاحق نہیں ہوتی ہیں اور نہ کوئی چیز اُس سے مشابہت رکھتی
ہے اور نہ وہ کسی چیز سے مشابہت رکھتا ہے بس مثل اور شریک کے اور جورو اور بچوں
سے اور کھانے اور پینے سے اور جو چیزیں کہ حدوث اُن کو لازم ہے یا موجب زوال اور
فنا کی ہیں وہ ذات پاک اُن سب چیزوں سے پاک اور مبرا ہے اور ایک گروہ نے مفسروں
کے کہا ہے کہ جیسے اللہ تعالےٰ کی ذات کو پاک جاننا فرض ہے اسی طرح سے اُس کے
پاک ناموں کی بھی تعظیم اور عزت واجب ہے بس اس آیت میں اس واسطے اُس کے
ناموں کا پاک رکھنا مراد ہوا اور اللہ تعالیٰ کے ناموں کو پاک رکھنے کے معنی یہ ہیں کہ
اُس کے نام کو ایسی چیز پر جو نقصان اور عیب پر دلالت کرتی ہو نہ لیں اور اُس کے
نام کو غیر اُس کے پر جاری نکریں اور ذکر اُس جناب پاک کے ناموں کا تعظیم اور طہارت
اور حضور قلب اور کمال توجہ سے بجا لاویں تاکہ تصفیہ قلب کا حاصل ہو اور اچھا پھل پاوے
اور ظاہر یہ بات ہے کہ اعلیٰ رب کی صفت ہے کیونکہ آگے کی صفتیں جیسے اَلَّذِیْ خَلَقَ
فَسَوّٰی اور سوائے اس کے سب رب کی صفتیں ہیں نہ اسم کی اور بعضے صوفیۂ کرام نے
فرمایا ہے کہ اعلیٰ صفت اسم کی ہے اور وہ اشارہ ہے ایک مسئلے کی طرف تصوف کے
مسئلوں میں سے کیونکہ اہل تصوف کے نزدیک مخلوقات الٰہی سے ہر مخلوق کا ایک رب
ہے اسمائے الٰہیہ سے کہ اُس مخلوق کے تعین کا مبداء اور اُس کے کمال کی نہایت کا

مرجع اور اس کے مقر کا منتہیٰ ہے اور روح محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کہ سب مخلوقات سے اکمل ہے رب اُس کا اسم اعلیٰ ہے اور وہ عبارت ہے اُس ذات سے جو جامع ہے سب کمال کی صفتوں کی اور معنی اس اسم کی تسبیح کے یہ ہیں کہ ماسوائے حق سے تجرد کر اور نظر کرنے سے غیر کی طرف اپنے کو بچا تاکہ تیری ذات پر کمالات حقانیہ سب کے سب روشن ہوویں کہ استعداد تام قبول کرنے کو کمالات الٰہی کے سوائے ذات محمدی کے کسی مخلوق کو حاصل نہیں ہے اور تسبیح اُس چیز کی کہ اُس چیز کے ساتھ خاص ہے وہ تسبیح ایک اسم کی ہے اسمائے الٰہی سے کہ وہ اسم مربی اُس چیز کا ہے اور مرجع اُس چیز کے کمال کا حاصل کلام کا یہ ہے کہ لانا اس اسم کا اس مقام پر اس فائدے کے واسطے ہے کہ جو کمال کہ تجھ میں ظاہر ہوا ہے اُس میں اس بات کا خوف مت کر کہ کبھی اُس میں نقصان دخل پاوے گا کیونکہ تیرا پروردگار وہی ہے اعلیٰ کہ مبدا اور مرجع ہر کمال کا ہے اور ہر چیز کو اس کے لائق کمال کے درجے کو پہونچا دیتا ہے اور اس کے کام تکمیل اور ترتیب میں ناتمام نہیں رہتے چنانچہ گواہی دینے کو اس مطلب کے اور ثابت کرنے کو اس بات کے کہ اللہ تعالیٰ مبدا اور مرجع ہر کمال کا ہے تین صفتیں دوسری یاد فرماتا ہے کہ اَلَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی ۙ یعنی پروردگار تیرا وہ ذات ہے کہ پیدا کیا ہر چیز کو پھر پورا کیا اور معتدل بنایا حاصل یہ کہ پیدائش کو ہر چیز کی بہ اعتبار خواص اور صفتوں اور اُن فائدوں کے جو اُس چیز سے منظور ہیں کمال درجے کو پہونچایا ہے اور ایک خاص مزاج کہ اُن کمالوں کو قبول کرے اور وہ منفعتیں اور فائدے اُس سے ظاہر ہوں اُس کو بخشا ہے چنانچہ جو شخص حیوانات کی قسموں کو انسان اور ہاتھی سے لے کر مچھر اور پسو تک غور کرے اور اسی طرح سے نباتات اور معادن کو دھیان کرے تو یقین جان لے کہ ہر چیز کو اُس چیز کے فائدے اور منفعتیں حاصل ہونے کا اسباب عنایت فرمایا ہے وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰی ۙ اور تیرا پروردگار وہ ذات پاک ہے کہ اندازہ فرمایا ہے ہر شخص کے واسطے ایک کمال کو پھر راہ بتاتی ہے اُس کو اپنے کمالات حاصل کرنے کی یہاں تک کہ بچے کو ماں کے پیٹ میں پیٹ سے باہر نکلنے کی راہ الہام فرماتا ہے اور پیٹ سے نکلنے کے ساتھ ہی دودھ پینا اور

رونے سے اپنا حال ظاہر کرنا اُس کو الہام ہوتا ہے اور ہر نر کو مادہ پر جست کرنا اور پانی میں تیرنا اور کنوئیں باؤلی کا پہچاننا اور دوسرے معاش کے کاموں کی مصلحتیں غیب سے تلقین ہوتی ہیں اور شہد کی مکھی کو مہندسی کے فن میں کامل کیا ہے کہ عجیب اور غریب طرح کے گھر بناتی ہے پھر اُس میں شہد نکالتی ہے اور کہتے ہیں کہ سانپ جاڑوں میں ہوا کی سردی سے اندھا ہو جاتا ہے پھر جب بہار کے دن آتے ہیں تو سونف کے درخت کی طرف جاتا ہے اور اپنی آنکھوں کو اس کے پتّوں پر ملتا ہے یہاں تک کہ اُس کی آنکھیں روشن ہو جاتی ہیں اور جو کچھ کہ امورات جانوروں اور حشرات کو معاش کے اسباب حاصل کرنے میں اور توالد اور تناسل اور دوسرے اُمورات ضروری کے واسطے الہام ہوتے ہیں سو یہ سب احوال کتاب عجائب المخلوقات میں خوب تفصیل سے لکھے ہیں اور حکما نے کہا ہے کہ ہر مزاج مستعد ایک قوت خاص کا ہے اور ہر قوت قابل ایک کام معین کے ہے اور تقدیر اسی سے عبارت ہے کہ اجزا کو جسم کے اس طور سے بناویں کہ ایک قوت کے قبول کرنے پر مستعد ہو جاوے اور ہدایت عبارت ہے اس قوت کے فیض دینے سے تاکہ مصدر اس کام کا معیّن ہو جاوے اور ان دونوں تصرفوں سے صلاحیّت عالم کی منتظم کی ہے وَالَّذِیْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى ۝ اور پروردگار تیرا وہ ذات ہے کہ اپنی قدرت سے ایسی چیز نکالی ہے کہ اُس کو جانور چرتے ہیں جیسے گھاس کہ بہائم اور وحوش اُس کو کھاتے ہیں اور طرح طرح کے پھول اور ریحان کہ شہد کی مکھی اور شکر خورے اور دوسرے پرندے اُس کو غذا کرتے ہیں اور طرح طرح کی کھیتیاں اور میوے اور پھل کہ آدمی اور بعضے جانور اُس کے کھانے سے فائدہ مند ہوتے ہیں فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰى ۝ پھر کر ڈالا اُس کھیتی کو خشک سیاہ کہ جاڑے کی خشکی اور سردی کے سبب سے رطوبت اور طراوت اُسکی جاتی رہتی ہے اور خشک اور سیاہ ہو کر ذخیرہ کرنے کے کام میں آتی ہے کہ نایابی کے وقت میں کام آوے اور یہاں پر سمجھ لیا چاہیے کہ اس بات کے ثابت کرنے کو پروردگار عالم نے کہ سب اونچوں سے اونچا ہے اور مرجع ہر کمال کی ابتدا اور انتہا کا ہے ان تینوں صفتوں کو اختیار فرمایا ہے اور نکتہ اس کا یہ ہے کہ تمام عالم میں کمال تین قسم سے باہر

نہیں ہیں کیونکہ ہر شئے کا کمال یا اپنی ذات میں ہے یا غیر کے نفع کے واسطے اور کمال
ذاتی یا بہ اعتبار جسم اور ظاہر کے ہے یا بہ اعتبار روح اور باطن کے پس کمال ذاتی
کے ثابت کرنے کو کہ تعلق جسم وظاہر سے رکھتا ہے اَلَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی ۝ لایا گیا اسواسطے
کہ پیدا کرنے میں ہر چیز کے رعایت جسم کے اعتدال کی اور مناسبت اعضاء کی اور برابر
کرنا ہاتھ کا ہاتھ سے اور کان کا کان سے اور آنکھ کا آنکھ سے اور پانوں کا پانوں
سے کمال زیب وزینت کے ساتھ ظاہر اور موجود ہے اور ثابت کرنے کو کمال ذاتی
کے کہ روح سے تعلق رکھتا ہے وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰی ۝ لایا گیا کیونکہ ارواحوں کی
استعداد کے اندازے کو مختلف کرنا پھر موافق استعداد کے راہ دکھانا تاکہ اس کمال کو کہ
اس کی استعداد کے لائق ہے حاصل کرے یہ بھی آنکھوں کے روبرو نظر آتا ہے اور
ثابت کرنے کو اُس کمال کے کہ غیر کے نفع سے تعلق رکھتا ہے وَالَّذِیْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰی
فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰی ۝ لایا گیا کیونکہ پیدا کرنا جانوروں کی گھاس کا اور آدمیوں کی غذا کا
اور طرح طرح کی خوشبویوں کا اور لباسوں اور دواؤں اور زہروں کا اور ایک وقت معین
تک ان کو رطوبتوں اور طراوتوں سے بڑھانا اور اُن کی خشکی اور سردی کے مسلط کرنے
سے زیادتی رطوبتوں کو اُن سے دور کر ڈالنا تاکہ مدتوں رہنے سے سڑنے نہ پائیں اور
ذخیرہ ہو سکیں ایک دلیل قوی ہے ابتدا اور انتہا پر اس کمال کو اور جو معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ
رب اعلیٰ ہے کہ مرجع ہر کمال کا ہے ابتدا میں بھی اور انتہا میں بھی اور تجھ کو اس کے نام کی
تسبیح سے بڑی مناسبت اُس جناب سے حاصل ہوئی ہے اب اپنے کمال کے نقصان سے
اندیشہ نہ کر کیونکہ سَنُقْرِئُكَ ہم آپ تجھ کو قرآن پڑھاویں گے اور بے انتہا علم تجھ کو تعلیم
کریں گے کہ اُسی قرآن سے نکلتے ہیں اور تصفیہ اپنے قلب کا اُس تسبیح سے کرتا زنگ آلودہ
نہ ہو جاوے فَلَا تَنْسٰٓی ۝ پھر ہرگز نہ بھولے گا تو اس واسطے کہ تیری استعداد تصفیۂ قلب
کے سبب سے کمال کو پہونچے گی اور کوئی زنگ غیب کے فیض کو حجاب نہ ہو سکے گا اِلَّا
مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ یعنی کسی چیز کو علوم غیب سے جو تیری استعداد کے لائق ہے اور میثاق کے
دن جو استعدادوں کی تقسیم کا وقت تھا تیرے حصے میں پہونچی ہے ہرگز نہ بھولے گا مگر وہ جو

اللہ تعالیٰ نے چاہا ہے اور حکمت اُس کی نے تقاضا فرمایا ہے کہ تیرے دل سے اس جہاں میں بھول جاوے تاکہ قیامت کے دن مقام محمود کے حاصل ہونے کے واسطے ذخیرہ ہووے چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ مقام محمود میں اس طرح کی حمد و ثنا اللہ تعالیٰ تعلیم فرماوے گا کہ اس وقت مجھ کو یاد نہیں ہے کہ (فرمایا آنحضرت صلعم نے) بے شبہ وہ محامد استعداد میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے داخل تھے اور عالم روحانی میں التفات اجمالی ان حمدوں پر رکھتے تھے گویا کہ اس دنیا میں ایک حکمت کے واسطے اُن کو بھلا دیا تھا اور بعضے قرآن کی آیتیں کہ سینۂ مبارک سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے محو ہو گئی تھیں اور بھول گئی تھیں وہ بھی ماشاء اللہ میں داخل ہیں کیونکہ بھلانا بھی ایک طرح کا منسوخ کرنا ہے چنانچہ سورۂ بقرہ میں فرمایا کہ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا لیکن اتنا سمجھ لینا چاہیے کہ بھلا دینا اس وقت علامت منسوخ ہونے کی ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سینۂ مبارک سے اور ساری اُمت کے قاریوں کے دل سے محو ہو جاوے والاحادیث صحیح میں وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار نماز کی قرأت میں ایک آیت چھوڑ گئے پھر بعد نماز کے اُبی بن کعبؓ سے پوچھا کہ اس سورۃ میں کوئی آیت چھوڑ گیا اُبی رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ ہاں فلانی آیت رہ گئی فرمایا کہ مجھ کو بتائی کیوں نہیں اُبی رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ میں سمجھا کہ آیت منسوخ ہو گئی فرمایا کہ نہیں میں ہی بھول گیا تھا اور اگر منسوخ ہوتی تو تم کو خبر کر دیتا اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفٰى ۔ تحقیق وہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے اُن کمالوں کو جو تجھ میں ظاہر ہیں اور جلوہ گر اور مراد فی الاعلیٰ اُس کو دیکھتا ہے اور جانتا ہے اُن کو جو کہ ہنوز تیرے استعداد کی تہ میں پوشیدہ ہیں اور اپنے وقت پر مصلحت کے موافق پوشیدگی سے فعل کی طرف ظہور کریں گے اور جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی اُستادی سے تسلی بخشی تاکہ حفظ قرآن سے اُن کا دل فارغ ہو اور جان لیں کہ یہ پودھا بیشک اور بے شبہ پھلنے والا ہے اور یہ بات اس طرح کی نہیں جیسے دوسرے انسانوں کے استاد کسی شخص کی تعلیم کے درپے ہوتے ہیں اور وہ شخص بعضے عارضوں کے سبب سے ناقص رہ جاتا ہے تو اب دوسرے علموں کی حفاظت سے بھی اُن کی خاطر جمع فرماتے ہیں وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى ۝ اور آسان کر دیں گے

ہم تجھ پر آسانی کی راہ چلنا کہ اللہ تعالےٰ کی طرف کے راستوں میں سے بہت نزدیک کا راستہ ہے معرفت میں بھی اور عبادت میں بھی اور ملک اور ملّت کی سیاست میں بھی پس جو جو علم کہ ان تینوں چیزوں سے متعلق ہیں فوّارے کے مانند تیرے دل سے جوش ماریں گے اور ان علموں کے حاصل کرنے میں کچھ محنت اور مشقت بھی نہ کھینچے گا اور کسی کتاب اور دستور العمل اور مرشد اور اُستاد کا بھی محتاج نہ ہوگا پھر جب حقیقت میں بات یوں ہے تو تجھ کو یاد کرنے میں قرآن اور دوسرے علموں کے مبالغہ اور کوشش ضرور نہیں ہے بلکہ تجھ کو چاہیے کہ دوسروں کو اُن کے بھولے ہوئے علم یاد دلاوے اور کامل ہونے سے کامل کرنے کی طرف رجوع کرے کہ ہم نے تجھ کو محض اُمت کی تکمیل کی محنت اور رنج کے واسطے بھیجا اور تیری تکمیل ہمارے ذمّے پر ہے چنانچہ فرماتے ہیں فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ۝ پھر یاد دلا اگر نفع کرے یاد دلانا اور نصیحت کرنا تاکہ تیرا کمال متعدی ہو جاوے اور ہزاروں آدمی تیرے رنگ میں رنگ جاویں یہاں پر ایک سوال ہے جواب طلب کہ اکثر مفسر اسی رنج وتعب میں ہیں وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا منصب تذکیر اور وعظ اور پند دینا ہے خواہ کوئی قبول کرے یا نہ کرے پھر اس شرط کو کس واسطے بڑھایا ہے یہاں تک کہ بعضے مفسروں نے کہا ہے کہ مراد الٰہی یہ ہے کہ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى وَاِنْ لَّمْ تَنْفَعْ بس ایک قرینے کو محذوف رکھا ہے چنانچہ رَبُّ الْمَشَارِقِ اور سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ میں بیان ہے اور دوسرے جواب بھی اسی قیاس سے ذکر کیے ہیں اور تحقیق مقام کی یہ ہے کہ تذکیر اور موعظت اور پند دینا یہ سب مشروط ہیں قبولیت کے ظن کے ساتھ اور منصب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا تذکیر اور وعظ ہر شخص کے لیے نہیں ہے ہاں حکم الٰہی کا پہونچانا اور ڈرانا اللہ تعالیٰ کے عذاب سے تاکہ الزام حجت کا ہو اور عذر جہل و نادانی کا نہ رہے اتنا بہ نسبت ہر شخص کے ضرور ہے لیکن اس کو تذکیر اور موعظت نہیں کہتے ہیں اور سورۂ غاشیہ میں قول صریح یہی ہے کہ اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَكَفَرَ استثناء ہے فَذَكِّرْ سے تو اس سے صراحۃً یہی شرط بوجھی جاتی ہے اور یہ بات بھی ہو سکتی ہے کہ یہ شرط امر کی تاکید کے لیے ہے تذکیر کے واسطے یعنی اگر کسی کو تذکیر نفع کرے تو تجھ کو تذکیر کرنا چاہیے اور یقین ہے کہ تذکیر البتہ عالم میں کسی کو نفع کرے گی

گو ہر کسی کو نفع نہ کرے بس گویا معلق ہونا ایک شے کا ایسی چیز پر ہوا جس کا واقع ہونا ضروری ہے یہ امر موجب تاکید کا ہے چنانچہ حدیث صحیح میں ہے کہ قَدْ کَانَ فِیْمَا قَبْلَکُمْ مِنَ الْاُمَمِ مُحَدَّثُوْنَ فَاِنْ یَّکُ فِیْ اُمَّتِیْ اَحَدٌ فَاِنَّہٗ عُمَرُ اور یہاں پر دو سوال دوسرے بھی تفسیروں میں بیان کرتے ہیں سو دو سوال مع جواب لکھے جاتے ہیں اوّل تو یہ ہے کہ معلق کرنا کسی شرط پر اُس شخص کے واسطے جائز ہے جس کو کام کے انجام کی خبر نہ ہو اور اللہ تعالیٰ تو علام الغیوب ہے اُس کے کام میں تعلیق کے کیا معنی ہوں گے اس کا جواب یہ ہے کہ انبیاء کی دعوت اور مبعوث ہونا سب ظاہر کی چیزوں کے واسطے ہے پوشیدہ چیزوں کے واسطے نہیں ہے اسی واسطے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام پر ان کی حرکتوں میں کہ ظاہر میں بُری تھیں اور باطن میں اچھی گرفت فرمائی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی فرعون سے ہم کلام ہونے میں ارشاد ہوا کہ فَقُوْلَا لَہٗ قَوْلًا لَّیِّنًا لَّعَلَّہٗ یَتَذَکَّرُ اَوْ یَخْشٰی ۝ یعنی فرعون سے کلام نرم کرو شاید کہ وہ نصیحت قبول کرے یا خدا سے ڈرے حالانکہ علم الٰہی میں مقرر تھا کہ وہ نصیحت قبول نہ کرے گا اور حق تعالیٰ سے نہ ڈرے گا دوسرے یہ کہ وعظ کا نام تذکیر کس واسطے رکھا حالانکہ عرب کی لغت میں تذکیر کے معنی یاد دلانے کے ہیں اور یاد دلانا اس چیز میں ہوتا ہے کہ اوّل سے معلوم ہو لیکن فی الحال بھول گئی ہو جواب اُس کا یہ ہے کہ دین کی خوبی اور اللہ تعالیٰ کی عبادت اور توحید اس ذات پاک کی عقلوں میں بنی آدم کے موافق اصل جبلت کے گڑی ہوئی ہے چنانچہ فرمایا ہے فِطْرَتَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا پس گویا ہر شخص کی ذات میں دین کے کاموں پر علم حاصل تھا بسبب پیدا ہونے موانع کے بھول گیا تھا اب وعظ اور نصیحت پیغمبروں کی اس بھولے ہوئے علم کے یاد دلانے کے واسطے ہے بعضے عقلاء نے کہا ہے کہ ارواح بنی آدم کی ان چیزوں کو کہ جاننا اُن کا ضرور ہے بدن کے تعلق سے پہلے جانتی ہیں جو اس دنیا میں آئیں اور بدن کی تدبیریں مشغول ہوگئیں تو وہ سب بھول گئیں جیسے کمال بڑھاپے کی حالت میں کہ تدبیر بدن کی مشکل پڑ جاتی ہے تو پچھلی یاد باتیں بھول جاتی ہیں پس اُن کو بھی معلوم باتیں جو بھول گئی ہیں انبیاء اور واعظ یاد دلاتے ہیں چنانچہ اس حدیث

سے کہ اَلْاَرْوَاحُ جُنُوْدٌ مُّجَنَّدَۃٌ مَّا تَعَارَفَ مِنْھَا اِئْتَلَفَ وَمَا تَنَاکَرَ مِنْھَا اخْتَلَفَ یعنی سب روحیں مثل لشکر کے ہیں اکٹھائی میں جس سے پہچان کی ہے اُس سے دنیا میں آپس میں محبت ہوتی ہے اور جس میں پہچان نہیں اُن میں محبت نہیں ہوتی ہمیں بھی بُو اسی بات کی آتی ہے اور افلاطون حکیم سے بھی یہی منقول ہے کہ اپنے شاگردوں سے کہتا تھا اِنِّی لَسْتُ اُعَلِّمُکُمْ مَّا کُنْتُمْ تَجْھَلُوْنَ وَلٰکِنِّیْ اُذَکِّرُکُمْ مَّا کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ بے شک میں تم کو نہیں سکھلاتا جو تم کو نہیں معلوم ہے ولیکن یاد دلاتا ہوں میں تم کو جو تم جانتے تھے اور جو بیان فرمایا کہ تجھ کو خلق اللہ کے نفع کے واسطے تذکیر کرنا چاہیئے اب بیان اُس شخص کا جس کو پیغمبر کی تذکیر سے فائدہ ہوگا فرماتے ہیں سَیَذَّکَّرُ مَنْ یَّخْشٰی ؕ اب سمجھ جاویگا جس کو اللہ کا ڈر ہے ہر چند کہ تجھ کو علی العموم نصیحت کرنا فرض ہے لیکن ہر شخص کو اُس سے فائدہ نہ ہوگا بلکہ نفع اُس کا استعداد کی شرط کے ساتھ مشروط ہے اسی واسطے کہا گیا ہے **بیت**

اصل استعداد شرط صحبت ست	مرد چوں کور ست عینک لعبت است

اور علامت خدا کے خوف کی دل کا نرم ہونا اور سلامت رکھنا جان کا بیہودہ اور پوچ باتوں سے مصاحبوں کی تاکہ نورانیت اور صفائی روح کی ظلمت اور کدورت سے بدل نہ جاوے اور نبوّت کی شعاع سے روشنی قبول کرتی رہے اور بعضے مفسّروں نے اس آیت کے معنی یوں کہے ہیں کہ بار بار نصیحت کر اگر ایکبار کی بھی نصیحت نے نفع کیا ہو کیونکہ جلد وہی پوری نصیحت پکڑے گا جو کہ ایک ہی بار نصیحت کرنے میں خدا سے ڈرا پس اس صورت میں اشکال بھی بالکل جاتا رہا اور علامت بھی اُس شخص کی کہ اس کو نصیحت نفع کرے بیان ہو گئی اور تفصیل کا باب کہ تکرار کے معنوں پر دلالت کرتا ہے اُن معنوں کے ساتھ نہایت مناسب ہو گیا واللہ اعلم اور جب فائدہ لینے والوں کی نصیحت کے بیان سے فارغ ہوئے تو اب فائدہ نہ لینے والوں کا بیان فرماتے ہیں وَیَتَجَنَّبُھَا الْاَشْقَی ؕ اور کنارہ پکڑے گا اس نصیحت سے وہ شخص جو بڑا بدبخت ہے اور حقیقت میں وہ شخص وہ ہے کہ کچھ خدا کا خوف نہیں رکھتا ہے اور عداوت اور عناد کی راہ سے کفر کرتا ہے پس حقیقت کلام کی اس طرح سے تھی کہ وَیَتَجَنَّبُھَا مَنْ لَّا یَخْشٰی لیکن اس بات کی آگاہی کے واسطے کہ جو

شخص خدا کا خوف نہیں رکھتا ہے نہایت بدبخت ہے اس واسطے اشقی کو مَنْ لَا یَخْشٰی کی
جائے پر لائے ہیں اب یہاں پر سمجھ لیا چاہیئے کہ آدمی کی شقاوت یہ ہے کہ عمل اور اعتقاد
اُس کا درست نہ ہو اور جس کا عمل نادرست ہے اور اعتقاد درست ہے وہ بھی شقی ہے
لیکن جو شخص کہ اعتقاد بھی فاسد رکھتا ہے وہ اس سے بھی زیادہ بدبخت ہے پھر اگر کوئی قصو
اُس کے اعتقاد میں جہل بسیط کے سبب سے ہے یا مالوف ہونے اور تقلید کرنے سے کسی
مذہب کی مذاہب باطلہ سے تو اُس کو ممکن ہے کہ نصیحت سے اور مرشد کے سمجھانے سے
راہ پر آجاوے اور جو شخص کہ اُس کا اعتقاد بسبب عناد کے نادرست ہے کہ دیدہ و دانستہ
انکار حق کیے جاتا ہے اور ایک بڑا حجاب کثیف اس کی استعداد کے آئینے پر پیدا ہوا ہے
کہ ہرگز تعلیم سے معلم کی اور ارشاد سے مرشد کی اصلاح اس کی ممکن نہیں ہے اور بدبختی
کی نہایت کو پہونچا ہے وَمَا تُغْنِی الْاٰیٰتُ وَالنُّذُرُ ط اسی کی شان میں ہے اور اس
آیت میں مراد شقی سے وہی ہے اور انجام اُس کے کام کا یہ ہے الَّذِیْ یَصْلَی النَّارَ
الْکُبْرٰی ط یعنی یہ شخص وہ ہے کہ جو داخل ہوگا بڑی آگ میں کہ اُس کا وصف سورۂ
وَاللَّیْلِ میں ہے جس جائے پر فرمایا ہے کہ فَاَنْذَرْتُکُمْ نَارًا تَلَظّٰی ۝ اور وہ ایک آگ
ہے نیچے کے طبقے میں دوزخ کے کہ ساتواں درجہ ہے اور فرعون والے اور اس اُمت
کے منافق اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مائدے کے منکر اسی طبقے میں ہوں گے اور
دوسرے طبقوں کی آگ سے سوزش میں بہت تیز ہے اور ہرچند کہ حدیث شریف میں
وارد ہے کہ نارکم ھذہ جزء من سبعین جزءً من نار جھنم کلھن مثل حرھا یعنی یہ
دنیا کی آگ سے سترواں حصہ ہے دوزخ کی آگ سے گرمی میں پس دوزخ کی آگ کی
اصل بہ نسبت دنیا کی آگ کے بہت بڑی اور بزرگ ہے اسی واسطے حسن بصری رحمۃ اللہ
علیہ نے فرمایا ہے کہ نار کبریٰ جہنم کی آگ ہے اور نار صغریٰ دنیا کی آگ ہے لیکن جو آگ
کہ اُس کے درکے میں ہے بہ نسبت دوسرے درکوں کی آگ کے جہنم کی آگ کا حکم رکھتی
ہے دنیا کی آگ کی نسبت سے پس آتش کبریٰ حقیقت میں وہی آگ ہے اور سبب اُس
آگ کی گرمی کی زیادتی کا بہ نسبت دوسری آگوں کے اس مثال سے سمجھ لیا چاہیے کہ

دنیا کی آگ سرد ملک میں عین سردی کے موسم میں برف پڑنے کی حالت میں سردی کے
کام میں مشغول ہونے کے وقت جیسے ملاحی اور سقائی علی الخصوص بڑھاپے میں اور مزاج
بھی سرد ہو جیسے بوڑھا بلغمی مزاج اس قدر سوزش رکھتی ہے کہ اُس کا تحمل بدن پر نہیں ہو سکتا
پھر وہی آگ گرم ملک میں عین دوپہر کے وقت گرمی کے موسم میں گرمی کے کام میں مشغول
ہونے کے وقت جیسے باورچی گری اور نان پزی علی الخصوص جوان صفراوی مزاج کو کہ
روزہ دار بھی ہو اور تپ بھی چڑھی ہو تو قیاس کیا چاہیے کہ کتنا وقت رکھتی ہے بس
اسی قیاس پر تفاوت اس آگ کی گرمی کا دوسری آگوں کی گرمی سے قیاس کر لیا چاہیے
وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ مِنْ کُلِّ اَصْنَافِ النَّارِ اور جو دنیا میں ہر مصیبت کہ آدمی کو پیش آتی
ہے نہایت اُس کی یہ ہے کہ موت کو پہونچا دیتی ہے اور موت موجب خلاصی اور راحت
کا اُس مصیبت سے ہو جاتی ہے اور اس بدبخت کو اس راحت سے بھی محروم رکھا ہے
کہ باوجود ایسی گرمی کی شدّت کے ہلاک نہیں ہوتا ہے چنانچہ فرماتے ہیں ثُمَّ لَا یَمُوْتُ
فِیْهَا پھر باوجود اس قدر عذاب کی شدّت کے اور دراز ہونے مدت کے نہ مرے گا اُس
آگ میں کہ بسبب مرنے کے جسم اُس کا اِس بلا سے علٰحدہ ہو جاوے اور روح اُس کی
اُس دُکھ سے نجات پاوے کیونکہ بنیاد اُس عالم کے بدنوں کی ایسی نہیں کہ روح اُس سے
جُدا ہو سکے اور بھید اس میں یہ ہے کہ احکام روح کے اس عالم میں بدن پر غالب ہونگے
اور بدن حکم روح کا پیدا کریں گے اور روح کا معدوم ہونا محال ہے اسی واسطے دنیا میں
ہر چند کہ محنتیں سخت اور مصیبتیں بے انتہا پیش آتی ہیں لیکن روح فنا نہیں ہوتی بلکہ
نہایت بیقراری اور دُکھ سے بدن کو چھوڑ کر چلی جاتی ہے اور جو وہاں کے بدن حکم ارواح کا
پیدا کریں گے تو بگڑنا ترکیب کا بھی ان سے غیر ممکن ہو گا وَلَا یَحْیٰی اور نہ جیے گا کیونکہ اسکی
روح ہمیشہ دکھ اور عذاب میں ہے یہاں تک کہ موت کی آرزو کریں گے اور موت نہ آویگی
اور اس قسم کی زندگانی حقیقت میں زندگانی نہیں ہے **شعر**

عمر چوں خوش گذرد زندگی خضر کم ست	ور بناخوش گذرد نیم نفس بسیار ست

پس پوست اُن کے بدن کا آگ کی تاثیر سے جل جاوے گا پھر روح کے غلبے کے سبب

سے آئندہ دوسرا نیا چمڑا پیدا ہوگا تاکہ اس میں ایذا اور دکھ زیادہ ہو چنانچہ زخم پر انگور
آنے کے بعد دنیا میں تجربے میں آچکا اور جو آیت سَیَذَّکَّرُ مَنْ یَّخْشٰی ۝ میں بیان اُس
شخص کا جو تذکیر سے پیغمبروں کے فائدہ مند ہوتا ہے کیا گیا تو فرماتے ہیں کہ خوف الٰہی
کا ہونا آدمی کے دل میں سُننے سے پند اور نصیحت بزرگوں کی ابتدا ہے کمال کی اور نہایت
کمال کی دوسری چیز ہے اعتماد کرنا فقط خوف ہونے پر نہ چاہیے کیونکہ اگر وہ خوف دل
کے خیال کے مانند آیا اور چلا گیا تو کچھ کام آنے والا نہیں جب تک دل میں نہ جم جاوے
اور ہر ہر عضو کو بُرے کاموں سے بند نہ کرے اور اچھے کاموں پر قایم نہ کرے پھر جب
ایسا ہو گیا تو اُس وقت قابل اعتبار کے ہوگا اور سبب ہوگا رستگاری کا قَدْ اَفْلَحَ مَنْ
تَزَکّٰی ۝ تحقیق مراد کو پہونچا جو پاک ہوا اور پاکی کی کئی قسمیں ہیں اوّل دل کی پاکی کفر اور
شرک سے اور باطل عقیدوں سے اور بُری نیتوں سے اور بداخلاقی سے جیسے غل یعنی
بدباطنی اور حقد یعنی کینہ اور دغابازی اور حسد اور تکبر اور سوائے اس کے جو اسطرح
کی چیزیں ہیں دوسرے بدن کی پاکی اور کپڑوں کی نجاستوں سے جیسے پیپ اور لہو
اور بول اور براز اور منی اور مذی اور سوائے اس کے تیسرے پاکی بدن کی حدث
اور جنابت سے وضو اور غسل کے ساتھ چوتھے پاکی بدن کی پیدا ہونے والی چیزوں سے
جیسے ناف کے نیچے کے بال اور بغل کے اور ناخن اور بدن کا میل اور سوا اس کے اور
اگر کسی کی ڈاڑھی یا سر کے بال لمبے ہوں تو ہر ہفتے میں جمعے کے دن ان بالوں کو دھونا
اور کنگھی کرنا اور عطر ملنا سُنت مؤکدہ ہے پانچویں مال کی پاکی کرنا زکوٰۃ اور صدقات کے
دینے سے اور سود کا مال مل جانے سے بچانا اور دوسرے طور کے حرام مالوں سے جیسے جُوا
اور زنا کی اُجرت اور سینگیاں لگانے کی اُجرت یا جو نجس چیزوں کی تجارت سے حاصل ہو
جیسے کچے چمڑے اور ذبح کی اُجرت اور دوسرے کام کہ اُن میں نجاست ہاتھ میں بھرنا
پڑے وَذَکَرَ اسْمَ رَبِّهٖ پھر بعد کمال طہارت کے لیا اپنے پروردگار کا نام تکبیر تحریمہ
میں جو شروع نماز میں ہے اور قرأت اور تسبیح اور تشہد میں اور حاضر رکھنا دل کا درمیان
میں نماز کے اور زبان اور دل سے یاد کرنا سوائے نماز کے وقتوں کے کیونکہ ذکر سبب ہے

تزکیہ کا بیان

استعداد کی صفائی کا اور کمالات کی زیادتی کا اور جس قدر کہ ذکر میں نام پروردگار کا
بہت لیا جاتا ہے اُسی قدر معرفت کا درخت بڑھتا ہے فَصَلّٰی ہ پھر نماز پڑھے آور جس ذکر کو
اکہ دل اور زبان سے کرتا ہے اُس کو جوارح سے یعنی ہاتھ پیر وغیرہ سے ملاکر ایک صورت
ظاہر میں بنائے اور دل اور زبان اور جوارح یعنی ہاتھ پیر وغیرہ کی موافقت سے کمال
مرتبہ منعم حقیقی کی نعمتوں کا شکر حاصل کرے حضرت مولانا یعقوب چرخی رحمۃ اللہ علیہ نے
فرمایا ہے کہ اس آیت میں اشارہ ہے سلوک کی منزلوں کی طرف کہ اوّل اس کے توبہ
ہے اور بعد اس کے تزکیہ اور تصفیہ نفس کا ہے یعنی پاک اور صاف کرنا دور کرنے سے
بُری صفتوں کے اور حاصل کرنے سے نیک صفتوں کے اور بعد اس کے ہمیشگی ذکر لسانی
اور قلبی اور روحی اور سرّی کے ہے اور بعد اس کے پہونچتا ہے مشاہدات کے مقام کو
قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ تَزَکّٰی ہ اشارہ ہے اوّل مرتبے کی طرف اور ذَکَرَ اسۡمَ رَبِّہٖ اشارہ ہے
ذکر قلبی کے ہمیشہ ہونے کی طرف اور فَصَلّٰی اشارہ ہے مشاہدے کا مرتبہ حاصل ہونیکی
طرف کہ اَلصَّلٰوۃُ مِعۡرَاجُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ کے یہی معنی ہیں آور حضرت امیر المومنین علے
کرم اللہ وجہہٗ نے فرمایا ہے کہ جو کوئی صدقہ فطر کا ادا کرے اور عید گاہ کے راستے میں
تکبیریں کہتا جاوے اور عید گاہ میں پہونچنے کے بعد بھی کہے اور عید کی نماز پڑھے تو میں
اُمیدوار ہوں کہ اس آیت کی بشارت میں داخل ہوگا پس تزکّٰی کا لفظ اس سورۃ میں
زکوٰۃ سے ماخوذ ہے اور صدقہ فطر کا واجب ہونا یا فرض حکم زکوٰۃ کا رکھتا ہے پس یہ لفظ
اشارہ صدقہ فطر کے دینے کی طرف ہوا اور ذَکَرَ اسۡمَ رَبِّہٖ اشارہ ہے عید کی تکبیروں
کی طرف اور فَصَلّٰی اشارہ ہے عید کی نماز کی طرف پس مقصود حضرت امیر المومنین علی رض
کا اس تفسیر سے یہ ہے کہ ہر جگہ قرآن میں زکوٰۃ کا ذکر نماز کے بعد آیا ہے اور یہاں پر جو
نماز پر بلکہ ذکر پر بھی مقدم کیا ہے تو ضرور کوئی خاص صورت مراد ہے کہ اُس میں یہ تینوں
کام ترتیب سے واقع ہوں اور وہ صورت شرع میں سوائے اس صورت کے نہیں ہے
اور اکثر فقہاء نے ان تینوں سے شرطیں اور ارکان نماز کے مراد رکھے ہیں اور کہتے ہیں
کہ تَزَکّٰی اشارہ ہے طہارت کی طرف خواہ وضو ہو اور غسل خواہ تیمم اور ذَکَرَ اسۡمَ

رَبِّہٖ اشارہ ہے تکبیر تحریمہ کی طرف اور فَصَلّٰی اشارہ ہے نماز ادا کرنے کی طرف اور
حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے موافق اس تفسیر کے دو مسئلے فقہ کے مسئلوں سے اس
آیت سے نکالے ہیں اُن میں سے ایک تو یہ ہے کہ تحریمہ باندھنے کے وقت بالخصوص اللہ اکبر
کا لفظ کہنا لازم نہیں ہے جو چیز کہ خدا کا ذکر ہو سکے کفایت کرتی ہے جیسے الرحمن اعظم
یا لا الٰہ الا اللہ یا سُبْحَانَ اللّٰہِ مگر جو ذکر کہ ملا ہوا غرض اور حاجت سے ہو شروع نماز کا
اُس سے جائز نہیں جیسے اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ کیونکہ ذکر خالص نہیں ہے اور ان میں سے یہ بھی
ہے کہ تکبیر تحریمہ اُن کے نزدیک نماز کی شرط ہے رُکن نہیں ہے یعنی نماز میں داخل نہیں کیونکہ
فَصَلّٰی کو ذَکَرَ اسْمَ رَبِّہٖ کے بعد حرف عطف کے ساتھ لائے ہیں کہ معطوف اور معطوف
علیہ کی مغائرت پر دلالت کرتا ہے اور اسی مذہب سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ اکثر نماز کی
شرطیں جیسے طہارت اور ستر عورت اور روبقبلہ ہونا اگر تکبیر تحریمہ کے وقت کسی کو حاصل نہ ہوا
اور بلا فصل بعد اس کے ہو جاوے تو نماز اُس کی درست ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ
کہتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ بھی نماز میں داخل ہے اس واسطے کہ تکبیر مذکور قیام کی حالت میں
واقع ہوئی ہے اور قیام نماز کا رکن ہے اور جو ارکان کہ بطور فرضیت کے مقرر ہوئے
ہیں وہ بھی نماز کے ارکان سے ہیں پس سب شرطیں نماز کی اُن کے مذہب پر تکبیر تحریمہ
کی حالت میں ضرور چاہییں اور جو ان آیتوں میں فرمایا کہ حاصل ہونا کمال کا اور خلاصی
عذاب سے موقوف تطہیر اور ذکر اور نماز پر ہے کہ خدا کے خوف کا پھل ہے تو مقام اس
بات کا تھا کہ کافر بطریق شبہے کے ذکر کریں کہ ہم کو باوجود کمال عقل و دانش کے کس واسطے
خوبی ان اعمالوں اور فعلوں کی معلوم نہیں ہوتی اور سبب ہونا اس بات کا حاصل کرنے کو
فلاح کے کس واسطے ہماری نظروں سے پوشیدہ اور مخفی رکھا ہے جواب میں اُس کے
فرماتے ہیں کہ تم سب لوگ بسبب شقاوت ازلی کے ان چیزوں کے کمال کو نہیں جانتے ہو
بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا ۝ بلکہ اختیار کرتے ہو تم دُنیا کی زندگانی کو آخرت پر اور دُنیا
ایک سبزہ زار سے بڑھکر نہیں ہے اور انجام اُس کا سوکھی گھاس کی طرح سے سیاہ
ہو جاتا ہے اور جانی بوجھی لذّتوں میں دنیا کے اور حاصل کرنے میں نام و جاہ کے کمال کو

منحصر جانتے ہو حالانکہ دنیا کی زندگانی ہرگز اس قابل نہیں کہ آخرت کی زندگانی پر ترجیح دی جاوے کیونکہ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ اور آخرت سب کی سب اس میں نیکی ہے بدی کو اس میں گنجایش نہیں بخلاف دنیا کی زندگانی کے کہ ہرچند نعمت اور جاہ وحشمت سے گذر جاوے لیکن اس میں رنج اور فکر اور غم اس کو لازم ہے اور کوئی نعمت دنیا کی نظر نہیں آتی مگر ایک دُکھ اور ضعف اور کُھلانا اُس کے پیچھے لگا ہے اور اگر بالفرض دُنیا بھی نیک ہو اور کسی طرح سے شر اور بدی اُس میں گنجایش نہ کرے اگرچہ یہ بفرض محال ہے پھر بھی دنیا اس قابل نہیں ہے کہ آخرت پر ترجیح دی جاوے کیونکہ آخر دنیا فانی ہے اور آخرت باقی چنانچہ فرماتے ہیں وَّاَبْقٰى اور آخرت بہت باقی ہے دنیا سے کیونکہ دنیا کی بقا ہرچند کہ دراز وطویل ہو لیکن فنا اُس کے پیچھے لگی ہے اور آخرت کی بقا کو فنا کا کھٹکا ہی نہیں اسی واسطے کہا گیا ہے **شعر**

حاصل دنیا ز کہن تا بنو	چوں گذرندہ است نیرزد بجو

غرض دنیا سے یہی ہے کہ اس کو آخرت کا وسیلہ کریں کہ اَلدُّنْيَا مَزْرَعَةُ الْاٰخِرَةِ یعنی دنیا کھیتی ہے آخرت کی چنانچہ عقلا نے کہا ہے کہ دنیا کو جلتے گھر کی طرح سے سمجھو جہاں تک ہو سکے اپنے کو اس میں سے باہر نکال **شعر**

حافظا عمر عزیز ست غنیمت دانش	گوی چیزے کہ توانی بہ براز میدانش

نکتہ فہموں نے کہا ہے کہ اس کلام اعجاز نظام میں باوجود کمال اقتصار کے دو دلیلیں قوی باطل کرنے پر دنیا کی ترجیح کے آخرت پر مذکور ہیں یعنی ایک تو خیر ہونا اور دوسرے باقی رہنا اس واسطے کہ عاقل ہرگز ادنیٰ کو اعلےٰ کے بدلے میں نہ لے گا اسی طرح سے فانی کو باقی کے بدلے اختیار نہ کرے گا پس ترجیح دنیا کی آخرت پر تاجروں کی مقتضائے عقل کے بھی خلاف ہے کہ بادشاہوں اور امیروں اور علما اور حکما سے بہت کم عقل رکھتے ہیں اور جو مضمون کہ ترجیح دنیا کی آخرت پر نہ چاہیے اور دل کو دنیا سے نہ لگایا چاہیے مقتضائے نفوس بنی آدم کے خلاف دیکھا کہ ان کی جبلّت میں محبت دنیا کی اور منھ پھرانا آخرت سے ودیعت ہے یعنی امانت ہے اور ہرگز آخرت کی ترجیح کو وہم بھی اُن کا باور

نہیں کرتا ناچار واسطے ثابت کرنے اس مطلب کے اگلی کتابوں کی سند سے کہ عالم کے
فرقوں کے نزدیک علی الخصوص عرب کے ملک کے رہنے والوں پاس مسلم الثبوت تھیں
لاکر فرماتے ہیں اِنَّ ھٰذَا التحقیق یہ مضمون قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰیۙ سے یہاں تک کہ مذکور ہوا
لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰیۙ البتہ اگلی کتابوں میں بھی مذکور ہے اور کسی وقت میں یہ مضمون
منسوخ اور بدلا نہیں گیا صُحُفِ اِبْرٰهِیْمَ وَ مُوْسٰىؔ صحیفوں میں حضرت ابراہیمؑ اور حضرت ع ۱۹
موسیٰ علیہما السلام کے کہ اُن پر آسمان سے نازل ہوتے تھے بس یہ ان قواعد کلیہ سے دین
اور شریعت کے ہے کہ کسی پیغمبر کے زمانے میں نہیں بدلے اور انکار اُن کا گویا علوم نظریہ کا
انکار ہے کہ سوفسطائیوں کا کام ہے اور کشاف میں مذکور ہے اور بعضی حدیث کی کتابوں
میں بھی سند ضعیف سے دیکھنے میں آیا ہے کہ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے کتنی کتابیں نازل ہوئی ہیں آپنے فرمایا
کہ ایک سو چار کتابیں حضرت آدم علیہ السلام پر دس صحیفے اور حضرت شیث علیہ السلام پر پچاس
صحیفے اور حضرت ادریس علیہ السلام پر تیس صحیفے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام پر دس صحیفے اور
توریت اور انجیل اور زبور اور فرقان اور طیبی کشاف کے حاشیہ میں ایک سو چودہ لایا ہے
اور ان سب میں سے دس صحیفے سوائے توریت کے موسیٰ علیہ السلام پر زیادہ کہتے ہیں
واللہ اعلم، لیکن یہودیوں کی زبانی سُننے میں نہیں آیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر سوائے
توریت کے دس صحیفے دوسرے بھی نازل ہوئے ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے
صحیفے تو موجود ہیں اُن میں طرح طرح کے وعظ اور نصیحتیں ہیں چنانچہ ان میں سے ایک
یہ ہے کہ ینبغی للعاقل ان یکون حافظا للسانہٖ عارفا بزمانہٖ مقبلا علیٰ شانہٖ
یعنی عاقل کو چاہیے کہ اپنی زبان کو نگاہ رکھے اور اپنے زمانے کو پہچانے اور اپنے کام پر بالکل
مصروف ہو جاوے

سُوْرَۃُ الْغَاشِیَۃِ

یہ سورۃ مکی ہے اس میں سولہ آیتیں اور بہتر کلمے اور ایک سو اکیانوے حرف ہیں اور حدیث

صحیح میں مکرر آیا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اکثر نمازوں میں خصوصًا جمعے کی نماز میں اور عشاء کی اس سورہ کو سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى کی سورۃ کے ساتھ دونوں رکعتوں میں جمع فرماتے تھے بس ربط اس سورۃ کا سَبِّحِ اسْمَ کی سورۃ کے ساتھ اشارۂ نبوی سے ثابت ہوا اسی واسطے صحابہ کرامؓ نے قرآن جمع کرنے کے وقت اس سورۃ کو پیچھے سَبِّحِ اسْمَ کی سورۃ کے رکھا ہے اور تامل کرنے سے بہت سی وجہیں ربط کی ظاہر میں بھی نظر آتی ہیں چنانچہ اُن میں سے ایک یہ ہے کہ اس سورۃ میں فَذَكِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ہ اور اس سورۃ میں فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ہ ہے اور اس سورۃ میں تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً اور اس سورۃ میں يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ہ واقع ہے اور ختم اس سورۃ کا اس مضمون پر ہے کہ دنیا کی زندگانی کو اختیار کرنا بُرا ہے اور آخرت ہر صورت سے بہتر ہے اور اس سورۃ میں تفصیل اُن لوگوں کے حال کی ہے کہ دنیا کی لذت میں مشغول ہیں اور آخرت کو بھلا دیا اور ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ دنیا میں آخرت کی زندگی کے واسطے مشقتیں کھینچی ہیں اور تفصیل آخرت کی خوبی کی بھی ہے کہ طرح طرح کی نعمتیں وہاں موجود ہیں اور سب باقی غیر فانی ہیں بس گویا اس بات میں یہ سورۃ تمامی اُس سورۃ کی ہے گو کہ بند و بست میں کلام کے مشابہت کم ہو اور اس سورۃ کو سورہ غاشیہ اس واسطے کہتے ہیں کہ غاشیہ نام قیامت کا ہے اور اوّل میں اس سورۃ کے ہول سے قیامت کے ڈرانا ہے اور ڈرانا قیامت کے حالات سے بڑا مقصود قرآن کا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ہ کیا پہونچی تجھ کو قیامت کی خبر کہ لوگوں سے کیا کرے گی اور غاشیہ عرب کی لغت میں اُس چیز کو کہتے ہیں جو چھپا لیتی ہے اسی واسطے زین پوش کو غاشیہ کہتے ہیں اور قیامت کا حادثہ کئی چیزوں کو چھپاوے گا اوّل ہوش کو کہ بسبب شدت ہول کے پوشیدہ ہو جاوے گا دوسرے بدن کو سب طرف سے یعنی اوپر اور نیچے آگے اور پیچھے دائیں اور بائیں سے اس روز عذاب چھپاوے گا چنانچہ دوسری جائے پر فرمایا ہے يَوْمَ يَغْشٰهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ وَيَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ

تیسرے نیک کاموں کو کافروں کے چھپاوے گی اور مسلمانوں کے بھی بُرے کاموں کو
چھپاوے گی اوّل کو حبط کی صورت سے اور دوسروں کو عفو سے اور غرض اِس پوچھنے
سے کہ تجھ کو کچھ قیامت کی خبر پہونچی ہے یہ ہے کہ سُننے والا کمال توجہ سے کان دھر کے
ملتفت ہو جاوے اور آئندہ کی بات کو حضور دل سے سُنے چنانچہ بعد اس چونکانے اور
جتانے کے معاملہ اُس دن کا لوگوں سے بیان فرماتے ہیں وُجُوهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ۝
کتنے مُنھ اُس روز ذلیل اور خوار ہوں گے ہر چند کہ ذلت اور خواری صفت چہرے والوں
کی ہے لیکن جو آثار ذلت اور خواری کے اکثر چہروں پر ظاہر ہوتے ہیں تو گویا ذلت اور
خواری صفت چہروں کی ہے اور عرب کا قاعدہ ہے کہ ذات سے شخص کے مُنھ اور گردن
اور سر کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں کیونکہ یہ اعضا ہر ہر شخص کی ذات کی بقا کا سبب ہیں پس
گویا قائم مقام ذات کے ہیں اور وہ چہرے اُن لوگوں کے چہرے ہوں گے کہ دنیا میں
کبھی خوف اور جھکنا اور فروتنی اور ذلت اور خواری دین کے مقدموں میں اپنے اوپر پسند
نہیں رکھتے تھے اور رنج اور مشقت دینی سے استراحت ڈھونڈھتے تھے اور صورت آرائی
اور تن پروری میں مشغول اور حریص تھے اسی واسطے لذیذ طعام کھانا اور ٹھنڈے شربتوں
کا پینا اور استعمال عطریات کا کرنا اُن کا مقصد تھا دنیا سے سو اُس دن بدلے میں اُس
تکاسل اور تن پروری کے ان کو ذلت اور خواری میں گرفتار کریں گے اور اگر خوف اور
فروتنی دنیا میں دین کے مقدموں میں اور اللہ تعالےٰ کی عبادتوں میں اُن کو نصیب ہوتی
تو بڑے بڑے درجے ثواب کے پاتے لیکن تکلیف کے کاموں سے اپنی تن پروری کے
سبب سے دل چراتے تھے چنانچہ اُس کے بدلے میں اُس روز تکلیف اعمال شاقہ کی اُن کو
دیں گے اور رنج بے حساب اور بے ثواب اُن کو ملے گا چنانچہ فرماتے ہیں عَامِلَةٌ یعنی وہ
چہرے اس روز کام کریں گے کہ اُن سب میں سے ایک یہ ہے کہ کمال محنت اور ذلت
سے چڑھنا ہوگا آگ کے پہاڑوں پر جو دوزخ میں ہیں اور اُن ہی میں سے ہے کہ طوق
اور زنجیریں آگ کی گردن اور پاؤں میں گھسیٹے پھریں گے اور ان ہی میں سے ہے کہ
دوزخ کی آگ میں دھنس جانا جیسے اونٹ دَلدَل میں دھنس جاتا ہے اور تفصیل اُن اعمال

شاقہ کی جو اس روز واقع ہوں گے دوسری سورتوں میں مذکور ہے جیسے سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا
خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ثُمَّ الْجَحِیْمَ صَلُّوْهُ ثُمَّ فِیْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ وَيَوْمَ
يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا وَيَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ ط اور حدیث شریف میں
وارد ہے کہ مانع زکوٰۃ کو چاندی سونے کے تختوں سے آگ میں گرم کر کے داغ دیں گے
پیشانی اور پہلو اور پشت پر اور جو لوگ کہ چارپائے رکھتے تھے اور حق تعالیٰ کا حق اُن
چوپایوں میں سے ادا نہیں کرتے تھے تو وہ لوگ قیامت کے میدان میں چت لٹائے
جاویں گے اور اُن جانوروں کو حکم ہوگا کہ ان کو روندو اور تصویر بنانے والوں کو
تکلیف دیں گے کہ اپنی بنائی ہوئی تصویروں میں جان ڈالو اور ان لوگوں کو کہ جھوٹی
خوابیں بناتے ہیں حکم ہوگا کہ دو جَو میں گرہ لگاؤ اور جو لوگ کہ حق بات سے خاموش
ہوئے آگ کی لگامیں اُن کے مُنہ میں ڈالیں گے علیٰ ہذا القیاس نَاصِبَةٌ ہ وہ چہرے
اُس روز اُن اعمالوں کے سبب سے دُکھ اُٹھاویں گے کیونکہ کام بھاری کہ توقع پر ثواب
اور تحسین کے نہ ہو تو محض رنج ہے اور بعضے مفسروں نے کہا ہے کہ عمل اور رنج دونوں دنیا
ہی میں ہیں اور مُراد اُن چہروں سے چہرے ریاضت کرنے والوں کے ہنود اور یہود اور
نصاریٰ اور دوسرے باطل دینوں کے ہیں کہ دنیا میں شاق عمل خدا کے واسطے کرتے ہیں
اور محض رنج اُٹھاتے ہیں کیونکہ ریاضتیں اُن کی اپنے وقت کے پیغمبروں کے انکار کے
سبب سے بے فائدہ اور اکارت ہیں اور بعضے مفسروں نے کہا ہے کہ عمل دنیا میں اور رنج
آخرت میں مراد ہے اور دوسرے چہرے عیاشوں اور دولت مندوں اور مال و جاہ کے
طالبوں کے ہیں کہ حاصل کرنے کو ان مطلبوں کے دنیا میں بڑی بڑی محنتیں اور مشقتیں
کرتے تھے آخرت میں پھل ان تکلیفوں کا رنج بیہودہ اور مشقتیں بے فائدہ حاصل ہونگی
بلکہ فقط اس رنج بیہودہ پر اکتفا نہ ہوگی کچھ اور بھی اس کے ساتھ زیادہ کیا جاوے گا کہ
اس آیت میں اس کا بیان ہے تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ہ پیٹھیں گے دہکتی آگ میں بدلے
میں اس بات کے کہ خدا سے غافل ہو کر ہوادار مکانوں میں اور خس خانوں میں رہا کرتے
تھے اور بیان اُس آگ کی گرمی کا حدیث شریف میں یوں وارد ہے کہ ایک ہزار برس

عبادت خدا کی انکار رسالت کے ساتھ قبول نہیں

دوزخ کی آگ کی گرمی کا بیان

تک وہ آگ پھونکی گئی تو سفید ہو گئی پھر ہزار برس پھونکی گئی تو سرخ ہو گئی پھر ہزار برس پھونکی گئی تو سیاہ ہو گئی اب اُسی سیاہی پر ہے اور جب گرمی دوزخ کی ہوا کی اُنکے اندروں میں نہایت تشنگی پیدا کرے گی بے اختیار پیاس پیاس پکاریں گے کہ شاید پانی پینے سے یہ پیاس دفع ہو جاوے تو اُس وقت تُسْقٰی مِنْ عَیْنٍ اٰنِیَۃٍ ہ پلائے جاویں گے پانی ایک کھولتے چشمے سے کہ جس کے پیتے ہی اُن کے ہونٹ کباب ہو جاویں گے اور آنتیں اُنکی ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر پڑیں گی پھر فورًا درست ہو جاویں گی اور اسی طور سے عذاب میں گرفتار ہوں گے اور یہ مہمانی اُن کی عوض میں شربتوں اور پینوں کے ہے جو گلاب اور کیوڑے ڈال کر برف میں ٹھنڈا کر کے پیتے تھے اور جبکہ دوزخ کی لوؤں کی گرمی اور اُس پانی کی گرمی پیٹ میں اُن کے جمع ہو کر بھوک کی آگ کو بڑھاویں گی تو ایک ہزار برس بھوک کا عذاب اُن پر مسلط ہو گا اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ یہ بھوک کا عذاب اکیلا دوزخیوں کو دوزخ کے سارے عذابوں کے برابر معلوم ہو گا پھر بہت سی داد بیداد کے بعد دوزخ کے پیادوں کو حکم ہو گا کہ ان کو کچھ کھلاؤ لیکن لَیْسَ لَھُمْ طَعَامٌ نہیں ہے اُن کے واسطے وہاں کوئی کھانا کہ عوض میں ان میٹھے سلونے مسمّن دوپیازے چٹ پٹے چاشنی داروں کے کہ دنیا میں لذّتوں اور فربہ ہونے کو اور رنگ روپ نکلنے کے واسطے تناول کرتے تھے اور صبح سے شام تک فرمایشوں میں طرح طرح کے کھانوں کی بکاولوں اور باورچیوں کو رکھتے تھے اِلَّا مِنْ ضَرِیْعٍ مگر ضریع کی قسم سے آور ضریع نام ہے ایک گھاس کا کہ اکثر پانی کے کنارے پر ہوتی ہے اور جب تک کہ سبز رہتی ہے تو اس کو شبرق کہتے ہیں اور اونٹوں کے چارے کے کام میں آتی ہے اور جب خشک ہو جاتی ہے تو اُس کو ضریع کہتے ہیں اور زہر قاتل ہو جاتی ہے اور کوئی جانور اُس کو نہیں کھاتا اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ وہاں کی ضریع کو یہاں کی ضریع پر قیاس نہ کیا چاہیئے کیونکہ وہ ایک چیز ہے آگ کے اندر کہ چبھتی ہے جیسے کانٹا اور کڑوائی میں ایلوے سے زیادہ اور بدبو میں مُردار سے بدتر اور گرمی میں آگ سے بڑھ کے ہے اور وجہ اُس کی یہ ہے کہ جیسے دُنیا میں جوہر خاک اور آب کا طبیعتوں پر یہاں کے حیوانات اور نباتات کی غالب ہے اسی طرح دوزخ میں جوہر ناری

طبیعتوں پر وہاں کے حیوانات اور نباتات کی غالب ہے پس حیوانات اور نباتات وہاں کے ظاہر صورت میں حیوانات اور نباتات سے دنیا کی مشابہت رکھتے ہیں اسواسطے کہ اسی نام سے وہ بھی پکارے جاتے ہیں والا معنی میں مادہ ان کا جوہر آگ کا ہے اور ہر چیز میں وہاں کی سوزش اور ناریت موجود ہے اور جو مقصود کھانا کھانے کا خالی ان تین چیزوں سے نہیں ہوتا ہے یا تو لذت یا تو موٹا کرنا بدن کا یا دفع کرنا بھوک کا سو ذکر کرنے سے ضریع کے اور اُس کی وصفوں کے جو حدیث شریف میں وارد ہے لذت تو کوسوں نزدیک نہیں پھٹکتی اب باقی رہیں دو چیزیں دوسری کہ بعضے وقت بدمزہ کھانے سے بھی کچھ مقصود ہوتی ہیں اُن کی بھی نفی فرماتے ہیں کہ لَا یُسْمِنُ وَلَا یُغْنِیْ مِنْ جُوْعٍ ؕ نہ موٹا کرے بدن کو اور نہ کام آوے بھوک میں اور فائدے کھانے کے یہی تین چیزیں ہیں اور جو کھانا کہ ان تین چیزوں سے خالی ہے تو گویا طعام نہیں کیونکہ اگر موٹا کرتا بدن کو تو یہی دوزخیوں کو فائدہ ملتا کہ ایک قوت اُس سے حاصل کرتے اور سہنا عذاب کا اُس قوت کے سبب سے اُن پر آسان ہوجاتا اور اگر بھوک کو دفع کرتا تو بھی البتہ ایک طرح کا فائدہ ہوتا کہ بھوک کے عذاب سے رہائی پاتے سو یہ کوئی فائدہ وہاں کے کھانے میں نہیں ہے باقی رہے یہاں دو سوال جواب طلب اوّل یہ کہ وجود نباتات کا آگ میں ممکن نہیں کیونکہ دھوپ گرمی کے موسم کی اکثر درختوں کو جلا دیتی ہے تو آگ کی گرمی کا کیا حال ہوگا خصوصًا دوزخ کی آگ جواب اس کا یہ ہے کہ وجود انسان کے بدن کا اور وجود سانپ اور بچھوؤں کا جو اس آگ میں مسلم ہے تو وجود میں نباتات کے کیا تعجب ہے اور علاوہ یہ کہ بعضے نباتات عین شدت میں آفتاب کی گرمی کے بڑھتے ہیں اور سبز اور ہرے رہتے ہیں جیسے گوکھرو یا جواسا اور علیٰ ہذا القیاس بہت سے درخت گرمیوں کے موسم میں بڑھتے ہیں پھر کیا بعید ہے کہ وہاں کی آگ میں بھی اسی طرح کی تاثیر ودیعت ہو کہ بعضے نباتات کو بڑھاوے اور سرسبز کرے علی الخصوص جبکہ جوہر آتشی اصل طبیعت پر اُن نباتات کے غالب ہو پھر از راہ تماثل کے گرمی سے آگ کی مدد پاویں جیسے سمندر کیڑا دنیا کی آگ سے دوسرے یہ کہ اس آیت میں دوزخیوں کا کھانا فقط ضریع پر منحصر رکھا ہے کہ سوا اسکے اُن کو وہاں دوسرا کھانا نہ ملے گا حالانکہ دوسری آیت

میں دوسرا کھانا بھی دوزخیوں کے واسطے مذکور فرمایا ہے اُن میں سے زقوم بھی ہے کہ اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ طَعَامُ الْاَثِیْمِ ۝ اور ان میں سے ایک غسلین ہے وَلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِیْنٍ ۝ جواب اس کا یہ ہے کہ دوزخ کے بہت سے طبقے ہیں بعضے طبقے میں فقط یہی کھانا ہوگا اس کے سوا اور کچھ نہ ملے گا پس وُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍ خَاشِعَۃٌ سے مراد اسی طبقے والے ہوں تو بس کچھ اشکال باقی نہ رہا اور بعضے مفسّروں نے کہا ہے کہ مراد مِنْ ضَرِیْعٍ سے خصوصیت ضریع کی نہیں جو کچھ ضریع کی جنس سے ہے بے لذتی اور تلخی اور بدبو اور موٹا نہ کرنے اور بھوک کے دفع نہ کرنے میں وہ سب ضریع میں داخل ہیں یہاں تک کہ بعضے مفسّروں نے ضریع کو فعیل جو مفعل کے معنوں میں ہے جیسے علیم اور بدیع مقرر کیا ہے اور معنی اس کے یوں کہے ہیں کہ جو طعام کہ سبب ضراعت اور خواری اور طبیعت کی بدمزگی کا ہو وہ ضریع ہے اور اس صورت میں بھی اشکال دفع ہو جاتا ہے جبکہ احوال بیان کرنے سے دوزخیوں کے کھانے اور پینے کے اور رہنے کی جائے کے فارغ ہوئے تو اب جنتیوں کے کھانے پینے رہنے کی جائے اور اسباب اور سامان کا بیان فرماتے ہیں اور جو بیان بہشتیوں کے حال کا بھی تفصیل اس اجمال کی ہے جو حدیث الغاشیہ میں مذکور ہوا ہے حرف عطف کا یہاں مذکور نہ کیا بخلاف سورۂ قیامت کے کہ وہاں حرف عطف کے ساتھ مذکور فرمایا ہے کیونکہ وہاں تفصیل مجمل کی نہیں ہے کیونکہ پہلے اجمال نہیں گذرا ہے وُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَۃٌ ۝ کتنے منہ اُس روز خوش منظر اور نازک اندام ہوں گے اس واسطے کہ علامتیں ذلّت اور خواری اور خوف اور دہشت اور رنج اور محنت کی چہروں میں اُنکے تاثیر نہ کریں گی کیونکہ اُن چہروں والوں نے دنیا میں بہت سی تکلیفیں اِس روز کی سختی کی آسانی کے واسطے اُٹھائی تھیں اور محنتیں اور مشقتیں حق تعالے کی خوشنودی کے واسطے اپنی جان اور تن پر گوارا رکھتے تھے چنانچہ فرماتے ہیں لِّسَعْیِہَا رَاضِیَۃٌ ۝ اپنی کوشش سے اُس روز خوش وخرم رہیں گے کہ وہ کوشش ہماری ٹھکانے لگی اور اچھا پھل ملا فِیْ جَنَّۃٍ عَالِیَۃٍ ۝ وہ چہرے ایک باغ میں ہوں گے کہ بلند ہے اور بسبب اُس بلندی کے ہول قیامت کا اور دوسرے موذی چیزوں کا وہاں نہ پہونچے گا اور دوزخ

کی بھاپ کا وہاں اثر نہ ہو گا بلکہ لَا تَسْمَعُ فِیْهَا لَاغِیَةً ۝ نہ سُنیں گے وہاں بیہودہ بات
چہ جائے کہ گالی گفتار اور ذلت کی بات ہو یا یہ کہ فریاد اور الغیاث دوزخیوں کا کہ محض بیہودہ
ہے وہاں نہ پہونچے گا تاکہ عیش اُن کا مکدر نہ ہو جاوے اور یہ صفت بہشتیوں کو مقابلے
میں تَصْلٰى نَارًا حَامِیَةً کے دی ہے اور مقابلے میں کھولتے چشمے کے اُن کو فِیْهَا عَیْنٌ
جَارِیَةٌ ۝ اس باغ میں چشمہ ہے کہ پانی اس کا بہتا ہے اور برف سے ٹھنڈا اور شہد سے
میٹھا ہے اور مقابلے میں دوزخیوں کی ذلت اور خواری کے اُن کو فِیْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ ۝
اُس باغ میں تخت ہیں اونچے تاکہ کمال عزت سے اُس پر بیٹھیں اور مقابلے میں
دوزخیوں کی محنت اور رنج کے اور تجس کھانے پینے کے اُن کو وَّاَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ ۝
اور کوزے ترتیب سے چُنے ہوں گے ان ہی تختوں پر یعنی جبکہ خواہش کھانے پینے کی
جیسے شراب اور دودھ اور شہد کی اُن کو ہو گی تو بن مانگے اُٹھا کر پئیں گے اور کھائیں گے
اور اس بات کی حاجت نہ ہو گی کہ تختوں سے اُتریں اور محنت کریں آور اُن کے فرش
کے واسطے اُس بہشت میں وَّنَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ ۝ اور مسند اور توشکیں برابر صف کے
بچھی ہوں گی تاکہ جس مسند اور توشک پر چاہیں لیٹیں اور تکیے لگاویں اور اُن کے
مکانوں میں وَّزَرَابِیُّ مَبْثُوْثَةٌ ۝ اور قالین ہوں گے بکھرے پڑے تاکہ جس مکان
میں چاہیں بچھوادیں پھر جبکہ حال دوزخیوں اور بہشتیوں کا تفصیل سے اس سورۃ میں
مذکور ہوا تو کافر بطور طعن اور ٹھٹھول کے کہتے تھے کہ اس پیغمبر کے کلام میں تناقض پایا
جاتا ہے کیونکہ دوزخیوں کے رہنے کی جگہ اور کھانا پینا اُن کا اس طور سے بیان کرتا ہے
اور یہ بھی کہتا ہے کہ اُس عذاب شدید سے دوزخی مریں گے بھی نہیں اور ابد الآباد تک
زندہ رہیں گے حالانکہ آدمی اور جانوروں کو اس قسم کے عذاب میں ایک لمحہ زندگی بسر
لے جانا محال ہے اور بہشتیوں کی تعریف میں کہتا ہے کہ اونچے اونچے تختوں پر بیٹھے ہونگے
اور مشقت اور رنج کسی طرح کا نہ کریں گے حالانکہ بار بار اُترنا چڑھنا اونچے اونچے تختوں
سے یہ بھی تو مشقت ہے اور یہ بھی کہتا ہے کہ وہاں کوزے پانی اور شراب کے بھرے دھرے
ہوں گے اور مسند اور قالین بھی بچھی ہونگی حالانکہ جو بیٹھنے کے تخت ہوتے ہیں اُن میں

اس قدر گنجایش کہاں ہوتی ہے اور دوسرے یہ کہ اگر وہ کوزے ڈھلک جاویں تو تمام فرش بھیگ جاوے اور قابل بیٹھنے کے نہ رہے حق تعالیٰ نے اُن کے اس ٹھٹھول اور طعن کے جواب میں یہ آیت بھیجی اور حاصل جواب کا یہ ہے کہ نمونہ بہشتیوں اور دوزخیوں کا عالم میں موجود ہے اور صورت بھی بہشت اور دوزخ کی نمودار ہے پھر کسواسطے بہشتیوں اور دوزخیوں کے احوال کا اور بہشت اور دوزخ کی صفتوں کا انکار کرتے ہو اور ان چیزوں میں جو تمھارے سامنے موجود ہیں کیوں تامل نہیں کرتے اور وہ چار چیزیں ہیں اول جانوروں میں سے تو اونٹ ہے دوسرے بسائط علویہ سے آسمان ہے تیسرے معادن سے پہاڑ ہیں چوتھے بسائط سفلیہ سے زمین ہے پس اوّل ذکر شتر کا فرماتے ہیں اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ ؏ کیا نظر نہیں کرتے اونٹوں کی طرف کہ کیسے پیدا کیے گئے ہیں اور پیدایش میں اُن کے نمونے جنتیوں کے اور دوزخیوں کے دونوں موجود ہیں ذات اور معاش میں اپنی مشابہت دوزخیوں سے رکھتا ہے اور فوائد اور منفعتوں میں مناسبت بہشتیوں سے لیکن مشابہت دوزخیوں سے اپنی ذات اور معاش میں جو رکھتا ہے سو اس جہت سے ہے کہ باوجود اس ڈیل ڈول کے اس مرتبے کو ذلیل اور خوار ہے کہ ایک بچہ بلکہ چوہا اُس کی مہار پکڑے تو جہاں چاہے وہاں لیے پھرے اور جب چاہے بٹھالے پھر لادکے جہاں چاہے لے جاوے اور یہ سب اُس کے چہرے کے خشوع کے سبب سے ہے کہ اُس کی ناک چھید کے نکیل ڈالتے ہیں پس اُس کے سبب سے ذلیل اور فرمانبردار ہو جاتا ہے اور اکثر اُس کے رہنے کی جگہ گرم اور ریگستان ہوتی ہے کہ لُوؤں کے چلنے سے اور آفتاب کی گرمی سے گویا کہ آگ ہو جاتی ہے اور مدتوں تک یہ جانور پیاسا رہتا ہے اور گرم پانی میسّر ہوتا ہے بالکل گرم کہ دھوپ کی شدت سے گاڑھا بن جاتا ہے اور خوراک اُس کی درخت خاردار اور کڑوے جیسے گوکھرو اور جواسا اور ضریع اور باوجود ان سب باتوں کے حیات اور قوت اور طاقت بارکشی اور اعمال شاقہ کی اور اُترنا چڑھنا پہاڑوں کا اور ذلت اور کیچ پانی کی جو اُس کو نصیب ہوتی ہے عشر عشیر اُس کا کسی اور جانور کو نہیں اور سدا گرفتاری سے رنج و بلا میں مبتلا رہتا ہے اور

مناسبت اُس کی بہشتیوں سے فائدوں اور منفعتوں کی جہت سے ہے کہ اگر اُس کی پیٹھ کو خیال کریں تو گویا ایک اونچا تخت چار ستون پر دھرا ہے باوجود اس بلندی کے کہ ہاتھ بھی آدمی کا اُس تک نہیں پہونچ سکتا جب چاہیں بٹھلا کر سوار ہو جاویں جیسے جنّت کے تخت چنانچہ معالم التنزیل میں ذکر کیا ہے کہ بہشت کے تخت دور سے بلند نظر آویں گے پھر جب جنتی چاہیں گے کہ اُن پر بیٹھیں تو وہ نیچے ہو جاویں گے پھر اونچے ہو جاویں گے اور اس کے چاروں تھن گویا دودھ کے بھرے آبخورے تیار رکھے ہیں اور چشمے دودھ کے اُن سے جاری ہیں اور اُس کی پشم سے نمدے اور قالین اور مخمل اور مسندیں بناتے ہیں اور گوشت اُس کا کھاتے ہیں اور دودھ اُس کا پیتے ہیں اور اُس کے بال سے پہننے اوڑھنے کے اسباب بناتے ہیں اور پیٹھ پر اُس کی سوار ہوتے ہیں اور جب اُس کو لاد کر لے چلو تو گویا ایک کشتی ہے کہ اپنے پاؤں چلی جاتی ہے اور بغیر بوجھ کے لے چلو تو ایک پیک ہے کہ دوڑا جاتا ہے اور اگر اپنے اہل وعیال کے ساتھ اُس پر سوار ہو جیے اور تمام اسباب اور سامان گھر کا اس پر لاد دیجئے تو گویا ایک گھر کا گھر چلا جاتا ہے پس دنیا کے جانوروں میں یہ جانور نہایت عجیب ہے لیکن رات دن کے باہم رہنے سے کچھ تعجب کی چیز معلوم نہیں ہوتی ہے کہتے ہیں کسی جانور میں یہ خوبی نہیں کہ اگر اس کو لادیں تو تمام اسباب گھر کا اُٹھا لے اور اگر کہیں بھیجنا منظور ہو تو تمام راستے دوڑتا چلا جاوے اور اتنی دور جاتا ہے کہ کوئی جانور اُس کے ساتھ نہیں پہونچ سکتا ہے اور اگر اس کا دودھ دو ہیں تو سارے گھر کو کفایت کرتا ہے اور اگر اُس کو ذبح کریں تو اُس کا گوشت ایک محلّے کو کفایت کرتا ہے اسی واسطے حدیث شریف میں آیا ہے کہ الابل عزٌّ لاھلھا والغنم برکۃ والخیل معقود بنواصیہ الخیر الٰی یوم القیٰمۃ یعنی اونٹ عزت کا سبب ہے گھر والوں کے لیے اور بکریاں برکت ہیں اور گھوڑے کے ساتھ بہتری لگی ہوئی ہے دن قیامت تک اور باوجود اس ڈیل کے سو اونٹوں کی قطار کو ایک بچہ لیے پھرتا ہے اور صابر ایسا ہے کہ دس روز تک پیاسا رہتا ہے اور محنت اور مشقت میں قصور نہیں کرتا اور عجائبات سے اُس کی ایک یہ ہے کہ

روبقبلہ چلتا ہے اور اگر بالوں کو اس کے جلا کر خشک کر کے جاری خون پر رکھ دیجیے تو بند ہو جاتا ہے دودھ اور پیشاب اُس کا استسقے والوں کو اور تلی اور بواسیر والوں کو نہایت مفید ہے اور طبیب لوگ اس بات کو خوب جانتے ہیں آور اونٹ کی کلنی کو اگر عاشق کی آستین پر باندھ دیں تو اس کا عشق جاتا رہے اور اونٹ سب جانوروں میں باغیرت مشہور رہے کہ اپنی ماں بہن پر دانستہ نہیں پھاندتا اور مستی کے وقت میں آثار عشق کے اور ولولے اور جوش جنوں کے اُس میں نظر آتے ہیں یہ نمونے سچے عاشقوں کے ہیں اس وقت کھانا پینا چھوڑ دیتا ہے اور قدیم عادت سے تین حصّے زیادہ بوجھ اُٹھاتا ہے اور خلقت میں اُس کی درازی گردن کی عجائبات سے ہے نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کسی حکیم کے روبرو ذکر کیا کہ جانوروں میں سے ایک جانور ہے کہ اُس کو اونٹ کہتے ہیں اس میں عجیب خاصیت ہے کہ اُس کو بٹھا کر من مانتا لادتے ہیں پھر وہ اپنے زور سے کھڑا ہو جاتا ہے اور یہ خاصہ کسی اور جانور میں نہیں ہے کہ لادنے کے بعد کھڑا ہو جاوے اُس حکیم نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ اُس جانور کی گردن دراز ہو گی کہ گردن کے زور سے کھڑا ہو جاتا ہو گا اور اکثر اُس کی خوراک اونچے اونچے درختوں کے پتے ہیں اگر اُس کو ایسی لمبی گردن نہ ملتی تو بڑے درختوں کے پتّے کھانے سے محروم رہتا آور یہیں سے معلوم ہوا کہ ہاتھی کو اس مقام پر مذکور نہ فرمایا اس واسطے کہ ہاتھی میں نمونے دوزخ اور جنّت کے موجود نہیں کیونکہ اوّل تو مکان اُس کی بود و باش کا سرسبز اور آبدار ہوتا ہے اور اکثر خوراک اُس کی کیلے کے پتّے ہیں یا اور زراعتیں اور کاروبار میں رنج و مشقت اُٹھا نہیں سکتا اور ذلیل اور مقہور بھی نہیں ہے بلکہ سرکشی اور تکبر حد سے زیادہ اُس میں پایا جاتا ہے اور اکثر اوقات کمال عزّت اور توقیر سے فیلخانوں میں امرا اور سلاطین کے ہوتا ہے اور اس کو گھاس کی جائے پر گنّے کھلاتے ہیں اور خوب تر تراتے ملیدوں کا راتب پاتا ہے اس کو دوزخ کے جلنے بھننے بھوکے پیاسوں سے کیا مناسبت دوسرے یہ کہ یہ جانور بے منفعت بھی ہے کہ نہ دودھ نہ پشم ہے اور نہ گوشت اُس کا لایق کھانے کے اور نہ ہر شخص ہر وقت اُس پر سوار ہو سکے اور نہ ہر ایک کا تابعدار اور فرمانبردار لبس نمونہ بہشت

کا بھی نہیں ہو سکتا اگرچہ ڈیل اس کا بڑا ہے تو کس کام کا کیونکہ یہاں بیان اور یہی مقصد کا
ہے وَاِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ۜ اور کیا نظر نہیں کرتے آسمان کی طرف کہ کس قسم کا بلند
کیا گیا ہے تاکہ بلندی کو بہشت کی اور وہاں کے تختوں کی کچھ عجب نہ جانو کہ آسمان باوجود
اس بلندی کے بہ سبب حرکت دوری کے ہر جزو اس کے اجزا کا دورے میں رات اور دن
کے پست بھی ہو جاتا ہے اس طور سے کہ سر کی طرف سے قدموں کی طرف آجاتا ہے اور
نیچا ہونا بہشت کے اونچے تختوں کا بہشتیوں کے قدموں کے نیچے اس بلندی اور پستی سے
سمجھ لیا چاہیئے اور یہ بھی سمجھا چاہیئے کہ آسمان میں ستارے کوزوں کی طرح رکھے ہیں اور
اس حرکت دوری سے آسمان کے دو تارے اپنے مرکز سے جنبش نہیں کرتے اور اوندھے
نہیں ہو جاتے جیسے کہ کوزے بہشت کے پینے کے گرم و سرد چیزوں سے بھرے دھرے ہیں
اسی طرح سے کوزے آسمان کے رنگا رنگ شعاعوں سے مثلاً زُہرہ کی شعاع مروارید
کی سی ہے اور مریخ کی شعاع سُرخ اور مشتری میں صرف سُفیدی اور زُحل میں گندلا پن
اور نیلگونی اور کف الخضیب میں شعاع عباسی اور گرمی اور سردی میں شعاعیں ستاروں کی
مختلف اور گوناگوں ہیں پس جو سردی کہ چاند کے نور میں ہے ظاہر ہے اسی طرح سے
حرارت آفتاب کی اور خشکی زحل کی اور رطوبت زہرہ کی اور اسی قیاس پر اور تاروں کو
سمجھا چاہیئے اور یہ بھی ہے کہ چشمہ آفتاب اور مہتاب کا آسمان میں نمونہ ہیں بہشت کے
جاری نہروں کا کہ ایک سے شراب گلگوں تیز و تُند فوارے کے مانند جوش مارتی ہے
اور دوسرے سے دودھ سرد تر نکلتا ہے اور جو تارے بُرجوں اور منزلوں میں بکھرے نظر
آتے ہیں مانند مخمل کے مسندوں کے اور رنگا رنگ قالینوں کے ہیں کہ بعضوں کو برابر
مانند صفوں کے بچھا دیا ہے اور بعضوں کو مانند بکھرے ہوئے پھولوں کے متفرق چھڑک دیا
ہے پس آسمان دنیا میں نمونہ بہشت کا ہے اور وہاں کے رہنے والے کہ فرشتے ہیں اپنے
کاموں سے جو عند اللہ مقبول ہیں نورانی چہروں کے ساتھ خوش و خرم ہیں اور وہاں بغیر
تسبیح اور ذکر الٰہی کے بیہودہ بات نہیں سُنتے اور اگر اسی آسمان کو بہ نسبت شیاطین کے
اور مفلوکوں کو بنی آدم کے اور بدبختوں کے ملاحظہ کریں تو مانند دوزخ کے نظر آتا ہے کہ

شیاطین اور بدکاروں کی ارواح کو ہمیشہ مارنا اور ہانکنا تاروں سے برابر جاری ہے اور اُن کو کمال ذلت اور خواری وہاں حاصل ہے جیسے جب شیاطین استراق سمع کو یعنی آسمان کے احوال جو فرشتے آپس میں ذکر کرتے ہیں اُس کے سُننے کو جاتے ہیں اور اُن پر آگ کے انگارے اور گرز مارے جاتے ہیں تو خوف سے ملک الموت کی پکڑ کے نا اُمید ہو کے وہاں سے بھاگتے ہیں اور رنج بیہودہ اُٹھاتے ہیں اور آسمان کے دربان کا غصہ اور آفتاب کی گرمی اور غذا کے عوض میں دربانوں کی مار دھاڑ اُن کے نصیب ہے یہ سب دوزخیوں کی مشابہت ہے وَإِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ اور کیا پہاڑوں کی طرف نہیں دیکھتے ہیں کہ کیسے کھڑے کیے گئے ہیں کہ ہرگز آندھیوں سے اور مینھوں کے برسنے اور بھونچالوں کے آنے سے گرتے نہیں ہیں اور نہ اوندھے ہوتے ہیں اسی طرح سے بہشت کے آبخوروں کو سمجھ لینا چاہیے بلکہ اگر فکر کرے تو پہاڑ بلندی اور خوش ہوا ہونے میں بہشت کے مانند ہیں کہ بدبوئیں اور موذی جانور زمین کے اور خراب بخارات وہاں نہیں پہونچتے ہیں اور بیہودہ گوئی دنیا والوں کی خصوصًا لڑائی جھگڑے ہرگز وہاں نہیں سُنے جاتے اور چشمے میٹھے پانی کے وہاں جاری ہیں اور اونچے اونچے پتھر صاف مانند تختوں کے جا بجا دھرے اور خود رو درختوں پر جو میوے لٹکتے ہیں بہشت کے کوزوں کے مانند تیار رکھے ہیں اور سبزہ زنگار رنگ مانند مسندوں اور قالینوں کے بچھا ہے اور اگر کوئی ان ہی پہاڑوں کو بہ نسبت بدبختوں کم نصیبوں کے کہ گرفتار مصیبت اور تباہی کے ہو کر وہاں پڑے ہیں ملاحظہ کرے تو نمونہ دوزخ کا نظر آتا ہے کہ اُترنا چڑھنا وہاں بالکل مشقت اور رنج اور وہاں کی ناموافق آب و ہوا خصوصًا پہاڑ کے تلے کی جس کو اول کہتے ہیں دوزخ کے چشمے کے مانند ہے اور درخت کڑوے اور خاردار مانند ضریع اور زقوم کے ہیں وَإِلَى الْأَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ اور کیا نہیں دیکھتے ہیں زمین کو کیسی بچھائی گئی ہے کسی جائے پر برابر صفا مسند کی طرح سے بچھی ہے اور کسی جائے پر تختے زنگار رنگ پھولوں کے قائم مقام بکھرے قالینوں کے چھٹک رہے ہیں بلکہ یہی زمین ہے کہ بہ نسبت اغنیا اور اُمرا کے حکم بہشت کا رکھتی ہے کہ کمال عزت اور تمکنت سے باغوں اور سیرگاہوں میں مکلف فرشوں پر بیٹھے ہوتے ہیں اور کھانے پینے کی نعمتوں کے برتن طرح

وقف لازم

طرح کے سامنے دھرے رہتے ہیں اور چشمے زر و جواہر کے معدنوں سے اور خزانوں سے جاری اور تخت بلند سنہرے روپہلے جڑاؤ بیٹھنے اور سواری کو موجود اور اگر اسی زمین کو بہ نسبت محتاجوں اور مفلسوں کے خیال کریں خصوصًا بہ نسبت اُن لوگوں کے کہ گرم ملک میں عین گرمی کے موسم میں بے سامانی کے ساتھ پیادہ پا بے توقع منفعت کے سفر کی سرگردانی میں گرفتار ہیں حکم دوزخ کا رکھتی ہے کہ تمام اسباب رنج اور محنت کے موجود اور آرام اور راحت بالکل مفقود پس یہ چاروں چیزیں عاقلوں کو بہشت اور دوزخ کے احوال دریافت کرنے کو کافی ہیں اور ان چاروں چیزوں کو مثل کے واسطے اس سبب سے اختیار کیا کہ اس کلام اعجاز نظام کے مخاطب اُس ملک کے جنگلوں کے رہنے والے عرب تھے کہ جانوروں میں اکثر اونٹ کو پالتے تھے اور اس کا دودھ بھی پیتے تھے اور گوشت بھی کھاتے تھے اور اُسکے بالوں کے کپڑے پہنتے تھے اور فرش فروش اور خیمے بھی بناتے تھے اور سفر میں اُسی پر سوار ہوتے تھے اسی واسطے تجربہ والوں نے کہا ہے کہ تمام کاروبار عرب کا موقوف اونٹ پر ہے اور اہل ایران کا خچر پر اور اہل توران کا گھوڑے پر اور اہل ہند کا بیل پر اور جو اکثر جنگلوں کے رہنے والے جانور بہت پالتے ہیں تو پانی اور چارے کی طرف ان کو احتیاج بہت ہوتی ہے اسی سے ہمیشہ نظر ان کی آسمان کی طرف ہوتی ہے کہ کدھر کی ہوا چلتی ہے اور کونسی ہوا سے مینھ برستا ہے اور اکثر پناہ کی جائے اور گریزگاہ ان کی بڑے بڑے پہاڑ ہیں جب کوئی غنیم آتا یا زمین میں پانی اور گھاس کا قحط ہوتا تو بھاگ کر پہاڑوں میں چلے جاتے تھے اور وہاں فراغت سے گذران کرتے تھے کسی شاعر نے بطور فخر کے کہا ہے۔ **شعر**

لنا جبل[1] یحتله من نجیره	منیع یرد الطرف وھو کلیل

پھر احتیاج اس قسم کے لوگوں کو بلکہ تمام بنی آدم کو بادشاہ سے فقیر تک طرف زمین کے ہوتی ہے کیونکہ محل گھاس اور چارے کا اور مکان زراعت اور میوے کا اور مقام سکونت اور عمارت کا اور زر و جواہر کے معدنوں کا ہے پس یہ چاروں چیزیں ہمیشہ وہاں کے رہنے والوں

[1] یعنی ہمارے لیے پہاڑ قلعے ہیں مانع ہوتے ہیں دشمن کو اس سے جو اختیار کرے اُن کو ایسے اونچے کہ پھیرتے ہیں نگاہ کو اور وہ نگاہ کرنے والا عاجز ہے ۱۲

کے خیال میں رہتی ہیں اور مقصود مثال سے حاضر کرنا خیالیہ صورتوں اور محسوسات کا ہے
کہ ان صورتوں سے کھوج معنوں معقولہ کا ملے اور جو چیز کہ جلد خیال میں آوے مثال دینا
ایسی چیز کی نہایت مفید ہے اور کمال بلاغت کا ایسی مثال کے بیان کرنے میں ہے اور
محققوں نے کہا ہے کہ قرآن مجید میں اپنی نعمتوں کے یاد دلانے کے مقام پر ذکر دلیلوں
وحدت ذات کا اور کمال صفاتوں خود مختاری کا بیان فرمایا ہے تاکہ حرص اور شہوت میں
نہ جا پڑے اور دنیا کی زینتیں مدنظر نہ ہو جاویں والا جو غرض کہ اس تمثیل سے ہے بیفائدہ
ہو جاوے اور لوگ بسبب ذکر کرنے خواہشوں اور ریجھ کی چیزوں کے اُسی خیال میں
جا پڑیں اور مقصود کو نہ پہونچیں اسی طرح سے عجیب و غریب چیزیں کہ بنی آدم کی صنعت
کے سبب سے ظاہر ہوئی ہیں اور نمود پکڑی ہیں وہ بھی قابل استدلال کے نہ تھیں کہ مبادا
اُن تمام عجائبات کو ارادے اور اختیار سے بنی آدم کے تصور کرنے حکمت اور قدرت پر اُنکی
حوالہ کریں اور مطلب کو پہونچنے سے محروم رہیں ناچار جو چیز کہ ہر شخص کو حاصل ہے اور ہرگز
موجب طمع اور حرص کے نہیں ہو سکتی اور حسن وجمال طبیعی رکھتی ہے اس کلام پاک میں
ایسی چیز تمثیل کے واسطے جا بجا اختیار کی ہے اسی واسطے کہیں نہیں فرمایا کہ کارخانوں میں
بادشاہوں کے اور سامانوں میں اُمرا کے فکر کرو یا خوبصورت امردوں یا حسین عورتوں کو غور
سے دیکھو اور یہاں سے یعنی ان چیزوں کے دیکھنے سے صانع کی حکمت دریافت کرو اور بعضے
علماء نے سطحت کے لفظ کو کہ زمین کے حق میں وارد ہوئی ہے استدلال اس بات کا گردانا
ہے کہ زمین کی شکل کُروی نہیں لیکن یہ استدلال نہایت ضعیف ہے کیونکہ زمین حقیقت
میں شکل کُروی رکھتی ہے لیکن بہ سبب بڑے پن کے معلوم نہیں ہوتی اور بسبب دریافت
نہ ہونے بلندی اور پستی اُس کے اجزائے متلاصقہ یعنی باہم چسپیدگی سے سطح معلوم ہوتی
ہے اور کلام وہم اور خیال والوں سے ہے کہ کُرویت اس قدر بڑے جسم کی دریافت نہیں
کر سکتے اور جبکہ کافروں کے طعن اور استبعاد کے جواب سے کہ حق میں بہشت اور دوزخ کے
اور احوال میں بہشتیوں اور دوزخیوں کے کرتے تھے فارغ ہوئے تو گویا مقام اس بات
کا ہوا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کمال عناد اور سرکشی اُن کافروں کی دیکھکر ایسا نہ ہو

کہ پند و نصیحت کرنا موقوف کریں اور اس تمام وعظ اور نصیحت کو بیفائدہ سمجھیں اس واسطے تاکید
امر کی منظور ہوئی اور تسلی آپ کی خاطر مبارک کی ضرور پڑی تو ارشاد فرماتے ہیں فَذَكِّرْ
إِنَّمَآ أَنتَ مُذَكِّرٌ پس نصیحت کر نہیں ہے تو مگر نصیحت کرنے والا یعنی جو ان چاروں چیزوں کو
کہ نزدیک ہر ادنیٰ اور اعلیٰ کے اُن میں سے حاضر اور موجود ہیں مانند آخرت کے کاموں کے
معلوم کیا تونے اور دلیل قوی بہشت اور دوزخ کے احوال پر پائی تو اُن کے طعن اور استبعاد
کے لفظوں سے کہ سوا جھگڑے کے کچھ اور نہیں ہے تنگدل نہ ہو اور اپنا کام کہ تذکیر اور پند ہے
کرتا رہ لَّسْتَ عَلَيْهِم بِمُصَيْطِرٍ اور نہیں ہے تو ان پر اتالیق اور داروغہ کہ ہرگز اُنکو حق
کی راہ سے بے راہ نہ ہونے دے اور دلوں میں اُن کے حق بات کو زور سے ڈالدے کیونکہ
یہ کام مقلب القلوب اور دلوں کے مالک کا ہے بشر کا مقدور نہیں إِلَّا مَن تَوَلَّىٰ وَكَفَرَ یعنی
سب کو بار بار نصیحت اور پند کر مگر اُس شخص کو کہ جس نے مُنھ پھیرا تیری نصیحت سے اور کفر اختیار
کیا اور انکار تیری رسالت کا کیا اُن کو بار بار نصیحت کرنا تجھ پر فرض نہیں ایک بار پہونچا دینا
احکام الٰہی کا اور عذاب سرمدی سے ڈرا دینا ضرور تھا سو اس سے تو فارغ ہو چکا اب معاملہ
اُس کا خدا سے ہے فَيُعَذِّبُهُ اللَّهُ الْعَذَابَ الْأَكْبَرَ پس عذاب کرے گا اُس کو
اللہ تعالیٰ وہ عذاب کہ بہت بڑا ہے دوسرے گنہگاروں کے عذاب سے جنھوں نے کفر نہیں کیا
اور اسلام سے مُنھ نہیں پھیرا کیونکہ وہ سدا کا عذاب ہے اور ایماندار ہرچند کہ گناہ کبیرہ کے
مرتکب ہوں اور بے توبہ کے مریں تو بھی اس عذاب دردناک سے یعنی ہمیشگی کے عذاب سے
محفوظ رہیں گے اور اگر یہ کافر عناد کرنے والے عذاب کرنے میں اللہ تعالیٰ کے کہ دریافت سے
اُن کے حواس کے غائب ہے یعنی بشر کی عقل اُس کو دریافت نہیں کرسکتی اور سوائے بنی آدم
کی مار دھاڑ کے اور عذاب کو نہیں جانتے تردد کریں تو بیجا ہے کیونکہ إِنَّ إِلَيْنَآ إِيَابَهُمْ
مقرر ہماری ہی طرف ہے پھر آنا اُن کا بعد مرنے کے روح ہر شخص کی دریافت سے حواس
کے غائب ہو جاتی ہے اور عالم غیب کو پہونچتی ہے پس ناچار سب کو ایک عالم کی طرف کہ
مالک اُس عالم کا سوائے جناب باری کے کوئی نہیں جانا ہے ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ع
پھر تحقیق ہماری ہی اوپر ہے حساب اُن کے گناہ صغیرہ اور کبیرہ اور انواع کفر اور عناد کا کہ موافق

اس کے جزا اور سزا دیویں گے پھر جو شخص کہ روگردانی اور کفر میں سخت ہے تو تکلیف اور عذاب بھی اس پر زیادہ ہے وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ مِنْہُ پس اِنَّ اِلَیْنَآ اِیَابَھُمْ ۙ کی آیت میں اشارہ برزخ کے احوال کی طرف ہے کہ بعد موت کے بلا فاصلہ روبرو آنے والا ہے اور آیت ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا حِسَابَھُمْ کی اشارہ ہے قیامت کے دن کے معاملے کیطرف کہ بعد مدت دراز کے ظاہر ہوگا اور اسی واسطے کلمہ ثم کا کہ دلالت تراخی اور مہلت دراز پر کرتا ہے سرے پر اس آیت کے وارد فرمایا ہے،

سُورَۃُ الفَجر

یہ سورۃ مکی ہے اس میں تیس ۳۰ آیتیں اور ایک سو سینتیس ۱۳۷ کلمے اور پانچ سو ستانوے ۵۹۷ حرف ہیں اور اس کے ربط کی وجہ ھَلْ اَتٰکَ سے یہ ہے کہ اُس سورۃ میں بھی قیامت اور بہشت اور دوزخ اور ثواب اور عذاب کا ذکر ہے اور آدمیوں کے دو قسم ہو جانے کا بہشتی اور دوزخی اور ظاہر ہونا بُرائی اور بھلائی کی نشانیوں کا چہروں پر اور اس سورۃ میں بھی اسی مضمون کا بیان ہے اور اُس سورۃ میں لِسَعْیِھَا رَاضِیَۃٌ ۙ بھلائی والوں کے حق میں فرمایا ہے اور اس سورۃ میں رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً ۚ اور اُس سورۃ میں فَیُعَذِّبُہُ اللّٰہُ الْعَذَابَ الْاَکْبَرَ ۙ کافروں کے حق میں ارشاد ہوا ہے اور اس سورۃ میں فَیَوْمَئِذٍ لَّا یُعَذِّبُ عَذَابَہٗٓ اَحَدٌ ۙ ارشاد ہوا اور یہ دونوں مضمون آپس میں قریب ہیں اور نازل ہونا اس سورۃ کا دفع کرنے کو ایک شبہے کے ہوا ہے جو اکثر ملحدوں اور زندیقوں کے خیال میں گزرتا ہے اور اس شبہے پر مقابلہ انبیاؤں اور واعظوں سے کرتے ہیں اور حاصل اس شبہے کا یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو بندوں کے نہ گناہ کرنے کی پروا ہے نہ نیکی کی اور یہ انبیاء اور واعظ کہتے ہیں کہ دنیا کی پیدائش کے بعد از سر نو ایک اور عالم پیدا ہوگا کہ حشر اور نشر اور سوال اور جواب اور بدلہ دینا اُس میں ہوگا سو اس بات کی کچھ اصل نہیں کہ اللہ تعالیٰ بنی آدم کے سب بُرے بھلے کاموں سے خبردار ہے اور ہر شخص کو اُس کے کام کی جزا اور سزا دینے پر بھی قادر ہے اگر طاعتوں سے خوش ہوتا اور گناہوں سے ناخوش تو کس واسطے نیکوں کو نعمتوں سے نوازش نہیں کرتا اور بدکاروں کو گناہوں کے بدلے عذاب میں گرفتار نہیں کرتا پس تاخیر کرنا جزا دینے میں اور انتظار کرنا قیامت کے دن کا

یا تو اس واسطے ہے کہ اب اُس کو آدمیوں کی نیکی بدی کے کاموں پر اطلاع نہیں ہے یا اِس سبب سے ہے کہ اس وقت بدلہ لینے کی طاقت نہیں رکھتا اور یہ دونوں باتیں اُسکی ذات پاک کی طرف متصوّر نہیں ہوسکتی ہیں پس معلوم ہوا کہ بدلہ نیک اور بد کا اُس کو منظور نہیں ہے اور جو کچھ کہ کرتا ہے سواسی دنیا میں کرتا ہے مگر بے پروائی کے طور سے کسی کو دولت دنیا حشمت دے کر معزز اور مکرّم کر دیتا ہے اور کسی کو دکھ درد محنت مشقّت میں ڈال کے ذلیل کرتا ہے سو جواب اس شبہے کا یہ ہے کہ حق تعالیٰ باوجود اپنے کمال علم اور قدرت کے حکیم مطلق بھی ہے اور حکمت اسکی چاہتی ہے کہ ہر شخص کی سزا اور جزا پہونچانے کے واسطے قیامت کا انتظار کیا چاہیئے اور تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ آدمی کے تین حال ہیں اوّل تو دنیا کا حال کہ اسمیں طرح طرح کی حاجتوں میں گرفتار ہے اور قسم قسم کے علاقے قرابت اور دوستی اور ہمسائے کے کہ مخلوق سے رکھتا ہے اور مکلّف طاعت اور بندگی کا بھی ہے اور مشغول ہے آخرت کا توشہ حاصل کرنے میں اور اپنی اصل پونجی کے بڑھانے میں نفعوں اور فائدوں سے دوسرا حال برزخ کا ہے کہ مرنیکے بعد وہاں رہتا ہے اور ان مشغلوں سے فارغ ہوتا ہے لیکن جو کچھ کہ بھائی بند یار آشنا شاگرد و مُرید اپنی طرف سے یا اُس کے کہنے سے اُس کے واسطے دنیا میں کرتے ہیں اُس کا ثواب اُس کو ملتا ہے اور اُس کے نامۂ اعمال میں لکھا جاتا ہے تو گویا کہ ابھی وہ خود دار العمل یعنی دنیا میں ہے اور یہ بھی ہے کہ برزخ میں جمع ہونا حقداروں کا کہ دُنیا میں اُن سے طرح طرح کے معاملے نیکی اور بدی کے کیے تھے ممکن نہیں اس واسطے کہ ہر شخص کی موت اپنے وقت پر مقرر ہے پھر انفصال کرنا معاملوں کا بغیر حاضر ہونے حقداروں کے عدالت کے خلاف ہے تیسرا حال آخرت کا کہ ہرگز کسی طرح کا عمل اور کسی طرح کا شغل وہاں نہ ہوگا اور بنی نوع اور اس کے تابعدار اور آشنا سب وہاں حاضر ہوں گے اور جو کچھ کہ اُس نے خود کیا تھا یا دوسروں نے اُس کے واسطے اُس کے کہنے سُننے سے کیا تھا سب اُس کو پہونچ چکا اور جمع ہو گیا اب آیندہ کو کسی اور چیز کے آنے کی اُمید بسبب منقطع ہونے نوع انسانی کے نہ رہی پس حکمت ہرگز اس بات کو تقاضا نہیں کرتی ہے کہ اُس کو دنیا کے حال میں سزا دی جائے اس واسطے کہ وہ ابھی کام میں مشغول ہے اور اس کے عمر کی مدت کہ اُس کی پونجی کے قائم مقام ہے ہنوز بالکل اسکے

جواب اس شبہے کا اور جزا کے توقف کی حکمت کا بیان

ہاتھ میں نہیں آئی ہے اور اپنی گذری ہوئی عمر کے جمع خرچ کو برابر نہیں کیا ہے اگر اُس کو اس
حالت میں جزا اور سزا میں گرفتار کریں تو وہ جواب میں البتہ کہے گا کہ ابھی مجھ کو فرصت دینا
چاہیے کہ اپنی عمر پوری کر لوں اور جو تقصیریں کہ مجھ سے ابتدائے جوانی میں اور ناتجربگی میں
ہو گئی ہیں اُن کا بدلہ آخر عمر میں ادا کروں اور تجاروں کا بھی یہی معمول ہے کہ جب کسی گماشتے
کو تجارت کے واسطے کسی طرف بھیجتے ہیں تو اُس کو مہلت دیتے ہیں کہ چند مدت اپنی رائے
کے موافق لین دین کرے اور اگر ایک معاملے میں کچھ کھو بیٹھا اور نقصان کیا تو بھی نہیں ٹوکتے
کہ شاید دوسرے سودے میں کما لے گا اسی طرح عالم برزخ میں بھی جزا دینا حکمت کے
خلاف ہے اس واسطے کہ ابھی نیکیاں اور نتیجے ہر آدمی کے عملوں کے اُس کے بنی نوع کے
باقی رہنے کے سبب سے اُس کو چلے آتے ہیں پس گویا کہ ابھی جمع خرچ اُس کا برابر نہیں ہوا
اور حق کے لینے دینے والے بھی ابھی جمع نہیں ہوئے ہیں کہ معلوم ہووے کہ اُس کا حق کس پر
ہے اور اس پر کس کا ہے اور کونسا حقدار اپنا حق معاف کرتا ہے اور کونسا طلب کرتا ہے پس
چاروناچار بدلہ لینے کے واسطے قائم ہونا آخرت کا مقرر ہوا اور اُس وقت کے آنے تک حقتعالے
بندوں کے خیر و شر کے اعمالوں کو دیکھتا ہے سو یہ ہرگز غفلت نہیں ہے اور اِنَّ رَبَّكَ
لَبِالْمِرْصَادِ کے یہی معنی ہیں اور اِسی مضمون کو اس سورۃ میں کئی قسموں کے ساتھ تاکید
سے ارشاد کیا ہے اور اس سورۃ کا نام سورۃ الفجر اسواسطے رکھا ہے کہ اوّل قسم فجر کی کھائی ہے
اور فجر کمال مشابہت رکھتی ہے قیامت کے دن سے کہ تمام رات لوگ اُس کے آنیکا انتظار
کرتے ہیں اور جب فجر ہوتی ہے تو گویا ایسا ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد پھر جی اُٹھے اور بازار
اور راستے کاروباری لوگوں سے بھر جاتے ہیں اور جن کاموں کے انتظار میں تمام شب
گذاری تھی وہ کام سرانجام کو پہونچے اور جو ان قسموں میں بیان ہے انتظار کرنے کا
کاموں کے واسطے کہ یہ انسان کی عادت ہے اور فجر اس بات کے ثابت کرنے کی اوّل
دلیل ہے تو اس سورۃ کو اس نام سے موسوم کیا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالْفَجْرِ ۙ قسم کھاتا ہوں میں فجر کے وقت کی کہ اکثر لوگ اپنے کام کاج کرنے کے واسطے اُس کا

انتظار کرتے ہیں اور باوجود کام کی ضرورت کے فجر کے آنے کے واسطے تاخیر کرتے ہیں تو پرند
جانور اپنے گھونسلوں میں رزق کی تلاش کے واسطے بھوکے پیاسے اُس کا انتظار کرتے ہیں اور
چرنیوالے جانور بھی اُس کے منتظر رہتے ہیں اور درباری اپنی عرض اور معروض کے واسطے اور محکمے
والے اپنے جھگڑے قصے فیصلہ کرنے کو اور اہل حرفہ اور بازاری لوگ اپنے کاروبار کے واسطے اور
کھیتی کرنیوالے جوتنے بونے کو اور مسافر چلنے کے لیے اس کے منتظر رہتے ہیں اور جو کام کہ روشنی
اور اُجالے سے متعلق ہیں وہ سب فجر کے ہونے پر موقوف ہیں اور بعضی فجروں کو اور بھی زیادہ
خصوصیتیں ہیں کہ بہت سی مخلوق اپنی اوقات اُس کے انتظار میں کاٹتی ہے جیسے عرفے کے
اور نحر کے روز کی فجر حاجیوں کے واسطے کہ تمام سال اُس دن کی آرزو میں گذارتے ہیں اور
مہینوں اور برسوں کی راہ سے چل کر اُس دن کے واسطے اس متبرک مکان میں اپنے تئیں
پہونچاتے ہیں اور صبح کی نماز بھی اُسی وقت میں ہے اور جو فرشتے کہ بندوں کی محافظت کے
واسطے مقرر ہیں اور صبح اور شام اپنی اپنی باری سے آتے جاتے ہیں اُس وقت وہ دونوں
چوکیاں آنے اور جانے کی جمع ہوتی ہیں اور اس وقت کی نماز کا انتظار کرتی ہیں اسیواسطے
حدیث میں آیا ہے مَنْ صَلّٰی صَلٰوۃَ الْفَجْرِ فَھُوَ فِیْ ذِمَّۃِ اللّٰہِ یعنی جس شخص نے پڑھی نماز فجر
کی تو اُس دن اللہ کے ذمے میں داخل ہوا اور سورۂ اسریٰ میں واقع ہوا ہے اِنَّ قُرْاٰنَ
الْفَجْرِ کَانَ مَشْھُوْدًا ۵ یعنی فجر کی قرأت حضور میں ہوتی ہے اور حدیث شریف میں اُس کی
تفصیل فرمائی ہے کہ رات اور دن کے فرشتے اس وقت حاضر ہوتے ہیں اور اُنکی حضوری
کے سبب سے زیادتی برکات اور انوار کی ہوتی ہے حاصل کلام کا یہ ہے کہ جو کچھ انتظار
مخلوق کو اپنے کاروبار میں فجر کے آنے کا ہوتا ہے سو ظاہر کہ دردمند تمام رات اس اُمید پر
دُکھ درد سے گذارتے ہیں کہ صبح کو طبیب کے پاس جاکر اپنا حال بیان کریں گے اور اُسکی دوا
پوچھیں گے اور فقیر اور مسکین تمام رات بھوکے پیٹ سے گذارتے ہیں اس توقع پر کہ صبح کو
امیروں دنیاداروں کے دروازوں پر جاکر کچھ مانگ لاویں اور اپنے بال بچوں کے ساتھ
اوقات بسری کریں گے اسی طرح ساری بنی آدم اپنی حاجتوں کو صبح کے نکلنے پر موقوف
رکھتے ہیں پس دیر کرنا کاموں میں باوجود ضرورت اور قدرت کے ایک وقت کے انتظار

کے واسطے کہ حکمت الٰہی نے اس وقت کو اُس کام کے واسطے مقرر کیا ہے انسان کی عادت ہے تو اسی قیاس پر جزا کے مقدمے کی تاخیر کو قیامت کے آنے کے انتظار پر سمجھ لیا چاہیئے وَلَيَالٍ عَشْرٍ ه اور قسم کھاتا ہوں میں اُن دس راتوں کی کہ بہت بزرگ اور متبرک ہیں کہ لوگ تمام سال اُن کے آنے کے انتظار میں گذارتے ہیں اور کاروبار کو اُن کے آنے پر موقوف رکھتے ہیں اور وہ دس راتیں تین قسم پر ہیں اوّل تو دس راتیں ذی الحجہ کے مہینے کے اوّل کی کہ سب حاجی لوگ اطراف اور جوانب سے اِن دس راتوں میں مکہ معظمہ کے شہر میں یا اُس کے گرد و نواح میں حج و طواف کے بجالانے کو جمع ہوتے ہیں اور ابتدا جمع ہونیکی شب اوّل سے ہوتی ہے اور انتہا اسکی دسویں رات کو ہوتی ہے اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ دنوں میں سے کوئی دن اس مرتبے کا نہیں ہے کہ اُس میں عمل صالح بہتر اور افضل ہو ذی الحجہ کے دس دنوں سے کہ ہر روزہ اُس روز کے روزوں میں سے ایک برس کے روزوں کے برابر ہے ثواب میں اور عبادت ہر رات کی اُن راتوں میں سے شب قدر کی عبادت سے دس گنی ہے دوسرا رمضان مبارک کے آخر کا دہا کہ عابد لوگ اعتکاف کی سنت ادا کرنے کو اور لیلۃ القدر کی برکات حاصل کرنے کو تمام سال اُس کے انتظار میں کاٹتے ہیں اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ جب یہ دہا کہ داخل ہوتا تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر کو چھوڑ کر کمر چست باندھ کے مسجد میں اعتکاف کو بیٹھتے تھے اور اپنے اہل و عیال کو شب بیداری میں اپنے ساتھ شریک رکھتے تھے اور محنت اور کوشش بڑے درجے کی کرتے تھے۔ تیسرا محرم کے اوّل کا دہا کہ شہدائے کربلا کی کُربت اور غُربت کے دن ہیں اور صبر اور رنج کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں کھینچا ہے اُس کا ثواب اُن کی ارواح مقدس پر اُس دہے میں نازل ہوتا ہے اور بدعتی لوگ جہالت کی راہ سے قائم کرنے کو رسومات غم اور الم کے جیسے سینہ زنی اور کتاب خوانی اور تصویر سازی اور نوبت نوازی کے واسطے تمام سال انتظار اس دہے کا کرتے ہیں اور بعضے مفسروں نے اِن دس راتوں کو تمام سال میں سے متفرق لیا ہے کہتے ہیں کہ پانچ راتیں طاق رمضان مبارک کے آخر دہے کی کہ اُن میں مظنۃ لیلۃ القدر کے برکات کا ہے اور ایک رات عید الفطر کی اور ایک عرفے کی اور ایک رات عید النحر کی اور ایک معراج کی رات یعنی

ستائیسویں رجب کی اور ایک شب برات کی مراد ہیں واللہ اعلم اور اس جائے پر سمجھ لیا چاہیئے کہ ہر قسم کو اس سورۃ میں معرف باللام لائے ہیں اور لیال عشر کو منکر فرمایا ہے وجہ اسکی یہ ہے کہ ان دس راتوں کی تعظیم کا سبب پوشیدہ تھا اس واسطے نکرہ لائے تاکہ یہ تنکیر اُن دس راتوں کی تعظیم پر دلالت کرے برخلاف دوسری قسموں کے کہ اُنکی عظمت کی وجہ ظاہر اور باہر ہے اور یہ بھی ہے کہ لیال عشر کا احتمال چار طور پر ہے چنانچہ مذکور ہو چکا ہے واسطے فائدۂ ابہام اور شیوع کے اُن کو نکرہ فرمایا ہے کہ سب احتمالوں کی گنجایش ہو سکے وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِۙ اور قسم ہے جفت اور طاق کی کہ شامل اور محیط ہے تمام عددوں کو اِس واسطے کہ کوئی عدد اِن دو قسموں سے باہر نہیں ہو سکتا اور تمام معدودات کو بلکہ جمیع موجودات کو شامل ہے اور انسان کو جیسے وقت کا انتظار کرنا اپنے کاروبار کے واسطے جبلی اور پیدایشی ہے اسی طرح جفت اور طاق عددوں کا بھی اپنے معاملات اور عین دین میں جبلی اور پیدایشی ہے جیسے کہ حاملہ کو وضع حمل میں نو مہینے کا انتظار کھینچنا چاہیئے کہ طاق ہے اور بچے کے دودھ چھڑانے میں دو برس کا انتظار کرنا چاہیے کہ جفت ہے اور مکتب میں بٹھانے کو لڑکے کے انتظار چار برس کا اور نماز کے سکھانے کے واسطے سات برس کا اور روزے کی تعلیم کے واسطے دس برس کا اور بلوغ اور نکاح کے واسطے پندرہ برس کا انتظار چاہیئے کرنا اور اسی طرح سے مہینوں کی تاریخوں میں کاروبار کے واسطے جفت اور طاق کا انتظار کرتے ہیں اور شمسی سال کے پورا کرنے کو انتظار بارہ برجوں کا اور قمری سال کے واسطے انتظار بارہ مہینوں کا کرتے ہیں اور ہفتہ پورا کرنے کو انتظار سات روز کا اور تمام کرنے میں مہینے کے انتظار تیس یا انتیس[۲۹] روز کا اور دوگانہ اور چہار گانہ نمازوں میں ابتدائے تکبیر سے سلام پھیرنے تک انتظار دو یا چار رکعت کا ہوتا ہے اور سہ گانی نماز میں انتظار تین رکعت کا کرتے ہیں اور اسی طرح سے تمام امور شرعیہ میں اور عرفیہ میں انتظار جفت اور طاق کا معمول اور مروج ہے اور بعضے مفسروں نے کہا ہے کہ مراد جفت سے خلق ہے اس واسطے کہ ہر چیز کو مخلوقات کی دوسری چیز کے ساتھ ذکر کرتے ہیں اور شریک کر دیتے ہیں جیسے آسمان اور زمین دن اور رات اندھیرا اور اُجالا اور نر اور مادہ اور مراد طاق سے حضرت حق کی ذات پاک ہے کہ کوئی چیز اس کے برابر نہیں اور بعضوں نے کہا ہے کہ مراد شفع سے خلق کی صفات

ہیں کہ تناقض اور اضداد سے ملی ہوئی ہیں جیسے علم اور جہل اور قدرت اور عجز اور حیات اور موت اور عزت اور ذلت اور قوت اور ضعف اور وتر سے مراد صفات حق کی ہیں کہ وجود ہے بے عدم اور قدرت ہے بغیر عجز کے اور علم ہے بغیر جہل کے اور حیات ہے بغیر موت کے اور عزت ہے بغیر ذلت کے اور قوت ہے بغیر ضعف کے اور بعضے مفسروں نے کہا ہے کہ شفع سے مراد دوگانی نماز اور وتر سے مراد سہ گانی نماز ہے اور یہ تفسیر عمران بن حصینؓ کی روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اور بعضوں نے کہا ہے کہ مراد جفت سے جنت کے درجے اور آٹھ دروازے ہیں اور طاق سے مراد دوزخ کے ساتوں طبقے اور اس کے دروازے ہیں اور بعضوں نے کہا ہے کہ جفت بارہ بُرج ہیں اور طاق سات ستارے سیارے کہ اُن کے پھرنے سے اُن بُرجوں میں طرح طرح کی وضعیں اور قسم قسم کی تغیریں عالم میں نمودار ہوتی ہیں اور بعضوں نے کہا ہے کہ مراد جفت سے وہ چاند ہے کہ پورے تیس روز میں نکلتا ہے اور طاق سے مراد وہ چاند ہے کہ اُنتیس روز میں نمود ہوتا ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ مُراد جُفت سے دو سجدے ہیں ہر رکعت میں اور مراد طاق سے ایک رکوع ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ مراد جفت سے وہ بارہ چشمے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی کے مارنے سے ایک پتھر میں سے جاری ہوئے تھے اور مراد طاق سے وہ دونوں معجزے ہیں کہ فرعون کے مقابلے میں ظاہر کیے گئے تھے اور قرآن مجید میں بھی اشارہ ہے وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى اٰيَاتٍ بَيِّنَاتٍ اور ابو سعید خدریؓ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ مراد جفت سے عید قربان کا روز ہے کہ دسویں ذی الحجہ کی ہے اور طاق سے مراد عرفے کا روز ہے کہ نویں ذی الحجہ کی ہے اور یہ تفسیر لَيَالٍ عَشْرٍ سے بہت مشابہت رکھتی ہے وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ ہ اور قسم کھاتا ہوں میں رات کی جس وقت کہ اُس کی اندھیری سرایت کرتی ہے عالم میں کہ وہ وقت بھی اُن لوگوں کے انتظار کا ہے کہ جن کا کاروبار پردہ پوشی سے علاقہ رکھتا ہے خواہ نیک ہو خواہ بد جیسے عبادت شب بیداروں کی اور عقد نکاح اور چوروں کی چوری کرنا اور ناچنے والوں کا ناچنا اور عیاشوں کا عیش کرنا اور جادوگروں کا جادو کرنا اور طلسم کرنا شعبدہ بازوں کا اور تماشا کرنا پتلیوں کا پس ان پانچ قسموں سے ثابت ہوا کہ انتظار وقت اور مدت کا باوجود جمع ہونے اسباب

اور ارادوں اور خواہشوں کے کرتے ہیں اور یہ از روے حکمت کے انسان کی جبلت کے
موافق ہے کہ ہر نیک اور بد کام میں وقت کی رعایت کرتے ہیں اور صاحب عقل کو تھوڑی سی
فکر کرنے سے ان چیزوں میں معلوم ہو جاتا ہے کہ جزا کی تاخیر کرنے میں قیامت کے روز
کیا کیا حکمتیں اور فائدے ہیں اور اسی واسطے ارشاد ہوتا ہے هَلْ فِیْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِیْ حِجْرٍ
کیا ہے ان چیزوں میں جو بیان ہوئیں کوئی قسم کہ کفایت کرے عقل والے کو گویا ہر قسم اُن
پانچوں قسموں سے عقل والے کو ثابت کرنے میں اس بات کے کافی ہے کہ حق تعالیٰ قیامت
کے وقت کا منتظر ہے ہر نیک و بد کی جزا اور سزا دینے کو اور اگر کم فہموں کو کچھ تعجب آتا ہو تو
شاید اس بات پر آتا ہو کہ اس روز اگلے پچھلے سب جمع ہوں گے اور ایک دن میں ہر ہر
شخص کو جزا اور سزا دینا ایک مشکل امر ہے کیونکہ اگر سارے حشر کے مخلوق بگڑ کھڑے ہوں
اور مقابلہ پر آجاویں تو اس وقت سزا دینا ان کو ہرگز ممکن نہ ہو سکے اسی واسطے بادشاہوں
نے انبوہ کثیر کے تنبیہ دینے سے حکمت کی رو سے کنارہ کیا ہے اور حیلوں اور تدبیروں سے
اوّل اُن کی جمعیت کو بکھیر دیا ہے جب اُن کا زور کم ہو گیا ہے تب حسب دلخواہ جو منظور رہا
ہے سو کیا ہے پس اگر کارخانہ مجازات کا بھی ہر ایک گنہگار پر جُدا جُدا جاری کیا جاتا تو اس
اندیشے کا کھٹکا نہ ہوتا سو حق تعالیٰ نے درمیان میں ان قسموں کے جو مذکور ہوئیں اور اس
مضمون کے جس پر قسمیں کھائی ہیں کہ اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ہے بطور جملہ معترضہ کے تین
قصے اپنی مجازات کے جو دُنیا میں واقع ہوئے ہیں کہ اُن میں بڑی بڑی مخلوقوں کو جو نہایت
قوت اور شوکت رکھتے تھے ادنیٰ اسباب سے ہلاکت کے نیست و نابود کر دیا بس اُس کی
قدرت کے آگے بڑی مخلوقوں زور آور کو سزا دینا کچھ مشکل نہ سمجھا چاہیئے اور حق تعالیٰ کی
قدرت کو ذوی الاقتدار بادشاہوں کی قدرت پر قیاس نہ چاہیئے کرنا کہ یہ اُس سے کچھ
نسبت نہیں رکھتے ہیں اور اس مقام میں تین قصوں کے اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اگر
ایک کلام خلاف قیاس کسی سے ایک بار وقوع میں آوے تو لوگ اُس کو اتفاقات سے
سمجھتے ہیں اور جو مکرر سہ کرر واقع ہووے تو معلوم کر جاتے ہیں کہ یہ کام اُس شخص کے روبرو
نہایت آسان اور سبک ہے اور یَسْرِ اصل میں یَسْرِی تھا یا کو حذف کر دیا اور کسرے کو اس پر

دلیل رکھاتے ہیں کہ ایک شخص نے اخفش نحوی سے اس یے کے ساقط کرنے کی وجہ پوچھی
اخفش نے کہا کہ جب تک برس بھر میری خدمت نہ کرے گا میں تجھ کو اس کے اسقاط کی وجہ
نہ سکھاؤں گا پھر ایک برس کی خدمت کے بعد یوں بیان کیا کہ یسری مشتق سری سے ہے
کہ شب روی کے معنی ہیں اور شب روی رات کے چلنے والوں کی صفت ہے رات کی صفت
نہیں لیکن مجاز کے طور پر رات کی صفت کر دیا ہے اس واسطے کہ وقت شب روی کا ہے اور
عرب کی اصطلاح میں اسناد فعل کی طرف زمان اور مکان کے بطور مجاز کے بہت مستعمل ہے
چنانچہ کہا کرتے ہیں لیلۃ قائم ونہارہ صائم اور جو معنی میں یسرے کے تغیر واقع ہوا تو چاہا کہ
اس کے لفظ میں بھی تغیر کریں کہ لفظ مطابق معنی کے ہو جاوے یہ ہے جو کچھ کہ اخفش سے
اس بات میں منقول ہے لیکن یہ بات موقوف ہے دو مقدموں پر ایک تو یہ کہ یسرے سری سے
مشتق ہے سو یہ لازم نہیں بلکہ یہ ظاہر بات ہے مشتق سرایت سے ہے کہ مطابق وَالَّيْلِ إِذَا
سَجٰى اور وَالَّيْلِ إِذَا يَغْشٰى کے ہو جاوے دوسرے یہ کہ اگر مشتق سرے سے ہو جاوے تو
صفت رات کے چلنے والوں کی ہو نہ رات کی صفت اور یہ بھی کچھ لازم نہیں ہے بلکہ ظاہر یہ
بات ہے کہ شب روی کے معنی چھوڑ کر مطلق چلنا مراد ہو چنانچہ وَالَّيْلِ إِذْ أَدْبَرَ میں ہے
یا شب روی استعارہ ہے رات کے چلنے سے اس واسطے کہ رات کا چلنا اور چلنا رات میں
دونوں مناسب ہیں آپس میں یعنی مطلب دونوں کا ایک ہے بلکہ اگر خوب غور اور تامل کر کے
دیکھیے تو شب روی یعنی چلنا رات کا بھی صفت رات کی ہو سکتا ہے اس واسطے کہ حقیقت میں
رات نام ہے زمین کے عکس کا کہ آفتاب کے مقابلے میں حرکت کرتا ہے اور بسبب منطبق ہونے
اس عکس کے قاعدے کے کسی اُفق پر آفاق شب سے وہ افق آتا ہے اور وہ مخروط ہمیشہ
حرکت میں ہے لیکن بہ نسبت ہر اُفق کے حرکت اس کی رات کو ساتھ اس اُفق کے ہوتی ہے
تو اولیٰ یہی ہے کہ وجہ اس کی ساقط ہونے کے ساتھ رعایت مشابہت پہلی آیتوں کی ہے نہ
سوائے اس کے أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ کیا نہیں دیکھا تو نے کیا کیا تیرے پروردگار نے
اور دیکھنا یہاں پر جاننے کے معنوں میں ہے اس واسطے کہ یہ قصہ اس قدر معروف اور مشہور
تھا کہ جاننا اس کا گویا دیکھنا ہے اور لفظ رَبُّكَ کا اس تمام سورۃ میں اور دوسری سورتوں میں

ذات پاک کے نام کی جاے پر مستعمل ہوا ہے اور اس لفظ کے اختیار کرنے کی وجہ اس مقام پر اور دوسرے مقاموں پر یہ ہے کہ ربوبیت کہ متوجہ اس پیغمبر جلیل القدر کی طرف ہے جامع ہے اور ربوبیت جامع عدل وانصاف قائم کرنا چاہتی ہے اور عدل وانصاف چاہتا ہے بے انصاف اور سرکشوں کی ہلاکت اور تباہی کو بِعَادٍ ۝ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝ عاد کے فرقے سے ارم کے رہنے والے تھے اور وہ ارم بستی لمبے لمبے ستونوں والی تھی اور عماد جمع ہے عمد کی جیسے جبال اور جبل آور یہاں پر سمجھ لیا چاہیئے کہ عاد دو فرقوں کا نام ہے ایک تو عاد اولے کہ اُن کو عاد قدیمہ کہتے ہیں اور وہ اولاد میں عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام کے تھے اور ان کو عاد ارم بھی کہتے ہیں کہ ارم اُن کا دادا تھا اور شہر ارم کو بھی اپنے دادا کے نام پر نام رکھا تھا اور وطن اُن کا عدن کے متصل تھا آور دوسرے عاد ثانی وہ اور شخص کی اولاد ہیں کہ اس کا نام بھی عاد تھا اور ان ہی عاد اولی میں کا تھا کہ احقاف کی سرزمین میں متصل حضرموت کے وطن اختیار کیا تھا اور اس کی اولاد اس ملک میں بہت پھیل گئی تھی اور ان کا یعنی عاد دوم کا قصہ اپنے پیغمبر کے ساتھ کہ حضرت صالح علیہ السلام تھے قرآن مجید میں مکرر وارد ہے چنانچہ اپنے مقام پر مذکور ہے اور عاد اولی کا قصہ قرآن مجید میں دو جاۓ سے زیادہ نہیں آیا سو وہ بھی اجمال کے طور پر ایک تو اس جاۓ پر اور دوسرے سورۂ نجم میں کہ اَهْلَكَ عَادَانِ الْاُولٰى ہ اُسی کی طرف اشارہ ہے الغرض ان کا قصہ جس قدر کہ تفسیر میں اس آیت کی کفایت کرے لکھا جاتا ہے کہ حق تعالیٰ نے اس فرقے کو قد و قامت اور قوت بے حساب عنایت فرمائی تھی اور زمانے کے سب لوگوں سے اس بات میں ممتاز تھے کم سے کم قد کا آدمی بارہ گز کا ہوتا تھا اور ہر شخص ان میں کا بڑے بڑے پتھروں کو جو بہت لوگ اُٹھا سکیں ایک ہاتھ سے اُٹھا کر پھینک دیتا تھا اور تمام یمن کے ملک پر اپنے زور اور قوت کے سبب سے قابض اور متصرف تھے یہاں تک کہ اُس میں دو بادشاہ عظیم القدر پیدا ہوۓ ایک تو شدید اور دوسرا شداد اور یہ دونوں بادشاہ تمام روۓ زمین پر متصرف ہوۓ تھے اور لشکر اور خزانے بے نہایت جمع کیے تھے لیکن شداد نے اپنے بھائی شدید کے مرنے کے بعد سلطنت کو کمال رونق اور عروج بخشا تھا کہ چار سو کئی بادشاہ

اس کے مطیع اور فرمانبردار تھے اور کسی روئے زمین کے بادشاہ کو طاقت اُس کے مقابلے
کی نہ تھی پس اس غرور اور تکبر کے سبب سے دعویٰ خدائی کا کیا تو واعظوں اور عالموں نے
زمانے کے جو علم و عمل انبیاؤں کا بطور میراث کے رکھتے تھے اس ملعون کو پند اور نصیحت کے
طور سے حق تعالیٰ کے خوف سے ڈرایا اور اس کی عبادت کی طرف رغبت دلانے لگے اُس نے کہا کہ
دولت اور حکومت اور جاہ اور ثروت جو اب اس کا موجود ہے اس سے زیادہ اللہ کی
عبادت میں کیا حاصل ہوگا اور جو کوئی کہ کسی کی خدمت کرتا ہے تو منصب کی ترقی کے واسطے
یا دولت کے واسطے سو یہ سب شے میرے پاس موجود ہے مجھ کو کیا پروا ہے کہ کسی کی خدمتگذاری
کروں اُنھوں نے کہا کہ یہ سب ملک اور دولت دُنیا کی فانی ہے اور اللہ تعالے اپنی عبادت
کے ثواب میں بہشت عنایت کرے گا کہ تمام دنیا سے بہتر ہے اُس نے پوچھا کہ اُس میں کیا خوبی
ہے واعظوں نے جو کچھ کہ تعریف اور خوبی اُس کی اگلے انبیاؤں سے منقول تھی اُسکے سامنے
بیان کی اُس نے کہا مجھ کو اس بہشت کی بھی حاجت نہیں ہے کیونکہ میں دنیا میں ویسی بنا سکتا
ہوں پس اپنے معتبر سرداروں میں سے سو آدمیوں کو مقرر کیا اور ہر ایک کے ساتھ ہزار ہزار
آدمی متعین کیے کہ جیسا وہ کچھ کہیں اُن کے حکم کے موافق عمارت کے کام میں مشغول رہیں
اور ہر ایک کے سردار کو اپنا اپنا کام سونپ دیا اور تمام ربع مسکون میں حکم بھیجا کہ چاندی
سونے کے معدنوں میں سے جہاں کہیں کہ ہوں گنگا جمنی اینٹیں بنوا کر بھیجو اور گڑے خزانے
نکلواؤ اور متصل کوہ عدن کے ایک شہر مربع چوکھنٹا دس کوس کا لمبا اور دس کوس کا چوڑا کہ
مکسر دور اس کا چالیس کوس کا ہو بنا کرنے کو حکم دیا اور اس کی نیو اس قدر کھودی کہ پانی
کے قریب جا پہونچی اور اس کو سنگ سلیمانی سے بھروا دیا جب نیو بھر چکی اور برابر زمین کے پہونچی
تب اُس پر سونے روپے کی اینٹوں سے دیواریں چُننا شروع کیا کہ بلندی اُن دیواروں کی
اُس زمانے کے گز سے پانچ سو گز کی مقرر کی جس وقت کہ آفتاب نکلتا تھا تو اس کی چمک
سے دیواروں کی روشنی پر نگاہ ٹھہرتی نہ تھی پھر چار دیواری کے اندر ہزار محل تیار کیے
اور ہر محل ہزار ستون کا اور ہر ہر ستون جواہرات سے جڑا ہوا اور درمیان میں شہر کے ایک
نہر بنائی اور ہر ہر مکان میں حوضیں اور چہ بچے تیار کیے اور اس نہر سے ہر ہر مکان کو

ایک ایک نہر دوڑائی تھی کہ ہر مکان میں ہمیشہ فوارے اُڑا کرتے تھے اور چادریں چھوٹا کرتی
تھیں اور حوضیں اور چہ بچے سدا لبالب رہتے تھے اور صحن اُن نہروں کے یاقوت اور زمرد
اور مرجان و نیلم سے بھر دیے تھے اور کناروں پر اُن نہروں کے درخت بنائے تھے کہ
جڑیں اُن کی سونے کی اور شاخیں اور پتے زمرد کے اور پھول پھل اُن کے موتی اور
یاقوت کے اور دوسرے جواہرات کے بنا کر لٹکائے تھے اور دُکانوں اور دیواروں کو مشک
اور زعفران اور عنبر اور گلاب سے کہگل کر کے استرکاری کروا کے مطلا اور مذہب کیا تھا
اور خوبصورت خوش آواز جانور یاقوت اور جواہر کے بنوا کر درختوں پر بٹھائے تھے اور گرداگرد
شہر کے ہزار منارے سونے روپے کے جڑاؤ بنائے تھے کہ چوکی پہرے والے لوگ اپنی اپنی
باری سے اُن میں بیٹھے چوکی دیا کریں جب اس انداز کا شہر بن کر تیار ہوا تو حکم دیا کہ سارے
شہر میں قالین اور فرش ریشمین زردوزی کے بچھا دیں اور برتن سونے روپے کے سب
مکانوں میں ترتیب سے چن دیں اور کسی نہر میں میٹھا پانی اور کسی میں شراب اور کسی میں
دودھ اور کسی میں شہد اور شربت جاری کر دیا اور بازار اور دُکانوں کو بھی کمخواب اور زربفت
کے پردوں سے آراستہ کیا اور ہر پیشہ اور ہنر والے کو حکم دیا کہ اپنے اپنے کام میں مشغول ہوں
اور حکم دیا کہ انواع انواع قسم کے میوے اور طرح طرح کے عمدہ کھانے ہمیشہ سب شہر
والوں کو پہونچا کریں بارہ برس کے عرصے میں یہ شہر اس سجاوٹ کے ساتھ تیار ہوا بعد اسکے
حکم کیا کہ تمام اُمرا اور ارکان کمال تجمل اور زینت کے ساتھ اس شہر میں جا کر رہیں اور
خود بھی اپنی فوج اور لشکر کو ہمراہ لیکر کمال غرور اور تکبر سے کوچ کیا اور راستے میں بطور
ٹھٹھے اور ٹھٹھول کے اُن واعظوں اور نصیحت کرنے والوں کو کہنے لگا کہ تم اسی بہشت کے
واسطے مجھ کو کہتے تھے کسی دوسرے کے روبرو اسر جھکانے اور ذلیل ہونے کو اب تم نے
میری قدرت اور ثروت دیکھی اور بے پروائی اور بے نیازی کو میرے معلوم کیا کہتے ہیں کہ
جب قریب اُس شہر کے پہونچا تو اس شہر کے لوگ غول کے غول استقبال کیواسطے شہر کے
دروازے سے باہر آکر زر و جواہر اُس پر نچھاور کرنے لگے اور تحفے تحائف نذر گزرانے لگے
اسی طرح سے جب دروازے پر شہر کے پہونچا اور ایک قدم اُس کا دروازے کے باہر

اور ایک قدم اندر تھا کہ آسمان کی طرف سے ایک ایسی کڑک اور آواز سخت آئی کہ تمام مخلوق
ہلاک ہو گئی اور بادشاہ بھی وہیں دروازے میں گر پڑا اور مر گیا اور اُس شہر کے دیکھنے کی
حسرت کہ کس محنت اور مشقت سے اُس کو تیار کیا تھا دل میں لے گیا اور بعضی کتابوں میں
دیکھنے میں آیا ہے کہ ملک الموتؑ سے حق تعالیٰ نے پوچھا کہ تجھ کو کسی بندے کی جان نکالنے
کے وقت کبھی رحم بھی آیا ہے یا نہیں ملک الموت نے عرض کیا کہ بار خدایا مجھ کو دو شخصوں کی
جان نکالنے میں کمال رقت ہوئی اگر تیرا حکم نہ ہوتا تو میں ہرگز اُن کی جان نہ نکالتا، ایک
تو ایک بچہ تھا نیا پیدا ہوا اپنی ماں کے ساتھ کشتی کے تختے پر رہ گیا تھا حکم ہوا کہ اُسکی ماں
کی جان قبض کرلے اُس وقت مجھ کو اُس بچے پر نہایت رحم آیا کہ اس بچے کا اُس کی ماں
کے سوا کوئی خبر گیر نہ تھا دوسرا ایک بادشاہ تھا کہ اُس نے ایک شہر کمال آرزو سے بنایا
تھا کہ ویسا کہیں دنیا میں نہیں بنا جب تیار ہو چکا اور وہ اُس کے دیکھنے کو آیا جس وقت
کہ قدم دروازے میں رکھا حکم ہوا کہ اُس کی جان قبض کرلے اُس وقت بھی مجھ کو نہایت
رقت آئی کہ وہ کیا کچھ حسرتیں اپنے دل میں لے گیا ہوگا جناب الٰہی سے ارشاد ہوا کہ یہ
بادشاہ وہی لڑکا تھا کہ ہم نے اُس کو بغیر ماں باپ کے پرورش کیا اور اس حشمت
اور ثروت کو پہونچایا جب اس مرتبے کو پہونچا تو ہماری فرمانبرداری سے منھ موڑا اور
تکبر کرنے لگا آخر اپنی سزا کو پہونچا کہتے ہیں کہ وہ کشتی کا تختہ کہ یہ بچہ اُس پر رہ گیا تھا بہتا
بہتا دریا کے کنارے آلگا اُس گانوں کے دھوبی وہاں کپڑے دھوتے تھے جو دیکھا کہ ایک
بچہ اپنی ماں کی لاش کے پاس تختے پر پڑا ہے تو اُس تختے کو کھینچ لائے اور مُردے کو مدفون
کردیا اور بچے کو اپنے مہتر پاس لے گئے مہتر اُس کا حسن اور جمال دیکھکر ہزار جان سے
عاشق ہو گیا اور اُس مہتر کی اولاد نہ تھی بس اِس بچے کو فرزندی میں لیا اور پرورش
کرنے لگا یہاں تک کہ سات برس کا ہوا لیکن اُس کی عقل اور دانائی اور چالاکی اُسی وقت
سے کچھ اور طرح کی نظر آتی تھی ایک روز گانوں کے باہر بچوں کے ساتھ کھیلتا تھا کہ
ایکبارگی شور ہوا کہ بادشاہ کی سواری آتی ہے اور لوگوں کا گذرنا شروع ہوا سارے
لڑکے ہیبت سے بھاگ گئے اور یہ شوخ ایک ٹیکرے پر کھڑا بادشاہ کی سواری کا اور

لشکر کا تماشا دیکھتا تھا یہاں تک کہ سارا لشکر چلا گیا اور چند ولی کے پیادے کہ گرے پڑے
کی خبرگیری کے واسطے لشکر کے پیچھے پیچھے آتے تھے گذرنے شروع ہوئے ایک پیادے
نے اُن پیادوں میں سے ایک پوٹلی پائی اُس میں سُرمہ دانی اور سلائی تھی اپنے یاروں
سے کہنے لگا کہ میں نے سُرمہ پایا ہے اگر تمھاری صلاح ہو تو میں اُس کو لگاؤں کہ میری بینائی
میں فرق ہو گیا ہے شاید کہ فائدہ کرے اُنھوں نے کہا کہ اوّل تو رستے کی پڑی ہوئی چیز
اُٹھانا نہ چاہیئے خیر اگر تو نے اُٹھالی تو بغیر آزمائے ہوئے آنکھوں میں لگانا ہرگز مناسب
نہیں پہلے کسی اور کی آنکھوں میں لگا جب اُس کو فائدہ کرے تو تو بھی استعمال میں لا،
اُس پیادے نے اِدھر اُدھر دیکھا تو کوئی وہاں نہ تھا مگر یہ لڑکا ایک ٹیلے پر کھڑا تھا
اُس نے کہا لڑکے آ ہم تیری آنکھوں میں سُرمہ لگادیں کہ تیری آنکھیں اچھی لگیں یہ لڑکا
دوڑتا ہوا اُس پیادے کے پاس گیا اور سُرمہ دانی اور سلائی پیادے سے لے کر اپنی
آنکھ میں لگائی لگانے کے ساتھ ہی زمین کے تمام خزانے اُس کو نظر آنے لگے جیسے صاف
پانی میں چیز نظر آتی ہے لڑکا اپنی لیاقت اور دانائی سے چلایا اور فریاد کرنے لگا کہ اے
خانہ خراب ظالمو تم نے میری آنکھیں پھوڑ ڈالیں میں بادشاہ کے پاس فریاد کروں گا اور
تم کو سزا دلواؤں گا پیادوں نے جو یہ بات سُنی سُرمہ تو وہیں چھوڑا اور گرتے پڑتے اپنی جان
لے کر بھاگے یہ لڑکا سُرمہ دانی لیے ہوئے اپنے گھر آیا اور یہ حقیقت مہتر سے بیان کی مہتر
نے کہا اپنے گدھے خچریں موجود ہیں رات کو جب لوگ سو جاویں تو پھاوڑے کداریاں
لے کر جو جو مزدور اپنے اعتباری ہیں اُن کو ساتھ لے جس جائے پر تجھکو خزانہ نظر آوے
وہاں سے کھود کے اپنے گدھوں خچروں پر لاد لا اُس لڑکے نے اسی طور سے کیا آخر لا لا کر
بہت سا مال جمع کیا اور سب گانوں والوں کو اپنا رفیق کر لیا اور اُس گانوں کے سردار کو
مار ڈالا اور اُس کی جائے پر آپ ہو بیٹھا ہوتے ہوتے یہ خبر حاکموں فوجداروں کو پہونچی تو
اُنھوں نے ارادہ اس کے سزا دینے کا کیا اس لڑکے نے بھی فوج رکھ کر مقابلہ کیا اور ان
سب کو ماردیا آخر چند روز کے بعد وہ بادشاہ مر گیا تو اُس لڑکے نے فوج کشی کی آخر
ہوتے ہوتے بادشاہ ہو گیا اسی طرح سے بڑھتے بڑھتے تمام روئے زمین کا بادشاہ ہو گیا

اور سارے جہاں کے بادشاہ اس کے مطیع اور فرمانبردار ہوئے اب سُننا چاہیئے کہ وہ شہر کیا ہوا معتبر معتبر تفسیروں میں لکھا ہے کہ اُس بادشاہ اور لشکر کے ہلاک ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اُس شہر کو لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ کر دیا مگر کبھی کبھی رات کو عدن کے گرد و نواح کے لوگوں کو اُس کی جھلک اور روشنی اس جائے پر معلوم ہوتی ہے کہتے ہیں کہ یہ روشنی اُسی شہر کے دیواروں کی ہے اور عبداللہ بن قلابہؓ کہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اصحابوں میں سے تھے اتفاقاً اس نواح میں وارد ہوئے کہ ناگاہ ایک اونٹ ان کے اونٹوں سے چھوٹ کر بھاگ گیا وہ اس کے ڈھونڈھنے کو نکلے جب اُس شہر کے نزدیک پہونچے تو اُن مناروں اور دیواروں کو دیکھ کر بیہوشش ہو گئے اور اپنے دل میں کہنے لگے کہ شہر کی تو صاف اُسی بہشت کی سی صورت ہے جس کا پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے ہم سے وعدہ فرمایا ہے شاید یہ معاملہ خواب میں دیکھتا ہوں جب اس شہر کے دروازے پر پہونچے اور اندر گئے تو دیکھا کہ تمام مکانات اور نہریں اور درخت وہاں کے سب بعینہٖ جنت کے سے ہیں لیکن شہر میں کوئی آدمی نہیں تھوڑے سے جواہر اور یاقوت کہ مکان کے صحن میں سنگریزوں کی جائے پر بکھرے پڑے تھے اپنی چادر میں لے لیے اور تنہائی کے خوف سے جلد نکل بھاگے اور دمشق کو گئے جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی تو یہ سارا احوال بیان کیا تو حضرت معاویہؓ نے اُن سے پوچھا کہ یہ شہر تم نے خواب میں دیکھا ہے یا بیداری میں اُنھوں نے کہا بیداری میں اور نشانیاں اُس شہر کی خوب دل میں یاد رکھی ہیں کہ عدن کے پہاڑ سے فلانی جانب کو اس قدر فاصلہ رکھتا ہے اور دوسری طرف فلانے درخت کی نشانی ہے اور ایک طرف کو فلانا کنواں ہے اور یہ جواہر اور یاقوت کہ وہاں سے لایا ہوں میرے پاس موجود ہیں حضرت معاویہؓ اس بات کے سُننے سے نہایت متعجب ہوئے اور اُس وقت کے عالموں کے پاس آدمی بھیجا کہ دُنیا میں کوئی شہر ایسا بھی ہے کہ سونے روپے سے بنا ہو اور ایسا ایسا ہو اُس وقت کے علماء نے کہا کہ ہاں قرآن مجید میں اس کا مذکور آگیا ہے اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝ مگر اُس شہر کو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی نگاہ سے پوشیدہ کر دیا ہے

اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری اُمت میں ایک شخص اُس میں
جاوے گا اور وہ شخص کوتاہ قد سُرخ رنگ اور ابرو اور گردن پر اُس کے دو خال ہونگے
اور اپنے اونٹ کو ڈھونڈھتا ڈھونڈھتا اُس شہر میں جا پہونچے گا اور وہاں کے عجائبات
دیکھے گا جب حضرت معاویہؓ نے یہ سب نشانیاں اُن میں دیکھیں تو برابر نکلیں فرمایا واللہ
یہ وہی شخص ہے حاصل کلام کا یہ ہے کہ اس شہر کی اس سے زیادہ کوئی کیا تعریف کریگا
کہ خود رب العزت باوجود احاطۂ علم کے تمام علومات پر اُس کے حق میں ارشاد فرماتے
ہیں کہ اَلَّتِیۡ لَمۡ یُخۡلَقۡ مِثۡلُهَا فِی الۡبِلَادِ ۙ وہ شہر کہ ہرگز پیدا نہیں کیا گیا ویسا روئے
زمین کے شہروں میں وَ ثَمُوۡدَ الَّذِیۡنَ جَابُوا الصَّخۡرَ بِالۡوَادِ ۙ اور کیا کیا تیرے پروردگار
نے ثمود کے فرقے سے کہ بڑے بڑے پتھروں کو تراشتے تھے وادی القریٰ میں اور ثمود قوم
عاد کے بنی عم تھے کہ عادیوں کے ہلاک ہونے کے بعد حجاز شریف اور شام مقدس کے
درمیان میں اپنا مسکن مقرر کیا تھا اور حجر سے وادی القریٰ تک ایک ہزار سات سو بستیاں
اپنے تصرف میں رکھتے تھے اور ہر ہر بستی میں بڑے بڑے محل اور اٹاریاں اور دروازے
اور طاق پتھروں کے تراشے تھے اور تصویریں گل اور ریاحین کی ان میں بنائی تھیں
اور طرح طرح کے اسباب عیش وعشرت کے جمع کرکے بیٹھے چین کرتے تھے مگر بت پرستی
میں مشغول تھے یہاں تک کہ حضرت صالحؑ کو اللہ تعالیٰ نے رسول کرکے اُن کی طرف
بھیجا اور ان کا قصہ والشمس کی سورۃ کی تفسیر میں مذکور ہے اور وادی القریٰ ایک شہر
کا نام ہے کہ عرض وطول میں مکہ معظمہ کے برابر ہے اور نخلستان اور چشمے اس میں بہت
ہیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم خیبر کے فتح کے بعد اُس پر جمیع متعلقات کے ساتھ
قابض اور متصرف ہوئے ہرچند کہ بہت سے باغات اور عمارات ثمودیوں کی حجر اور
اُس کے گردو نواح میں تھیں لیکن بالتخصیص ذکر وادی القریٰ کا اس جہت سے
واقع ہوا کہ یہ مکان اُن کے شہروں کی انتہا کا تھا حجاز کے متصل اور ہنوز آباد تھا
برخلاف حجر کے کہ اتصال اُس کا شام کی طرف ہے حجاز سے دور اور حجاز کے لوگ
کماحقہٗ اُس کے احوال پر بھی مطلع نہ تھے اور اوجڑ لق ودق پڑا تھا طول حجر کا نجومی

ستر درجے اور تیس دقیقہ ہے اور وادی القریٰ کا بہتر درجے اور عرض نجومی دونوں کا برابر ہے وَفِرْعَوْنَ ذِی الْاَوْتَادِ اور کیا کیا فرعون میخوں والوں سے جو لوگوں کو چومیخا کر کے مارتا تھا چنانچہ کئی مسلمانوں کو جو حضرت موسیٰ علیہ السّلام پر ایمان لائے تھے اسی طور سے شہید کیا کہ ان میں سے ایک کا نام جزئیل تھا کہ اس کے خزانے کے داروغہ تھے حضرت موسیٰ علیہ السّلام پر پوشیدہ ایمان لائے تھے جب فرعون کو خبر ہوئی تو انکو چومیخا کر کے شہید کیا اور ایک جزئیل کی بی بی کہ فرعون کی بی بی کی مشاطہ تھیں اُنکے ایمان لانے کی بھی فرعون کو خبر پہونچی تو اُن کو بُلا کر کہا کہ اسلام سے باز آ اُنھوں نے کہا کہ یہ بات تو ممکن نہیں آخر خفا ہو کر حکم دیا کہ اُن کو زمین پر ڈال کر چاروں ہاتھ پانوں پر میخیں ٹھونک کر مارنا شروع کرو آخر اسی حالت میں ان کی روح پرواز کر گئی اُن ہی میں سے ایک حضرت آسیہؑ فرعون کی بی بی تھیں کہ وہ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائی تھیں جب فرعون موسیٰ علیہ السلام کی ایذا کا ارادہ کرتا تھا تو وہ سمجھا کر اُس کو روک دیتی تھیں یہاں تک کہ ایک روز اُن پر غصّے ہو کر حکم کیا کہ اُن کو چار میخوں سے باندھ کے چکّی کا پاٹ اُن کے سینے پر رکھ دو غرض اُن کو دھوپ میں گرم زمین پر لٹا کر چکّی کا پاٹ اُن کے سینے پر رکھ دیا اُس وقت حضرت آسیہؑ نے جناب باری میں دعا کی کہ یا اللہ تو میرے واسطے بہشت میں گھر بنا دے اور ان ظالموں کے ہاتھ سے مجھکو نجات دے اُسی وقت جبرئیل علیہ السلام حکم الٰہی سے آئے اور ان کی روح مبارک کو بہشت میں لے جا کر ایک موتی کے محل میں کہ ان کے واسطے تیار کیا تھا داخل کیا فرعون نے جب نزدیک آکر دیکھا تو تن بے جان پڑا تھا مایوس ہو کر چلا گیا اور بعضے مفسروں نے کہا ہے کہ میخوں سے مراد لشکر کی میخیں ہیں کہ لشکر کا کاروبار سب میخوں پر موقوف ہے کیونکہ گھر اُن کے تنبو شامیانے بے چوبے قناتیں ہیں وے سب میخوں پر کھڑے ہوتے ہیں اور جو اُن کے جانور ہیں جیسے ہاتھی گھوڑے اونٹ خچر بیل یہ سب بھی میخوں ہی سے بندھتے ہیں اسی واسطے لشکری لوگ میخ دینے میں اس قدر بخل کرتے ہیں کہ شہر کے لوگ روپیہ پیسہ دینے میں اتنا بخل نہیں کرتے اور فرعون کا لشکر گنتی سے باہر تھا کہتے ہیں

کہ اُس کے لشکر کا یہ دستور تھا کہ ایک دوسرے رسالے کی یا ایک دوسرے مثل کی پہچان گھوڑوں کے رنگوں سے ہوتی تھی مثلاً کمیت گھوڑوں کی ایک مثل اور مشکیوں کی ایک مثل اسی طرح ابلق گھوڑوں کے سوار کہ یہ رنگ اور رنگوں کی نسبت بہت کم ہوتا ہے ستر ہزار تھے کہ لشکر کے آگے ہراولی میں چلتے تھے اس جائے سے اس کے لشکر کی تعداد قیاس کر لیا چاہیئے جب کہ بیان کرنے سے تینوں قصّوں کے کہ دلالت کرتے ہیں بدلہ لینے پر بڑے بڑے سرکش زور آوروں کی جماعت سے آن واحد میں اس دنیا کے اندر کہ جزا کا محل بھی نہیں ہے فارغ ہو چکے تو اب فرماتے ہیں کہ ہلاک کرنا ان تینوں سرکشوں کے گروہوں کا ان کے مال اور ملک کی طمع کے واسطے نہ تھا جیسے کہ دنیا کے بادشاہوں کو اپنے دشمنوں کے مارنے میں منظور ہوتا ہے بلکہ ان کی سرکشی اور ظلم دفع کرنے کے واسطے تھا اس واسطے کہ ان کا حال یہ تھا اَلَّذِیْنَ طَغَوْا فِی الْبِلَادِ ۙ جنھوں نے سر اُٹھایا تھا شہروں میں اور تخصیص شہروں کی اس واسطے ہے کہ اکثر محل امن و امان کا اور بنی آدم کے ہر قسم کے فرقوں کی سکونت کا مقام شہر ہوتے ہیں اور ہر چند کہ ملک کے مالک ظالم اور ستمگر ہوتے ہیں لیکن اپنے شہروں میں عدل اور انصاف کا طریقہ جاری رکھتے ہیں اور اگر ظلم اور تعدی کرتے ہیں تو جنگلوں پہاڑوں لشکروں میں کہ خارج اپنے قلمرو سے ہوتے ہیں اور یہ تینوں فرقے بے باک اپنے لشکروں میں ظلم و تعدی کرتے تھے فَاَكْثَرُوْا فِیْهَا الْفَسَادَ ۙ پھر بہت کرتے تھے اُن لشکروں میں فساد اور بہت کرنا فساد کا یہ ہے کہ شہر والوں کے عقیدے بھی فاسد کرتے تھے اور بُری رسمیں اور مار دھاڑ اور پرائے مال زور سے چھین لینا اور گالی گلوج کرنا جاری رکھتے تھے پس دین بھی لوگوں کا برباد جاتا تھا اور جان مال عزت آبرو بھی بخلاف اور ظالموں کے کہ اکثر اُنھوں سے مال اور جان ہی کو ضرر پہونچا تھا فَصَبَّ عَلَیْهِمْ رَبُّكَ پھر برسایا اُن پر تیرے رب نے کہ ربوبیت اُس کی عام اور جامع ہے جیسا کہ مفسدوں کا رب ہے ویسا ہی مظلوموں کا بھی ہے سو ربوبیت اُس ذات پاک کی اسی بات کو چاہتی ہے کہ مظلوموں کا بدلہ ظالموں سے پورا پورا لیا جاوے سَوْطَ عَذَابٍ ۙ ایک کوڑا عذاب کا اور کوڑے کے لفظ میں اشارہ اسی بات کا ہے کہ یہ تمام سخت عذاب کہ مینھ کی طرح سے

ان تینوں گروہ پر برسایہ نسبت اُن عذابوں کے آخرت میں اُن کے واسطے تیار ہے
اور وے اُس کے سزاوار ہیں حکم کوڑے کا رکھتا ہے بہ نسبت شمشیر کے اور مجموع لفظ صب
اور سوط سے معلوم ہوا کہ عذاب کے واسطے دو استعارے فرماتے ہیں اول میخ کہ صب کا
لفظ اُس کی تشریح ہے دوسرا تازیانہ کہ سوط کا لفظ اس کی تصریح اور ایک عبارت میں
دو استعارے جمع فرمانا آئین کلام اللہ کا ہے بشر کے کلام میں پایا نہیں جاتا چنانچہ اس
آیت میں بھی فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ لِبَاسَ التَّقْوٰى الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ مذکور ہے اور بالتخصیص ان
تینوں قصوں کے لانے میں نکتہ یہ ہے کہ لوگوں کے ذہنوں میں جو بدلہ لینا جمع کثیر سے
مشکل معلوم ہوتا ہے سو یا تو اس جہت سے ہوتا ہے کہ وہ جماعت کثیر بڑے زور آور قوی
ہیکل ہوتے ہیں کہ کوئی ان کے مقابلے کی طاقت نہیں رکھتا تو اُس کے واسطے قصہ شداد
اور عاد کا بیان فرمایا اور یا گڑھی کوٹ کی مضبوطی کے سبب سے ہوتا ہے سو اس شبہے
کے دفع کے واسطے ثمود کا قصہ ارشاد ہوا یا فوج اور لشکر کے باعث سے ہوتا ہے سو اسکے
لیے فرعون کا احوال مذکور فرمایا ہے اب اس مضمون کو جس کے واسطے پانچ قسمیں اور تین
قصے تمہید ہوئے تھے ارشاد فرماتے ہیں اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ؕ تحقیق ثابت ہوا کہ تیرا
رب البتہ گھات میں ہے جیسے کوئی شخص پوشیدہ سر راہ بیٹھا آنے جانے والوں کا احوال
دیکھتا ہے اور معلوم کرتا ہے کہ فلانا کیونکر گذرا اور کیا کرتا گیا اور فلانا گیا اور کیا لے گیا کہ
ملاقات کے وقت اس کے موافق عمل میں لاوے پس جناب باری کہ دنیا میں انتقام نہیں
لیتا محض بنی آدم کی بھلائی بُرائی پوری ہو جانے کو کہ وہ بغیر فنا ہو جانے نوع انسانی کے
ممکن نہیں نہ کہ اُن کے بھلے بُرے کاموں سے غافل ہے یا بے پروائی کی راہ سے بدلہ لینا
منظور نہیں رکھتا پس یہ سب امہال ہے یعنی ڈھیل ایک مدت تک ہے اہمال نہیں یعنی
مہمل چھوڑ دینا نہیں ہے اور اکثر یہ کمین گاہ اور انتظار بندوں کے حق میں مال اور جاہ اور
عزت اور نعمت کے دینے اور نہ دینے کے سبب سے ہوتا ہے تاکہ معلوم کرے کہ مال اور جاہ
اور نعمت کے دینے سے شکر کرتا ہے اور اپنی حد کے اندازے سے قدم باہر نہیں رکھتا ہے
یا تکبر اور فخر اور سرکشی اختیار کرتا ہے اور مال اور جاہ اور نعمت نہ دینے کی حالت میں

بھی دیکھتا ہے کہ کفران نعمت اور جزع اور فزع کرتا ہے یا صبر اختیار کرتا ہے اور رضا
بقضا پر یعنی اللہ کے حکم پر ثابت رہتا ہے لیکن اس گھات اور انتظار کو سوائے اللہ تعالیٰ
اور پیغمبروں اور صدیقوں اور اولیاؤں اور عالموں ربّانی کے کوئی نہیں جانتا اور بنی آدم
غیب کے معاملے کی کیفیت سے غافل ہیں ہرگز اس بھید کو نہیں جانتے اور ظاہر کی نعمت
اور مال پر فریفتہ ہو جاتے ہیں اور ظاہر کے فقر اور تکلیف پر جزع اور فزع کرنے لگتے
ہیں اور نا اُمید ہو جاتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں فَاَمَّا الْاِنْسَانُ پس آدمی اس چھپے معاملے
سے غافل ہے اور اُس کی غفلت کی دلیل یہ ہے اِذَا مَا ابْتَلٰهُ رَبُّهٗ جب آزماتا ہے
اُس کا پروردگار کہ گھات میں ہے مال دے کر فَاَكْرَمَهٗ پس عزّت دیتا ہے اُس کو
بسبب اس مرتبے کے کہ مال دینے سے اس کو حاصل ہوا ہے وَنَعَّمَهٗ ۙ اور نعمت میں
رکھتا ہے اس کو کیونکہ مال سے ساری نعمتیں حاصل ہوتی ہیں فَیَقُوْلُ رَبِّیْۤ اَكْرَمَنِ ؕ
پھر کہتا ہے میرے رب نے مجھ کو عزّت دی بے سمجھے بوجھے یہ نہیں جانتا سب آزمایش ہے
پکڑا الٰہی سے نڈر ہونا نہ چاہیئے اور دھوکا نہ کھائے کہ جو اوّل بار میں مال اور عزّت دی ہے
تو آخرت میں بھی اسی طرح سے کریں گے یہ بات ہرگز نہیں ہے بلکہ مقدمہ ہنوز پردے
میں ہے دیکھیے کیا ہو وَاَمَّاۤ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ اور مقرر جب آدمی آزماتا ہے اُس کو پروردگار
اُس کا فقر و فاقہ سے فَقَدَرَ عَلَیْهِ رِزْقَهٗ ۙ تو تنگ کرتا ہے اُس پر رزق اُس کا
اگرچہ حاجت ضروری کے موافق کہ زندگانی اُس پر موقوف ہے میسر ہو فَیَقُوْلُ رَبِّیْۤ
اَهَانَنِ ۚ پھر کہتا ہے میرے پروردگار نے مجھ کو ذلیل کیا بے سمجھے بوجھے اِس بات کے
کہ یہ سب آزمایش ہے میرے صبر کی اور عزّت اور ذلّت کا مقدمہ تو پوشیدہ ہے نہیں
معلوم کہ کیا ہے کیونکہ بہت ہوتا ہے کہ فقر آخرت کی عزّت کا سبب ہو جاتا ہے اور بہت
ہوا ہے کہ مال اور دولت آخرت کی ذلّت اور اہانت کا سبب ہوا سو دنیا کے پہلے حال
پر مغرور رہونا اور ان دونوں صورتوں میں یعنی نعمت اور بلا میں غیب کے معاملے کو کہ امتحان
اور آزمایش ہے نہ سوچنا بڑی غفلت ہے اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ؕ کے مضمون سے باقی
رہے یہاں پر چند سوال کہ جواب ان کا بہت ضرور ہے اوّل یہ کہ لفظ فَ کا تفریع کیواسطے

آیا ہے اور عرب کے لغت میں اما کلمہ مجمل کے تفصیل کے واسطے ہوتا ہے وہ مجمل جو سابق
کے کلام میں گذرا ہو سو اس کلام میں وہ مجمل کہاں ہے اور تفریع تفصیل کی کس چیز سے
علاقہ رکھتی ہے جواب اُس کا یہ ہے کہ وہ مجمل کلام مضمون اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ کا ہے اس واسطے
کہ اِس مضمون سے معلوم ہوا کہ پروردگار عالم آزمایش اور امتحان کے در پے ہے اور بندوں
کے احوال سے غافل نہیں اور یہ بات اُس کو چاہتی ہے کہ بندے بھی ڈرتے اور ہوشیار
رہیں غافل نہ ہو جاویں لیکن آدمی غفلت میں گرفتار ہیں اور اُس کی غفلت کا بیان دونوں
صورت میں عزت ہو یا ذلت یا فقر تفصیل اس مضمون کی ہوئی اور اس تفصیل کو اس
اجمال پر ف کے لفظ سے تفریع فرمایا ہے دوسرے یہ کہ دولت کی آزمایش کی جاے پر فاکرمہ
ارشاد ہوا اور بندے کی زبانی بھی فاکرمن نقل فرمایا اور فقر کی آزمایش کی جائے پر فاھانہ
نہ فرمایا اور بندے کی زبان سے فاھانن فرمایا اس میں کیا نکتہ ہے جواب اس کا یہ ہے کہ
حقیقت میں رزق کی تنگی اہانت کا سبب نہیں ہے پس فقر کو اہانت کہنا غافل بندے کا کام
ہے کچھ موافق واقع کے نہیں ہے کیونکہ اکثر ہوتا ہے کہ فقر ظاہری دنیا اور آخرت کی صلاح کا
سبب ہو جاتا ہے بلکہ موجب عزت اور جاہ کا بھی ہو جاتا ہے چنانچہ بہت سے اولیاء اللہ
کے احوال سے ظاہر اور ہویدا ہے اور دولت اور مال حقیقت میں عزت ظاہری کا سبب
ہوتا ہے اکثر حالات میں گو کہ آخرت کی عزت کا سبب نہ ہو بہرحال فراخی رزق کی دنیا میں
بہتر ہے دنیا اور آخرت کے خسران سے سو اس نکتے کے واسطے فاکرمہ کے لفظ کو اس جائے پر
بڑھایا تیسرے یہ کہ اصل کلام یوں معلوم ہوتا ہے کہ فاما الانسان فیقول ربی اکرمن
اذا ما ابتلٰہ فاکرمہ واما ھو فیقول ربی اھانن اذا ما ابتلٰہ فقدر علیہ رزقہ پس
لفظ فیقول کا مبتدا کی خبر ہے دونوں جائے پر واما اذا ما ابتلٰہ ظرف ہے یقول کا اور کلام
مجید میں اول اما کو انسان پر داخل کیا اور دوسرے بار اذا ما ابتلاہ پر کہ ظرف یقول کا ہے
لائے اس تعبیر میں کیا نکتہ ہے جواب اس کا یہ ہے کہ حقیقت میں اما ظرف پر داخل ہے
اس واسطے کہ اما کا لفظ لانے سے انسان کی تفصیل منظور نہیں ہے بلکہ اس کی آزمایش
کی تفصیل دولت اور فقر سے منظور ہے اور پہلے قرینہ میں کہ انسان کا لفظ متصل اما کے

وارد ہے ضمیروں کے مرجع کی تعیین کے واسطے ہے جو کہ سابق میں مذکور نہیں ہوئے سو باعتبار اصل معنی کے کلام کو یوں سمجھنا چاہیئے کہ اِنَّ رَبَّکَ لَبِالْمِرْصَادِ والانسان غافل عن ذلک فی کلتا الحالتین فاما اذا ما ابتلٰہ ربہ فاکرمہ ونعمہ فیقول ربی اکرمن واما اذا ما ابتلٰہ فقدر علیہ رزقہ فیقول ربی اھانن بلکہ اگر خوب غور کیجئے تو یہاں دو تفصیلیں منظور ہیں اوّل یہ کہ اما الانسان فھو غافل عن کون ربہ لبالمرصاد فی کلتا الحالتین اور دوسرے یہ کہ اما فی حالۃ الابتلاء بالنعمۃ والمال فلا یتلقی النعمۃ الشکر واما فی حالۃ الابتلاء بالفقر والضیق فلا یتلقہ بالصبر ولا یدری ان ربہ مترقب لمجازاتہ علی معاملتہ اور جو تفصیل اوّل کی مقصود بالذات نہ تھی تو انسان کے لفظ کو اس تفصیل کے واسطے شروع میں اس تفصیل کے زیادہ کیا تاکہ اشارہ ہو اس تفصیل پر اور دوسرے تفصیل کو اشباع کے طور پر لائے ہیں اس واسطے کہ یہی تفصیل بالذات مقصود تھی واللہ اعلم جو شبہ یہ ہے کہ انکار اور مذمت انسان کی جو اکرمن اور اھانن کی لفظ سے بوجھی جاتی ہے کس چیز کی طرف متوجہ ہے حالانکہ انسان بیچارہ اس کہنے میں سچا ہے چنانچہ اکرام کے مقام پر اس کے مطابق خود بھی ارشاد فرمایا ہے پھر اگر بندے نے بھی اس کے موافق کہا تو کیا جائے انکار کی ہے اور اہانت کی جائے پر ہر چند کہ خود نہیں فرمایا ہے لیکن مطابق واقع کے ہے کیونکہ فقر اور معاش کی تنگی اکثر اوقات میں سبب ذلت اور حقارت کا ظاہر بینوں کی نظروں میں معلوم ہوتی ہے چنانچہ کہا ہے عِزَّۃُ الدُّنْیَا بِالْمَالِ وَعِزَّۃُ الْاٰخِرَۃِ بِالْاَعْمَالِ جواب اس کا یہ ہے کہ انکار اور مذمت کہنے پر اکرمن اور اھانن کے نہ اس واسطے ہے کہ موافق واقع کے نہیں ہے بلکہ اس جہت سے ہے کہ بندہ اکرام اور اہانت دنیوی میں گرفتار ہے اور اس آزمائش سے کہ پردے میں اکرام اور اہانت کے مخفی اور مستور رہے غافل ہو جاتا ہے اور حقیقت کو اکرام اور اہانت کی کہ قیامت کے روز ظاہر ہوگی نہیں جانتا اور سوا اکرام اور اہانت دنیوی کے کسی طرح کا اکرام اور اہانت تصور نہیں کرتا پس بندہ مانند بے عقل بچے کے ہے کہ زہر شکر آلود کو مانند شکر کے جانتا ہے اور بدمزہ دوا کو کہ سراسر اس کے حق میں

نافع ہے زہر جانتا ہے سو یہ انکار اور جھڑکیاں اُس کی بے وقوفی پر ہیں کہ حقیقت کو چھوڑ کے ظاہر پر ریجھ رہا ہے پانچویں یہ بات ہے کہ ابتلار کے معنی عرف کے موافق فقر میں تو ظاہر ہیں لیکن دولت اور اکرام میں ابتلار کے کیا معنی ہوں گے جواب اس کا یہ ہے کہ لغت میں ابتلار کے معنی امتحان اور آزمایش کے ہیں سو جیسے کہ فقر میں آزمایش منظور ہے یعنی صبر کرے گا یا نہیں اسی طرح دولت میں بھی وہی آزمایش منظور ہے کہ شکر کرے گا یا نہیں **شعر** بادہ نوشیدن وہشیار نشستن سہل ست ۞ گر بدولت برسی مست نگردی مردی ۞ پس ابتلار سے اس جائے پر لغوی معنی مراد ہیں نہ عُرفی اور جب آدمی کے حال کی تفصیل بیان کرنے سے فقر ہو یا غنا فارغ ہو چکے تو اب اس کو ادا نہ کرنے پر ان حقوق کے جو لوازمات غنا کے ہیں اور ادا نہ کرنے پر اُس کے شکر کے زجر اور توبیخ فرماتے ہیں کَلَّا بات یوں نہیں ہے کہ ملنے سے مال اور جاہ کے مغرور اور فریفتہ ہو کر اپنی بزرگی کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے نزدیک لازم جانو اور اُس کی نعمتوں کو اُس کی مرضیات میں صرف نہ کرو جس طرح بیان بنی آدم کرتے ہیں بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ۙ بلکہ تملوگ یتیم کی عزّت نہیں کرتے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تم کو مرتبہ اور عزّت اس واسطے دیا ہے کہ بے عزّت لوگوں کی عزّت کرو خصوصًا یتیم کی کہ بے عزّتی ہر طرف سے اُس پر برستی ہے چنانچہ بہت سا مال اور دولت تم کو اس واسطے دیا گیا ہے کہ فقیروں اور محتاجوں پر خرچ کرو اور اُن کا پیٹ بھرو اور تم لوگ یہ کام نہیں کرتے وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۙ اور ایک دوسرے کو تقید نہیں کرتے ہو کھانا کھلانے پر مسکین کے بلکہ اپنے مال کمائے ہوئے سے دینا تو کیا ممکن ہے غیر کے مال سے بھی جو بے محنت اور بے مشقت تم کو ملتا ہے خرچ نہیں کرتے ہو اور اس کو بھی بیدھڑک چکھ جاتے ہو چنانچہ ارشاد ہوتا ہے وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ۙ اور کھاتے ہو میراث باپ دادوں کی بے موقع اور بیجا اور فرق نہیں کرتے ہو تم درمیان اپنے حق کے کہ حلال ہے اور اپنے شریکوں کے حق کے کہ حرام ہے پس تمھاری سمجھ بوجھ جانوروں کی سمجھ بوجھ سے بھی کمتر ہے کہ اپنی گھاس کو اوّل سونگھ لیتے ہیں پھر اگر قابل کھانے کے ہوتی ہے تو کھاتے ہیں نہیں تو نہیں اور اگر کوئی یہ کہے

کہ نہ تو میرے پاس مال ہے کہ یتیم اور مسکین کو اس میں سے دوں اور نہ باپ دادے کی میراث ملی ہے کہ اس میں سے شریکوں کا حق کھالیا ہوگا اُس کے جواب میں فرماتے ہیں وَتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ؕ اور دوستی رکھتے ہو تم مال سے جی بھر کے ہر چند کہ مالدار نہیں ہو لیکن تمھارے دل میں مال کی محبّت بھری ہوئی ہے اگر تمھارے ہاتھ میں آوے تو تم بھی وہی کرو جو دوسرے کرتے ہیں اور یہاں پر جمّا کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ فی الجملہ محبّت مال کی اور تعلق دل کا اُس کی طرف اگر موافق حاجت ضروری کے ہو تو معیوب نہیں ہے کیونکہ عالم کے انتظام کی بقا اسی پر موقوف ہے اور وہ محبت جو بد ہے سو اسی قدر ہے کہ زیادہ حاجت سے ہو کَلَّآ یوں سمجھا چاہیئے کہ حق تعالیٰ نیک اور بد کاموں سے بندوں کے غافل ہے یا بدلہ دینا نیک اور بد کاموں پر منظور نہیں ہے بلکہ اللہ تعالےٰ گھات میں ہے اور منتظر ہے ایک وقت کے آنے کا جو اُس کی حکمت نے اعمالوں کی جزا اور سزا دینے کے واسطے مقرر کیا ہے اور بیان اُس وقت کا یہ ہے اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ۙ یعنی جب کوٹی جاویگی زمین جیسا کہ حق ہے کوٹنے کا یہاں تک کہ ریزہ ریزہ ہو جاوے اور پہاڑ اور اونچی نیچی زمین سب برابر ہو جاوے اور یہ حالت بھونچال کی شدّت کے سبب سے ہوگی جو قیامت کے دن آوے گا اور اُسی زلزلے کے سبب سے مُردے قبروں سے نکلیں گے اور پھونکنے سے صور کے روحیں بدنوں سے مِل جاویں گی وَّجَآءَ رَبُّكَ اور آوے گا تیرا پروردگار جلال اور قہر کی صفت سے اور تجلّی فرماوے گا اور جزا اور سزا دینے کو بندوں کے متوجہ ہوگا وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ۚ اور آویں گے فرشتے صفیں کی صفیں یعنی فرشتے ساتوں آسمان کے سات صفیں ہو جاویں گی اور حاملان عرش کی ایک صف دوسری اور علیٰ ہذا القیاس وَجِایْٓءَ یَوْمَئِذٍۭ بِجَهَنَّمَ ۙ اور لائی جاوے گی اُس روز دوزخ یعنی ظاہر کیجاوے گی چنانچہ دوسری آیت میں فرمایا ہے وَبُرِّزَتِ الْجَحِیْمُ لِمَنْ یَّرٰی ۙ اور بعضی روایتوں میں آیا ہے کہ ستر ہزار فرشتے دوزخ کو اپنے مقام سے ستر ہزار باگوں سے کھینچتے ہوئے بائیں طرف کو عرش معلّےٰ کے لاویں گے اور جب دو تین سو برس کی راہ حشر کے میدان سے

دور رہے گی تو چنگاریاں اور لپکیں اُس کی اُڑیں گی اور اُس کی جوش وخروش کی آواز اتنی دور سے سب اہل محشر سُنیں گے اُس وقت محشر کے لوگوں پر نہایت خوف غالب ہوگا اور پیغمبر ممبروں اور کرسیوں سے اُتر پڑیں گے اور ساری مخلوق گھٹنوں کے بل بیٹھ جاوے گی اور نفسی نفسی پکار اُٹھیں گے یَوْمَئِذٍ یَّتَذَکَّرُ الْاِنْسَانُ اُس دن سوچے گا اور یاد کرے گا آدمی کہ وہ جو پیغمبر اور نصیحت کرنے والے کہتے تھے کہ بدلہ نیک اور بد کاموں کا حق ہے قیامت آنے والی ہے بیشک سچ تھا کیونکہ اسباب جزا اور سزا کے سب موجود دیکھے گا قیدخانہ تو دوزخ سا اور فرشتے مارنے دھاڑنیوالے پیادے اس کثرت کے ساتھ حاضر اور حاکم حق تعالے ایسے قہر اور جلال کے ساتھ متجلی اور زمین کہ اجسام اور ارواح کے رہنے سہنے کی جائے تھی سب ٹوٹ پھوٹ کر برابر ہوگئی نہ تو کوئی ٹھکانا بھاگنے کا اور نہ کوئی پہاڑ قلعہ گڑھی کھوہ اُس میں کہیں نظر آتا ہے کہ وہاں جا چھپے لیکن یاد کرنا اور سوچنا اُس وقت کا کچھ فائدہ نہ کرے گا چنانچہ فرماتے ہیں وَاَنّٰی لَہُ الذِّکْرٰی ؕ اور کہاں ملے اُس کو سوچنا یعنی سوچنا اور یاد کرنا اُس کو کچھ مُفید نہ ہوگا کیونکہ وہ دن سوچنے اور یاد کرنے کا نہیں ہے بلکہ وہ دن تو جزا اور سزا کا ہے ہاں آج اگر سوچے تو اس روز کام آوے نہیں تو سوائے حسرت اور افسوس کے کہ یہ بھی ایک بڑا عذاب ہے کچھ ہاتھ میں نہ آوے گا چنانچہ فرماتے ہیں یَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ قَدَّمْتُ لِحَیَاتِیْ ۚ کہنے لگیگا آدمی افسوس اگر میں نے کچھ بھی آگے سے بھیجا ہوتا اس زندگانی کے واسطے مال اور اعمال نیک جیسے ایمان اور طاعت اور یہ حسرت اس کو عذاب جسمانی سے بہت سخت ہوگی فَیَوْمَئِذٍ لَّا یُعَذِّبُ عَذَابَہٗٓ اَحَدٌ ۙ پس اُس روز نہ ماریگا اُس کا سا مارنا کوئی نہ آگ دوزخ کے موکل نہ سانپ نہ بچھو کہ اس آگ میں ہوں گے کیونکہ مارنا اور دُکھ دینا اُن کا عذاب جسمانی ہے اور حق تعالے کا عذاب اس طور پر ہوگا کہ تقصیروار کی روح کو حسرت اور ندامت میں گرفتار کردے گا اور یہ عذاب روحانی ہے بس عذاب جسمانی کو عذاب روحانی سے کیا نسبت ہے وَلَا یُوْثِقُ وَثَاقَہٗٓ اَحَدٌ ؕ اور نہ باندھے گا اُس کا سا باندھنا کوئی کیونکہ دوزخ کے پیادے ہرچند کہ دوزخیوں کے گلے میں طوق

ڈالیں گے اور زنجیروں سے جکڑیں گے اور دوزخ کے دروازوں کو بند کر کے اوپر سے
سرپوش بند کردیں گے غرض طرح طرح کے عذاب کریں گے لیکن عقل اور خیال کو اُنکے
نہ بند کر سکیں گے اور عقل اور خیال کی عادت ہے کہ بہت سی باتوں کی طرف التفات
کرتا ہے اور بعضی باتیں اُن میں سے دوسری باتوں کی حجاب ہوجاتی ہیں اسی واسطے
عین قید میں انسان کو کمال وسعت عقلی اور خیالی حاصل ہوتی ہے برخلاف اُس شخص کے
کہ اللہ تعالے عقل وخیال کو اُس کے اِدھر اُدھر کے جانے سے روک رکھے اور بالکل دُکھ
درد ہی کیطرف متوجہ رکھے تو ایسی قید ہزاروں درجے بدنی قید سے سخت ہے اسی واسطے
سودائیوں اور مجنونوں کو عین سیر میں باغوں اور جنگلوں کے خفگی اور گھبراہٹ وہم اور
خیال کے سبب سے پیدا ہوجاتی ہے کہ وہ باغ اور وہ بڑے بڑے جنگل اُن کی نظر
میں تنگ معلوم ہوتے ہیں اور بعضے معتبر قاریوں نے مجہول کے صیغے سے پڑھا ہے
اور اس صورت میں معنی ظاہر ہیں کہ نہ عذاب کیا جاویگا اس غافل کی طرح سے کوئی
اور نہ بند کیا جاوے گا اس غافل کی طرح سے کوئی کیونکہ دوسرے گنہگاروں نے ہرچند
کہ گناہ کیے تھے لیکن اس دن سے غافل نہ تھے کبھی کبھی اُس دن کا خوف اُن کے خیال
میں گذرا کرتا تھا جب اس دن کو دیکھیں گے تو اس قدر خائف اور بیہوش نہ ہوجاویں گے
کیونکہ اوّل سے دہشت اس کی رکھتے تھے اس واسطے اُن کے حق میں وہ روز بلائے ناگہانی
نہ ہوگا اور اُن کے عذاب اور قید میں منکروں کے عذاب اور قید سے تخفیف ہوگی اور اس
ہول اور دہشت کے دن میں سب نیکوں اور بدوں کو اوّل مرتبے میں خوف اور اضطراب
غالب ہوجاوے گا تو اُس وقت فرمانبرداروں اور نیکوں کو تسلّی بخشیں گے اور ایک منادی
ندا کرے گا یٰٓاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿۲۷﴾ اے جی چین پکڑے ہوئے ساتھ حق کے کہ تو
التفات سوائے حق کے کسی اور کی طرف نہ رکھتا تھا تجھ کو پس جانے سے زمین کے اور
فرشتوں کی صفوں کے دیکھنے سے اور پُر ہول آواز سُننے سے دوزخ کی کیا پرواہ ہے
ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ پھر اپنے پروردگار کی طرف کہ ہمیشہ تو اُسی کی حضور میں مستغرق رہتا
تھا اور اُس کے ماسوا کی طرف التفات نہ کرتا تھا رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿۲۸﴾ ایسی حالت

میں کہ خوش وقت ہونے والا ہے تو دیکھنے تجلی سے جمال حق کے اور پسند کیا گیا ہے تو
ساتھ ظہور آثار جمال جمیل مطلق کے فَادۡخُلِيۡ فِيۡ عِبٰدِيۡ ۙ پھر داخل ہو میرے مقرب بندوں
کے گروہ میں کہ دیدار کے مقام میں رتبہ رکھتے ہیں اور یہ تیرا مرتبہ ہے سعادت روحانی
کا وَادۡخُلِيۡ جَنَّتِيۡ ؏ اور داخل ہو میری جنّت میں کہ وہ مقام ہے لذّت جسمانی کے مزہ
اُٹھانے کا رَزَقَنَا اللّٰهُ الْفَوْزَ بِالسَّعَادَتَيْنِ اس جگہ پر سمجھ لیا چاہیئے کہ نفس انسانی کو
قرآن مجید میں تین صفتوں سے موصوف کیا ہے امّارہ اور لوّامہ اور مطمئنّہ امّارہ کی صفت
ہے کافروں اور فاسقوں کے نفس کی کہ کفر اور فسق سے مُنھ نہیں پھیرتے اور اُن کا نفس
اُن کو ہر وقت اُن ہی کاموں کی طرف رغبت دلاتا ہے اور لوّامہ اُن گنہگاروں کے
نفس کی تعریف ہے کہ وہ اپنی بدی پر ندامت کھینچتے اور گناہ ہو جانے کے بعد اپنے کو
آپ ملامت کرتے ہیں کہ یہ کام میں نے کیوں کیا اور بہت بُرا کیا اور مطمئنّہ ہونا انبیا اور
اولیا اور اصحاب کے نفسوں کی صفت ہے کہ ایمان اور اطاعت اور ذکر اور فکر میں
حق تعالیٰ کے اطمینان رکھتے ہیں اور کشمکش سے خواہشوں کی اور خطرات سے گناہوں کے
اُن کے احوال پراگندہ اور ان کے اوقات مکدّر نہیں ہو سکتے اور بعضے کہتے ہیں کہ امّارگی ہر ہر
نفس کی صفت ذاتی ہے کہ شہوت اور غضب کے وقت عقل اور شرع کے حکم پر ظہور کرتی
ہے اور لوّامگی بھی ہر نفس کی صفت ہے مگر جس وقت کہ عقل اور شرع کی طرف رجوع کرے
اور خیر و شر کو پہچانے اور اطمینان بھی ہر نفس کی صفت ہے مگر جبکہ ذکر کا نور تمام بدن کے اجزا
پر غالب ہو جاتا ہے اور حسن بصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ سارے نفس قیامت کے
دن لوّامہ ہوں گے اور آپ کو ملامت کریں گے کہ طاعت تو نے زیادہ کیوں نہ کی اور گناہ
کیوں کیا اور ہر چند کہ اصل اس ندا اور بشارت کا وقت فزع اکبر کا ہے کہ قیامت کے روز
ہو گا لیکن نمونہ اُس کا وقت مرنے ہر مومن کے ظاہر ہے چنانچہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ
سے روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میں نے سُنا ہے کہ جب باایمان آدمی
کو اجل آتی ہے تو سرہانے اُس کے فرشتے خوبصورت خوش لباس معطر آتے ہیں اور کہتے
ہیں کہ اے جان بحق آرمیدہ خوشی اور آسانی سے نکل آ کہ تیرا پروردگار تجھ سے خوش ہے

یہ بات سُنکر مسلمان کی جان کمال خوشی سے نکل آتی ہے اور ایک عالم اُس کی خوشبو سے معطر ہو جاتا ہے اور فرشتے اُس کو ریشمی معطر کپڑوں میں لے جاتے ہیں اور دروازے آسمان کے کھُل جاتے ہیں اور وہاں کے دربان مرحبا کہتے ہوئے استقبال کرتے ہیں اور اُس کے واسطے بخشش طلب کرتے ہیں اور اُس کو عرش معلےٰ کے نیچے لے جاتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کو سجدہ کرے اور حضرت میکائیلؑ کو حکم ہوتا ہے کہ اس جان کو مسلمان اور نیکو کاروں کے ارواح کے مقام میں داخل کردو اور اُس کی قبر کو فراخ کردو کہ آرام اور راحت اُس کو پہونچتی رہے اور اس کو کہدو کہ آرام سے سو رہے نئی دلہن کے مانند کہ اُس کو کوئی بدخواب نہیں کرتا اور کافروں کے ساتھ اُس کے برعکس معاملہ واقع ہوتا ہے

سُورۃ البلد

یہ سورۃ مکی ہے اس میں بائیس[۲۲] آیتیں اور بیاسی[۸۲] کلمے اور تین سو اکتیس[۳۳۱] حرف ہیں اور اس سورۃ کا سورۂ بلد اس واسطے نام رکھا ہے کہ اس کے شروع میں مکہ معظمہ کے شہر کی قسم کھائی ہے اور بلد عرب کے لغت میں شہر کو کہتے ہیں اور دیکھنا اس شہر کے حال کا اس وقت کہ قسم کھانے کا وقت تھا دلیل صریح ہے اس بات پر کہ آدمی کو دنیا اور آخرت میں اُٹھانے سے مشقت اور رنج کے چارہ نہیں ہے کیونکہ جب ایسا شہر بزرگ مجمع ایسی مشقتوں کا ہووے تو دوسرے شہر تو بطریق اولی بڑے بڑے رنج اور مشقتوں سے خالی نہ ہوں گے اور انسان جو مدنی الطبع ہے یعنی اُس کی طبیعت میں شہر کی محبت بسی ہوئی ہے بغیر شہر کے رہ نہیں سکتا اور کوئی شہر مقام راحت کا نہیں مصرع ع ہیچ گنجے بے دو بے دام نیست ۂ اور شہر مکے کی عظمت بہت وجہوں سے ثابت ہے اُن میں یہ ہے کہ حرم الٰہی کا مکان ہے اور مقام امن کا اور مرجع خلق کا کہ ہر سال میں ہزارہا آدمی دور دور کے ملکوں اور شہروں سے ارادہ وہاں کا کرتے ہیں اور وہ عمدہ نسک کی جائے ہے کہ حج اور عمرہ ہے اور اول ہے سب دنیا کی بناؤں سے اور قبلہ ہے عالم کا اور مقام حضرت خلیل علیہ السلام کا بھی وہاں ہے اور ان سب سے بڑھ کے یہ بات ہے کہ محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کے تولد کی جائے ہے اور اُس

جناب پر اللہ تعالےٰ کی طرف سے وحی نازل ہونے کی جگہ ہے اور اس سورۃ کے ربط کی وجہ سورۂ والفجر سے یہ ہے کہ اس سورۃ میں تاکید عزت اور حرمت کرنے پر یتیم کے اور کھانا کھلانے پر مسکین کے اور مذمت مال کی محبت کی مذکور ہے اور اس سورۃ میں بھی یہی مضمون منظور ہیں اور اُس سورۃ میں ہلاک کرنا بڑے بڑے زبردست سرکشوں کا گناہونکی شامت کے سبب سے مذکور ہے جیسے عاد اور ثمود اور فرعون اور اس سورۃ میں بھی ایسے کافر پر جھڑکی ہے کہ اپنی قوت پر اتراتا تھا اور کسی کو خیال میں نہ لاتا تھا اور سبب اس سورۃ کے نازل ہونے کا یہ ہے کہ قریش میں ایک کافر کلدہ بن اُسید نام بڑا پہلوان قوی ہیکل زورآور تھا اور ابوالاسد اُس کی کُنیت مقرر کی تھی اور قوت اُس کی اس مرتبہ کو تھی کہ چمڑا عکاظی گائے کا اپنے پانوں سے دبا لیتا تھا اور لوگوں سے کہتا تھا کہ اس چمڑے کو میرے پانوں کے نیچے سے کھینچ لو تمام آدمی مل کر زور کرتے تھے یہاں تک کہ وہ چمڑا پُرزے پُرزے ہو جاتا تھا لیکن اُس کے پانوں کے نیچے سے جنبش نہیں کرتا تھا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس کو اسلام کی طرف دعوت کی تو وہ کافر ایمان نہ لایا اور کلام سخت کیے کہ تو مجھ کو ایک قید خانہ سے ڈراتا ہے جس کے کل اُنیسؔ پیادے ہیں اُن کو تو میں بائیں ہاتھ سے بس کرتا ہوں ایسا کون ہے کہ میرا سامنا کرے اور مجھ سے عہدہ برآ ہووے اور ایک باغ پر مجھ کو پھُسلاتا ہے کہ میں نے شادیوں میں اور خاطرداریوں میں ڈھیروں مال خرچ کیے ہیں اگر ان مالوں کو گنیے تو وہ تیرا باغ سامان اور اسباب اور درختوں اور نہروں سمیت اُس کے روبرو بے حقیقت ہے پس اُس کی ان باتوں کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ سورۃ بھیجی اور مضمون اس سورۃ کا یہ ہے کہ آدمی کو اپنی قوت اور زور پر اور مال کی کثرت اور بڑائی پر نام اور جاہ کی مغرور ہونا نہ چاہیے اور ابتدا کو اپنی پیدایش اور موت کی نہایت تک نظر میں رکھنا چاہیئے کہ کیا کیا سختیاں درپیش ہیں کہ طاقت اُن کے اُٹھانے کی بغیر اللہ تعالےٰ کی مدد کے ممکن نہیں ہے اور مال کو اس وقت نعمت جاننا چاہیئے کہ آخرت کی سختیوں میں کام آوے، نہیں تو نام اور جاہ دُنیا کا جیسے سراب کا پانی اور نقش برآب ہے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

لَآ اُقۡسِمُ بِھٰذَا الۡبَلَدِ ۙ قسم کھاتا ہوں میں اس شہر کی اور لا اصل میں نفی کے معنوں میں ہے اور یہاں ہر قسم کی تاکید کے مقام پر اس لفظ کو لاتے ہیں اور وجہ تاکید کے سمجھانے کی اس لفظ سے یہ ہے کہ قسم اکثر اُس بات پر کھاتے ہیں کہ اس بات سے کوئی منکر ہو پس اول لا کے کلمے سے منکر کے انکار کو نفی کرتے ہیں بعد اس کے اس قسم سے اپنے مطلب کو ثابت کرتے ہیں پس گویا مطلب دو طور سے ثابت ہوتا ہے باطل کرنے سے نقیض کے اور ثابت کرنے سے عین مدعا کے اور اگر فقط قسم ہی کو ذکر کرتے تو اثبات ایک ہی طور سے ہوتا اس واسطے نفی کے کلمے کو لائے تاکہ تاکید کی زیادتی ہو اور بعضے علما کہتے ہیں کہ قسم کی نفی مراد ہے یعنی اس مطلب پر قسم کی حاجت نہیں ہے کہ خود ظاہر ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ یہ کلمہ مقسم بہ کی بزرگی پر دلالت کرتا ہے کہ اُس چیز کا رتبہ اس سے برتر ہے کہ ایسی چھوٹی سی بات پر اُس کی قسم کھائی جاوے اور دونوں صورتوں میں اشارہ ہے ثابت ہونے پر مطلب کے دعوے کرنے سے اس کے ظہور کے پس اس راہ سے بھی تاکید ثابت ہوئی اور جو مطلب قسم کا یہ ہے کہ حقیقت میں آدمی ابتدا سے انتہا تک مشقت اور رنج میں گرفتار ہے پس قسم اُس شہر کی کہ شہر مکہ ہے نہایت مناسب اس مطلب کے واقع ہوئی کیونکہ شہر مکہ اصل تمام زمین کا ہے کہ اول پانی پر یہی نقطہ پیدا ہوا تھا بعد اس کے اس نقطے سے تمام زمین کو پھیلا کر بچھایا اور زمین انسان کے مادہ کی اصل ہے پس اصل الاصول اس کا جو محل مشقت اور رنج کا ہووے تو اُس کو کہاں سے توقع رکھنا چاہیے کہ مشقت اور رنج سے خلاصی پاوے گا اب آئے ہم اس بات پر کہ یہ شہر کس جہت سے مقام مشقت اور رنج کا ہے سو اُس کا بیان یہ ہے کہ اول تو یہ زمین سنگلاخ اور ریگستان واقع ہوئی ہے اصلا قابل زراعت کے نہیں اور پانی بھی کھاری ہے اور زمین کے نیچے بہت دور ہے کہ بسبب سنگلاخی کے کنواں کھودنا اسمیں نہایت دشوار ہے تو قحط دانے اور پانی کا سدا یہاں کے رہنے والوں کے واسطے موجود ہے اور اس وضع سے واقع ہوا ہے کہ آفتاب گرمی کے موسم پر کہ دو مہینے جوزا اور سرطان

کے ہیں متصل سمت الراس اُن کے ہوتا ہے یعنی اُن کے سر کے نزدیک دائیں بائیں رہتا ہے اور سبب گرمی کی شدّت کا ہوتا ہے اور آفتاب کی طپش کے سبب سے رات کو بھی پہاڑوں میں گرمی کی شدّت ہوتی ہے اور سموم یعنی گرم ہَوا ہلاکت کی چلتی ہے اِن سب بے برگی اور بینوائی کی جہتوں سے عیّاشوں اور خوش طبعوں کے رہنے کے قابل نہیں ہوسکتا اور اسی واسطے قدیم الایّام سے بڑے بڑے بادشاہوں نے ارادہ اس ملک کا نہیں کیا اور اس کو اپنے قلمرو سے خارج رکھا ہے اور جو شخص کہ قصد اس مکان کا کرتا ہے تو فقط زیارت کی نیّت سے کرتا ہے کیونکہ عیش و خوش گزرانی سے کوئی چیز یہاں نہیں ہے اور اس مقام معظم کی بھی زیارت کے سفر میں جو جو مشقتیں اور رنج کہ بحر و بر میں کھینچتے ہیں ظاہر اور موجود ہیں اور یہ سب چیزیں جو مذکور ہوئیں مشقت اور رنج دنیاوی کے سبب سے اس مکان عالیشان میں قبل پیدا ہونے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارک کے موجود تھیں اور جب وہ جناب پاک مبعوث ہوئے تو ایک اور گل کھلا اور ایک دینی مشقت نہایت بڑی نمودار ہوئی کہ ایک گروہ اس شہر والوں میں سے اس جناب کے ساتھ گرویدہ ہوئے اور اپنے باپ دادوں کے باطل مذہبوں کو چھوڑ دیا اور عبادت سے بتوں کی بالکل دست بردار ہوئے تو ہر گھر میں مخالفت اور پھوٹ اور جھگڑا اور لڑائی پیدا ہوئی اور کافروں نے قتل و ایذا پر اس جماعت کے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی دشمنی پر کمر باندھی اور اوقات اس شہر کے رہنے والوں کے بسبب اس مہلک واقعے کے نہایت رنج و مشقت سے گذرنے لگے اور رات دن دونوں طرف والے مار دھاڑ لڑائی بکھیڑے میں مشغول ہوئے تو اب اشارہ اس نئے رنج و مشقت کی طرف اس عبارت میں فرماتے ہیں وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۙ اور قسم کھانا میرا اس شہر کی اس وقت ہے کہ تو اس شہر میں آیا ہے یعنی وجود میں آیا کیونکہ تیری روح نازل ہونے کے سبب سے اس شہر کی بھی شرف و بزرگی زیادہ ہوئی کہ شرف المکان بالمکین اور اسباب بھی دینی رنج و مشقت کے بڑھ گئے اور اس شہر کے لوگ اکثر کبائر میں یعنی بڑے گناہ میں کہ قتل و ایذا بہترین خلق اللہ کی تھی گرفتار ہوئے اور حرمت کو حرم کی اور اُس کے ملاحظے کے واسطے موذی جانوروں کو

نہ مارتے تھے اور کیٹلے درختوں کو نہ کاٹتے تھے یک قلم صاف جواب دیکر مخالف اس عقیدت کے ہوگئے اُس وقت جو جو ظلم کہ یہاں کے رہنے والوں سے واقع ہوتے تھے آدمؑ کے وقت سے اس دم تک کسی سے نہ ہوئے ہوں گے پس زیادہ کرنے سے اس قید کے یعنی وانت حل بھذ البلد اس قسم کو بستگی مطلب کے ساتھ ہوگئی اور جو اس قسم میں اور مناسبت میں اس کے ساتھ مطلب کے ایک طرح کی پوشیدگی تھی کہ سوائے اذکیا کے اس کو کوئی دریافت نہیں کرسکتا تھا تو ایک دوسری قسم جو عام فہم ہے مذکور فرمائی وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ اور قسم ہے جلنے والی کی اور جنے گئے کی کہ دونوں کمال مشقت اور رنج میں گرفتار ہیں کیونکہ جننے والی کو اوّل تو بوجھ اُٹھانا حمل کا اور بدمزہ رہنا طبیعت کا اور جننے کا درد اُٹھانا چاہیئے اور بعد اس کے بچے کے پالنے میں سختیاں اور رنج کھینچنا چاہیئے اور جس کو جنتی ہے اس کو یہ مصیبتیں ہیں کہ اوّل اس کو اندھیری میں بچہ دان کی کمال عجز و ناتوانی سے گزران کرنا چاہیئے اور بعد اُس کے اِس محنت سرائے فانی میں یعنی دنیا میں طرح طرح کے دردوں اور رنجوں جسمانی اور روحانی میں مبتلا ہونا چاہیے اس واسطے کہا ہے کہ بچے کے رونے میں پیدا ہونے کے ساتھ اشارہ اسی بات کی طرف ہے کہ اس جہان میں زندگانی رو دھو کے کاٹے گا اور کیا اچھا کہا ہے کسی شاعر نے **قطعہ** لما تؤذن الدنیا من صروفہا ؛ یکون بکاء الطفل ساعۃ یولد ؛ والا فما یبکیہ منہا فانہا ؛ لاوسع مما کان فیہ وارغد ؛ یعنی اس سبب سے کہ خبر دیتی ہے دنیا تغیر حال اپنے سے ہوتا ہے رونا لڑکے کا وقت پیدا ہونے کے اور اگر ایسا نہ ہوتا تو نہ روتا لڑکا جننے کے وقت اور البتہ وہ فراغت میں آتا ہے اُس چیز سے کہ تھا اس میں اور کشادگی میں آور بعضے مفسروں نے کہا ہے کہ مراد والد سے حضرت آدم علیہ السلام ہیں کہ کسطرح سے بہشت سے نکالے گئے اور دیکھی بھالی کھائی پی نعمتوں کو اُن سے چھین لیا اور مراد ماولد سے اُن کی ذرّیات یعنی اُن کی اولاد ہیں کہ تمام عمر میں اپنے سوا اس دار المحنت کے کچھ نہیں دیکھا اور وصف اپنے وطن اصلی کے کمال حسرت و افسوس سے سنے اور ان دونوں جنس سے قسم ثابت ہوئی کہ آدمی کی اصل ترابی بھی مشقت اور رنج ہے اور اصل آبی بھی

مورد مشقت اور رنج کی ہے اب اس دلیل پر مدلول کو متفرع کر کے فرماتے ہیں لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ ﴿۴﴾ مقرر پیدا کیا ہم نے انسان کو مشقت اور رنج میں کیونکہ اصل آدمی کی عالم خاک میں مکّہ کی زمین ہے اور اصل اس کی عالم آب میں نطفہ آدم علیہ السلام کا ہے اور دونوں مشقت اور رنج میں گرفتار ہیں اور کبد کو یہاں پر بے کے زبر سے پڑھنا چاہیئے کہ مشقت کے معنوں میں ہے اور کبد بے کے زیر سے کہ جگر کے معنوں میں ہے وہ بھی اسی سے مشتق ہے کیونکہ آدمی کے بدن میں باورچی گری اُسی کا ذمّہ ہے غذا کو اپنے اندر لانے میں اور اس کے پکانے میں اور اس کے تقسیم کرنے میں بڑی بڑی مشقتیں اُٹھاتا ہے اور دوسرے اعضا القمۂ بے دود پر قابض و متصرف ہوتے ہیں اور اگر مشقت و رنج آدمی کے تفصیل کے ساتھ بیان کیے جاویں تو ایک بڑا دفتر چاہیئے لیکن مجمل اِس قدر سمجھنا چاہیے کہ آدمی کی خلقت چار ضدوں سے ہے حرارت اور برودت اور رطوبت اور یبوست اور یہ چاروں اس کے مزاج میں اپنا اپنا غلبہ چاہتی ہیں اور اس کے اعتدال خراب کرنیکے پیچھے پڑی ہیں مصرع پیوستہ در کشاکش ایں چار اژدہاست ؎ پھر کتنے دنوں قید خانے میں بچہ دان کے قید رہتا ہے پھر کتنے دنوں کمال عجز و ناتوانی سے جھولے میں مُردے کی طرح پڑا رہتا ہے نہ تو زبان ہے کہ اپنے دل کا حال بیان کرے اور نہ ہاتھ پانوں ایسے ہیں کہ اپنی خواہش کو اُس سے پورا کرے پھر دانت نکلنے کے درد میں اور دودھ چھڑانے کی ایذا میں مبتلا ہوتا ہے پھر مکتب میں اُستاد کی مار دھاڑ کا رنج اُٹھاتا ہے اور جب عقل کے پنجے میں گرفتار ہوا اور کشاکش میں کن مکن کی پڑا تو طرح طرح کے رنج و ملال میں گھر گیا طبیعت اُس کو کبھی قوت شہوانی کے زور سے چارپایہ کے مانند ذلیل بنادیتی ہے اور گرفتار حرص کا کر دیتی ہے اور روپیسے کے واسطے اُس کے سر پر بھاری بوجھ دھراتی ہے اور تمام دن اُس کو ایک ذلیل مزدوری کے واسطے آگ اور دھوئیں میں مقیّد رکھتی ہے اور چند پیسوں کی محبت کیواسطے دوکان کا قیدی رکھتی ہے اور آرزو میں مٹھی بھر دانوں کے اُس کو بیل کے پیچھے دوڑاتی ہے اور کبھی اُس کو قوت غلبیّہ کے غلبے سے درندے چارپایوں میں ملادیتی ہے اور بدگوئی خلق کی اور پھٹکار عالم کی اُس کے نصیب ہوتی ہے اور مانند بھیڑیے اور

چیتے کے پنجا کھولتا ہے اور مخلوق کو ایذا دیتا ہے اور ان سب سے طرفہ ایک اور دشواری ہے کہ مقید طبیعت کا بھی ہے اور مامور شرع کا بھی شرع مخالف طبیعت کے راہ بتاتی ہے اور طبع موافقت نفس کی کرتی ہے اور عبادت سے روکتی ہے اور یہ عبادت کا مامور ہے بے عبادت کیے اس کی نجات نہیں ہے اور باوجود گناہ کے اسباب موجود ہونے کے گناہ سے مہجور ہے کوئی رنج عالم میں زیادہ تر جمع ہونے سے ضدوں کے اور راضی کرنے سے مخالفوں ہمزاد کے نہیں ہے اور یہ تمام مشقتیں اور رنج ہر شخص کی ذات سے تعلق رکھتے ہیں لیکن جو مشقتیں کہ غیر کے حق سے تعلق رکھتی ہیں پس ان سب سے زیادہ تر سخت ہیں اور رعیت ہمیشہ اطاعت میں بادشاہ کی گرفتار ہے اور بادشاہ رعایت کرنے میں عدل واحسان کے رعیّت پر ناچار اور اولاد رنج میں ماں باپ کی خدمت کے اور ماں باپ رنج میں بیٹا بیٹی کی محبّت کے اسی طرح سے خاوند کا حال ہے جورو سے اور جورو کا حال ہے خاوند سے اور میاں کا غلام سے اور غلام کا میاں سے اور پڑوسی کا پڑوسی سے پس کوئی شخص اس طرح کی مشقت سے بھی خالی نہیں اور ان سب دنیا کی مشقتوں کے سوا جان کندنی کی مشقت اور مال کی مفارقت کا اور اولاد کے فوت ہونے کا رنج اور قبر کی تنگی کا اور لحد کے اندھیرے کا اور اُس مقام میں تنہا پڑے رہنے کا اور منکر نکیر کے سوال کا اور ہول قیامت کا اور اُٹھنے کے دن کا اور ہیبت صور پھونکنے کی اور اوّلین وآخرین کے سامنے فضیحت ہونے کا خوف اور شرمندہ ہونے کا حساب کے وقت اور اعمال کے وزن کے وقت کا اور کھڑا ہونا روبرو حضرت رب العزّت کے اور اگر معاذاللہ ساتھ ان مشقتوں کے دوزخ کی مصیبت نصیب ہوئی تو ذلّت اور ہمیشہ کا ٹوٹا اُس کے نصیب ہوا اور مشقت اور رنج اُس کا حد سے گذر گیا اور جو کوئی ابتدائے عمر سے انتہا تک اس قسم کی مشقتوں اور تکلیفوں میں گرفتار ہوا اُس کو فخر کرنا اپنے زور بازو پر اور بہت مال خرچ کرنے پر نہایت بیجا اور نازیبا ہے چنانچہ فرماتے ہیں اَيَحْسَبُ اَنْ لَّنْ يَّقْدِرَ عَلَيْهِ اَحَدٌ ۘ کیا گمان کرتا ہے آدمی ساتھ اُن مشقتوں اور رنجوں کے کہ قدرت نہ پاویگا اُس پر کوئی تاکہ جزا اُس کی دے اور بھلے بُرے کاموں سے پوچھے حالانکہ دم بدم مقہور قہر الٰہی کا اور فرمانبردار اُس کی قدرت

نا متناہی کا ہے بلکہ اُسکی ضعیف سے ضعیف مخلوق سے جو مکھی اور مچھر ہے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا
اور جو اکثر فخر اس کا زیادہ مال خرچ کرنے پر تھا اور اس دعوی میں کہ مجھ پر کوئی قدرت
نہ پا سکیگا اکثر اعتماد اُس کا اپنی عزت اور جاہ پر تھا کہ بہت سا مال خرچ کر کے اس عزت و جاہ
کو حاصل کیا تھا کیونکہ جو شخص کہ بہت مال خرچ کرتا ہے سب کے دلوں میں عزیز اور سب کی
نظروں میں بڑا مرتبے میں معلوم ہوتا ہے اور کوئی شخص اُسکی خفگی اور برا بھلا کہنے پر بسبب
حیا کے یا طمع کی جہت سے کہ اُس سے رکھتا ہے اُس کا سامنا کرنے پر پیش قدمی نہیں کرتا
ہے سو اب دفع کرنے میں اُسکے اُس غرور کے فرماتے ہیں يَقُولُ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا ؕ
یعنی فخر کے مقام میں اور ثابت کرنے میں اس بات کے کہ مجھ پر کوئی قدرت نہ پا دیگا کہتا
ہے کہ کھپا دیا میں نے ڈھیروں مال اور اکثر بڑے بڑے عمدہ کاموں میں بہت سا مال خرچ
کیا ہے اس سبب سے بڑائی اور عزت میری لوگوں کے دلوں میں قائم ہو گئی ہے کوئی
شخص پیش قدمی میرے مقابلے پر نہیں کر سکتا اَيَحْسَبُ اَنْ لَّمْ يَرَهٗۤ اَحَدٌ ؕ کیا گمان
کرتا ہے کہ نہیں دیکھا ہے اُس کو کسی نے اُسوقت کہ ماں کے پیٹ سے ننگا بھوکا پیدا ہوا تھا
اور کچھ اپنے پاس نہ رکھتا تھا پھر جو مال کمانا شروع کیا تو کس وجہ سے حلال سے یا حرام سے
پھر جو مال کو خرچ کیا تو کس مصرف میں جا یا بیجا اور کس نیت سے خدا کیواسطے یا فخر و ریا کیواسطے
پس اُسکو خرچ کرنے پر اُس مال کے کہ اُسکے ہاتھ میں عاریت محض ہے اور اکثر حرام کی وجہ
سے حاصل کیا ہے اور حرام جگہ پر صرف ہوا ہے بُری نیت سے پس ایسی چیز پر فخر
اور بڑائی سزاوار نہ تھی اور اگر یہ فخر اور بڑائی اُس شخص کے روبرو
کرتا کہ ابتدا سے اُس کے حلم سے اور اُسکی کمائی سے اور اُسکی نیت باطنی سے آگاہ نہ ہوتا تو
گنجایش تھی یہ تو اُسکی کمال بیحیائی ہے کہ مقابلے میں رب الارباب کے اور عالم السر والخفیات
کے جو جاننے والا حال و استقبال کا ہے زبان ساتھ فخر کے کھولی ہے اور اگر وہ کفر اور جہل کے
راہ سے انکار حق تعالے کے دیکھنے کا کرتا ہے تو حق تعالیٰ اُس کے جواب میں یوں فرماتا ہے
اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ۙ کیا نہیں بنا دیں ہمنے اُسکو دو آنکھیں تا کہ چیزوں کو دیکھے اور جو کہ
غیروں کو بینائی بخشتا ہے اور اسباب بینائی کے درست کر دیتا ہے تو آپ کس طرح سے

بینائی میں قصور رکھتا ہوگا اور اگر اللہ تعالےٰ کے دیکھنے کو مسلم رکھتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ جو میرے دل میں نیتیں ہیں ان کو تو کوئی نہیں جان سکے گا سو اس کے جواب میں فرماتے ہیں وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ؕ کیا نہیں بنا دیے ہمنے اُسکے واسطے ایک زبان اور دو ہونٹھ اور جس نے کہ قدرت دل کے بھید ظاہر کرنیکی دوسروں کو بخشی ہے وہ کیونکر دوسرے کے دل کے بھیدوں پر مطلع نہ ہوگا اور فائدہ زبان کا آدمی کے اندر ظاہر ہے کہ سبب ہے بات کرنے کا اور دل کی چھپی باتیں ظاہر کرنے کا بھی وہی سبب ہے اور دونوں ہونٹوں کے فائدے میں کئی چیزیں ہیں اول تو چوسنا دودھ کا اور اسی طرح میووں کا چوسنا جیسے انبہ وغیرہ دوسرے چھپانا مُنھ کا کہ خاک دھول مکھی وچھر بھنگا اُسمیں نہ جائے تیسرے دانتوں کا چھپانا کہ کھلا رہنا دانتوں کا نہایت بدزیب معلوم ہوتا ہے چوتھے مددگاری کرنا بات میں کیونکہ شفتی حرف جیسے بے اور واو کہ بغیر ہونٹوں کے نہیں نکلتے اور دوسرے حرفوں میں بھی انکی مدد ضرور ہے پانچویں یہ کہ کھانا کھانے میں اور پانی پینے میں اور چابنے میں اور حلق سے اُتارنے میں اور گٹھلی چھلکے پھینکنے میں مُنھ سے مدد اُنکی ضرور ہے چھٹا پھونکنا بانسری کا اور دوسرے پھونکنے کی چیزوں میں منفعت اُنکی ظاہر ہے اور دقیقہ شناس عالموں نے کہا ہے کہ حق تعالیٰ نے آدمی کو دو آنکھیں اور ایک زبان دی ہے تا اشارہ ہو اس بات کیطرف کہ بولنا اُسکا دیکھنے سے کم چاہیے کیونکہ دیکھنا اُس کا شامل ہے خیر و شر کو اور بولنا سوائے بھلائی کے اچھا نہیں اسیواسطے ایک زبان پر دو نگہبان مقرر فرمائے ہیں کہ دونوں ہونٹ ہیں تاکہ معلوم کرے کہ زبان کو اپنی لگام رکھنا چاہیئے چنانچہ حق تعالےٰ دوسری جگہ فرماتا ہے مَا يَلْفِظُ مِن قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ نہیں بولتا آدمی کوئی بات مگر یہ کہ اُس کے نزدیک مقرر ہیں نگہبان تیار اسی کام کے واسطے اور حدیث صحیح میں ہے کہ جو شخص خدا پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے پس چاہیئے کہ نیک چیز کہے یا خاموشی اختیار کرے اور ترمذی میں عقبہ بن عامرؓ سے روایت کی ہے کہ میں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ نجات کس چیز میں ہے فرمایا کہ اپنی زبان کو بند کر اور گھر میں بیٹھ رہ اور اپنے گناہوں پر رو اور سلف کے لوگ کہہ گئے ہیں کہ آدمی کی زبان ایک مہلک اژدہا ہے کہ سوراخ اُس کا دہن ہے اور کیا خوب کہا ہے اِحْفَظْ لِسَانَكَ اَيُّهَا الْاِنْسَانُ ۔ لَا يَلْدِغَنَّكَ ۔

اتنا ثغبانؒ یعنی نگاہ رکھ زبان کو اپنی اے آدمی نہ کاٹ کھائے تجھ کو وہ کہ وہ ایک اژدہا ہے
اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ جب آدمی چاہے کہ بات کرے تو اوّل چاہیئے
کہ فکر کرے اور اپنے دل سے مشورت لے پھر اگر جانے کہ میری بات کرنے میں سراسر مصلحت
ہے اور اُس میں کسی طرح دین و دنیا کی مضرت نہیں تو البتہ بات کرے اور اگر مضرت کا بھی
شک ہو تو ہرگز اُسکو بات کرنا روا نہیں ہے پھر اُس بات کا کہاں ٹھکانا جسمیں مصلحت نہ ہو اور
مضرت ظنی یا یقینی ہو اور یہ بھی حدیث شریف میں ہے کہ جب آدمی صبح کو اُٹھتا ہے تو تمام اعضا
اور جوارح اس کے زبان کے آگے عاجزی اور زاری کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے ظالم
انصاف کر کہ ہم سب تیری اچھائی اور بُرائی کے ساتھ متعلق ہیں اگر تو سیدھی راہ پر رہیگی تو ہم
بھی نجات پائیں گے اور نہیں تو تیرے کیے پر ہم بھی گرفتار ہوں گے اور اس آیت میں تخصیص
اُن تینوں نعمتوں کی بیان کی آنکھ اور زبان اور ہونٹ ہیں ایک وجہ دوسری بھی ہے وہ یہ
ہے کہ جب آدمی اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے تو بھوکا ہوتا ہے اور پہلی چیز کہ اپنی قوت
کے واسطے دُنیا سے حاصل کرتا ہے وہ دودھ ہے کہ پستان سے پیتا ہے اور دودھ پینے میں یہ
تینوں عضو ضرور ہیں تاکہ دودھ پلانے والی کو دیکھے اور پستان کو ہونٹوں سے چوسے اور دودھ
کو زبان کی مدد سے مزہ چکھ کے حلق سے اُتارے پس جو شخص کہ پہلی کمائی پر اپنے قادر نہ ہو کہ بقا
اُسکی زندگی کی اُس پر موقوف ہے تو دوسرے مکسوبات پر اپنی خودی سے کس قسم سے اُسکو اترانا
روا ہوگا اور اگر مقابلے میں وہی کافر کہے کہ ہر چند خدائے تعالے سب چیزوں کو ظاہر و باطن سے دیکھتا
ہے اور جانتا ہے لیکن میں نے جس جائے پر کہ مال خرچ کیا ہے اور جس نیت سے کیا ہے معذور
تھا کیونکہ مجھ کو وہی محل اور وہی نیت بہتر و خوب معلوم ہوئی تھی دوسرے محل اور دوسری نیت
کو میں جانتا ہی نہ تھا کہ اُس محل اور اُس نیت سے مال خرچ کروں اس کے جواب میں فرماتے
ہیں وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ ۝ اور بتا دیں اور دکھا دیں اُسکو ہمنے دونوں راہیں خیر اور شر کی
پس دعوی میں بے علمی اور بے سمجھی کے جھوٹا ہے کیونکہ اوّل اُس کو ہمنے عقل دی پھر انبیا اور
عالموں اور واعظوں کے واسطے سے اُس کے کان میں علامتیں نیک راہ کی اور بد راہ کی پہونچا دیں
اور دونوں راہوں کو جُدا جُدا اُسکی نظروں میں دکھا دیا اُس نے بُری راہ کو اختیار کیا اور سیدھے

راستے کو چھوڑ دیا اور ہرگز اپنے مال کو نیک جگہ پر خرچ نہ کیا چنانچہ فرماتے ہیں فَلَا اقْتَحَمَ
الْعَقَبَةَ ۖ پس اُس کافر سے نہ ہو سکا کہ گھستا سخت گھاٹی پر اور سختی اور دشواری بھی ایک
عمدہ علامتوں سے ہے نیک راہ کی کیونکہ بُری راہ نفس کی موافقت اور اُسکی خواہش کے سبب سے
آسان اور سُبک معلوم ہوتی ہے اور خرچ کرنا مال کا خواہشوں میں اور لذتوں میں آسان ہو جاتا
ہے مال خرچ کرنا تو وہاں مشکل ہوتا ہے کہ کچھ لذت اور توقع منفعت کی اُسمیں نہ ہو اور محض ابتغار
لمرضاۃ اللہ واقع ہو یعنی واسطے طلب کرنے رضامندی اللہ تعالیٰ کے ہو چنانچہ فرماتے ہیں وَمَا
اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ۖ اور کیا بوجھا تو اے آدمی کہ کیا ہے وہ سخت گھاٹی کہ خرچ کرنا مال
کا اُسمیں طبیعت اور نفس پر شاق اور بھاری معلوم ہوتا ہے فَكُّ رَقَبَةٍ ۖ وہ گھاٹی سخت
اور دشوار خلاص کرنا گردن کا ہے اور یہ کئی قسم سے ہوتا ہے اول آزاد کرنا غلام یا لونڈی کا
اپنے مالک کی قید سے دوسری قسم خلاص کرنا جان کا ہے قصاص اور خون سے کہ اس کے
عوض میں خون بہا دے کر اُسکی جان بخشی کرے تیسری قرضدار کا چھڑا دینا کہ اُسکو اُس کے
قرضخواہوں نے اپنے قرض کی بابت پکڑ کر قید کیا ہو اُس کا قرض ادا کرکے قرضخواہوں سے
چھڑا دے چوتھی قیدی کا خلاص کرنا ہے کہ کوئی کافر یا ظالم اُس کو زور سے پکڑ لے گیا ہو
اور بغیر مال دینے کے نہیں چھوڑتا اور حدیث صحیح میں وارد ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کی کہ یا رسول اللہ مجھ کو ایک کام بتاؤ کہ اُسکے سبب
سے بہشت میں داخل ہوں فرمایا آزاد کر بردہ اور خلاص کر گردن اُس نے عرض کی کہ
یا رسول اللہ کیا یہ دونوں ایک چیز نہیں ہیں فرمایا نہیں آزاد کرنا بردے کا یہ ہے کہ فقط اُسکو
قید سے اپنی غلامی کے آزاد کردے اور خلاص کرنا گردن کا یہ ہے کہ مدد کرے تو اس کے
تاوان سے چھڑانے میں یا خون سے اور حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے تقدیم سے فَكُّ
رَقَبَةٍ کے اِطْعَامٌ مِسْكِيْنٍ پر کہ اس آیت میں واقع ہوا ہے استدلال کیا ہے اس بات
پر کہ یہ خرچ صدقے سے بہتر ہے اور دوسرے علما اس کے برعکس پر قائل ہوئے ہیں اور کہتے
ہیں کہ صدقے میں جان کا بچانا ہے ہلاکت سے کیونکہ قوام بدن کا غذا سے ہے اور آزاد کرنا بردے
کا خلاص کرنا قید سے ہے اور قید اس قدر موذی نہیں ہے کہ اُس سے خوف ہلاک ہونیکا ہو

اَوْ اِطْعَامٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ۙ یا کھانا کھلانا ہے بھوک اور احتیاج کے دن میں جیسے
قحط کہ اُس میں کھانا کھلانا ہیرے موتیوں سے عزیز ہو جاتا ہے يَتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۙ یتیم ناتے
والے کو جیسے بھتیجا یا چچا کا بیٹا اور خالہ کا بیٹا اور سوائے اُس کے اور یہ قید اسواسطے لائے
ہیں کہ کھانا کھلانا ہر وقت میں عبادت ہے کیونکہ کھانے والا بغیر بھوک کے کھا نہیں سکتا
پس ہر شخص کیا غنی اور کیا فقیر کھانیکے وقت محتاج طعام کا ہوتا ہے اور کھانا کھانے سے اُسکی
روح تازہ ہو جاتی ہے اسیواسطے جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ سب سے بہتر
کام اسلام کا کونسا ہے فرمایا کھانا کھلانا اور جو ملے اُن سے سلام علیک کرنا اور نماز پڑھنا
رات کو جب لوگ سوتے ہوں اور جو کھانا کھلانا قحط اور غلّے کی تنگی کے وقت واقع ہو تو اُسکا
اجر کتنے درجے بڑھ جاتا ہے کیونکہ دوسرے وقتوں میں اگر کوئی شخص ابتدائے بھوک میں
اذیت اُٹھاویگا لیکن بعد ایک دو ساعت کے کہیں نہ کہیں روٹی کے سر جالگے گا اور خوف
جان جانے کا نہ ہو گا بخلاف قحط اور غلّے کی نایابی کے دنوں میں کہ خوف ہلاکت کا ہے اور
ان وقتوں میں بھی جو لوگ کہ محنت اور تلاش معاش پر قادر ہیں یا والی وارث رکھتے ہیں
اُن کو ایک دو روز کے بعد کھانے کو مل رہتا ہے اور ذمہ دار اُن کی معاش کے تھوڑی
بہت اُنکی خبر گیری کرتے رہتے ہیں اور یتیم کہ ان علاقوں میں سے ایک بھی نہیں رکھتا ہے اور
خوف اُس کی ہلاکت کا یقین کے درجے کو اور احتیاج اُسکی نہایت کو پہونچتی ہے علیٰ ہذا القیاس
ایسا یتیم کہ قرابت کا علاقہ بھی اُس سے رکھتا ہو کہ اُس کے کھلانے میں صدقہ بھی ہے اور
صلہ رحم بھی کہ یہ جُدی ایک عبادت ہے اور یہ بھی ہے کہ کھلانے میں یتیم کے علی الخصوص
کہ ناتے والا بھی ہو کوئی نفع حال یا آئندہ کا متوقع نہیں ہے سوائے آخرت کے ثواب کے
کیونکہ بہ سبب بچپن کے کوئی کام اُس کے ہاتھ سے ہو نہیں سکتا اور تعریف اور بُرائی کا
اُس کی کوئی اعتبار نہیں کرتا اور اگر اُس کے کھانا کھلانے کے وقت کوئی دیکھے بھی تو دلمیں
بھی سمجھے کہ رشتہ داری کے سبب سے اُس کو کھلاتا ہے پس دروازہ ریا اور بُرائی کا بالکل بند
ہو جاویگا اور خلوص نیت کا کما حقہ ثابت ہو گا اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۙ یا کھانا کھلانا
اُس مسکین کا ہو جو خاک میں رلا ملا ہے اور یہ قید اسواسطے بڑھائی ہے کہ مسکین کبھی اُس

محتاج کو بھی کہتے ہیں کہ خرچ اُس کا اس کے دخل سے زیادہ ہو چنانچہ سورۂ کہف میں
واقع ہے وَاَمَّا السَّفِیْنَۃُ فَکَانَتْ لِمَسَاکِیْنَ یَعْمَلُوْنَ فِی الْبَحْرِ لیکن وہ مسکین خاکساری اور
اُفتادگی کے مرتبے کو نہیں پہونچا کہ اُسکی جان جانے کا خوف دمبدم لگا ہو اور جب نوبت فقر
کی اس مرتبے کو پہونچتی ہے تو اُسوقت میں وہ بھی محل کسی طرح کی نفع کے توقع کا حال اور
استقبال میں نہیں رہتا اور صرف کرنا مال کا محض اللہ تعالےٰ کی رضامندی کیواسطے ثابت
ہوتا ہے اور خرچ کرنا مال کا ان تینوں وجہوں میں کہ مذکور ہوئی ہیں کبھی کبھی کافروں اور
بداعتقادوں کے ہاتھ سے بھی جنسیت کے اور رحم کے حیلے کے سبب سے واقع ہوتا ہے اور
آخرت کے حساب میں رائگاں اور برباد ہے تو ناچار احتراز کے واسطے اس قسم کے مال
خرچ کرنے پر تھوڑا سا اور بھی بڑھا کر فرماتے ہیں ثُمَّ کَانَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا پھر ان باتوں
کے ساتھ اُن لوگوں کے گروہ میں سے ہو کہ ایمان لائے ہیں اور تصدیق دین اور شریعت کی اور
اپنے وقت کے پیغمبر کی کی ہے تا کہ یہ عمل خیر اُس شخص کا آخرت میں شامت سے کفر کی اور تکذیب
سے پیغمبر کی بیفائدہ اور برباد نہ جاوے اور ثم کا لفظ ہر چند کہ ان اعمالوں سے تراخی اور تاخیر
پر ایمان کی دلالت کرتا ہے حالانکہ ایمان تمام طاعتوں اور عبادتوں کے قبول ہونے کی شرط
مقدم ہے مشروط پر لیکن مراد تاخیر اور تراخی بیان میں ہے نہ واقع ہونے میں چنانچہ کہتے ہیں
نماز اُسوقت میں مقبول ہوتی ہے کہ ابتدائے تکبیر سے اسلام تک اُس کے ارکان ترتیب سے
ادا کرے پھر وضو بھی کیا ہو حالانکہ وضو نماز کی شرط ہے پہلے نماز سے کیا چاہئے لیکن بیان میں
مرتبہ شرط کا پیچھے ہے مشروط کے مرتبے سے سو اُس تاخیر کی آگاہی کے واسطے ثم کے لفظ کو
استعمال فرمایا ہے اور اگر اوّل سے ایمان کو مذکور فرماتے تو یوں گمان ہوتا کہ ایمان بھی عقبۂ
مالی کے ارکان میں داخل ہے اور واقع میں اس طور سے نہیں ہے اور بعضے علمانے کہا ہے
کہ تاخیر وقوع میں مراد ہے کیونکہ کافروں کے عمل توقف میں رہتے ہیں اگر آخر عمر میں ایمان
لائے تو وہ سب اگلے اعمال برکت سے ایمان لاحق کے مقبول ہو جاتے ہیں اور اُن پر ثواب
پاتے ہیں چنانچہ حدیث صحیح میں ہے حکیم بن حزام نے جو بھتیجا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا
تھا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے بعد اسلام کے سوال کیا کہ یا رسول اللہؐ میں نے کفر کی

حالت میں بہت نیک کام کیے ہیں فرمایا کہ تیرے اسلام نے اُن سب کاموں کو نیک کر دیا اور مقبول ہو گئے پس معنی اس تقدیر پر اس طور سے ہیں کہ اول جس شخص نے خرچ وجوہ مذکورہ میں کیا اور بعد اس کے توفیق ایمان کی بھی پائی تو سخت اور کٹھن گھاٹی سے گذر گیا اور عربیت کے علمار کو ترکیب میں اس آیت کی ایک اشکال مشہور ہے اُس کا حاصل یہ ہے کہ عرب کے کلام میں نفی فعل ماضی کی لا کے ساتھ نہیں آتی ہے مگر دعا میں چنانچہ لَا بَارَكَ اللّٰهُ فِی سُهَيْلٍ یا تکرار کے ساتھ چنانچہ فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ہ میں ہے اور اس آیت میں یعنی فَلَا اقْتَحَمَ میں نفی فعل ماضی کی لا کے ساتھ ہے دونوں نوع سے خارج ہے جواب اس کا یہ ہے کہ جو عقبہ کئی چیزوں کے ساتھ بیان فرمایا تو باعتبار معنوں کے ماضی مکرر پیدا ہو گیا اور کلام میں زیادہ اعتبار معنی کا کرتے ہیں نہ لفظ کا اور اس کے ساتھ بھی قرآن خود حجت کافی ہے گواہ لانے کی حاجت نہیں ہے اور جو بیان میں عقبہ کے اس حد کو پہونچے تو مرتبہ کمال کا خرچ کرنے میں مال کے تمام ہوا اب مرتبہ تکمیل کا اس باب میں ارشاد ہوتا ہے کیونکہ کمال بغیر تکمیل کے چنداں اعتبار کے قابل نہیں ہوتا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ اور آپس میں وصیت کرتے ہیں صبر کی کہ مجموعہ نیک خلقوں کا ہے اور کتاب اللہ میں تینتیس اور کئی آیتوں میں اس پر تاکید واقع ہے اور حق تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو بھی اس کا حکم فرمایا ہے کہ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ اور اسی جائے سے صبر کی بزرگی کو سمجھ لیا چاہیے کہ قرآن میں اس کا ذکر نماز پر بھی مقدم رکھا ہے جس جائے پر کہ فرمایا ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ط اور اپنی رفاقت کو بھی صبر والوں کے ساتھ مخصوص کیا ہے اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ اور کسی جائے پر اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُصَلِّیْنَ اور مَعَ الصّٰٓئِمِیْنَ اور مَعَ الْمُتَصَدِّقِیْنَ نہیں فرمایا ہے اور یہ بھی ہے کہ ہر عمل کے واسطے ایک اجر مقرر فرمایا ہے اور صبر کے واسطے بیحساب اجر کا وعدہ دیا ہے قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ ہ اور دین کی پیشوائی کو ساتھ صبر کے متعلق رکھا ہے وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا اور بنی اسرائیل کو صبر کی برکت سے عزت دین اور دنیا کی بخشی کہ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ بِمَا صَبَرُوْا فرمایا اب حقیقت

کو صبر کی سمجھ لینا چاہیئے تاکہ معلوم ہو جاوے کہ صبر کی وصیت کرنا گویا سب وجہ کے کمالوں کی
وصیت کرنا ہے اور حقیقت صبر کی یہ ہے کہ آدمی اپنے دین پر طمع اور نفس کی کشاکش کے
وقت ثابت رہے اور بے پروائی کرے اور یہ استقبال اور اثبات کبھی تو جسم سے ہوتا ہے
اور وہ دو قسم ہے ایک تو عبادات شاقہ سے تکاسل اور سستی نہ کرنا اور دل نہ چرانا اور تکلیف
اور ایذا کے آجانے سے ہراساں نہ ہونا اور وضع دینی کو اپنے نہ چھوڑنا اور کبھی ساتھ نفس کے
ہوتا ہے پس اگر دونوں شہوتوں سے کہ شہوت بطن کی اور شہوت فرج کی ہے نفس اُس کا
نہ بھٹکا اور خلاف دین کے کوئی حرکت اور خواہش اُس سے سرزد نہ ہوئی تو اُس کو عفت کہتے
ہیں اور مخالف اس کے مجابت[ل] اور مجوز ہے اور اگر پرہیز کرنے میں مکروہات سے اور طبیعت
اور نفس کی ناخوشیوں پر تحمل اور استقلال کرے تو اُس کو صبر مطلق کہتے ہیں اور ضد اُس کی
اضطرار اور بیباکی ہے اور اگر مالداری اور دولتمندی کی حالت میں اپنے نفس کو حکم شرع کی
ضبط میں رکھے اور تکبر اور خود پسندی کو دخل نہ دے اور بڑائی اور فخر نہ کرے تو اُس کو حوصلے
کی وسعت کہتے ہیں اور اُس کی ضد تنگی حوصلہ کی ہے اور اگر لڑائی میں بھاگنے سے اور سستی
کرنے سے اپنے کو بچاوے تو اُس کو شجاعت کہتے ہیں اور ضد اُس کی جُبن ہے یعنی نامردی
اور اگر غصہ پی جانے کے وقت استقلال کرے تو اُس کو حلم کہتے ہیں اور ضد اُس کی طیش ہے
اور اگر سرانجام میں مہموں کے تنگدل نہ ہووے تو اُس کو کشادگی سینے اور حوصلے کی کہتے ہیں
اور ضد اُس کی تنگدلی ہے اور اگر رازداری میں اور چھپانے میں بھیدوں کے جو بیجا نہ ہووے
تو اُس کو کتمان کہتے ہیں اور ضد اس کی اظہار ہے اور اگر نگاہ رکھنے میں حقوق کے جیسے امانت
اور قرض میں احتیاط کرے تو اُس کو امانت کہتے ہیں اور ضد اُس کی خیانت ہے اور اگر
لذتوں پر دنیا کی رغبت نہ کرے اور ضروریات پر اکتفا کرے تو اُس کو زُہد اور قناعت کہتے
ہیں اور ضد اُس کی حرص ہے حاصل کلام کا یہ ہے کہ اکثر اخلاق ایمان کے صبر ہیں اسیواسطے
حدیث صحیح میں وارد ہے کہ اَلصَّبْرُ نِصْفُ الْاِیْمَانِ اور صبر حرام سے فرض ہے اور مکروہ سے
نفل اور دین میں صبر سے بہت بڑی کوئی چیز نہیں ہے اسواسطے کہ بنا عبادت کی صبر پر
ہے کیونکہ داخل ہونا عبادت میں نفس کی مرضی کے مخالف ہے اور تمام کرنا عبادت کا

[ل] مجابت و مجوز بمعنی قبول کرنا ہے والا ۱۲

زیادہ تر نفس کے مخالف پڑتا ہے اگر صبر نہ ہو تو کوئی عبادت سرانجام نہ ہو یعنی تمامی کو نہ پہونچے
اور یہ بھی ہے کہ دنیا محنت اور بلا کا گھر ہے اور جزع و فزع روکنے والی طاعتوں سے اگر صبر
نہ ہو تو دنیا کی محنتیں ہمیشہ آدمی کو جزع اور فزع میں گرفتار رکھیں اور کبھی اُسکو فراغت عبادات
کیواسطے میسر نہ ہو اور یہاں سے وجہ صبر کے تقدیم کی نماز پر واضح ہو گئی اور صبر کے درجے مختلف
اور گوناگوں ہیں اور شرع میں ہر رنگ سے مطلوب ہے پس جو صبر کہ مقابلہ میں لذتوں اور دنیا
کے بیہودہ کاموں کے چاہیئے وہ یہ ہے کہ میل اور التفات اُس جانب کو نہ کرے اور رعایت
حق تعالےٰ کی منظور رکھے اور جو صبر کہ طاعتوں میں چاہیئے سو اُسمیں اوّل نیت کو بچانا ہے ریا
سے اور دوسری چیزوں سے کہ اخلاق کے منافی ہیں پھر اُس عبادت کے ادا کرنیکی محافظت
فساد اور ابطال سے پھر محافظت اُسکے ثواب کی ہے ضائع ہونے سے اور محافظت عبادت
کی تکاسل سے اور وقتوں اور شرطوں کی رعایت معدوم ہونے سے اور جو صبر کہ گناہوں
کے مقابلے میں چاہیئے سو یہ ہے کہ ریاضت سے نفس کو اُن گناہوں کی طرف رغبت کرنیسے
روکے اور ورع کا قصد کرے اور ورع کہتے ہیں گناہ کے اسباب اور وسیلوں سے پرہیز کرنیکو
اور جو صبر کہ مصیبت میں ہوتا ہے وہ دو قسم پر ہے اسواسطے کہ مصیبت دو قسم کی ہے اوّل
مصیبت کہ انتقام اور بدلہ لینا اُس کا بندے کی قدرت میں ہے تو اس قسم کی مصیبت پر
صبر یہ ہے کہ تحمل کرے اور اُسکا بدلہ نہ لے نہ زبان سے نہ ہاتھ سے اور اس مقدمے میں سلف
کے صالح لوگوں نے ظالم پر بددعا کرنے سے بھی احتراز کیا ہے اور اس کو موجب صبر کے
نقصان کا جانا ہے چنانچہ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ایک
چور کو کہ اُن کا اسباب چرانے گیا تھا بددعا کرتی تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ
وسلم نے سنکر ارشاد فرمایا کہ کیا تو چاہتی ہے کہ اُس چور کا عذاب کم ہو جاوے اور بوجھ اور
وبال اُس کا خفیف ہو جاوے اور تیرا اجر بھی گھٹ جاوے اُس کو بددعا نہ کر تا کہ وبال اُسکا
سخت اور اجر تیرا زیادہ ہو دوسری مصیبت کہ تدارک اُسکا بندے کے ہاتھ میں نہ ہو اور صبر
اس قسم کی مصیبت پر وہ ہے کہ فریاد نہ کرے اور شکایت اصلاً قولاً اور فعلاً نہ کرے وَتَوَاصَوْا
بِالْمَرْحَمَةِ ؕ اور وصیت کرتے ہیں ایک دوسرے کو مہربانی اور شفقت کی خلق اللہ پر کیونکہ یہ خلق

حضرت اُلوہیت کے اخلاق سے ہے جس پر اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ہ دلالت کرتا ہے اور عمدہ صفات سے حضرت نبوت کی ہے کہ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَؤُفٌ رَّحِیْمٌ ان کے حق میں ارشاد ہوا ہے اور بہت سے اخلاق محمودہ کا منبع ہے اور عفو اور کرم اور لطف اور حلم اسی خلق سے پیدا ہوتے ہیں اسی واسطے حدیث صحیح میں وارد ہوا ہے اَلرَّاحِمُوْنَ یَرْحَمُھُمُ الرَّحْمٰنُ اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ یَرْحَمْکُمْ مَنْ فِی السَّمَآءِ یعنی رحم کرنے والے اُن پر رحمت کرتا ہے رحمان رحم کرو اُن پر جو زمین میں ہیں رحم کرے تم پر جو آسمان پر ہے اور ابو یعلیٰ طبرانی نے روایت کی ہے انس بن مالکؓ سے کہ ایک روز آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ حق تعالیٰ اپنی رحمت کو نازل نہیں کرتا مگر رحیموں پر صحابہؓ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ ہر شخص ہم میں سے رحمت رکھتا ہے فرمایا کہ رحیم وہ نہیں کہ اپنی جان پر اور اپنے خویش اور اقربا پر رحمت کرے رحیم وہ ہے کہ مسلمانوں پر مہربان ہو بڑے کو باپ اور برابر کو بھائی اور چھوٹے کو بیٹا جانے اور ابن عدیؒ نے کامل میں حضرت امیر المومنین ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت حق جل شانہ فرماتا ہے کہ اگر تم میری رحمت چاہتے ہو تو میری خلق پر رحمت کرو اور طبرانیؒ نے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمانوں کو چاہیئے کہ شفقت اور دوستی اور حسن سلوک آپس میں کیا کریں اور مانند ایک تن کے ہوں کہ اگر ایک عضو بدن میں درد کرتا ہے تو تمام بدن اُس کی رفاقت میں بے چین رہتا ہے اور تپ میں گرفتار ہو جاتا ہے اور طبرانیؒ نے اِس حدیث کی روایت کرنے کے بعد کہا ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک روز خواب میں دیکھا اور اس حدیث کو پوچھا آپ نے اپنے دستِ مبارک سے اشارہ کرکے فرمایا صحیح صحیح صحیح اور ایک دن عامل عاملوں سے حضرت امیر المومنین عمر بن الخطابؓ کے اُن کی ملاقات کے واسطے آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ وہ ملبے چت لیٹے ہیں اور غریبوں کے بچے اُن کے پیٹ پر چڑھتے ہیں اور کھیلتے ہیں عرض کی یہ حرکت خلافت کی شوکت کے لائق نہیں ہے فرمایا کہ کیا تو اپنی رعیت کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرتا اُس نے عرض کی کہ میں جس وقت دربار میں بیٹھتا ہوں تو بڑے بڑے گردن کش اُس جگہ میری ہیبت سے

دم نہیں مار سکتے ہیں نہ یہ کہ فقیروں اور غریبوں کے نیچے میرے پیٹ پر پھیلیں فرمایا کہ تو ہمارے کام کا نہیں معزول ہو کہ ہم کو شفقت اور محبت اپنے پیغمبر کی اُمت پر منظور ہے ریاست کی ہیبت اور شوکت دکھانا منظور نہیں اور بعضی حدیثوں میں بھی مذکور ہے کہ میری اُمت کے ابدالوں کو یہ منصب اعمالوں کے زور سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ نفس کی سخاوت اور سینے کی صفائی اور مہربانی کرنے سے اللہ تعالے کی مخلوق پر اس مرتبے کو پہونچتے ہیں اب سمجھ لیا چاہیئے کہ حق تعالی نے عبادت مالی کے کامل کرنے کے حق میں ان دونوں وصفوں کو کہ مراد رحمت ہے کس واسطے تخصیص فرمایا ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ خرچ کرنا مال کا وجہوں میں خیرات اور مبرات کے بغیر ان دونوں چیزوں کے متصور نہیں اوّل چاہیئے کہ حرام مال سے صبر کرے اور نفسانی لذتوں سے بھی اگرچہ حلال ہوں اپنے نفس کو باز رکھے اور بعد اس کے بسبب مرحمت اور شفقت کے اس مال کو محتاجوں اور مسکینوں اور یتیموں پر صرف کرے پس یہاں پر صبر بجائے دور کرنیوالے مانع کے ہے اسواسطے کہ وہ حرص جو مال خرچ کرنے کو مانع ہے بسبب صبر کے زائل ہوجاتی ہے اور مرحمت اور شفقت مانند وجود مقتضی کے ہے اسواسطے کہ یہ صفت اخلاق سے حضرت ربوبیت کے ہے اور ربوبیت احسان اور پرورش کو تقاضا کرتی ہے اور وجود رفع مانع کا وجود مقتضی پر مقدم ہے تو ذکر میں بھی صبر کو مرحمت کے اوپر فرمایا اور یہ بھی یہاں پر سمجھ لیا چاہیئے کہ جاہلوں کے ذہنوں میں اکثر وقتوں میں قوت قلب اور سختی دل کی ساتھ صبر کے مشتبہ ہوجاتی ہے اور جانتے ہیں کہ خلق اللہ کی مصیبت اور سختی میں بیتاب ہوتا اور قلق کرنا صبر کے خلاف ہے اور اسی خیال فاسد سے اقربا کی اور دوسرے مخلوقات الٰہی کی مدد کرنے سے محروم رہتے ہیں سو حق تعالی نے دفع کرنے کو اس وہم کے مرحمت کی وصیت کو صبر کی وصیت کے ساتھ قریب کیا ہے تاکہ اشارہ ہو اس بات کی طرف کہ استقلال اور ثابت رہنا اُس جائے پر محمود ہے کہ لاحق ہونا ضرر کا کسی بندے کو خدا کے بندوں سے مظنون نہ ہو والا بموجب اس بیت کے **بیت** اگر بینم کہ نابینا و چاہ ست ٭ وگر خاموش بنشینم گناہ ست ٭ محمود نہیں ہے اور اسی واسطے عرب کے بزرگ اپنی مثالوں میں کہہ گئے ہیں کہ صَبرکَ فی مصیبتکَ خیرمن جزعکَ وجزعکَ فی مصیبۃ اخیکَ خیرمن صبرکَ یعنی صبر کرنا تیرا اپنی مصیبت

میں بہتر ہے جزع اور فزع سے اور بیقراری اپنے بھائی کی مصیبت میں بہتر ہے صبر سے
اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ؕ وے لوگ کہ آپس میں یہ وصیتیں کرتے ہیں اور اُسکے موافق
عمل میں لاتے ہیں وہی لوگ یُمن اور برکت والے ہیں کیونکہ معنی یُمن اور برکت کے یہ ہیں
کہ کسی چیز سے بہت سا نفع علی السبیل الدوام یعنی سدا حاصل ہوتا رہے اور اُن سے بسبب
وصیتوں کے خلق اُس پر قیامت تک عمل کریں گے اور احسان فقرا اور مساکین پر اور یتیموں
خاکساروں پر قیامت کے ہونے تک مروج اور مرسوم ہوا ہے اور بہت سا نفع ہمیشہ خلق اللہ
کو پہونچا ہے اور اُن کے واسطے ثواب اُن سب احسانوں کا اُن کے نامۂ اعمال کے دفتر میں لکھ
گیا ہے اور بعضے مفسروں نے میمنہ کو سیدھی جانب پر قیاس کیا ہے کیونکہ عرب کے عرف میں
سیدھی جانب کو میمون اور مبارک جانتے تھے اور اسی واسطے شارح سے تبرک لیتے تھے اور
اُلٹی جانب کو شوم اور منحوس جانتے تھے اور اسیواسطے بارح سے بدشگونی پکڑتے تھے اور اہل
نجات کو میثاق کے دن حضرت آدم علیہ السلام کی پیٹھ کی سیدھی طرف سے نکالا ہے اور قیامت
کے دن اعمالنامے اُنکے سیدھے ہاتھ میں دیں گے اور بہشت میں کہ اُس روز سیدھی جانب کو
عرش عظیم کے ہوگی اُن کو داخل کریں گے پس ان معنوں سے بھی اصحاب المیمنہ یہی بزرگ
لوگ ہیں وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا اور جن لوگوں نے کہ انکار کیا ہمارے حکموں کا ہرچند کہ
واسطے نیتوں فاسدہ اور اپنی دنیوی غرضوں کے واسطے یا اپنے بتوں اور معبودوں کی خوشنودی
کو گردنیں خلاص کی ہونگی اور یتیموں مسکینوں کو کھانا کھلایا ہوگا اور آپس میں صبر اور مرحمت
کی وصیت کی ہوگی لیکن بسبب کفر کی شومی کے کوئی چیز اُن کے کام میں نہ آویگی بلکہ
هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ؕ وہی ہیں شامت اور بدبختی والے کہ ایک ضرر عظیم دائمی یک کفر کا کلمہ
کہنے سے اُنکے نصیب ہوا اور تمام خیرات اور مبرات اُنکے برباد ہو گئے پس کفر کے ذکر سے سب
عبادتوں مالی کے مقابلے میں معلوم ہوا کہ وہ سب خیرات جو کفر کے ساتھ ملی ہوتی ہیں محض رائگاں
اور بیہودہ ہیں فخر اور بڑائی کی جائے نہیں ہے اور کافر جیسے کہ شامتی اور بدبخت ہیں اسی طرح
سے میثاق کے دن حضرت آدم علیہ السلام کی پیٹھ کی بائیں طرف سے پیدا ہوئے ہیں اور قیامت
کے دن اعمالنامے بائیں ہاتھوں میں پاویں گے اور بائیں طرف کو عرش عظیم کے کہ دوزخ کی

راہ ہے چلیں گے پھر اگر مشأمہ کو بائیں کے معنوں میں کہیے تو بھی درست ہے اور جو اس قدر
بیان فرمایا کہ کافر کو کسی عمل پر فخر نہیں ہے کیونکہ اُس کی اہانت اور تذلیل کے واسطے اُس کا
کفر کافی ہے اب بیان فرماتے ہیں کہ اُنکے حق میں اس قدر تذلیل اور اہانت پر اکتفا نہ ہو گی
بلکہ عَلَیۡہِمۡ نَارٌ مُّؤۡصَدَۃٌ اُن پر مسلط ہو گی ایک آگ کہ سرپوش کی گئی ہے اور دروازے
اُس کے بند کر دیے ہیں تا کہ گرمی سے گرم بھاپ باہر نہ نکلے اور باہر کی سردی سے ٹھنڈی
ہوا اندر نہ جاوے تا کہ فی الجملہ کچھ تخفیف حاصل ہو اور اُس وقت مشقت اور رنج اُنکا نہایت
کو پہونچے نعوذ باللہ من اہل النار

سُوۡرَۃُ الشَّمۡسِ

یہ سورۃ مکی ہے اسمیں پندرہ آیتیں اور چوّن کلمے اور دو سو چھیالیس حروف ہیں اور اس سورۃ
کا ربط سورۂ لا اقسم کے ساتھ اس جہت سے ہے کہ اُس سورۃ میں بھی ہدایت خیر و شر کی راہ کی مذکور
ہے جیسے وَہَدَیۡنٰہُ النَّجۡدَیۡنِ ویسے اس سورۃ میں فجور اور تقویٰ کے الہام کا یعنی دل میں
ڈالنے کا بیان ہے اور اُس سورۃ میں بیان اصحاب میمنہ اور اصحاب مشأمہ کا ہے اور اس
سورے میں بیان نفس کے پاک کرنے والوں کا اور نفس کے ذلیل کرنے والوں کا ہے
اور یہ دونوں مضمون ایک دوسرے کے قریب ہیں اور اس سورۃ کا سورۂ والشمس اس
جہت سے نام رکھا ہے کہ عمدہ سے عمدہ چیز جو اللہ کی راہ چلنے والے کو درکار ہے سو آفتاب نبوت
کا نور ہے اس نور کے سبب سے اُسکی نگاہ ایسی روشن ہو جاتی ہے کہ نجات کی راہ اور ہلاکت
کی راہ میں تمیز کر لیتا ہے اور دوست اور دشمن کو جُدا جُدا پہچان لیتا ہے اور موافق اور مخالف
میں فرق کرتا ہے اور نبوت کے آفتاب کو انوار حسیہ کے عالم میں کمال مناسبت اور مشابہت
آفتاب ظاہری کے ساتھ ہے کہ عرب کے لغت میں اُس کو شمس کہتے ہیں اور توضیح اس
ابہام کی یہ ہے کہ نفس انسانی دنیا میں کہ مزرعہ آخرت کا ہے مانند ایک کسان کے ہے کہ
اُس کو معرفت الٰہی کا بیج دے کر اور اسباب اس تخم کے بونے کے کہ قوی اور اعضا ہیں
عنایت فرما کے اس مزرعہ میں بھیجا ہے اور ہر مزارع کو چھ چیزیں ضروری ہیں کہ بغیر اُن

چیزوں کے عمل زراعت کا ممکن نہیں ہے اول اُن سب میں سے آفتاب ہے کہ اُسکی شعاع سے زمین صلاحیت کھیتی کی قبول کرتی ہے اور زمین کے اندر گرمی پیدا کرتی ہے اور اُس گرمی کے سبب سے قوت نامیہ زور کرتی ہے اور اگر خوب غور کیجئے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ آفتاب کھیتی کے حق میں ایسا ہے جیسے حرارت غریزی حیوانوں کے حق میں کیونکہ جب بیج کو زمین میں ڈالتے ہیں تو خاک اور ہوا اور پانی تینوں مل کر استعداد حیات نباتی پیدا کرتی ہیں لیکن پکانے کو اور عفونت کے دفع کرنے کو ایک حرارت درکار ہے پھر اگر اس حرارت کو آگ کے عنصر سے لیویں تو تخم جل جاوے ناچار حکمت الٰہی نے چاہا کہ آفتاب کی حرارت کو اُس پر مُسلط فرماویں تاکہ منفعت آگ کی حاصل ہو اور نقصان اُٹھ جاوے اور یہ بھی ہے کہ بدلنا فصلوں کا اور آنا ربیع اور خریف کا آفتاب کی حرکت کے سبب سے ہے اور آنا فصلوں کا اور بدلنا موسم کا کھیتی کے واسطے ضروریات سے ہے حاصل کلام یہ ہے کہ فائدے آفتاب کے کھیتی کی ابتدا سے انتہا تک علم فلاحت والوں پر پوشیدہ نہیں ہیں، دوسرا چاند کہ دانے پڑنے کے وقت اور پھل لگنے کے وقت اور اُس کے اُبھرنے کے وقت زمین کے پانی کی رطوبت کفایت نہیں کرتی پس ایک دوسری رطوبت اوپر کی بھی چاہیئے تاکہ میوہ اور دانہ پُرمغز اور بڑا پیدا ہوا اور میوہ اور دانہ لگنے کے وقت چاند کی تاثیر ضرور ہے چنانچہ یہ بات بھی فلاحت کے علم والوں پر ظاہر اور روشن ہے تیسرا دن کہ وقت تلاش اور محنت کا اور ہل چلانیکا اور پانی سینچنے کا اور دوسرے مشکل کاموں کا ہے چوتھے رات کہ اگر رات نہ آوے تو آدمی اور بیل آرام نہ پاویں تو آٹھوں پہر کی دھوپ میوہ دار درختوں اور کھیتی کو جلا دینے کی نوبت کو پہونچاوے تو شبنم کہ سرسبزی اور تازگی کا باعث ہے بند ہو جاوے پانچواں آسمان کہ مینھ کا برسنا اور ہوا کا چلنا موافق حاجت کے ہر وقت اُسی کی جہت سے ہے چھٹے زمین وسیع اور کشادہ نہ کھاری نہ پتھریلی اور کسان کی حاجت ان دونوں چیزوں کیطرف ظاہر ہے اور جو نفس انسانی کو دنیا کے کھیت میں کسان بنا کر بھیجا ہے تو اُس کو بھی یہ چھ چیزیں لازم ہیں ایک تو آفتاب کہ اُس کے کام آوے سو اُس کے زمانے کے نبی کے دل کا آفتاب ہے کہ اُسکی شعاعیں دور اور نزدیک سے پہونچتی ہیں اور چاند کہ اُنکے کام آوے وہ نور ولایت ہے اپنے صاحب طریقے

کا اور جس طرح سے کہ ماہتاب ظاہری خلیفہ آفتاب ظاہری کا ہے اسیطرح سے نور ولایت کا
قائم مقام نور نبوت کے ہے بلکہ حقیقت میں وہی نور ہے کہ اُس نے دوسری کیفیت پیدا کی
ہے اور اگر فرق درمیان دونوں فرقوں کے کسی کو سُننا مرغوب ہو توسُن لے کہ نور نبوت کا بڑا
ہوا قہر اور سیاست سے ہے اسی واسطے انبیا اپنی اُمت پر ایسا حکم رکھتے ہیں جیسے بادشاہ اپنی
رعیت پر اور اطاعت اُنکی اُن سب لوگوں پر جن کی طرف بھیجے گئے ہیں واجب اور فرض ہے
اور مخالفت کرنا اُن سے سبب خرابی دنیا اور آخرت کا ہے اور معجزوں قاہرہ کا دکھانا اور جہاد
زبانی یا سیفی یا سنانی اُن پر لازم اور واجب ہے اور ولایت کا نور ملا ہوا ہے جمال اور تالیف
قلوب سے اور کشش اور اُلفت سے اسی واسطے یہ چیزیں وہاں یعنی نبوت میں ضروری نہیں
اور کیا اچھا کہا ہے کسی شاعر نے شعر آں بادہ شعلہ گوں کہ دار د خور شید ٭ در کاسۂ ماہ چوں
شدہ شیر شود ٭ اور ایک فرق یہ بھی ہے کہ ایک نور ان میں اصل ہے اور دوسرا عکس اُسکا
جیسے نور آفتاب کا کہ اُس کی ذات کو لازم ہے اور چاند کا نور کہ اُسکی صفائی کے سبب سے
اور آفتاب کی روشنی قبول کرنے سے ہے اسیواسطے مقابلہ اور نزدیکی اور تربیع کی حالت میں
مختلف اور متبدل ہو جاتا ہے اسی طرح سے نبوت کا نور اصل ہے اور ولایت کا نور عکس
اس کا ہے اور اس کے واسطے بجائے دن کے ریاضت کا وقت ہے کہ سالک طریقت کو
اور آخرت کی کھیتی کرنے والے کو وہی زمانہ حصول مطلب کا ہے کہ نور نبوت نور ولایت کو
اسی ریاضت کے وقت میں سعی اور کوشش اور رنج اور محنت سے اپنے کام میں لگاتا ہے
یعنی اس سے فائدہ حاصل کرتا ہے اور بجائے رات کے زمانہ آسایش اور راحت کا ہے اور
نفس کی احتیاج میں مشغول ہونے کا اور اہل وعیال اور تمام مخلوق کے حق ادا کرنے کا زمانہ
ہے کہ اُس کے حق میں رات کے مانند ہے اور اگر یہ رات اُس کے واسطے نہ ہوتی تو ہمیشگی
نور نبوت اور نور ولایت کی اُس کے دل پر قرار پکڑ کے دنیا کے کاموں سے اُسکو بیکار کردیتی
اور انسانیت کے مرتبے سے نکل کر کہاں سے کہاں پہونچ جاتا اور آسمان کی جگہ پر اُس کے
واسطے شریعت کا آسمان ہے کہ تمام اعمال اور اخلاق اور احوال اور مقامات اور عقائد اور
مذاہب سے اُس کو گھیرے ہوئے ہے اور اسی آسمان شریعت سے رحمت الٰہی کا فیض

مینھ کی طرح اُس پر برستا ہے اور جذب اور کشش کی بادیں بہہ رہی ہیں کہ اُس کو نئی نئی حالتوں اور مرتبوں کی طرف جھکاتی ہیں تاکہ اپنے کمال کو پہونچے اور اُس کے واسطے زمین کی جگہ اُس کی استعداد ہے کہ اُس کی کشادگی اور صفائی قدر نشو و نمائی یعنی پیدایش احوال اور مقامات کی اُس کو میسّر ہوتی ہے یعنی مرتبے باطنی اُس کے بڑھتے ہیں اور جو عمدہ ان کاموں کا اور اس اصل پوشیدہ کی جڑ نبوت کا نور ہے اور آفتاب روشنی میں اس نور سے مناسبت رکھتا ہے اسی واسطے اس سورۃ کو کہ سلوک طریقت کے لوازم اور کمال معرفت کے وسیلے کے بیان میں پُر ہے آفتاب ہی کے نام سے شروع کیا اور اسی آفتاب کے نام پر اُس کا نام رکھا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالشَّمْسِ قسم کھاتا ہوں میں آفتاب کی کہ اپنے زمانے کے پیغمبرؑ کے دل کے مانند ہے وَضُحٰىهَا ۙ اور قسم کھاتا ہوں میں اُس کی روشنی کی کہ نبوت کے نور کی روشنی کے مانند ہے سب مخلوقات پر وَالْقَمَرِ اور قسم کھاتا ہوں میں چاند کی کہ مرشد طریقہ والے اور استاد تعلیم کرنیوالے کے مانند ہے اور پیغمبرؑ کے خلیفہ کے قائم مقام ہے بعد پیغمبرؑ کے یعنی بعد مرنے یا دور ہونے پیغمبرؑ کے اِذَا تَلٰىهَا ۙ جب پیچھے چلے اُس کے یعنی ماہتاب آفتاب کے اور اس شرط کو یعنی پیروی کو اسواسطے لائے ہیں کہ مُرشد کی حُرمت مشروط ہے نور نبوّت کی پیروی پر اور کمال پیروی کے سبب سے اُسکو خلافت کا منصب نصیب ہوا اور ماہتاب کا پیروی کرنا آفتاب کو کئی وجھوں سے ہے اوّل استفادے میں یعنی فائدہ روشنی کا حاصل کرنے میں اور دوسرے اُس کی پیروی غروب میں کرنا اور یہ اوّل مہینے میں ہوتی ہے تیسرے طلوع میں اُس کی پیروی کرنا اور یہ بیچ مہینے میں ہوتی ہے چوتھے جثہ یعنی جسم کی بزرگی میں بموجب ظاہر حُسن کے کہ کوئی تارا آفتاب سے حسن میں برابری نہیں کرسکتا سوائے ماہتاب کے اگرچہ ابعاد اور اجرام کی دلیلوں کے موافق بزرگ اور بڑا اور دوسرا بھی ہو پانچویں یہ کہ دنیا کی مصلحتیں ان ہی دونوں کی حرکتوں پر موقوف ہیں اس واسطے کہ سال کی فصلوں کا بدلنا اور جو حساب کہ سال سے تعلق رکھتے ہیں اور بڑے بڑے کام سب آفتاب کی حرکت سے تعلق رکھتے ہیں

اور بدلنا ہر مہینے کی شکلوں کا اور جو حساب کہ مہینے سے تعلق رکھتے ہیں یہ سب ماہتاب کی حرکت سے ہیں اور مادہ بیماریوں کا بڑھنا جیسے خارش اور جاندار کی آنتوں میں رطوبت کا زیادہ ہونا اور ہڈیوں میں مغز پیدا ہونا اور دودھار جانوروں میں دودھ کا زیادہ ہونا اور خون کا جوش کرنا بدن میں اور بڑھنا گھٹنا سمندر کا یہ سب چیزیں ماہتاب کے نور کی زیادتی سے متعلق ہیں وَالنَّهَارِ إِذَا جَلّٰهَا ۞ اور قسم کھاتا ہوں میں دن کی جب روشن کرے وہ آفتاب کو کہ سالک کی ریاضت کے وقت کے مانند ہے اس جگہ پر بھی ایک شرط زیادہ کی ہے تاکہ اشارہ ہو اس بات کی طرف کہ وقت ریاضت کا اسی وقت حرمت اور بزرگی پیدا کرتا ہے کہ اُس ریاضت کے سبب سے نبوت کا نور سالک کے دل پر متجلی ہو جاوے اور حجاب اُٹھ جاوے والا باطل ریاضتیں جیسے جوگیوں کی اور باطل مذہب والوں کی کہ نبوت کے نور سے متجلی نہیں ہوتی ہیں اور حجاب کو درمیان سے نہیں اُٹھاتی ہیں ایسی ریاضتوں سے کچھ حرمت اور بزرگی حاصل نہیں ہوتی اور اس جگہ اکثر تفسیر والے شُبہ لاتے ہیں کہ روشن کرنا دن کو آفتاب کا کام ہے نہ یہ کہ دن آفتاب کو روشن کرتا ہے ایسی اُلٹی عبارت یہاں کس واسطے لائے ہیں یہانتک کہ بعضے مفسروں نے اس شبہے کو قوی جان کر ضمیر کو آفتاب کی طرف سے پھیر کر زمین اور دنیا کی طرف عاید کیا ہے اور تاکہ اضمار قبل الذکر لازم نہ آوے ایک قرینہ جو مرجع پر دلالت کرے ذکر کرنے اس الزام سے اپنا بچاؤ کیا ہے اور حق بات یہ ہے کہ اسمیں ضمیروں کی جدائی لازم آتی ہے اور ضمیروںکی تفریق خوب نہیں اسواسطے کہ ضحٰها اور تلٰها میں بلاشبہ ضمیر آفتاب کی طرف راجع ہے اور باوجود ذکر مرجع کے مرجع کو مقدر ٹھہرانا اچھا نہیں ہے لیکن اس ترکیب کی وجہ کو کہ ظاہر میں اُلٹی معلوم ہوتی ہے سُن لیا چاہئے کہ عادت وہم کی یہ ہے کہ جو کسی چیز کو ایک مقرر وقت میں کئی بار دیکھتا ہے تو اُسوقت کے آنے کو سبب اُس چیز کا جانتا ہے اور عقلی قاعدے کے موافق بھی ہے کہ وجود اثر کا دلیل مؤثر کے وجود کی ہے چنانچہ مبحث میں برہان انی کے مقرر ہے اور جو دن کا وقت دونوں وجہوں عقلی اور وہمی سے آفتاب کو روشن کرتا ہے یعنی جب دن ہوتا ہے تب ہی آفتاب روشن ہوتا ہے تو نسبت اُس کی طرف کیگئی اور اس مجاز کو کہ اس جائے پر استعمال کیا ہے سو ممثل کی حقیقت کے لحاظ سے کہ وقت ریاضت کا ہے

اور موجب روشن ہونے نور نبوت کا تو استعمال سے حقیقت کے بہتر ہوا اور یہ بھی احتمال ہے کہ معنی اذا جلّٰھا کے یہ ہوں کہ اُس روز ابر اور غبار حائل نہ ہو اس صورت میں روشنی کی نسبت دن کی طرف بے تکلف درست ہو جاتی ہے وَالَّیْلِ اِذَا یَغْشٰھَا ۪ اور قسم کھاتا ہوں میں رات کی جب چھپا لیتی ہے آفتاب کو مانند وقت راحت کے اور توجہ طرف ادا کرنے حقوق اہل و عیال کے اور زمانہ غفلت اور حجاب کے ہے نور نبوت سے اور یہ بھی آخرت کی کھیتی کرنیوالے کو اور سالک طریقت کو ضرور ہی ہے والا کارخانہ دنیا کا درہم برہم ہو جاوے اور ان عبادت کے کاموں سے کہ خلق اللہ کے حق سے متعلق ہیں جیسے عیادت مریضوں کی اور ملاقات اقربا کی اور روزی کمانا اہل و عیال کے واسطے یا اور جو اُس کے سوا ہیں محروم رہے اور آخرت کی زراعت کے نقصان کا سبب پڑے اور حدیث صحیح میں وارد ہے کہ حضرت امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک روز مجلس مقدس نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے اُٹھ کر اپنے گھر کو تشریف لیے جاتے تھے کہ ناگاہ ایک شخص صحابہ کرام سے کہ ان کا نام حنظلہؓ تھا راستے میں ملے اور پکار کر بولے کہ حنظلہ منافق ہو گیا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا حال ہے کہنے لگے کہ جس وقت حضور پرنور میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حاضر ہوتا ہوں تو مجھ کو غیب کا عالم ایسا منکشف ہو جاتا ہے کہ گویا ان آنکھوں سے دیکھتا ہوں اور جب اُس مجلس مقدس سے اُٹھ کر گھر کو آتا ہوں اور جورو بچّوں کے ساتھ مشغول ہو جاتا ہوں تو وہ کیفیت باقی نہیں رہتی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سب کا یہی حال ہے آؤ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں جا کر عرض کریں دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہوئے پھر حنظلہ نے اُسی طور سے پکار کر کہا کہ حنظلہ منافق ہو گیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیا ماجرا ہے اُنھوں نے سارا احوال اپنا عرض کیا فرمایا کہ اگر تم کو ہمیشہ یہی حالت رہے جو میرے حضور میں یا ذکر اللہ کی مجلس میں ہوتی ہے تو ہرگز تم لوگ اپنی عورتوں سے حظ نہ اُٹھاؤ اور نعرے مارتے ہوئے اور فریاد کرتے ہوئے جنگلوں کو چلے جاؤ اور فرشتے تم سے مصافحہ کریں لیکن یہ حالت کسی کو ہمیشہ نہیں رہتی بلکہ ایک ساعت اس حالت میں گذرتی ہے اور ایک ساعت غفلت میں تا توجہ بحق اور توجہ بخلق ملی ہوئی رہیں

یہیں سے معلوم ہوا کہ غفلت اور راحت کے وقت بھی بزرگی رکھتے ہیں کہ آئندہ کی ریاضتوں
کو مددگار ہوتے ہیں اور اُن عبادتوں کے ثوابوں کے حاصل ہونے کا باعث ہوتے ہیں جو
تعلق مخلوق کے حق سے رکھتے ہیں چنانچہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے انی
لاحتسب نومتی کما احتسب قومتی یعنی میں اپنے خواب میں بھی متوقع اجر اور ثواب
کا رہتا ہوں جیسا کہ اپنی تہجد میں اسواسطے کہ اگر تہجد میں اللہ تعالیٰ کا حق ادا ہوتا ہے تو سونے
میں نفس کا حق ادا ہوتا ہے اور یہ دونوں حق تعالیٰ کے واجب کرنے سے واجب ہوئے ہیں
مگر جو غفلت کہ مددگار طاعت کی نہ ہو اور موافق حکم شرع کے اور فرمان الٰہی کے ادا کرنیکی نیت
سے نہ ہو تو ایسی غفلت کی کچھ حُرمت اور بزرگی نہیں ہے بلکہ حرام مطلق ہے اور یہیں سے
معلوم ہوا کہ یہ چاروں قسمیں حقیقت میں آفتاب سے متعلق ہیں اسی واسطے اس سورت کا آفتاب
کے نام پر نام رکھا گیا وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا ۙ اور قسم کھاتا ہوں میں آسمان کی اور اُس حکمت
الٰہی کی کہ اس آسمان کو محیط بنایا ہے اُن چیزوں پر جو اُس کے درمیان میں ہیں اور یہی مثال
شریعت کی ہے کہ مانند آسمان کے محیط ہے مکلفوں کے تمام عملوں پر اور ہر عمل کا حکم اُسمیں موجود
ہے اور مانند آسمان کے بارہ بُرج رکھتی ہے ضمن میں چار مثلثے کے پہلا مثلثہ کہ مثلثہ اعتقاد کا ہے
شامل ہے تین بُرجوں کو ایک بُرج ذات اور صفات اور دوسرا بُرج انبیاء اور ملائکہ اور کتابوں
کا اور تیسرا بُرج معاد کا اور مثلثہ دوسرا کہ مثلثہ عبادت کا ہے بنایا گیا ہے تین بُرجوں سے ایک
بُرج تو عبادتوں بدنی کا ہے جیسے نماز اور روزہ اور تلاوت قرآن مجید کی اور ذکر اور دعا اور
درود اور اس کے سوا اور دوسرا عبادتوں مالی کا جیسے زکوٰۃ اور صدقہ اور وقف اور مسجدیں
اور مسافر خانے اور خانقاہیں اور مدرسے اور کوئیں اور پُل اور مہمان سرائیں اور تیسرا عبادتوں
مرکب کا بدنی اور مالی سے جیسے حج اور عمرہ اور جہاد اور نماز عیدین تیسرا مثلثہ معاملات کا ہی
وہ بھی مرکب ہے تین بُرجوں سے پہلا بُرج اُسمیں دو معاملے ہیں کہ ایک وجہ عبادت کی بھی
رکھتے ہیں جیسے نکاح اور خدمت ماں باپ کی اور پرورش اولاد کی اور لونڈی اور غلام کی
اور پڑوسی کے حق کی اور ہمنشیں کے حق کی اور مہمان کے حق کی اور سوائے اسکے اور دوسرے
ناتے والوں کے حق کی رعایت اور دوسرا بُرج اس میں وہ معاملے ہیں کہ کوئی وجہ عبادت سے

نہیں رکھتے جیسے خرید اور فروخت اور اجارہ اور گرو اور شرکت اور وکالت اور ضامنی اور
سوا اس کے اور تیسرا برج اس میں وہ معاملے ہیں کہ ایک وجہ تبرع اور احسان کی بھی
اس میں ملی ہوئی ہے جیسے ہبہ اور قرض اور اقراض اور مضاربت چوتھا مثلثہ کہ سیاست
کا مثلثہ ہے وہ بھی ملا ہوا تین برجوں سے ہے پہلا کفارات میں کہ سیاست کے ساتھ ایک
وجہ عبادت کی بھی رکھتی ہے جیسے کفارہ سوگند کا اور کفارہ نفس کے قتل کا اور کفارہ روزہ
توڑنے کا اور ظہار کرنے کا اور حیض کی حالت میں جماع کرنے کا اور سوائے اس کے اور دوسرا
حدوں اور تعزیروں اور قصاص کا کہ سیاست محض ہیں جیسے شراب پینے کی حد اور زنا کی
حد اور چوری کی حد اور بٹماروں اور رہزنوں کی حد اور گالی دینے کی حد اور سوا اس کے
اور تیسرا دیتوں اور ضمانوں کا کہ ہمراہ سیاست کے ایک وجہ معاملے کی بھی رکھتے ہیں اور
وہی آسمان شریعت کا ستارے بھی رکھتا ہے کہ حکموں کی دلیلیں ہیں اُن سب میں سے
سات ستارے سیارہ ہیں کہ احکام کے فنون میں دوا اور سیر کرتے ہیں جیسے کتاب اور سنت
اور اجماع اور قیاس اور استصحاب اور تعامل اور اباحت اصلیہ اور باقی ستارے ثابت ہیں
کہ اپنی اپنی جگہوں اور مکانوں میں ٹھہرے ہوئے ہیں جیسے مصالح جزئیہ کہ ہر ہر فرد میں
پائے جاتے ہیں اور بنا اس آسمان کی کہ عبارت شریعت سے ہے اس طور سے واقع ہوئی
ہے کہ جس وقت مکلفین مقید اس کی خواہش کے ہو جاویں تو عمل نیک اُنکی قبولیت کے
مقام پر چڑھ جاویں اور اس طرف سے وہ قبولیت صورت رحمت اور ہدایت کی پکڑ کر مینھ
کے مانند برس پڑے جیسے بخارات کہ زمین سے اُٹھتے ہیں اور آسمان کی طرف جا کر پانی
کی صورت پکڑ کر پھر لوٹتے ہیں اور زراعت کی سرسبزی اور شادابی کا موجب ہوتے ہیں
وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰہَا اور قسم کھاتا ہوں میں زمین کی اور اُس حکمت الٰہی کی جس نے اُسکو
ایسا چوڑا اور فراخ بچھایا ہے اور وہ نفس انسانی کی استعداد کے مانند ہے کہ بسبب فراخی
کے معرفت کا تخم بونے کے قابل ہے اور جو نفس انسانی کو عالم حس میں کوئی مشابہ اور نظیر کہ
قابل تعظیم کے ہو اور اُسکی قسم کھائی جاوے پایا نہیں جاتا تو اسی نفس کی قسم کھا کے فرماتے
ہیں وَنَفْسٍ اور قسم کھاتا ہوں میں اُس نفس کی کہ دو چیز رکھتا ہے اول قابلیت کمال حاصل

کرنے کی دوسرے نقد اُس کمال کا بالفعل کہ بسبب ان دو چیزوں کے بونا معرفت کے تخم کا
اُس کو میسّر ہوتا ہے اور وہ نفس انسانی ہے کیونکہ نفوس ملائکہ اپنے کمالوں کو بالفعل حاصل
رکھتے ہیں اُن کو کمالات طلب کرنے کی حاجت نہیں ہے اور نفوس حیوانی کمالات حاصل
کرنے کی قابلیت نہیں رکھتے ہیں بس بونا معرفت کے تخم کا اُن سے ممکن نہیں اور اسی نکتے
کے واسطے نفس کو نکرہ لائے ہیں تاکہ دلالت کرے ایک نوع پر نوعوں سے نفس کے برخلاف
دوسری قسموں کے کہ معرفہ لائے ہیں کیونکہ وہ سب چیزیں ایک رنگ رکھتی ہیں تعدد نوعی
ان میں متصور نہیں ہے جیسے آفتاب اور ماہتاب اور آسمان اور زمین یہ سب کلیات منحصر
فرد واحد میں ہیں اور دن اور رات ہر چند کہ موافق نظر عقلی کے جُدا جُدا معلوم ہوتے ہیں لیکن
نظر عرفی اعادہ اور تکرار پر یعنی بار بار اور لوٹ لوٹ آنے پر اُن کے ایک ہونے کا حکم کرتی
ہے اور تعدد اور جُدا جدا ہونے پر اُن کے یقین نہیں رکھتی وَمَا سَوّٰىهَا ۝ اور قسم اُس حکمت
الٰہی کی کہ درست کیا ہے اس نفس کو اور اعتدال مزاج کا اور حواس ظاہری اور باطنی اور
قوای طبیعیہ اور حیوانیہ اور نفسانیہ سب اُس کو دیے تاکہ قابل تعلیم اور سمجھ کے ہو جاوے اور
اُٹھانے والا مشکل کاموں کا اور صبر کرنے والا اور ثابت رہنے والا اور معرفت کے تخم کو ان
اسبابوں سے بوسکے آور بعضے مفسّروں نے وجہ ان چھ قسموں کے خاص ہونے کی سوائے
نفس انسانی کے یوں ذکر کی ہے کہ حق تعالیٰ کو اس سورۃ میں حال بیان کرنا نفس انسانی
کا منظور ہے اور مختلف ہونا اس کا الہام قبول کرنے میں فجور اور تقویٰ کے اور مذکور کرنا اُس کی
وسعت اور فراخی کا تاکہ موافق قوت علمیہ کے نمونہ تمام جہان کا ہو جاوے اور تمام عالم اپنے
وجود ظلّی سے اُس میں سما جاوے اور موافق قوت عملیّہ کے خلیفہ حضرت ربوبیت کا ہو کہ ہر چیز کو
مخلوقات میں سے ایک کام میں صرف کرے اور کمال حاصل کرنا صنعتوں میں اور پورا بھر لینا
منفعتوں اور مصلحتوں کا جو ہر ہر ذرّے میں عالم کے ودیعت ہیں ارادہ کرے پس ابتدا میں کلام
کی چھ چیزوں کو بطور قسم کے یاد فرمایا کہ وہ چھ چیزیں عموم اطلاق اور وسعت میں نمونہ حضرت
اُلوہیت کی ہیں تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے دو چیزوں کو عالم میں ایسی وسعت
اور کشادگی بخشی ہے کہ کسی چیز کو حاصل نہیں ہے اوّل تو زمان اور دوسرا مکان لیکن وسعت

مکان کی ایک رنگ رکھتی ہے اور وسعت زمان اُس کی دوسرا رنگ مکان نے عرش سے
فرش تک ایک آن واحد میں بیشمار مخارقات کو گھیر لیا ہے اور سب کو اپنے اندر جائے دی
ہے اور آپ ایک طور پر ثابت ہے اور اس کے اندر کی چیزیں گذرنے والی ہیں مصرع
یکے میرود دیگر آمد بجائے ٭ اور عام ہونا زمانے کا اس طور سے ہے کہ آپ گذرنیوالا ہے
اور اُس کے درمیان کی چیزیں اپنے مکان پر ثابت ہیں اور وہ کوئی لحظہ اور کوئی لمحہ
اُنکے ساتھ قرار پکڑنے والا نہیں ہے اس بے ثباتی کے ساتھ محیط اور گھیرنے والا اپنے اندر
بے انتہا اور بیشمار چیزوں کا ہے سو یاد دلانے کو ان دونوں عام قسموں کے آسمان اور زمین
کو کہ عمدہ مکانوں سے ہیں ذکر فرمایا اور رات اور دن کو کہ اجزا سے زمانے کے ہیں اور اختلاف
ظاہر اور امتیاز باہر رکھتے ہیں اور باوجود تھوڑی دیر گذرنے کے تغیر اور تبدل قبول کرتے
ہیں لائے ہیں آور اس جگہ پر ایک قسم اور ہے کہ اُس کے نور کا فیض سب کو شامل ہے
بدون فرق کے درمیان میں وضیع اور شریف اور غنی اور فقیر اور مسلمان اور کافر اور صالح
اور فاسق کے اور کمال مشابہت رکھتی ہے حضرت اُلوہیت سے فیضان وجود اور لوازم صور
نوعیہ میں اور یاد کرنے سے آفتاب اور ماہتاب کے بُو اس قسم کی دماغ میں اذکیا ر کے
پہونچائی ہے باقی رہی یہ بات کہ ان تینوں عام قسموں میں کسواسطے دو چیز انکی قسمیں کھائی
ہیں تجواب اس کا یہ ہے کہ باوجود عام فائدہ دینے کے اختلاف کمال اور نقصان اور نورانیت
اور ظلمانیت اور اصالت اور تبعیت کا بھی منظور ہے تا کہ آگاہی اختلاف پر نفوس انسانی کے
باوجود عام ہونے تصرف کے ان صفتوں کے کیجاوے پس اس بات کے واسطے ضرور ہوا کہ
ان تینوں قسموں میں دو دو چیزیں یاد کیجاویں سو اُس کا بیان یہ ہے کہ آفتاب عالم انوار میں
اصل ہے اور ماہتاب عکس اُس کا ہے اور دن اجزاؤں میں زمانے کے نورانی ہے اور
رات اندھیری اور آسمان بلند اور محیط ہے اور زمین پست اور محاط یعنی گھیرے ہوئے ہے
اور جو عام ہونے کو نفس انسانی کے عام ہونے پر ان چیزوں کے قیاس کریں تو اُس کی
دورنگی بھی ظاہر ہو جاوے چنانچہ فرماتے ہیں فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا پس الہام کردی یعنی
دل میں ڈالدی اس نفس کو بدکاری اُس کی اور الہام لغت میں کہتے ہیں کھانا ڈالنے کو

کسی شخص کے حلق میں اس طور سے کہ اُس شخص کو دانت اور ہونٹ ہلانے نہ پڑیں اور قرآن کے
عرف میں عبارت ہے ڈالنے سے کام کے داعیہ کے دل میں بغیر واسطہ پہلی فکر کے اور جو
اعمال بنی آدم کے خواہ خیر ہوں خواہ شر سب تابع داعیہ اور ارادہ کے ہیں پس سررشتہ نیک
اور بد کا بندھا ہوا اسی داعیہ اور ارادے سے ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس سررشتہ کو اپنے دست
قدرت میں رکھا ہے اور کسی دوسرے کو نفس اور شیطان اور مشیروں اور مصاحبوں کو نہیں
سونپا ہاں یہ چیزیں مددگار اور سبب نیک اور بد داعی کے فیضان کی عالم غیب سے ہوتی ہیں
اور اسی سبب سے محل عتاب اور ملامت کے ہوتے ہیں اور حدیث صحیح میں وارد ہے کہ ان
قلوب بنی آدم بین اصبعین من اصابع الرحمٰن یقلبها کیف یشاء یعنی بنی آدم کے
دل دو انگلیوں میں ہیں اللہ تعالےٰ کی انگلیوں سے پھراتا ہے اُن دلوں کو جس طرف چاہتا
ہے اور اگر اس جائے پر کسی کے دل میں شبہ گذرے کہ جب دل میں انسان کے ڈالنا بدی
اور نیکی کے داعیہ کا اُس جانب سے ہے تو بس جبر لازم آیا اور بے اختیاری ثابت ہوئی
اور کارخانہ جزا دینے کا اور نصیحت کرنے کا اور خوف اور رغبت دلانے کا سب برباد ہو گیا اور
بھیجنا پیغمبروں کا اور نازل کرنا کتابوں کا اور قائم کرنا قیامت اور حشر اور نشر اور سوال وجواب
اور حساب وکتاب کا سب بے فائدہ اور بیکار ہو گیا جواب اس کا یہ ہے کہ جبر اُس صورت
میں لازم آتا ہے کہ ارادہ اور اختیار درمیان میں نہ ہو اور جب یہ بات ثابت ہوئی کہ جو کچھ
کہ کراتے ہیں سو اُس شخص کے ارادے اور اختیار سے کراتے ہیں پھر جبر کس واسطے لازم آویگا
اور ہر شخص اپنے نیک اور بد کاموں کو اپنے ارادے اور اختیار سے کرتا ہے اور حرکتیں اختیاری
اور جمادات کی میں جیسے پانی کا بہنا اور پتھر کا پڑا رہنا ان میں فرق ظاہر ہے پس جبر اسکو کہتے
ہیں نہ اُس کو اور جزا دینے کے واسطے اور سوائے اس کے اور جو ایسا امر ہے اُس کے واسطے
وجود اختیار کا کافی ہے نہ یہ کہ اختیار بھی اپنے ہاتھ میں ہو اور جو بندے کی ذات نے قوام
اور وجود دوسری جائے سے پیدا کیا ہے تو اختیار اس کا کیونکر اپنی ذات سے ہوگا کہ مرتبہ صفت
کا موصوف سے ادنیٰ ہے اور فجور کے معنی کی تحقیق یہ ہے کہ آدمی کو حق تعالیٰ نے تین قوتیں
عنایت کی ہیں ایک قوت عقلی ہے جس کے سبب سے نیک اور بد کو دریافت کرتا ہے اور

دوسری قوت شہوی یعنی خواہش کی ہے جس کے سبب سے چیزوں کی طرف خواہش کرتا ہے
اور اپنی لذتوں کو حاصل کرتا ہے اور تیسری قوت غضبی ہے کہ اُس کے سبب سے اپنے
مخالف اور مزاحم کو دفع اور دور کرتا ہے سو آدمی کی جب یہ دونوں قوتیں یعنی شہوی اور غضبی
اُس کی عقلی قوت کی فرمانبردار ہو جاویں اور بے اُسکی صلاح کے کوئی کام نہ کریں جس
چیز کو حکم کرے وہی کام کریں اور جس سے منع کرے اُس سے دور رہیں اور جس سے کہے
لڑنے کو تو لڑ بیٹھیں اور جس کو منع کرے اُسکو روک دیں اور وہ شخص اپنی قوت عقلیہ کو شریعت
کے نور سے روشن کرے اور انبیاءؑ کے طریقے پر چلاوے اور نیک کو نیک اور بد کو بد پہچان
کے ان دونوں قوتوں کو کام میں لگادے تب مرتبہ تقویٰ کا حاصل ہوتا ہے اور اگر خدانخواستہ
قوت عقلیہ اُس کی نور شرع سے منور نہ ہووے اور نیک کو بد اور بد کو نیک جانا یا باوجود منور
ہونے کے شریعت کے نور سے حکم قوت عقلیہ کا ان دونوں قوتوں پر جاری نہ ہوا اور یہ دونوں
قوتیں اُس کے کہنے پر نہ چلیں بلکہ اس قوت عقلیہ کو بھی اپنا فرمانبردار کر لیا اور جس طرف
چاہا خواہش کی اور جس سے چاہا لڑ بیٹھے اُس وقت مرتبہ فجور کا حاصل ہوتا ہے پس حقیقت
فجور کی غالب ہو جانا قوت شہویہ کا اور غضبیہ کا ہے قوت عقلیہ پر وَتَقْوٰىهَا ۝ اور الہام کیا
اُس نے نفس کو تقویٰ اُس کا اور تقویٰ کی حقیقت قوت عقلیہ کو قوت شہویہ اور غضبیہ پر غالب
کرنا ہے اور جو قسم کھانے سے فراغت پائی تو اب وہ مضمون جس پر قسم کھائی ہے یاد فرماتے
ہیں قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝ تحقیق خلاصی پائی جس شخص نے پاک کیا اُس نفس کو اور نفس
پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ قوت شہویہ اور قوت غضبیہ کو عقل کا تابع کرے اور عقل کو فرمانبردار
شریعت کا تاکہ روح اور دل دونوں تجلی الٰہی کی روشنی سے روشن ہو جاویں اور مرتبہ اُس کا
فرشتے کے مرتبے سے بھی بڑھ جاوے اس واسطے کہ فرشتے صرف قوت عقلیہ رکھتے ہیں قوت
شہویہ اور غضبیہ سے پاک ہیں اور اس شخص نے قوت شہویہ اور غضبیہ کو پست کر کے قوت عقلیہ
کا تابع اور فرمانبردار کر دیا ہے اور اپنی عقل کو خادم شرع شریف کا کیا ہے اور یہ مرتبہ بڑی
کوشش اور مجاہدے سے حاصل ہوتا ہے کہ فرشتوں کو یہ بات ہرگز میسر نہیں ہو سکتی
اور یہ بھی ہے کہ شہوت اور خشم اُس کے شرع کے فرمانبردار ہو کے عجیب اور غریب حالتیں

شوق اور ذوق اور غیرت الٰہی کی اور مقابلہ دین کے دشمنوں سے کرتے رہتے ہیں کہ فرشتوں
کو یہ باتیں اور یہ مرتبے ہرگز نصیب نہیں ہیں اور نفس کے پاک کرنے کے واسطے طریقت والے
بزرگوں نے رسالے اور کتابیں تالیف اور جمع کی ہیں جیسے قوت القلوب اور احیاء العلوم
اور تعرّیف اور عوارف اور سوائے اِن کے بہت سی کتابیں ہیں اس فن میں لیکن جو قرآن
مجید سے دریافت ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ بیس آیتوں میں قرآن شریف کی فلاح کے لفظ کو
بعضے نیک عمل پر لائے ہیں اور اس آیت میں فلاح کو تزکیہ نفس سے مربوط کیا ہے تو ان
عملوں کو بجالانا بموجب اس اشارے کے نفس کے تزکیہ اور پاکی کے واسطے کافی ہوگا اور
حقیقت میں وہ رسالے اور کتابیں جو طریقت کے بزرگوں نے جمع کی ہیں اُن ہی بیس
آیتوں کی شرح ہے عمدہ اُن آیتوں میں وہ ہیں جو سورۂ بقرہ کے اوّل میں ہیں جیسے
ھدی للمتقین الذین یؤمنون بالغیب سے اولٓئک ھم المفلحون تک اور سورۂ
مؤمنون میں جیسے قد افلح المؤمنون سے ھم فیھا خلدون تک اور اسی طرح
سورۂ روم میں اور سورۂ توبہ میں اور سوائے اُن کے دوسری سورتوں میں آیتیں متفرق
مذکور ہیں وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ۝ اور تحقیق نامراد ہوا اور اپنا نقصان کیا جس نے گمنام
کیا اس نفس کو اور خاک میں ملایا اور نفس کے گمنام کرنے کے یہ معنی ہیں کہ اُس پر تجلّی
الٰہی کے نور کی روشنی نہ پڑے اور یہ بات بسبب راجح اور غالب کرنے شہوت اور غضب کے
اور مقتضیات کے اس عقل کے مقتضیات پر جو شرع کی تابع ہے حاصل ہوتی ہے اور جب
اس نور سے محروم رہا تو اِس کا مرتبہ حیوان کے مرتبے سے بھی کمتر ہو گیا اِس واسطے کہ حیوان
کو اس نور کی تحصیل کے اسباب دیے نہیں گئے ہیں اور اس شخص نے باوجود موجود ہونے
ان اسباب کے اُس نور کو حاصل نہ کیا بلکہ ان اسباب کو مغلوب کر کے ایک پردہ اپنے دل پر
ڈال لیا کہ اُٹھانا اُس کا دشوار ہے اور جو غالب کرنا شہوت اور غضب کا عقل اور شرع کے
مقتضیات پر نزدیک عوام الناس کے نقصان اور محرومی کا سبب نہیں ہے بلکہ اس قسم کے
کاموں پر جرأت کر بیٹھنے کو بڑی دانائی جانتے ہیں اور نام اور مرتبے و دنیاوی کے حاصل
کرنے میں اس جرأت کو سبب قوی جانتے ہیں اسی واسطے عاقلوں نے کہا ہے مَنْ رَاقَبَ

النَّاسُ مَاتَ هَمًّا وَ فَازَ بِاللَّذَّاتِ الْجَسُوْرُ یعنی جس نے خوف کیا لوگوں سے تو مرا جل
جل کر اور پہونچا مراد کو جس نے دلیری کی اور بعضوں نے اِسی مضمون کو اس طور سے بھی کہا
ہے اَلرِّزْقُ یُخْطِیُ بَابَ عَاقِلِ قَوْمِہٖ وَ یَبِیْتُ بَوَّابًا بِبَابِ الْاَحْمَقِ یعنی رزق چوک
جاتا ہے توم میں عاقل کے دروازے کو اور رہتا ہے نگہبان بن کے احمق کے دروازے
پر اسی واسطے ضرور ہوا کہ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا کے مضمون پر تمثیل اور شاہد کے طور پر ایک
قصّے کو بیان کریں تا کہ اُس قصّے کے مضمون سے خود بخود ظاہر ہو جاوے کہ شہوت اور غضب
کے حکم کو عقل اور شرع کے حکم پر غالب کرنا اور عقل اور شرع کو محکوم شہوت اور غضب کا بنانا
رفتہ رفتہ دین کے انکار اور تکذیب کا سبب پڑتا ہے اور ہمیشگی کی ہلاکت کا موجب ہوتا ہے بلکہ
بعضے وقت دنیا میں بھی سوائے خرابی اور رُسوائی کے کچھ فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ اب اس
قصّے کی طرف اشارہ فرماتے ہیں كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَآ انکار کی پیغمبر اور حق تعالیٰ کے
حکم کی ثمود کی توم نے اپنی سرکشی کے سبب سے یعنی اپنی شہوت اور غضب کی خواہشوں کو
شرع اور عقل کے حکموں پر غالب اور حاکم کیا اور یہ غلبہ انکار اور تکذیب کا سبب ہو گیا
ان کے حق میں اور طغوىٰ کے لفظ میں ایک اشکال ہے مشہور اس واسطے کہ طغیان سے مشتق
ہے تو موافق قاعدے کے چاہیے تھا کہ طَغْیَا ہوتا ہے کو وا ؤ سے کس واسطے بدل کیا سو صرف
کے عالموں نے اس اشکال کے جواب میں یوں لکھا ہے کہ فعلیٰ کبھی اسم ہوتا ہے اور کبھی
صفت تو واسطے فرق کے درمیان اسم اور صفت کے اسم میں یا کو واؤ سے بدل کرتے ہیں
اور صفت میں اپنی اصل پر رہنے دیتے ہیں چنانچہ کہتے ہیں اِمْرَأَۃٌ صَدْیَا وَخَزْیَا یعنی
ایک عورت ہے پیاسی اور رُسوا اور ثمود نام ہے ایک شخص کا حضرت نوح علیہ السلام کی
اولاد سے یعنی بیٹا عامر بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام کا ہے کہ چوتھی پشت میں
حضرت نوح علیہ السلام سے ملتا ہے سو اس شخص کی اولاد بعد ہلاک ہونے عاد کی توم کے
عرب کے ملکوں میں پھیل گئی تھی اور اُن ملکوں کی مالک ہو گئی تھی اور ان کا ملک اصلی
یعنی وطن شام اور حجاز کے درمیان میں تھا اور اُن کے شہروں میں سے جو شہر شام کے
قریب تھا نام اُس کا حجر تھا اور جو شہر حجاز سے ملا ہوا تھا نام اس کا وادی القریٰ تھا اور ان

دونوں کے درمیان میں ایک ہزار سات سو بستیاں چھوٹی بڑی ملا کے یعنی گانوں اور قصبے اور شہر اُن کے تصرف میں تھے اور بستی میں سنگین عمارتیں بنائی تھیں اور کھیتی کرتے تھے اور کنوئیں اور تالاب کھودتے تھے لیکن اُس زمین میں پانی کم تھا اور پتھر کے سبب سے کنواں اور تالاب دشواری سے کھودا جاتا تھا اور اکثر مال اُن کا عمارت کے بنانے میں اور باغوں کے لگانے میں اور پتھر تراش کے مکان بنانے میں اور کنواں اور تالاب پہاڑوں کے اندر کھُدانے میں خرچ ہوتا تھا یہاں تک کہ بڑے بڑے سنگ تراش کاریگر پہاڑوں پر عمارتیں منقش تراشتے تھے آخر کو ہوتے ہوتے پتھروں کی صورتیں عجیب وغریب تراشنے لگے اور اُن کو پوجنا شروع کیا اور یہ رسم اُن میں رائج ہوئی یہاں تک کہ بالکل بُت پرستی اُن میں پھیل گئی اور حق تعالیٰ سے بالکل غافل اور بے خبر ہوگئے تب حق تعالیٰ نے حضرت صالح بن عبید علیہ السلام کو کہ صورت اور شکل میں سب سے بہتر تھے اور حسب ونسب میں بھی سب سے اعلیٰ اور خوبتر اور لڑکپن سے نیکبختی اور صلاحیت کی نشانیاں اُن میں پائی جاتی تھیں مرتبہ رسالت کا عنایت فرما کے وحی نازل فرمائی اور حکم الٰہی اُن کو ہوا کہ اپنی قوم کو سمجھا کے بتونکی عبادت سے باز رکھو اور منع کرو اور عبادت رب الارباب کی طرف اُن کو رغبت دلاؤ اور مشغول کرو اور یہ حکم الٰہی اُن کو پہونچاؤ اور خوب اچھی طرح سے سمجھاؤ کہ یہ سب نعمتیں کہ تمکو حاصل ہیں اللہ تعالےٰ کی عنایت کی ہوئی ہیں ان نعمتوں کا شکر ادا کرو اور ان نعمتوں کو غیر خدا کی طرف منسوب نہ کرو اور سرکشی اور تکبر کو چھوڑو حضرت صالح علیہ السلام نے بموجب حکم الٰہی کے تبلیغ احکام اور دعوت اسلام اپنی قوم کو کرنا شروع کی اور قوم نے انکار پر اصرار کیا اور حضرت صالح علیہ السلام سے معجزہ طلب کیا آپ نے فرمایا کہ اگر میں بموجب تمھاری خواہش کے معجزہ تم کو دکھاؤں اور پھر تم نے میرا کہنا نہ مانا اور ایمان نہ لائے تو تم سب عذاب الٰہی میں گرفتار ہوگے ان لوگوں نے اس بات کو یقین نہ کیا اور کہا کہ ہم سب فلانی تاریخ ہر سال شہر کے باہر جاتے ہیں اور پوشاک اور زیور سے بتوں کو آراستہ کرکے باہر نکالتے ہیں اور حاجتیں تمام سال کی اُن بتوں سے اُس دن مانگتے ہیں اور وے ہمکو دیتے ہیں تو بھی اُس دن ہمارے ساتھ چلُ اور اپنے خدا سے اپنا مطلب طلب کر دیکھیں تو تیرا خدا کیا دیتا ہے حضرت صالح علیہ السلام

نے اِس بات کو قبول کیا اور اُس دن جس کا وعدہ ہوا تھا سب کے ساتھ باہر نکلے اور تھوڑے
سے لوگ جو ایمان اُن پر لائے تھے وے بھی اُن کے ساتھ ہوئے اور جب عیدگاہ کو پہونچے
دیکھا کہ بتوں کو نہایت زیب و زینت سے آراستہ کر کے اپنے سامنے تختوں پر بیٹھایا ہے اور نہایت
ادب اور ملاحظہ سے سب قوم اُن کے سامنے کھڑی ہوئی اپنی اپنی حاجتیں مانگ رہے ہیں
حضرت صالح عہ نے فرمایا کہ تم اپنے بتوں سے کوئی چیز انوکھی مانگو تاکہ ہم بھی دیکھیں کہ یہ تمھارے
بُت کیسی قدرت رکھتے ہیں اُن لوگوں نے کہا کہ اچھا پھر اُن بتوں سے ایک چیز انوکھی مانگنا
شروع کیا اور نالہ اور فریاد اور عاجزی اور چاپلوسی حد سے زیادہ کی لیکن سوائے محنت بیفائدہ
کے کچھ بھی حاصل نہ ہوا آخر کو عاجز ہو کے بیٹھ رہے تب حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ
اب جو تم کہو میں بھی اپنے اُس مالک الملک اور قادر علی الاطلاق کے سامنے ہاتھ پھیلا کر
مانگوں اور اُس کی قدرت کو بھی دیکھو کہ کیسا اپنے بندۂ خاص کی فریادرسی کو پہونچتا ہے اور جو
مانگوں سو دیتا ہے جندع بن عمرو نے کہ اُن کے سرداروں میں بڑا سردار تھا دوسروں سے
کہا کہ اُن سے ایسی چیز طلب کیا چاہیے کہ عقل کے نزدیک محال ہو تاکہ اِن سے لائی نہ جائے
اور ہمارے بتوں کی بھی عزت و آبرو باقی رہ جائے والا ہم خفیف اور ذلیل ہو جائیں گے سب نے
کہا کہ تو ہمارا سردار ہے اور عقل اور دانائی میں بھی سب سے زیادہ ہوشیار تو کوئی ایسی چیز تجویز
کر کے کہہ کہ یہ عاجز ہو جاویں اور لا نہ سکیں تب جندع نے صالح علیہ السلام سے کہا کہ اس
پہاڑ کے پشتے سے کہ عیدگاہ کے سامنے ہے اور اس پشتے کو اُن کے عرف میں کاثبہ کہتے تھے
ایک اونٹنی ہمارے واسطے نکال کہ اُس کی پیشانی سیاہ ہو اور سارا بدن اُس کا سفید اور بال
اُس کے بڑے ہوں اور نرم اور اُس کے دسؔ مہینے کا حمل بھی ہو اور ڈیل اُس کا بہت بڑا ہو
کہ ہم سب کو ایک ٹیکرے کے برابر معلوم ہووے اور اس پتھر سے نکلنے کے بعد ہمارے سامنے
بچہ جنے اور وہ بچہ بھی اُسی کے مانند ہو شکل اور رنگ اور ڈیل میں حضرت صالح علیہ السلام
نے فرمایا کہ اگر میں اسی طرح کی اونٹنی اس پتھر سے نکالوں تو تم ایمان لاؤ گے اور حق تعالے
کے دین اور حکم کے فرمانبردار ہو گے سب نے اقرار کیا کہ اگر یہ امر ظہور میں آویگا تو ہم سب
ایمان لاویں گے حضرت صالح علیہ السلام نے اِس بات پر عہد اور پیمان کیا اور قول اور قرار

اُن سے مضبوط لیا پھر اُن لوگوں کو جو اُن پر ایمان لائے تھے اپنے ساتھ لے کر اُس پتھر کے نزدیک تشریف لیگئے اور دو رکعت نماز ادا کی اور درگاہ میں جناب الٰہی کے دعا میں مشغول ہوئے اور ان مسلمانوں کو کہا کہ تم سب میرے پیچھے کھڑے ہو کر آمین کہو اور اُس قوم ثمود کے سردار مع فوج اور لشکر گرداگرد اُن کے گھیر کے کھڑے ہوئے اور تماشا دیکھنے لگے کہ کیا ہوتا ہے کہ یکایک قدرت سے اُس قادر توانا کی اُس پہاڑ کے پُشتے سے آواز جانور کے چلانے کی آنے لگی جس طرح جانور جننے کے وقت آواز کرتا ہے یہاں تک کہ وہ پُشتہ پھٹا اور ایک اونٹنی جیسی اُس نے طلب کی تھی ویسی ہی نکلی اور جنگل میں چرنے لگی اور بعد ایک ساعت کے اُس کے بھی دردزہ شروع ہوا اور وہ بھی ایک بچہ جنی اپنے برابر قدوقامت میں اور صورت و شکل میں اس ماجرے کو دیکھ کر لوگ ایک آواز کر اُٹھے اور سب اس بات کے قائل ہوئے کہ حضرت صالحؑ کا معبود بڑی قدرت رکھتا ہے اُسی پر ایمان لانا چاہیئے اور جندع بن عمر و چھ ہزار آدمیوں سے ایمان لایا اور اسلام سے مشرف ہوا اور حضرت صالح علیہ السلام کے قدموں پر گر پڑا اور پچھلی تقصیروں سے نادم اور شرمندہ ہوا اور اُس کی بخشش طلب کی اور دوسرے سردار اپنے نفس کی شامت سے اُسی انکار پر قائم رہے اور اپنے فرمانبرداروں کو بھی سمجھایا اور بھڑکانا شروع کیا کہ ایسے جادو پر فریفتہ مت ہوا اور اپنے دین اور مذہب کو مت چھوڑو اور اسی پر مضبوط رہو کہ یہ وقت آزمایش اور امتحان کا ہے اُن بدبختوں نے اپنے رئیسوں کے بھڑکانے سے کفر کے کلمے کہنا شروع کیے اور حضرت صالحؑ کو جادوگر قرار دیکر پھر گئے۔ تب حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ تم نے خلاف عہد کے کیا اور مجھ پر ایمان نہ لائے اب تمھارے بچاؤ کی عذاب الٰہی سے یہ صورت ہے کہ اس اونٹنی اور اس کے بچے کو نہایت تعظیم سے اپنے ملک میں رکھو کسی طرح سے اُس کو رنج مت دو اور بُری طرح سے مت چھیڑو کہ تمھارے امن اور بچاؤ کی سبب ہے اور جب تک یہ اونٹنی اور اس کا بچہ تم میں رہے گا عذاب الٰہی تم پر نہ آوے گا اور جو کسی طور سے تم نے اس کو بُرائی پہونچائی تو عذاب الٰہی میں گرفتار ہوگے اب اس جگہ پر جاننا چاہیئے کہ اس معجزے کے خاص ہونے میں اُس

قوم کے واسطے بھید یہ تھا کہ اُن کو پتھر تراشنے اور تصویر بنانے میں بڑا دخل تھا اور اس
کام میں بڑی بڑی باریکیاں اور کاریگریاں کرتے تھے تو اس معجزے کے خاص کرنے
میں اُس گروہ کے واسطے اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ ہر چند کہ تم لوگ پتھر کی
تصویریں عجیب اور غریب بناتے ہو لیکن جان اُس میں نہیں ڈال سکتے اور ہم پتھر سے
ایک جاندار جانور کہ اس ملک کے جانداروں سے بڑا ہو نکال سکتے ہیں **شعر**

کافران از بتِ بے جان چہ توقع دارید	باری آں بُت بپرستید کہ جانے دارد

اور اس میں اشارہ اس بات کی طرف بھی ہوا کہ حق تعالیٰ کی ہدایت پتھر کے دلوں کو نرم
کرسکتی ہے اور اُس سے روح کے وصف ظاہر کرسکتی ہے اب آئے ہم باقی رہے قصّے
کے بیان پر کہ اونٹنی قد اور قامت اور ڈیل اور ڈول میں بھی بہت بڑی تھی چنانچہ حضرت
ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ بڑے جلیل القدر صحابیوں میں سے ہیں وہ فرماتے
ہیں کہ میں ثمود کے شہر میں جس کا حجر نام ہے گیا تھا اُس اونٹنی کے بیٹھنے کی جگہ کہ مشہور
ہے اور لوگ اُس کی زیارت کرتے ہیں اپنے ہاتھ سے میں نے ناپی تھی تو ساٹھ گز دور
اُس کا ہوا تھا اور اُس اونٹنی کی خاصیت یہ تھی کہ سب جانور اہلی اور جنگلی اُس کے دیکھنے
سے خوف کھا کر بھاگتے تھے اور جس جنگل میں وہ چرتی تھی کوئی دوسرا جانور قدم نہیں رکھ
سکتا تھا اور جس کنوئیں اور تالاب اور ندی پر وہ پانی پینے کو جاتی تھی تو سب پانی اُسکا
پی لیتی تھی اور جس چراگاہ میں وہ چرتی تھی اُس میں گھاس کا نام بھی نہیں رہتا تھا اور شام
کے وقت جو شہر میں آتی تھی سب شہر والے اپنے اپنے برتن لا کے اُس کے دودھ سے بھر
لیتے تھے اور تمام شہر والوں کو اُس کا دودھ کفایت کرتا تھا جب ایک مدت اسی طور
سے گذری تو مواشی اور جانوروں والے اُس کے پھرنے اور سیر کرنے سے عاجز ہوئے
اور حضرت صالح علیہ السلام سے فریاد کی آپ نے مصالحت کے طور پر ایسا ٹھہرایا کہ ایک
دن تم سب اپنے جانور چرایا کرو اُس دن اونٹنی کو ہم اپنے گھر میں بند رکھیں گے اور دوسرے
روز ہم اُس اونٹنی کو چھوڑ دیں گے اُس دن تم اپنے جانوروں کو بند رکھو اس قول اور قرار
پر ایک مدت تک گذران کرتے رہے لیکن شہر والوں پر جو جانوروں کی پرورش کا ذوق

اور شوق رکھتے تھے یہ قسمت بھی گراں گذری اور اپنے دلوں میں کہتے تھے کہ کسی حیلے اور تدبیر سے اِس اونٹنی کو یہاں سے دور کیا چاہیئے تاکہ ہمارے جانور اچھی طرح فراغت سے پانی اور چارہ کھایا کریں لیکن عہد کے ٹوٹنے اور قول اور اقرار کے خلاف ہونے سے خوف کھاتے تھے اِس درمیان میں ایک نوجوان اُسی قوم کا کہ نہایت شورہ پُشت اور ذنگی تھا اور اُس کا نام قدار بن سالف تھا کوتہ گردن چار شانہ ماں باپ کو آزار دینے والا زبان دراز ہتھ چھُٹ پیدا ہوا اور وہ ایک عورت فاحشہ پر عاشق ہوا اور اس عورت کا نام عنیزہ تھا کہ خوبصورتی اور خوش اسلوبی اور لطیفہ گوئی اور نزاکت طبع میں وہاں مشہور تھی اور اس فاحشہ کے گھر میں آٹھ شخصوں سے جو اُس کے ہم مشرب اور ہم وضع تھے اور اُن میں سے ایک کا نام مصدع بن واہر تھا کہ اُس کے چچا کا بیٹا تھا جاتا تھا اور اُس سے حظ نفسانی حاصل کرکے روسیاہی دونوں جہان کی کمایا کرتا تھا اور اُس کے یار اور ہم نشیں شراب خوری کرکے اُس کے گھر کی لونڈیوں باندیوں سے اپنا مُنھ کالا کیا کرتے تھے ایک روز اُس جوان نے یعنی قدار نے اُس فاحشہ سے کہا کہ کب تک یہ آشنائی چوری چھُپی رہیگی کھُل کے مجھ سے نکاح کیوں نہیں کرلیتی ہے کہ عمر بھر ہنسی خوشی سے گذران کریں اُس قحبہ نے کہا اگر اس بات کا تجھ کو خیال ہے تو ایک فرمایش میری ہے اگر اُس کو تو بجا لائے تو میں مع مال و اسباب اور لونڈیوں کے تیری فرمانبردار ہوکر رہوں اور وہ کام یہ ہے کہ اس اونٹنی کو جس نے مجھ کو اور تمام شہر کو ایک رنج اور بلا میں ڈال رکھا ہے اور تمام جانوروں بے زبان کو بھوک اور پیاس کے عذاب میں گرفتار کر رکھا ہے کسی طرح مار ڈال اور اُسکی کونچیں کاٹ کہ ہم بلا سے نجات پاویں اور اُس قحبہ کے چوجانور بہت تھے اس سبب سے اور لوگوں سے زیادہ اُسکو اس اونٹنی سے دشمنی تھی غرضکہ قدار نابکار نے اس ادنیٰ اور خسیس کام کے واسطے ایسے بڑے گناہ کرلے کا اقرار کیا اور اس اونٹنی کے مارنے کی تدبیریں پڑا اور اپنے یاروں اور آشناؤں کو بھی اس کام میں اپنا رفیق کیا اور ایک روز ایک تنگ گلی میں جو اُس اونٹنی کے آنے جانے کی راہ تھی اُس کی راہ روک کے گھات میں بیٹھا اور اپنے یاروں کو بھی اُس کوچے میں گھات کی جگہوں میں بٹھایا جس وقت وہ اونٹنی چراگاہ

سے پھری اور اُس کوچے میں پہونچی تو پہلے مصدع نے تیر اُس کی پیشانی پر مارا اور دوسرے ساتوں شخص تلواریں کھینچ کے غل مچاتے ہوئے اونٹنی تک پہونچے لیکن وہ اونٹنی باوجود زخمی ہونے کے کسی کو اپنے پاس آنے نہیں دیتی تھی اور جس طرف حملہ کرتی تھی سب کو بھگا دیتی تھی آخر کو قدار نابکار نے اُس کے پیچھے پہونچکر ایک تلوار اُس کی کونچوں میں ماری کونچوں کے کٹتے ہی وہ اونٹنی زمین پر گر پڑی زمین پر گرتے ہی جب اُس کے یار گردسے پہونچے تو تلواروں سے اُس کو پرزے پرزے کر ڈالا اس بات کو سُنکر شہر والے سب خوش ہوئے اور اُس کے گوشت کو تقسیم کرکے شہر والے اپنے گھر کو لے گئے اُس کا بچہ جو پیچھے سے آیا اور اپنی ماں کا یہ حال دیکھا تو وہاں سے بھاگ کر اُسی پہاڑ کی پُشت پر جاکر کھڑا ہوا یہ خبر حضرت صالح علیہ السلام کو پہونچی تو افسوس کرتے ہوئے باہر نکلے اور شہر والوں سے فرمایا کہ یہ تم نے اچھی بات نہ کی بلکہ خدا کے عذاب کو قصد کرکے اپنے واسطے منگوایا اب بھی ایک بچاؤ کی صورت ہے کہ میرے ساتھ آؤ اور اُس کے بچے کو اپنے شہر میں لاؤ تاکہ اُس کے سبب سے حق تعالیٰ کے عذاب سے بچ جاؤ قدار نابکار اور دوسرے کافروں نے اس بات کو نہ سُنا اور اُس بات کی کچھ حقیقت نہ جانی تب تو حضرت صالح علیہ السلام سب مسلمانوں کے ساتھ اُس بچے کے لانے کو جنگل کی طرف گئے جوں ہی بچے نے حضرت صالح علیہ السلام کو دیکھا تین مرتبے آواز کی اور وہ پُشتہ پہاڑ کا پھٹا اور وہ بچہ اُس کے اندر گھس گیا تب حضرت صالح علیہ السلام اس حال کو دیکھ کر افسوس کرتے ہوئے پھر آئے اور شہر والوں سے کہا کہ تم نے اپنی خرابی اپنے ہاتھ سے کی اور اُس بچے کے تین مرتبے آواز کرنے کی تعبیر یہ ہے کہ تم کو تین دن مہلت ہے عذاب الٰہی سے پہلے دن مُنھ تمھارے زرد ہو جاویں گے اور دوسرے دن سُرخ ہو جاویں گے اور تیسرے دن سیاہ اور یہ ماجرا تھوڑے دن رہے بُدھ کو ہوا تھا جمعرات کی صبح شہر والے جو سو کے اُٹھے تو دیکھا کہ سب کے مُنھ زرد ہو گئے ہیں تب سب کو یقین ہوا کہ جو کچھ حضرت صالحؑ نے کہا تھا سب سچ اور واقع ہونے والا ہے لیکن اُس وقت اُنکی قوت غضبیہ نے جوش کیا اور قوت عقلیہ بالکل معزول ہو گئی یعنی قدار نے اپنے آٹھوں یاروں سے قسمیہ ہو کر یہ بات ٹھہرائی کہ قبل آنے تیسرے

دن کے حضرت صالح علیہ السلام کا کام تمام کیجیے یہ ارادہ دل میں ٹھان کر اُسی رات کو
یہ نو آدمی حضرت صالح علیہ السلام سے بے ادبی کرنے کو چلے اُس وقت حضرت صالح
علیہ السلام اپنی مسجد میں تھے ایک درخت اُس مسجد میں تھا وہ بلند آواز سے بولا قدار اپنے
یاروں کے ساتھ آپ کے مارنے کو آتا ہے سو آپ اپنے گھر میں تشریف لیجائیے اور دروازہ
بند کر لیجیے حضرت صالح ؑ نے اُس کے کہنے کے بموجب عمل کیا اور گھر میں دروازہ بند کر کے
جا بیٹھے جب قدار نابکار اپنے یاروں کے ساتھ مسجد میں آیا اور حضرت صالح علیہ السلام کو
وہاں نہ پایا تو ارادہ کیا کہ آپ کے مکان کا دروازہ توڑ کر اندر گھس کے آپ سے بے ادبی
کریں وے اسی سوچ میں تھے کہ یکایک فرشتے بموجب حکم الٰہی کے آپ کی حمایت اور مدد
کو پہونچے اور اپنے پروں کو اُن بدبختوں کے مُنھ پر مارا بمجرد اس مارنے کے وہ سب اندھے
ہو گئے اور حیران اور پریشان گرتے پڑتے بے تحاشا وہاں سے بھاگے اور اس بھاگنے میں
کسی کا سر دیوار میں لگ کر پھٹ گیا اور کوئی کنوئیں میں گر کر مر گیا یہاں تک کہ سب کے
سب مر گئے اور خسر الدنیا والآخرۃ ہوئے دوسرے دن شہر والے جو اُٹھے تو سب کے
مُنھ سُرخ پائے اور قدار وغیرہ کے وارثوں نے جو اُنکی تلاش کی تو حضرت صالح علیہ السلام
کے گھر کے قریب ان سب کو مرا ہوا پایا پھر اس حال کو شہر کے رئیسوں اور سرداروں سے
جو کافر تھے ظاہر کیا تو سردار سب شہر والے حضرت صالح علیہ السلام کے گھر پر چڑھ آئے اور
گھر کو گھیر لیا اور کہا کہ تم نے اس اونٹنی کے عوض میں ہمارے جو نو آدمی رات کو مار ڈالے ہیں
ہم اُن آدمیوں کے عوض میں تم کو اور تمھارے سب گھر والوں کو مار ڈالیں گے حضرت صالح
علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم ان لوگوں کے گھر مارنے کو نہیں گئے تھے یہ خود ہمارے گھر پر رات
کو چڑھ کے آئے تھے اللہ تعالیٰ نے غیب سے اُن کو سزا دی وہ سب اسی جواب اور سوال
میں تھے کہ جندع بن عمرو اُس شہر کا بڑا رئیس کہ مع اپنی فوج کے اسلام سے مشرف ہوا
تھا اور بڑا معتقد اور دوست حضرت صالح علیہ السلام کا تھا اِس حال کی خبر پا کے مع اپنی
فوج کے حضرت صالح علیہ السلام کی مدد کو پہونچا اور اُن رئیسوں اور شہر والوں سے مقابلہ
کیا آخر کو چند آدمیوں نے درمیان میں آ کے اس بات پر صلح ٹھہرائی کہ حضرت صالح علیہ السلام

اس شہر سے باہر جاویں حضرت صالح نے اس بات کو غنیمت جانا اور جندع بن عمرو
اور دوسرے مسلمانوں کو اپنے ساتھ لے کر شہر سے باہر چلے گئے تیسرے دن کہ سنیچر کا دن
تھا صبح کو شہر کے لوگ جو اُٹھے سب کے مُنھ کالے پائے اُس دن پھر نہایت تشویش میں
رہے کہ کیا ہونے والا ہے آخر یہ بات سوچے کہ سنگین مکانات خالی کیجیے اور خدا کا عذاب
جب آوے گا تو اُن مکانوں میں چھُپ رہیں گے کیونکہ عذاب الٰہی آسمان سے آوے گا
جیسے پانی یا پتھر کا برسنا یا زمین سے ہو گا جیسے زلزلہ اور ان سب چیزوں سے ان مکانوں
میں بچاؤ ہے اس واسطے کہ یہ مکان پہاڑ کو تراش کے بنالیے ہیں ایسی چیزوں سے ان مکانو
میں کچھ دہشت نہیں ہے یہ نہ سمجھے کہ حق تعالیٰ کے غضب سے کوئی چیز بچا نہیں سکتی حاصل
کلام کا پنجشنبہ کی صبح کو حضرت جبرئیل علیہ السلام بموجب حکم الٰہی کے درمیان میں آسمان
اور زمین کے ایک بڑی صورت دہشت ناک سے ظاہر ہوئے اور ایک ایسی سخت آواز
کی کہ اُس کے سبب سے پہاڑ جنبش میں آگئے اور تُند ہوا آندھی کے طور سے چلنی شروع
ہوئی سب شہر والے دہشت کھا کے اُن ہی سنگین مکانوں میں گھُسے پھر حضرت جبرئیل
علیہ السلام نے ایک آواز پہلے سے بھی زیادہ سخت کی کہ اُس کے سبب سے سب شہر والے
اوندھے اپنے زانوں پر گر پڑے اور اُن کے پتے پھٹ گئے اور سب جہنم واصل ہوئے
ایک بھی اُن میں سے باقی نہ رہا حضرت صالح علیہ السلام نے جو یہ ماجرا سُنا تو مسلمانوں سے
فرمایا کہ یہ شہر غضب الٰہی کے نازل ہونے کی جگہ ہوئی یہاں پر رہنا ہرگز مناسب نہیں
ہے اس کو چھوڑو اور مکہ معظمہ کے حرم کا احرام باندھو اور وہیں چل کر رہو۔ چنانچہ وے
سب حضرت صالح علیہ السلام کے فرمانے کے بموجب عمل میں لائے اور نجات دارین
کی حاصل کی اللھم ارزقنا اتباع نبیہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حدیث صحیح
میں وارد ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک کے سفر میں حجر کے دروازے
پر پہونچے صحابہؓ سے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اس شہر میں نہ پیٹھے اور پانی
نہ پیے مگر یہ کہ روتا ہوا اور ڈرتا ہوا اس واسطے کہ روحیں اُن کافروں کی اس شہر میں
عذاب الٰہی میں گرفتار ہیں اور جس جائے پر عذاب الٰہی نازل ہوتا ہے وہاں سے

دور رہنا خوب ہے اور یہ بھی حدیث شریف میں آیا ہے کہ ثمود کی قوم کے کافروں سے
کوئی آدمی نہیں بچا مگر ایک شخص جس کا ابو رغال نام تھا کسی کام کے واسطے مکہ معظمہ میں
آیا تھا سو جب تک حرم شریف کے اندر رہا تب تک عذاب الٰہی سے محفوظ رہا جوں ہی حرم
سے باہر نکلا اور طائف کی طرف چلا راستے میں اُسی عذاب میں جس میں اُس کی قوم ہلاک ہوگئی
تھی یہ بھی ہلاک ہوا چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طائف کی مہم پر جانے کے وقت جب
اُس کی قبر پر پہونچے اور عادت وہاں کے لوگوں کی یہ تھی کہ جب اُس قبر کے نزدیک پہونچتے
تو اُس کو سنگسار کرتے تھے تب آپ نے فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ یہ قبر کس کی ہے صحابہؓ نے جواب
میں عرض کیا کہ اللہ اور اُس کا رسولؐ خوب جانتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب
قصہ اُس کا مفصل اپنی زبان فیض ترجمان سے ارشاد فرمایا اور کہا کہ اس میری بات کی
سچائی کی نشانی یہ ہے کہ اس شخص کی چھڑی سونے کی اُس کے ساتھ ہی دفن ہوئی ہے
صحابہؓ نے جو یہ کلام سُنا دوڑے اور اُس کی قبر کو تلواروں سے کھودا اور وہ سونے کی چھڑی
اُس کی نکال لائے اور اُس کی قبر کو پھر اُسی طرح بند کر دیا یہ ہے ثمود کا قصہ جو بیان ہوا
چنانچہ یہ قصہ بعضی بعضی سورتوں میں زیادہ تفصیل سے مذکور ہے مگر اس مقام پر حق تعالےٰ
نے تھوڑا اس قصے سے جتنا مناسب تھا بیان فرمایا کہ ثمود کی قوم نے سرکشی سے اور شہوت
اور غضب کی خواہشوں کے غالب کرنے سے عقل اور شرع کے حکموں پر حکم الٰہی کا انکار کیا
اور پیغمبر کو اور اُس کی لائی ہوئی چیز کو جھوٹا جانا اِذِ انۢبَعَثَ اَشۡقٰهَا ۝ جب اُٹھا اتراتا ہوا
بدبخت اُس قوم کا یعنی قدار بن سالف اور عقل اور شرع کے برعکس شہوت اور غضب کی
فرمانبرداری کی یعنی اونٹنی کی کونچیں کاٹیں اور حضرت صالح علیہ السلام کے قتل پر مستعد ہوا
فَقَالَ لَهُمۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ پھر کہا اُس کو اللہ کے رسول نے یعنی حضرت صالح علیہ السلام
نے اور اس جائے پر رسول اللہ فرمایا اُن کا نام یعنی صالح نہ فرمایا تاکہ اس بات کیطرف
اشارہ ہو کہ یہ کہنا حضرت صالح علیہ السلام کا گویا خدا کا کہنا تھا اور اُن کا ڈرانا بعینہٖ خدا کا
ڈرانا تھا اس واسطے کہ رسول جس کا ہوتا ہے اُسی کا پیغام پہونچاتا ہے اور جو کچھ کہتا ہے
اُسی کی زبانی کہتا ہے گویا رسولؐ کا حکم مالک کا حکم ہے اور اگر نام حضرت صالح علیہ السلام

کا ارشاد ہوتا تو یہ فائدہ بوجھا نہ جاتا نَاقَۃَ اللّٰہِ یعنی چھوڑ دو اور ہانکو مت اللہ کی اونٹنی کو تاکہ جہاں چاہے چرے اور جس پانی کو چاہے پیوے اور کسی طرح کا رنج اور اذیت مت دو اور اُس کی ہلاکت کے پیچھے مت پڑو اس واسطے کہ گنوار اور زمیندار بھی اپنی ناقص عقل اور شعور سے اتنا جانتے اور بوجھتے ہیں کہ زور اور حکومت والے کے جانور کو چارے پانی پر سے ہانکا نہ چاہیے بلکہ کسی طرح نہ چھیڑا چاہیئے تو خدا کے جانور کو جو سب حاکموں کا حاکم ہے اور سب زبردستوں کا زبردست اور ہر وقت سزا دے سکتا ہے اور جو چاہے کر سکتا ہے بطریق اولی چھیڑا نہ چاہیئے اور اُس کے قتل کے پیچھے نہ پڑیے کہ یہ بات بالکل عقل کے خلاف ہے پھر گنواروں اور زمینداروں اور بکریوں کے چرانے والوں کے برابر بھی نہ سمجھنا کمال نادانی اور بے وقوفی ہے اور یہ بلا عقل کے مغلوب کرنے سے اور شہوت کے غالب کرنے سے سر پر پڑتی ہے اور اس اونٹنی کی نسبت خدا کی طرف اِس واسطے ہوئی کہ وہ کسی کی ملک میں سوائے خدا کے نہ تھی اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ بے ماں باپ کے پتھر سے پیدا ہوئی تھی اور حق تعالے کی قدرت کا ظہور تھا اور دلیل تھی قیامت کے قائم ہونے پر اور مُردوں کے زندہ ہونے پر گور سے ان سب باتوں کے جمع ہونے کے سبب سے اُس کو ایک مرتبۂ عالی ایسا حاصل ہوا تھا کہ دوسرے جانوروں میں وہ بات پائی نہیں جاتی ہے جس طرح سب دنیا کے مکانوں میں بیت اللہ کا مرتبہ ہے وَسُقْیٰھَا ۞ اور چھوڑ دو پانی اُس کے پینے کا تاکہ تمھارے جانور اُس کے پانی کے حصّے میں شریک نہ ہونے پاویں اس واسطے کہ تم نے عہد باندھا ہے اور قول اور قرار کیا ہے راضی ہو کہ ایک روز یہ اونٹنی پانی پیے اور دوسرے روز تمھارے جانور پھر عہد و پیمان کا توڑنا اور قول اور اقرار کے خلاف کرنا سب شریعتوں میں اور سب دینوں میں حرام ہے اور شہوت اور غضب کو عقل پر غالب کر کے عہد کو توڑنا کمال بے دینی ہے فَکَذَّبُوْہُ پھر جھٹلایا اُس سب قوم نے حضرت صالح علیہ السلام کو اُس ڈرانے اور سمجھانے میں اور اُنکی نصیحت کو کہ اس آیت کا مضمون تھا لا تمسوھا بسوء فیاخذکم عذاب الیم قبول نہ کیا فَعَقَرُوْھَا ۞ پھر کاٹیں اُس اونٹنی کی کونچیں ہرچند کہ کونچیں کاٹنے والا وہی قدار

بن سالف تھا اور اُس کے آٹھوں یار جو اُس کے مددگار تھے لیکن جو سب شہر والوں کی
مرضی کے موافق یہ کام تھا اور سب سُن کے خوش ہوئے تھے تو گویا سب اس میں شریک
تھے اسی واسطے گروہ میں سے ایک شخص کا کام جو سب کے مشورہ اور صلاح سے ہوتا ہے
تو سب گروہ کی طرف نسبت کرتے ہیں بموجب مضمون اس شعر کے **شعر** چو از قومی
یکے بیدانشی کرد * نہ کہ را منزلت ماند نہ مہ را * اور سورۂ قمر میں فتعاطی فعقر جو واقع
ہے تو اس سے مُراد نفس اُس فعل کا کرنے والا ہے اور بس تو ان دونوں میں تعارض لازم
نہ ہوا فَدَمۡدَمَ عَلَيۡهِمۡ رَبُّهُمۡ پھر اُلٹ مارا اُن پر زمانے کو اُن کے پروردگار نے جیسا
کہ اُن لوگوں نے اللہ تعالےٰ کی اچھی ترتیب کو اُلٹ ڈالا تھا یعنی اللہ تعالیٰ نے اُنکو قوت
شہویہ اور غضبیہ اس واسطے دی تھی کہ ان دونوں کو عقل کا فرمانبردار کریں اور عقل کو
اس واسطے دیا کہ شرع کا فرمانبردار کریں اور ان لوگوں نے اس کا عکس کیا یعنی شرع
کو تابع عقل کا اور عقل کو تابع شہوت اور غضب کے کیا بِذَنۢبِهِمۡ اُن کے گناہ کے
سبب سے اور گناہ حکمت الٰہی کی ترتیب کو بدل ڈالنا اور اُس کی ضد پر عمل کرنا تھا
جیسے کوئی شخص اپنے غلام کو تلوار دے کہ میرے دشمن کو جا کر قتل کرو وہ غلام جا کے اُس کے
لڑکوں کو مار ڈالے فَسَوّٰىهَا ۖ پھر برابر کر دیا اس فرقے کو اور خاک میں ملا دیا اسواسطے
کہ اُس اونٹنی کے قتل میں سب شریک تھے باطن میں اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ
جس وقت زمین پر کوئی گناہ ہوتا ہے پھر جو کوئی اُس مجلس میں حاضر ہو لیکن دل سے
بیزار ہو اور اُس کو بُرا جانتا ہو تو وہ شخص گویا اُس گناہ سے منزلوں دور ہے کچھ گناہ کی
بُرائی اُس کو نہ لگے گی اور جو اُس مجلس سے دور ہو اور دل سے راضی اور خوش ہو اُس
گناہ کے کرنے سے وہ ایسا ہے کہ گویا اُس مجلس میں موجود ہے اور اُس گناہ میں شریک
وَلَا يَخَافُ عُقۡبٰهَا ۠ اور نہیں ڈرتا ہے اللہ تعالےٰ اُس قوم کی ہلاک کے انجام سے
اس واسطے کہ انجام کار سے وہ شخص ڈرتا ہے جس کو یہ معلوم نہ ہووے کہ انجام اُس کا اچھا
ہے یا بُرا اور نادانستہ وہ کام کر بیٹھے یا وہ شخص ڈرے جس کو اُس کے انجام کا سنبھالنا مشکل
ہو اور جو مفسدہ اُس کام کے پیچھے اُٹھے اُس کام کا تدارک قرار واقعی نہ کر سکے سوا اللہ تعالےٰ

ع ۱۵

اِن سب باتوں سے کہ موجب نقصان کے ہیں پاک ہے وہ تو علام الغیوب ہے اور پرلے
درجے کی قدرت اور غنا رکھتا ہے اُس کو کیا پروا ہے جو ایک فرقہ اُس کی مخلوقات سے
کم ہو جائے گا اور اُس کا کچھ افسوس بھی نہیں ہے کہ میں نے مدتوں سے اس فرقے کو پالا
ہے سو سب پرورش میری اکارت گئی اور جس کام کے واسطے پرورش کیا تھا وہ کام
نہ ہوا آب یہاں پر جان لیا چاہیئے کہ حدیث صحیح میں جو مسند امام احمدؒ وغیرہ معتبر کتابوں میں
پائی جاتی ہے وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے
ارشاد فرمایا کہ کچھ تم کو معلوم ہے کہ سب سے زیادہ بدبخت پہلی اُمتوں کا کون شخص ہے
اور اس اُمت میں زیادہ بدبخت کون ہے حضرت علیؓ نے عرض کی کہ مجھ کو معلوم نہیں ہے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بڑا بدبخت اگلی اُمتوں کا ایک سُرخ رنگ ثمود کی
قوم سے تھا یعنی قدار بن سالف کہ حق تعالیٰ کی اونٹنی کی کونچیں کاٹیں اور اس اُمت کا بڑا
بدبخت وہ شخص ہے جو تیرے سر پر تلوار ماریگا اور تیری داڑھی اُس خون سے رنگین
ہو گی اور اُسی تلوار سے تو شہید ہو گا آب یہاں پر ضرور ہوا کہ اگلی اُمتوں سے قدار کے
زیادہ بدبخت ہونے کی وجہ اور اس اُمت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قاتل کے
زیادہ بدبخت ہونے کی وجہ بیان کی جاوے اور اُس کا بیان موقوف ہے کئی مقدموں
کی تمہید پر پہلا مقدمہ یہ ہے کہ فرج کی شہوت سب شہوتوں سے خسیس اور بدتر ہے اسواسطے
کہ اس حالت میں آدمی عقل سے بہت دور ہو جاتا ہے اور جانور کی سی حرکتیں آدمی سے
اُسوقت ظاہر ہوتی ہیں اور اس شہوت کی جائے بھی نجاست اور ناپاکیوں سے بھری ہوئی
ہے اور عورت کی جگہ کا کھلنا اس شہوت کو لازم ہے جس کا تمام بنی آدم کے نزدیک چھپانا
واجب ہے اسی واسطے عادت پیدائشی آدمی کی ہے کہ اس شہوت کے نکالنے کے وقت
بہت پردہ کرتا ہے اور سب سے چھپاتا ہے اور اُس کا نام مجلس اور محفل میں کھولکر نہیں
لیتا سوائے اشارے اور کنایے کے اور جو گالی دنیا میں سُنی جاوے سو اسی شہوت سے
کچھ کمتی زیادتی کر کے نکلی ہو گی دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ شہوت کسی طرح کی ہو اس قسم مذکور
کی ہو خواہ دوسری قسم جیسے کھانے کی ہو یا پینے کی ہو یا مکانات کی سواری کی ہو یا سیر باغ

اور بہار کی گانے بجانے کے سُننے کی ہو یا خوشبویوں کے سُونگھنے کی اور جو سوائے اس کے ہیں یہ کمتر اور خسیس غضب اور غیرت سے ہیں اسی واسطے عرف میں اُن لوگوں کو جو اِن شہوتوں کے مغلوب ہوتے ہیں بدتر جانتے ہیں اُن لوگوں سے جو غضب اور غیرت کی شہوت سے مغلوب ہوئے ہیں جیسے بادشاہ عیاش اور تماش بین کو بُرا جانتے ہیں بادشاہ سفّاک خونریز سے اور اُس کا بھید یہ ہے کہ غضبیہ قوت سبب ہے غلبے اور قہر اور سیاست کی اور شہویہ قوت باعث ہے تملق اور چاپلوسی اور خوشامد کی اور سب لوگوں کے نزدیک فاعلیہ قوت بہتر ہے اِس واسطے کہ یہ زبردست ہے منفعلہ قوت سے اِس واسطے کہ یہ زیردست ہے تیسرا مقدمہ یہ ہے کہ جب شہوت اور غضب کے سبب سے واجب حق تلف ہونے لگیں تو سب لوگوں کے نزدیک وہ شخص معیوب اور مطعون ہوجاتا ہے اور جس قدر وہ حق بزرگ ہوگا اُسی قدر طعن اور تشنیع زیادہ لاحق ہوگی تو اوّل بدبخت وہ شخص ہے جو اپنے نفس کے حق پر شہوت اور غضب کو مقدّم رکھے اور اپنے نفس کے حق کو تلف کرے اُس سے بدبخت وہ شخص ہے کہ اپنی لذت شہوی اور غضبی کے سبب سے دوسرے کا حق تلف کرے اور اِس سے بھی زیادہ بدبخت وہ شخص ہے کہ ان دونوں لذتوں کے سبب سے بہت آدمیوں کے حقوق کو تلف کرے پھر حق بھی آپس میں مختلف ہیں جیسے دنیا کا حق کہ اُس کا تلف ہونا سہل اور آسان ہے آخرت کے حق تلف ہونے سے کہ اُس کا دفعیہ بہت مشکل ہوتا ہے چوتھا مقدمہ یہ ہے کہ آدمی پر تین حق بڑے اور عمدہ ثابت ہیں پہلا حق تعالیٰ کا حق ہے کہ اُس کا پیدا کرنیوالا اور نعمت دینے والا اور سب کام کا درست کرنے والا وہی ہے اور کسی وقت اور کسی دم آدمی اُس کے احسان سے باہر نہیں ہوسکتا اور ہر کام میں آدمی اُسی کی مدد اور مہربانی کا محتاج ہے اسی واسطے کوئی حق اور کسی کا حق اس حق کی برابری کر نہیں سکتا دوسرا حق اپنی قوم اور برادری کا ہے کہ اپنی زندگی اور موت میں اُن کا محتاج ہے اور ہر طرح کی مدد کا اُن سے اُمیدوار تیسرا حق اپنے نفس کا اور اُس حق کی حقیقت خود ظاہر ہے کچھ حاجت بیان کی نہیں ہے پس سب بدبختوں سے بدبخت وہ شخص ہے کہ ان تینوں حقوں کو ایک خسیس شہوت کے عوض میں تلف کرے سو یہ وصف اگلی اُمتوں میں قدار بن سالف میں

تھا کہ ادنےٰ اور خسیس کام کے واسطے ان تینوں حقوں کو تلف کر ڈالا اوّل اپنے نفس کے
حق کو تلف کیا اور کافر مرا اور دوزخ کا کُندہ ہوا اور اپنی زندگی کو برباد کیا دوسرے اپنی قوم
کے حق کو تلف کیا کہ اُس کے سبب سے سب حق تعالیٰ کے عتاب میں گرفتار ہوئے اور کسی کا
نشان بھی باقی نہ رہا تیسرے حق تعالےٰ کا حق تلف کیا یعنی اُس اونٹنی کو جس کو اللہ تعالیٰ نے
اپنی طرف منسوب کیا تھا اور اللہ تعالےٰ کی ہدایت کی صورت تھی اور رحمت اور عنایت الٰہی
کے نزول کی سبب تھی اور بیت اللہ کی سی بزرگی پیدا کی تھی اُس کی کونچیں کاٹیں اور ہلاک
کیا اور اس اُمت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قاتل یعنی ابن ملجم ایسا ہی بدبخت ہے توضیح
اِس ابہام کی اور تشریح اس مقام کی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی جس طرح حضرت صالح
علیہ السلام کے کمال کی صورت تھی اور اُنکی نبوّت پر گواہ صادق تھی اور قوم ثمود کی ہدایت
کے واسطے جو حق تعالےٰ کی عنایت متوجّہ ہوئی تھی اور حضرت صالح علیہ السلام کو مرتبہ رسالت
کا مرحمت کر کے اُس قوم کی طرف مبعوث کیا تھا اور وہی ہدایت اُن کے سوال کے بموجب
ناقے کی شکل ہو کے اُن میں ٹھہری تھی اور قرار پکڑا تھا یہاں تک کہ اُس کی تعظیم اور اُسکے
حق کو ادا کرنا گویا حضرت صالح علیہ السلام کی شریعت کا قبول کرنا تھا اور عذاب الٰہی کے دفع
کرنے کے واسطے اُن کے دین قبول کرنے کے قائم مقام تھی گویا حضرت صالح علیہ السلام
کی ولایت کا نور اس راہ سے جلوہ گر اور ظاہر ہوتا تھا اور اللہ تعالےٰ کے نزدیک اُن کے
مرتبے کی بزرگی اور اُن کی دعا کی قبولیت اس جھروکے سے ظاہر ہوتی تھی اسی طرح سے
وجود جسمانی حضرت امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کا کہ ختم کرنے والے خلافت حقہ کے تھے
اور جناب نبوّت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولایت کے کمال کی صورت تھی اور آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کی ہدایت کا نور اُس راہ سے جلوہ گر تھا اور اُس جناب کے قرب معنوی کی روشنی
اسی راہ سے ظاہر تھی اور پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خلافت اور نیابت اس وقت میں
اُسی ذات قابل الصفات میں منحصر تھی اِسی واسطے حدیث شریف میں جس طرح بیت اللہ
کے حق میں وارد ہے کہ اَلنَّظَرُ اِلَی الْکَعْبَۃِ عِبَادَۃٌ یعنی دیکھنا بیت اللہ کا عبادت ہے
اور قرآن شریف کے حق میں وارد ہے کہ اَلنَّظَرُ اِلَی الْمُصْحَفِ عِبَادَۃٌ یعنی دیکھنا قرآن

کے حرفوں کی طرف عبادت ہے اسی طرح حضرت علیؓ کے حق میں آپ نے فرمایا ہے کہ اَلنَّظَرُ اِلیٰ وَجْہِ عَلِیٍّ عِبَادَۃٌ یعنی دیکھنا حضرت علیؓ کے مُنہ کی طرف عبادت ہے سو اُس وقت میں وجود شریف حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مثل وجود شریف حضرت نبوّت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تھا اِس واسطے کہ اُس وقت میں تشنگان اُمّت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسی چشمۂ خاص سے سیراب ہوتے تھے اور ہر حاجت ظاہری اور باطنی کو اُس وقت میں بسبب جمع ہونے تمام صفات کمال بشری کے وہ ذات مبارک کفایت کرتی تھی ایسے وقت میں اُس وجود کو اُس بدبخت ترین بدبختوں نے شہید کیا تو گویا ہدایت کی شمع کو گُل کر دیا اور اللہ تعالیٰ کے حق کو تلف کیا اور تمام اُمت کے حق کو بھی تلف کیا یعنی ایسی ذات کو کہ اُس وقت میں اپنا ثانی اور قائم مقام فضیلت اور بزرگی میں نہ رکھتی تھی ہلاک کر کے تمام اُمّت کو جھاڑ و بے رسّی کے مانند منتشر اور فوج بے سردار کی طرح پریشان کر دیا اور اپنے نفس کے حق کو بھی تلف کیا اور کندہ دوزخ کا ہوا اور اپنی زندگانی کو برباد کیا اور یہ سب بُرائی اُس بدبخت کو اسی شہوت کے سبب سے حاصل ہوئی تھی چنانچہ روایات صحیحہ میں وارد ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قاتل عبدالرحمن بن ملجم مرادی تھا خارجی مذہب کوفے میں آیا اور ناگہاں اُس کی نظر ایک عورت خوبصورت پر جس کا نام قطام تھا پڑی اور دل وجان سے اُس پر فریفتہ ہوا اور وہ عورت بھی یہی مذہب باطل رکھتی تھی اور باپ اور بھائی اس کے نہروان کی لڑائی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ مبارک سے جہنم واصل ہوئے تھے جب ابن ملجم کو اس کی ملاقات کا خیال دل میں پڑا اور خط کتابت اس مقدمے میں اُس سے شروع کی اور آدمیوں کو درمیان میں ڈالا تب اُس عورت نے جواب میں یہ کہا کہ ایک میرا کام ہے اگر تجھ سے ہو سکے اور تو اُس کے کرنے کا اقرار کرے تو البتہ میں تجھکو قبول کروں اور اپنے تئیں تیرے نکاح میں دوں اور وہ کام یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تو شہید کر اُس ملعون نے کہ مغلوب شہوت کا تھا اس بات کو اُس ملعونہ کی قبول کیا اور اس کام کی تدبیر میں پڑا ایک تلوار ہزار درم کو خرید کی اور اُس کو زہر کے پانی سے بُجھایا اور اپنے یاروں سے اِس کام کی تدبیر پوچھی اُس کے یاروں نے کہا کہ یہ کام کچھ مشکل نہیں ہے

بہت آسان ہے اِس واسطے کہ وے کوئی نگہبان اپنے ساتھ نہیں رکھتے ہیں اور اکیلے رات کو اندھیرے میں مسجد کو جاتے ہیں کسی دن مسجد میں اندھیرے میں چھپ رہ اور اپنا کام انجام کو پہونچا اُنیسوئیں رمضان مبارک کی صبح صادق کے وقت کہ ہنوز تاریکی باقی تھی حضرت علی رضی اللہ عنہ گھر سے تشریف مسجد میں لائے اور یہ ملعون ایک ستون کی آڑ میں مستعد اسی کام پر کھڑا تھا اور آپ کی عادت شریف ایسی تھی کہ مسجد میں سوتے ہوئے آدمیوں کو تکبیر کی آواز سے بیدار کرتے تھے تاکہ وے سب اُٹھ کر طہارت کریں اسی ارادے سے جوں ہی آپ نے مسجد میں قدم مبارک رکھا وہیں اُس ملعون نے پیچھے سے غفلت میں ایک تلوار کا ضربہ آپکے سر مبارک پر مارا اور بھاگا آدمی ہر طرف سے دوڑے اور اُس کو پکڑ کے قید کیا ہر چند کہ زخم چنداں کاری نہ تھا لیکن زہر کی تاثیر سے آپ کا کام تمام ہوا اور اِس خاکدان ظلمانی سے فردوس بریں کو انتقال فرمایا اکیسوئیں رات کو رمضان کی جسد مبارک کو آپ کے نجف الحیرۃ میں کہ ایک جگہ کا نام ہے کوفے سے نزدیک مسجد جامع سے ایک فرسنگ پر حیرۃ النعمان کی راہ میں وہاں مدفون کیا اور آپ کی قبر کو بلند نہ کیا بلکہ بالکل بے نشان رکھا تا خارجی کہ اس زمانے میں کوفے کے نواح میں بہت منتشر تھے کچھ بے ادبی آپ کے جسد مبارک سے نہ کریں اور یہ قصّہ سال چالیس ہجری میں واقع ہوا اور آپ کی شہادت سے نبوّت کی خلافت منقطع ہو گئی اور کوئی قائم مقام اُس مرتبے کا نہ رہا یہی بات صحابہؓ نے سمجھ کے نہایت افسوس کیا چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب خبر شہادت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سُنی تو فرمایا کہ اب عرب جو چاہیں سو کریں اب ایسا کوئی نہ رہا کہ اُن کو کسی بدکام سے منع کرے گا اب جاننا چاہیئے کہ صحابہؓ میں بعد وفات حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علما اور واعظ بہت موجود تھے اور آدمیوں کو بدکاموں سے بے محابا یعنی بے دہشت منع کرتے تھے اور کسی کا بنی اُمیّہ کے بادشاہوں سے یا دوسرے سرداروں سے لحاظ اور خاطرداری سچّی بات کہدینے میں نہیں کرتے تھے لیکن اُن کی امر و نہی مانند سمجھانے علما کے اور رہنمائی اولیا کے تھی نہ پیغمبروں کے حکم کے مانند کہ وہ بات حضرت علی رضی اللہ

عنہ پر ختم ہو گئی اسی واسطے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے یہ کلمہ ارشاد فرمایا اسی
جگہ سے قاتل حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اشقی ہونے کی وجہ ظاہر ہو گئی کہ اُس وقت میں
تمام کمالات اس ولایت کے جو قائم مقام نبوّت کے ہے اُسی ذات مبارک میں منحصر
تھے دوسرا کوئی اُس وقت میں ویسا نہ تھا بخلاف خلفائے سابقین کے کہ اُنکے زمانے
میں دوسرے بھی جو لیاقت اس امر کی رکھتے تھے موجود تھے کہ اُن کے معدوم ہونے کے
بعد اِس امر کو سنبھال لیا اور اُن کے قتل ہونے سے دین میں خلل نہ پایا گیا بخلاف
قتل حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کہ خاتم الخلفاء تھے تو ان کا قتل گویا اللہ تعالیٰ کے نور کا
بالکل بُجھا دینا تھا اور ہدایت کی شمع کو گل کر دینا اسی واسطے اُن کے قتل سے ایسی خرابی
دین میں ہوئی کہ پھر تدارک اُس کا نہ ہو سکا اور اگر کسی کو یہ شبہ خاطر میں گذرے
کہ اُس بدبخت ترین کی حرکت سے ثمود کی قوم سب ہلاک ہوئی اور اِس اُمت کے
بدبخت ترین کی حرکت سے باقی ماندہ کو کچھ آسیب بھی نہ پہونچا اس کا کیا سبب آس کا
جواب یہ ہے کہ ان دونوں میں فرق دو وجہ سے ہے اوّل وجہ یہ ہے کہ اونٹنی کے
مارے جانے سے تمام ثمود کی قوم راضی اور خوش ہوئی تھی اور اس اُمت میں اکثر لوگ
حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قتل ہونے سے راضی نہ ہوئے تھے بلکہ اس حرکت کرنے
والے پر لعنت اور نفرین کرتے رہے دوسری وجہ یہ ہے کہ اونٹنی کے مارے جانے کے
بعد اُس کا بچّہ بھی غائب ہو گیا تھا اور بالکل اُس کا نام اور نشان نہ رہا تھا اور حضرت
علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی وفات کے بعد آپ کی اولاد امجاد باقی رہی اور آپ کا نام و
نشان قائم رہا اور نور اس ولایت کا جس کے آپ حامل تھے نسلاً بعد نسل ایک حامل
آپ کی اولاد میں پیدا ہوتا رہا اور امام اپنے وقت کا پیدا ہوتا رہا ہرچند کہ وہ ہیأت
اجتماعی مٹ گئی تھی لیکن وہ نور متفرق اور منتشر ہو کے موافق استعداد کے ہر ایک
فرقے میں اہل خیر سے قائم رہا ان سببوں سے یہ اُمت اِس طرح کے عذاب سے بچ
رہی اور ایک سانحۂ عجیبہ سے آپ کی شہادت کے یہ ہے کہ اُس دن بیت المقدس
میں کوئی پتھر نہ تھا جس کے نیچے سے خون جوش نہ مارتا تھا واللہ اعلم

سورۃ اللیل

یہ سورۃ مکی ہے اس میں اکیس ۲۱ آیتیں اور اکہتر ۷۱ کلمے اور تین سو دس ۳۱۰ حرف ہیں اور اس سورۃ کا ربط والشمس کی سورۃ سے یہ ہے کہ دونوں کو قسم سے شروع کیا اور اس امر میں یہ دونوں سورتیں مناسبت تمام رکھتی ہیں اور اُس سورۃ میں انسان کے نفسوں کا اختلاف مذکور ہے اور بعضوں کے دل میں بدکاری ڈالی جاتی ہے اور بعضوں کے دل میں پرہیزگاری اور اُن لوگوں کا حال مذکور ہے جو اپنے نفس کی پاکی میں مشغول ہیں اور دوسرے اُن لوگوں کا حال ہے جو اپنے نفس کی ذلت اور خواری کے پیچھے پڑے ہیں شہوت اور غضب کی فرمانبرداری کے سبب سے اور اس سورۃ میں بھی بنی آدم کے عملوں کے اختلاف کا بیان ہے نیک بختی اور بدبختی میں اور بعضوں کو اچھی راہ چلنے پر توفیق دی ہے اور بعضوں کو بُری راہ بدبختی میں ڈال کے شرمندہ کر رکھا ہے اور یہ بھی ہے کہ دونوں سورتوں میں بدبختوں کا حال بیان ہے چنانچہ اُس سورۃ میں ثمود کی قوم کے بڑے بدبخت کا حال بیان ہے جس کا نام قدار تھا اور اس سورۃ میں اُس بڑے بدبخت کا حال بیان ہے جو اس اُمت کے شروع میں تھا جس کا نام اُمیہ تھا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے شخص کی ایذا دینے میں پڑا تھا اور بلال رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتگاری اور صحبت سے ایک بڑا رتبہ حاصل کیا تھا کہ حضرت صالح علیہ السلام کے ناقے سے مشابہت بہم پہونچائی تھی اور اس سورۃ کا نام واللیل اس سبب سے رکھا ہے کہ عرب کی زبان میں لیل رات کو کہتے ہیں اور اس سورۃ میں آدمیوں کے عملوں کے اختلاف کا بیان منظور ہے نیکی اور بدی میں اور بڑا عمدہ وقت اس اختلاف کا رات ہے کہ عابد لوگ عبادت میں مشغول ہوتے ہیں اور چور چوری میں اور عیاش لوگ حرام کاری اور شراب خواری میں اور آزاری دُکھ اور مصیبت میں بعضے محبوبوں کی جُدائی میں تڑپ تڑپ کے رات کاٹتے ہیں اور بعضے باغ وصال سے اور چمن ہم آغوشی سے اپنی آرزو کے دامن کو مُراد کے پھولوں سے پُر کرتے ہیں مصرع شب تنور گذشت

وشب سمور گذشت ؎ بیت فرق ست میاں آنکہ یارش در بر + باآنکہ دو چشم انتظارش بر در + ہر چند کہ دن میں بھی اسی قسم کے اختلاف اور رنگ برنگ کے معاملے ہوتے رہتے ہیں لیکن جو وقت ظہور اور روشنی کا ہے تو ہر شخص تکلف اور بناوٹ کرتا ہے چور عابد بن کے نکلتا ہے اور فاسق صالح کے لباس میں اپنے تئیں ظاہر کرتا ہے بخلاف رات کے کہ تاریکی کے سبب سے حجاب کا پردہ اُٹھ جاتا ہے اور شرم اور حیا بالکل جاتی رہتی ہے اور ہر شخص اپنے نفس کی خواہش کے موافق بے تکلف اور بے پردہ ہوکے اپنے اپنے کام میں مشغول ہوتا ہے اور ظاہر کا تکلف اور بناوٹ بالکل جاتا رہتا ہے اور سبب نزول اس سورۃ کا یہ ہے کہ مکہ معظمہ میں دو شخص رئیسوں میں بڑے مالدار تھے ایک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دوسرا اُمیہ بن خلف اور ان دونوں کا معاملہ مال کے صرف کرنیمیں مختلف ہوا اُمیہ مال بہت رکھتا تھا اور بارہ غلاموں کو تربیت کرکے ہر ایک کو ایک ایک کام سپرد کیا تھا چنانچہ ایک غلام کو کھیتی کا داروغہ کیا تھا اور ایک کو میووں کے باغ کا اور ایک غلام کو قیمتی کپڑوں کی تجارت کیواسطے یمن اور شام کی طرف بھیجتا تھا اور ایک کو جانوروں پر مقرر کیا تھا کہ دودھ اور دہی اور نسل کی خبرداری کرکے اُس کے حاصل کو جمع کیا کرے اور اسی طرح ہر غلام کو ایک کام سپرد کیا تھا اور اس تدبیر سے مال بہت جمع کیا تھا اور باوجود اس ثروت اور مالداری کے ایک کوڑی فقیر کو نہیں دیتا اور اگر کوئی غلام کسی محتاج کو کچھ ادھی دمڑی کبھی دیتا تو اُس پر خفا ہوتا بلکہ اُس کو اس کام سے موقوف کرتا تھا اور اگر کوئی شخص اُس کم بخت کو بطور نصیحت کے کچھ سمجھاتا تھا کہ باوجود اس کثرت مال کے اللہ تعالے کی راہ پر محتاجوں اور مسکینوں کو کس واسطے نہیں دیتا ہے اور آخرت کا ذخیرہ کیوں نہیں کرتا ہے تو وہ بدبخت اُسکے جواب میں کہتا تھا کہ اول تو آخرت ہے کہاں اور اگر بالفرض ہوئی بھی تو اس قدر مال اور اسباب اور اولاد میں نے جمع کیا ہے کہ مجھ کو کچھ احتیاج بہشت کی نعمتوں کی نہیں ہے اور اُن چیزوں کی جنکی طمع اور لالچ محمد صلے اللہ علیہ وسلم فقیروں اور محتاجوں کو دیتے ہیں اور اس سبب سے اُن لوگوں کو اپنا گرویدہ کرتے ہیں مجھ کو کچھ پروا نہیں ہے اور اُس کے غلاموں میں سے ایک حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص خادم تھے اور بزرگی

میں اُن کا مرتبہ اُس حد کو پہونچا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُنکو عالم معاملہ میں اپنے آگے آگے بہشت میں دیکھا اور اُنکے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بہشت بلالؓ کی مشتاق ہے سو حضرت بلالؓ جس وقت میں کہ مملوک اس بدبخت کے تھے تو پوشیدہ اسلام لائے تھے آخر کو رفتہ رفتہ اُنکے اسلام لانے کی خبر اُسکو پہونچی تو اوّل اُن کو معزول کیا اور خزانے اور بتخانے کی داروغگی جو اُن سے تعلق رکھتی تھی دوسرے غلام کو سپرد کی پھر اُن کو اپنے سامنے بُلوا کے پوچھا کہ تو کس کو پوجتا ہے حضرت بلالؓ نے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خدا کو اُس ملعون نے کہا کہ اِس دین کو چھوڑ دے نہیں تو میں تجھ سے بُری طرح سے پیش آؤنگا اور مارتے مارتے مار ہی ڈالوں گا حضرت بلالؓ نے کہا کہ میں تو اُس دین سے پھر نہیں سکتا تیرا جو جی چاہے سو کر میں تیرا غلام ہوں اُس شقی ازلی نے اپنے غلاموں کو ایسا حکم کیا کہ دن چڑھتے ان کے بدن میں ببول کے کانٹے چبھو دیا کرو اور جب آفتاب خوب گرم ہو تب دھوپ میں اُن کو چت لٹا کر سر سے پیر تک اُن پر گرم پتھر رکھ دیا کرو تا کہ ہِل نہ سکیں اور گرد اُن کے آگ جلا دیا کرو اور جب شام ہو تب ہاتھ پیر باندھ کے اندھیرے مکان میں قید رکھو اور باری باری سے رات بھر کوڑے مارا کرو اور صبح تک یہ مار موقوف نہ کرو اسی طرح سے کتنے دنوں تک حضرت بلالؓ اس مصیبت میں گرفتار رہے اور پکار پکار کر خدا خدا کہا کیے یعنی معبود میرا ایک ہے ایک روز حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ رات کے وقت اُس طرف گذرے اور اُس ملعون کے گھر سے آواز نالہ وزاری کی آپکے کان میں پڑی پوچھا کہ اس گھر میں کیا ہوتا ہے اور یہ آواز کیسی ہے لوگوں نے کہا کہ بلالؓ نام ایک غلام ہے وہ مارا جاتا ہے یہ آواز اس غلام کے رونے کی ہے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو یہ بات سُنکے نہایت رنج ہوا اور صبح کے وقت اُس کے گھر میں آپ تشریف لے گئے اور اُس مردود کو نصیحت کرنا شروع کیا کہ خدا سے ڈر اور اس غلام پر اتنا ظلم ناحق مت کر اسواسطے کہ اُس نے سچے دین کو قبول کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی دوستی اور رضامندی کو اختیار کرتا ہے تجھ کو چاہیئے کہ اس غلام کو غنیمت جان اور اُس کے ساتھ احسان کر کہ آخرت میں تیرے کام آوے گا اور تجھ کو اُس دن کی سختی سے بچا دے گا اُس ملعون نے کہا کہ آخرت ہے کہاں اور یہ دین

کہاں سے معلوم ہوا کہ سچا ہے اور اگر بالفرض آخرت ہوئی بھی تو مجھ کو دنیا میں کسی چیز کی کیا کمتی ہے کہ آخرت کی نعمتوں پر جو فقط وہم اور خیال ہے فریفتہ ہوں میرے پاس اس دُنیا میں بھی بہشت موجود ہے چنانچہ تم بھی جانتے ہو کہ کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو میرے کارخانے میں کثرت سے موجود نہیں ہے اور مضمون ان بیتوں کا ادا کرتا تھا **قطعہ** صبح تو جام سے گذرتی ہے ٭ شب دل آرام سے گذرتی ہے ٭ عاقبت کی خبر کسے معلوم ٭ یاں تو آرام سے گذرتی ہے ٭ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پھر اُس کو سمجھایا اور نصیحت کی کہ میرا کہا مان اور اس بیچارے مسکین پر ظلم کرنے سے باز آ اُس بدبخت نے کہا کہ اگر تمھارا دل اس پر ترس کھاتا ہے تو تم بھی مالدار ہو اور آخرت کا اعتقاد رکھتے ہو تم ہی ثواب کماؤ اور اس غلام کو مجھ سے خرید کر لو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہ اس بات کی آرزو رکھتے تھے فرمایا کہ اِس سے کیا بہتر ہے اس کے عوض میں جو تو طلب کرے میں دوں گا اور اُس کو خرید کروں گا اُس کافر نے عاجز کرنے کو کہا کہ تم اس کو نہ خرید سکوگے اور اگر یونہی تمھیں منظور ہے اور تمھیں اس کے خریدنے کا بڑا شوق ہے تو اپنے غلام نسطاس رومی کو کہ وہ آپکے غلاموں میں سے بڑی لیاقت اور قابلیت تجارت کی رکھتا تھا اور دو ہزار دینار کے قریب پونجی جمع کی تھی مجھ کو دو اور اس غلام کو یعنی بلال رضؓ کو مجھ سے لو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے واسطے جان تک دینے میں عذر نہ رکھتے تھے اس بات کو دل اور جان سے قبول کیا بلکہ چالیس اوقیہ اور اُس پر زیادہ کر کے اس کافر کو دیے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو قید خانے سے باہر نکالکر اپنے ساتھ لیکر چلے وہ کافر آپ کو دیکھتا تھا اور ہنستا تھا اور اپنے مصاحبوں سے کہتا کہ اس شخص نے باوجود اس عقل اور دانائی کے اس معاملے میں کس قدر دھوکا کھایا ہے اور اپنا نقصان کیا ہے اور ایسے غلام قابل کو جو دو ہزار دینار کی پونجی بھی رکھتا تھا ایسے نکمے غلام کے عوض میں جو کسی کام کا نہیں ہے اور ایک کوڑی بھی پونجی نہیں رکھتا ہے دیا ہے اور میں ایسے غلام کو یعنی بلال رضؓ کے مانند کو ایک دانق کے عوض میں کہ درم کا چھٹا حصہ ہوتا ہے نہ خرید کروں بلکہ مُفت بھی نہ لوں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو یہ بات سُنی تو فرمایا کہ اس غلام کا مرتبہ یعنی بلال رضی اللہ عنہ کا اسقدر

میرے نزدیک ہے کہ اگر تمام یمن کی بادشاہت کے عوض میں تو بیچتا تو بھی میں بے لیے نہ چھوڑتا پھر بلال رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حضوری میں حاضر کیا اور سب حال جو گذرا تھا عرض کیا کہ اس طرح سے میں نے ان کو خرید کیا ہے اور آپ گواہ رہیئے کہ اللہ تعالےٰ کی رضامندی کیواسطے ان کو میں نے آزاد کیا جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم اس بات سے بہت خوش ہوئے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ابتدائے اسلام سے کہ مسلمانوں کی نہایت ضعیفی اور عاجزی کا وقت تھا اپنے مال کو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کیواسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مصارف اور حاجتوں میں اور کافروں کے ہاتھ سے مسلمانوں کو چھڑا لینے میں اور سوائے اسکے دوسرے اچھے کاموں میں صرف کرکے ذخیرۂ آخرت کا جمع کیا تھا چنانچہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے خرید کرنے میں جو کچھ خرچ کیا سو ابھی معلوم ہو چکا اسی طرح سے سات شخص غلام اور لونڈی قریش کے کہ دین اسلام کو دل سے قبول کیا تھا اور اُن کے مالک اس سبب سے اُن کو ایذا دیتے تھے خرید کرکے اللہ کی رضامندی کیواسطے آزاد کر دیا تھا چنانچہ اُن میں ایک عامر بن فہیرہؓ ہیں کہ بنی جدعان کے غلام تھے حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ نے اُن کو اُنکے مالکوں سے ایک رطل بھر سونے کی عوض میں خرید کرکے آزاد کر دیا تھا اور وہ ہجرت کے سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی میں مشرف تھے اور بیر معونہ کے دن شہید ہوئے اور وہ بڑے اولیاء اللہ میں سے تھے اور اُن میں ایک زُبیرہؓ ہیں کہ کمال کی نہایت کو پہونچی تھیں اور بڑا ایمان کامل اُنکو نصیب ہوا تھا ان کو بھی ان کے مالکوں سے لیکر آزاد کر دیا تھا لیکن قضائے کردگار سے بعد آزاد ہونے کے اُنکی آنکھوں میں درد ہوا اور بینائی اُنکی آنکھوں کی جاتی رہی اُن کے مالکوں نے یہ بات سُنکر اُن کو طعن کے طور سے کہا کہ دیکھا لات اور عُزّیٰ کی مارنے تجھ کو کیسا اندھا کر دیا اُنھوں نے جواب میں فرمایا کہ یہ بات تمھاری جھوٹی ہے لات اور عُزّیٰ کو ہرگز یہ قدرت نہیں ہے کہ کسی کا کچھ اچھا یا بُرا کر سکیں سوائے اللہ تعالےٰ کے کہ وہ مالک ہے جو چاہتا ہے سو کرتا ہے یہ بات اُنکی اللہ تعالےٰ کی جناب میں پسند ہوئی اور اُسی وقت اُنکی آنکھیں اچھی ہو گئیں اور جیسی بینائی تھی ویسی ہی ہو گئی اور اُن ہی میں سے مہدیہؓ اور اُنکی بیٹی ہے کہ یہ دونوں

ایک عورت یعنی عبد الدار کی لونڈیاں تھیں اور وہ عورت اُن کو نہایت ایذا پہونچاتی تھی
حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اُنکے حال سے خبر پا کے اُس عورت کے گھر تشریف
لیگئے اور اُسکو نصیحت کی کہ اُن کو ایذا مت دے اور جو کچھ کہ اُنکی قیمت ہو مجھ سے لے اُس
عورت نے قیمت بہت مانگی آپ نے بلا تکرار اُنکی قیمت موافق اُسکی خواہش کے اُس کو ادا
کی اور اُن دونوں سے کہ اُس عورت کے آٹا پیسنے میں مشغول تھیں کہا کہ خوشخبری ہو جیو
تم کو کہ میں نے تم دونوں کو مول لیکر اللہ تعالےٰ کی رضا کے واسطے آزاد کر دیا اب اُٹھو اور
آٹے کو چھوڑ دو اور میرے ساتھ آؤ اُن دونوں نے عرض کی کہ یا ابا بکر صدیق رضی اللہ عنہ
بہت برسوں سے ہم نے اُس کے گھر میں پرورش پائی ہے اور اُس کا نمک کھایا ہے اب
یہ اُس کا کام ادھورا چھوڑنا مناسب نہیں ہے اس کے آٹے کو پیس کے اور اس کو دے کر
ہم آتے ہیں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس بات کو سُنکر اُن پر آفریں کی اور اُن کو
اُن ہی کے کہنے کے بموجب اجازت دی اور اُن ہی میں سے ایک عورت وہ ہے کہ بنی مومّل
کی مملوک تھی اور بنی مومّل ایک فرقہ ہے بنی عدی سے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اُسوقت
ایمان سے مشرف نہ ہوئے تھے اُس لونڈی کو اسلام کے سبب سے سخت تعزیر اور تعذیب کیا
کرتے تھے یہاں تک کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اُسکو خرید کر کے آزاد کر دیا اور
اِسی طرح سے اُم عبیدہؓ کو بھی خرید کر کے آزاد کیا تھا اور سوائے اُنکے جو مذکور ہوئے اور بہت
بردوں کو آزاد کیا ہے اور بعد اس تمام خرچ کے چالیس ہزار درم کہ سرمایہ اُنکے پاس باقی رہا
تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اور بموجب آپکے فرمانیکے دوسرے مسلمانوں پر تیرہ برس کے
عرصے میں صرف کیا اور چھ ہزار درم کہ باقی رہے تھے کچھ ہجرت کے سفر میں اور کچھ مسجد نبویؐ
کی زمین کے خرید کرنے میں اور کچھ دوسرے نیک کاموں میں خرچ کیے چنانچہ آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم نے بارہا اپنی زبان فیض ترجمان سے اس کلمے کو ارشاد فرمایا ہے ما نفعنی
مال احد قط ما نفعنی مال ابی بکرؓ یعنی کسی کے مال سے مجھ کو اس قدر فائدہ نہیں پہونچا
جس قدر ابو بکرؓ کے مال سے مجھکو فائدہ ہوا اسواسطے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مال اور
ابو طالب اور عبد المطلب کا مال آپکے کھانے اور لباس میں اور صلۂ رحم میں یعنی خویش اور اقربا

کے دینے لینے میں اور مہمانوں کی ضیافت میں اور محتاجوں کی خبر گیری میں صرف ہوا تھا اور ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مال اسلام کی شوکت اور دبدبے کی زیادتی میں اور مسلمانوں کی خلاصی میں کافروں کے پنجے سے اور ضعیف مسلمانوں کی مدد اور دستگیری میں صرف ہوا تھا اور دونوں مصرفوں میں آسمان و زمین کا تفاوت ہے حاصل کلام کا یہ ہے کہ جس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا سب مال تمام ہوا اور اللہ تعالےٰ کی راہ میں خرچ ہوچکا اور بالکل فقیر اور محتاج ہوگئے ایک روز ایک کملی کو کرتے کی طرح گلے میں ڈالکر اُس کو کانٹے سے گونتھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوئے تھے اُسوقت حضرت جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ ابوبکر تو بڑے مالدار اور توانگر تھے یہ کیا ہوا کہ فقیروں کے سے کپڑے پہنے بیٹھے ہیں جناب رسالتآب صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُنھوں نے سب اپنا مال مجھ پر اور میرے واسطے خرچ کر ڈالا اور اپنے پاس کچھ نہ رکھا حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ حق تعالیٰ نے ابوبکرؓ کو سلام فرمایا ہے اور پوچھا ہے کہ اس فقیری میں بھی مجھ سے راضی ہے یا کچھ رنج دل میں رکھتا ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس کلام کے سُننے سے ایک عجب حالت پیدا ہوئی اور اصحاب حال کے مانند بیخود ہوگئے کہا میں کیونکر اپنے پروردگار سے کدورت رکھونگا اور اس کلمے کو بار بار اپنی زبان پر لاتے تھے اَنَا عَنْ رَبِّیْ رَاضٍ اَنَا عَنْ رَبِّیْ رَاضٍ یعنی میں اپنے پروردگار سے راضی ہوں اور میں اپنے پروردگار سے راضی ہوں سو حقتعالیٰ نے اُس سورۃ میں ان دونوں معاملوں کو ذکر فرمایا ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اور اُمیہ بن خلف کا اب سب اچھائی اور برائی کو اور آدمیوں کی ہمت اور کوشش نیکی اور بدی کی تحصیل میں مختلف ہونے کو ان ہی دونوں معاملوں پر قیاس کرلیا چاہیئے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ۙ قسم کھاتا ہوں میں رات کی جب چھپالیوے اور چھاجاوے یعنی آفتاب کے نور کو چھپالیوے اور سب دنیا کے نور کو تاریک کردے اور وہ ایک نمونہ ہے بدعمل کا یعنی اسیطرح بُرے کام کی سیاہی روح اور دل کی روشنی کو چھپالیتی ہے اور رات چھپاؤ اور پردہ

پوشی کا وقت بھی ہے اور جو کام کہ حیا اور پردے سے تعلق رکھتے ہیں اُسوقت بہت ہوتے ہیں جیسے کوئی بھید کہنا یا بھاگنا چھپ کے اور چوری کرنا یا زنا یا مکر کرنا یا جادو کرنا اور اکثر شیطانوں کے تصرف اسی وقت میں ہوتے ہیں وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّىٰ ؕ اور قسم کھاتا ہوں دن کی جب روشن ہو جاوے آفتاب کے نکلنے سے اور نہ ہونا بدلی اور غبار کا نمونہ ہے نیک عمل کا روح اور دل کے روشن کرنیمیں اور جو کام کہ روشنی اور بے پردگی سے علاقہ رکھتے ہیں وہ اکثر اسیوقت واقع ہوتے ہیں جیسے روزی طلب کرنا اور آدمیوں کا کمائی کو اور آپسمیں ملاقات کیواسطے اِدھر اُدھر جانا اور فائدہ دینا یا لینا جیسے پڑھنا یا پڑھانا اور سیکھنا یا سکھانا وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ ؕ اور قسم کھاتا ہوں میں اس حکمت الٰہی کی کہ پیدا کیا ہے نر اور مادہ کو اور ہر قسم کے جاندار کو تاکہ آپسمیں جمع ہوں یعنی جفتی کریں اور نسل بڑھے اور دودھ اور دہی اور گھی پیدا ہو اور یہ پیدا کرنا نر اور مادہ کا خیر اور شر کے اختلاط کا نمونہ ہے اور کمال اور نقصان کے ملنے کا نشان ہے سب کا مومنیں اور بنی آدم اور سب جانوروں کی اولاد کی زیادتی کا سبب ہے اور اس اولاد کی کثرت سے بہتیرے فائدے متصوّر ہیں جو ہر ہر واحد میں یعنی فقط نر یا فقط مادہ میں یہ اچھائی اور بُرائی اور کمال کو پہونچنا اور ناقص اور نکما رہنا ہو نہ سکتا تھا اور وہ مضمون جس پر یہ تینوں قسمیں کھائی ہیں وہ یہ ہے إِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتَّىٰ ؕ تحقیق کوشش تمہارے عملوں اور شغلوں کی بہت مختلف اور رنگارنگ ہے جیسے ایمان اور کفر صلاح اور فسق سخاوت اور بخل اسی طرح دوسرے عمل ہیں اور آدمیوں کے نیک اور بد کاموں کا مختلف ہونا اس قدر کثرت سے ہے کہ اُس کا شمار کوئی نہیں کر سکتا مگر اصل اور جڑ انکی تین قسم سے باہر نہیں ہے پہلے نِری خیر کہ کچھ بھی ملاؤ شر کا نہیں رکھتی دوسرے نِری شر جس میں بو بھی بھلائی کی نہ ہو تیسرے خیر اور شر ملی ہوئی چنانچہ تینوں قسموں مذکورہ میں ان ہی قسم کی طرف اشارہ فرمایا ہے اب جاننا چاہیئے کہ عملوں میں خیر محض وہ ہیں جو ظاہر اور باطن میں نیک ہوں اور اُنکے واسطے تین شرطیں ضروری ہیں اوّل یہ کہ صورت اُنکی شرع کے موافق ہو دوسرے یہ کہ نیّت خالص ہو تیسرے یہ کہ اعتقاد صحیح اور یقین کامل سے کیا ہو اور شر محض وہ ہیں کہ تینوں شرطیں مذکورہ اُسمیں پائی نہ جاویں یعنی صورت اُسکی خلاف شرع کے ہو اور نیت بھی بُری ہو اور

بداعتقادی سے اُس کو کیا ہو اور جسمیں خیر اور شر ملی ہووے اُسکی بھی کئی قسمیں ہیں ایک
تو یہ کہ صورت اسکی موافق شرع کے ہو مگر نیت فاسد ہو جیسے نماز کسی کے دکھانے کیواسطے
پڑھنا دوسری قسم یہ ہے کہ صورت اُسکی شرع کے خلاف ہووے مگر نیّت نیک ہووے جیسے
رونا پیٹنا کربلا کے شہیدوں کیواسطے یا باجوں کا سُننا تاکہ ذوق شوق حق تعالیٰ کا زیادہ ہووے
تیسرے یہ کہ صورت اور نیت دونوں درست ہوں لیکن اعتقاد کی درستی سے نہ کیا ہو جیسے
کافروں کو للہ خیرات کرنا اور ہر ایک میں ان تینوں قسموں سے بہت سی قسمیں ہو سکتی ہیں
اور بڑا لمبا چوڑا پھیلاؤ ہو سکتا ہے چنانچہ فکر کرنے والے اور سوچنے والے پر یہ بات چھپی نہیں
ہے لیکن ان سب قسموں کا مرجع ان ہی تین قسموں کی طرف پھرتا ہے اور یہی تین قسمیں جزا
اور سزا کے اختلاف کا سبب پڑتی ہیں اور ہر ایک ان میں سے علحدہ علحدہ پاداش کے ثواب
کو یا عذاب کو چاہتی ہے چنانچہ اس اختلاف کی تفصیل مال کے خرچ کرنے کے بیان میں کہ
بیان اسی اختلاف کا اس سورۃ میں منظور ہے ارشاد ہوتا ہے فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی پھر جس
کسی نے دیا اپنا مال وَاتَّقٰی ۙ اور ڈرا دکھلانے اور سُنانے سے خلقت کے اور بچا گناہوں
میں اور نفس کی خواہشوں میں اور بدعتیوں اور گنہگاروں کی مدد کرنے میں خرچ کرنیسے
اور بعد دینے کے بھی بیجا احسان رکھنے اور بدلہ چاہنے سے وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی ۙ اور سچا جانا
پیغمبرؐ کی شریعت کو اور نیک جزا کو جس کا بعد مرنے کے اُمیدوار ہے تو اس شخص نے ایسا
کام کیا کہ سب طرح سے اچھا ہے اور بُرائی کا لگاؤ بھی نہیں ہے یعنی اُس کا ظاہر عمل مال کا
خرچ کرنا ہے جو سب دینوں اور شریعتوں میں بہتر ہے اور اُس کا باطن کا عمل اتقا ہے یعنی بچنا
ریا اور سُمعہ سے کہ نیّت کی درستی میں اور فائدے کی باقی رہنے میں کافی ہے اور اس کا اعتقاد
بھی درست ہے یعنی پیغمبرؐ کی شریعت کو سچا جانتا ہے اور نیک کام کے ثبوت کا آخرت میں اُمیدوار
ہے اور اسی اُمید پر اپنے مال کو خرچ کر رہا ہے تو نیک جزا کے لائق بھی ہوا چنانچہ ارشاد ہوتا ہے
فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰی ۙ پھر جلدی آسان کر دیں گے ہم اُس پر راہ آسانی کی یعنی اُس کو دُنیا
کے سب اچھے کاموں کی توفیق دیں گے اور اُن سب عبادتوں کی توفیق دیں گے جو آخرت میں
اُسکے کام آویں تاکہ اِس توفیق کے سبب سے اُس پر عبادتوں کا کرنا آسان ہو جاوے اور

دل اور جان سے اُسمیں مشغول رہے اسواسطے کہ نیک کام کا خاصّہ ہے کہ جو کوئی اُس کو
ہمیشہ کرتا ہے تو اس کے نفس میں ایک قوت نورانی پیدا ہوتی ہے کہ اُس کے سبب سے اچھی
راہ چلنا اور نیک بات کو اختیار کرنا اس پر آسان ہو جاتا ہے بلکہ وہ ظاہر کی تکلیف اُس کی
عادت ہو جاتی ہے اور بموجب حکیموں کے قول کے کہ العادۃ طبیعۃ ثانیۃ یعنی عادت
ایک دوسری طبیعت ہے کچھ رنج اور مشقت اُس کو اُس کام کے کرنیمیں نہیں ہوتا ہے بلکہ
اُس کے نہ کرنیسے اُس کے دل کو رنج ہوتا ہے پھر جب موت اُسکی آتی ہے اور اِس عالم سے
جُدا ہونیکا وقت پہونچتا ہے تو اُسکو بڑی آسانی نصیب ہوتی ہے کہ گویا قید سے چھوٹتا ہے اور
بعد مرنے کے بھی منکر نکیر کا جواب اور حشر اور نشر کا ہول اور حساب کا خوف اور میزان کا دغدغہ
اور پُل صراط کے اُترنے کی سختی سب اُس پر آسان اور سہج ہو جاتی ہیں اور کچھ بھی رنج اور مصیبت
ان سختیوں کی اُس کو معلوم نہیں ہوتی ہے وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى اور جس کسی نے بخل کیا
اپنے مال دینے میں اور بے پروائی کی آخرت کی نعمتوں سے اور اس مال کو سبب جانا بے پروائی
کا وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۙ اور جھٹلایا پیغمبرؐ کی شریعت کو اور آخرت کی نیک جزا کو تو اُس آدمی
نے ایسا کام کیا کہ نرا بُرا ہے اِسواسطے کہ بخل سب دینوں اور مذہبوں میں بُرا ہے اور معیوب
اور بے پروائی آخرت کے ثواب سے مال کے گھمنڈ پر خیر کی نیت بالکل درہم اور برہم ہے اور
پیغمبرؐ کی شریعت جھٹلانے کے سبب سے اس کا اعتقاد فاسد ہو گیا تو کسی وجہ سے اِس کے
عمل میں بہتری پائی نہ گئی اِسواسطے کہ ظاہر عمل اس کا بخل ہے اور باطن عمل اُسکا بے پروائی
ہے مال کے گھمنڈ پر آخرت کے ثواب سے اور اعتقاد اس کا شریعت کو جھوٹا جاننا ہے اور یہ
سب باتیں بد ہیں تو سزا بھی اس کی نری بد ہوگی چنانچہ فرماتے ہیں فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ۙ
پھر شتابی آسان کریں گے ہم اُس پر سختی اور دشواری کی راہ کو تاکہ باطل راہوں میں اور بدعملوں
میں محنتیں اور مشقتیں کھینچے اور رنج اُٹھاوے اور نماز کی دو رکعتیں پڑھنے میں سستی کرے
اور دل چُراوے چنانچہ دوسری جگہ ایسے شخصوں کے حق میں ارشاد ہوا ہے وَاِذَا قَامُوْٓا
اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى اور دوسری جگہ فرمایا ہے وانہا لکبیرۃ الا علی الخشعین
اور جب موت ایسے لوگوں کو پہونچتی ہے تو نہایت سختی اور رنج سے اس جہان سے جاتا ہے

گویا باغ سے نکل کے قید خانے میں پڑا اور منکر نکیر کے سوال میں اور حشر اور نشر میں اور
حساب اور میزان میں طرح طرح کی سختیاں اور عذاب دیکھتا ہے اور بعد ان سب کے دوزخ
میں پڑنا سب سے زیادہ عذاب ہے اعوذ باللہ منہا اور جس مال کو جوڑ جوڑ کے رکھا تھا
اس اُمید پر کہ سختی اور مصیبت کے وقت کام آویگا اور اُس کے سبب سے مصیبت آئی ہوئی
ٹل جاویگی سو ایسے وقت میں اُس سے جُدا ہو گیا اور وارثوں کے ہاتھ میں پڑا اور اُنھوں نے
بموجب اس مثل کے کہ مال مفت دلِ بے رحم لُٹا کے برابر کر دیا چنانچہ ارشاد ہوتا ہے وَمَا
يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗٓ اِذَا تَرَدّٰى ۝ اور کچھ کام نہ آویگا مال اُس کا اس سے جب ہلاک ہوگا
اور قبر میں جائیگا اور سوائے دو ہاتھ کفن کے کچھ ساتھ نہ لیجائے گا اب یہاں پر جاننا چاہیئے
کہ بنی آدم کے عمل جیسا کہ قسم کے ذکر میں اشارہ ہوا ہے تین قسم کے ہیں اور جزا کے بیان میں
دو ہی قسمیں ذکر ہوئیں یعنی نری خیر اور نری شر اور جزا اس عمل کی جو خیر اور شر سے ملا ہوا ہے
کچھ بیان نہ ہوئی اُسکی وجہ یہ ہے کہ عاقل بعد دریافت کرنے کے ان دونوں قسموں کے حکم کو
اُسکے حکم کو بھی دریافت کر لیگا، اِسواسطے کہ جب خیر اور شر یعنی اچھا اور بُرا ملجاتا ہے تو بموجب
اس قول کے النتیجۃ تتبع الاخس والارذل یعنی بچہ خسیس اور ذلیل کے تابع ہوتا
ہے ماں باپ سے یعنی ماں اور باپ میں جو کمینہ اور بد خصلت ہوتا ہے بچہ اُسکی عادت سیکھتا
ہے تو معلوم ہوا کہ شر کا حکم غالب ہوتا ہے اور خیر کا حکم مغلوب جسطرح شریعت میں مقرر ہے
کہ جو بچہ حلال اور حرام جانور سے مل کے پیدا ہووے تو وہ حرام ہوتا ہے جیسے خچر کہ گھوڑے
اور گدھے سے مل کے پیدا ہوتا ہے اور اُس کا کھانا حرام ہے اور اسی طرح سے جو مال حلال
کہ حرام میں مل کر ایکساں ہو گیا جیسے اپنا دودھ غصب کے دودھ میں مل گیا اور اپنی مٹھائی
غصب کے پانی میں مل کر شربت ہو گئی تو یہ سب قسمیں حرام ہیں اُس کا کھانا کسی طرح
درست نہیں ہے تو اسی قیاس پر بوجھ لیا چاہیئے کہ جس عمل میں خیر اور شر جمع ہوجائیں گے
وہ عمل شر کا حکم پیدا کریگا اور بہتری اُس کی مغلوب ہوجائیگی واللہ اعلم اور بعضے مفسروں نے
ان تینوں قسموں کی تخصیص کی وجہ میں ایسا ذکر کیا ہے کہ جو یہاں پر بنی آدم کے عملوں کے
اختلاف کا بیان کرنا منظور ہے تو پہلے قسم دن اور رات کی لائے کہ یہ عملوں کے مختلف ہونیکا

زمانہ ہے جیسے رات چوروں کی اور رات عابدوں کی اور رات زانیوں کی اور رات نیکبختوں کی جو اختلاف اور فرق رکھتی ہے ظاہر ہے کچھ حاجت بیان کی نہیں ہے اسی طرح دن کے کاموں کا حال ہے کہ صالحوں اور فاسقوں کے کاموں میں تفاوت زمین اور آسمان کا ہے اُس کے پیچھے جڑا اور بنیاد بنی آدم کی نر اور مادہ ہے کہ آپس میں بڑا اختلاف رکھتے ہیں مردوں کے باطنی عمل اور ظاہری فعل اور ہمت اور رغبت اور طرح کی ہے یعنی بہت بلند ہے اور عورتوں کی دوسرے طرح کی یعنی پست ہے چنانچہ مردوں کی رغبت نام اور جاہ کے حاصل کرنے میں مصروف ہے اور عورتوں کی رغبت پوشاک اور زیور سے آراستہ ہونے میں تو قسم ان دونوں کے اصل کی بھی یاد فرمائی یعنی نر اور مادہ کے اختلاف کی تاکہ بنی آدم کے عملوں اور ارادوں کے اختلاف کی دلیل ہو اسواسطے کہ اصل کا حکم فرع پر جاری ہے جیسا کہ کہا گیا ہے اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْہِ یعنی بیٹا بھید ہے اپنے باپ کا اور حضرت امیر خسرو قدس سرہٗ فرماتے ہیں **قطعہ** در جوانمردی و مردی ہر کہ کاری پیش برد ✤ ناجوانمردی بود کہ بر زباں آرد سخن ✤ آنکہ او کرد و نگفت او راشمر مرد تمام ✤ وانکہ او کرد و بگفت او زن بود بے ہیچ ظن ✤ آنکہ نی کرد و نگفت آنرا مداں جز نیم مرد ✤ وانکہ ناکردہ بگفت او را مخواں جز نیم زن ✤ یعنی اگر کسی نے کوئی کام اچھا جوانمردی کا کیا اس کا زبان پر لانا نامردی ہے پھر جس نے کیا اور نہ کہا تو وہ پورا مرد ہے اور جس نے کیا اور کہا وہ بے شبہہ عورت ہے اور جس نے نہ کیا اور نہ کہا وہ آدھا مرد ہے اور جس نے نہ کیا اور کہا وہ آدھی عورت ہے اور زمانے کا حکم بھی اکثر زمانے والوں پر جاری ہوتا ہے چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ اَلنَّاسُ بِزَمَانِھِمْ اَشْبَہُ مِنْھُمْ بِاٰبَائِھِمْ یعنی اکثر آدمی اپنے زمانے میں آپس میں ایک دوسرے کے بہت مشابہ ہوتے ہیں بھائیوں سے باوجود ایک باپ سے پیدا ہونے کے یا یہ معنی ہوں کہ آدمی اپنے زمانے کے آدمیوں سے بہت مشابہ ہوتے ہیں چال ڈھال میں اپنے باپ دادوں سے اور حدیث شریف میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے وارد ہے کہ آپ نے کہا ہم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک شخص کے جنازے کے ساتھ گئے تھے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم قبر کے تیار ہونے کے انتظار میں بیٹھ گئے اور ہم سب آپ کے گرد بیٹھے

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زبان فیض ترجمان سے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی
شخص نہیں ہے مگر اُس کا مکان اللہ تعالیٰ کے علم میں مقرر ہے بہشت میں ہو یا دوزخ میں
اور لوح محفوظ میں لکھ جا چکا ہے اور تغیر اور تبدل یعنی مٹنا مٹانا اُس کا کسی طور سے ممکن
نہیں ہے ہمنے کہا یا رسول اللہ اگر یہی بات ہے تو تقدیر پر بھروسہ کر کے کیوں نہ بیٹھ رہیں اور
عمل کو کیوں نہ چھوڑ دیں اِسواسطے کہ جب بات ایسی ہوئی کہ جو لکھا ہے وہی ہوتا ہے اُس کا
خلاف کسی طرح سے ممکن نہیں ہے تو عمل کرنا بے فائدہ ہے جو کچھ ہونا ہے سو ہوگا آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عمل کیے جاؤ اِس واسطے کہ ہر شخص کو توفیق اُسی کام کی دیجاتی ہے
جس کے واسطے وہ پیدا کیا گیا ہے سو اگر اُس کو نیکبخت پیدا کیا ہے تو کام بھی نیکبختوں کے
اُس سے کراتے ہیں اور اگر بدبخت پیدا کیا ہے تو کام بھی بدبختوں کے اُس سے کراتے ہیں
سو جس طرح سے کہ مکان ہر شخص کا بہشت میں مقرر ہے یا دوزخ میں اِسی طور سے عمل بھی
نیک اور بد ہر شخص کیواسطے مقرر ہو رہے ہیں پھر اس آیت کو آخر تک آپ نے پڑھا کہ
فَاَمَّا مَنۡ اَعۡطٰی وَاتَّقٰی ۙ لیکن اس مقام پر پڑھنے سے اس آیت کے معنی دوسرے بوجھے
جاتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے علم میں تمھارے کام مختلف اور رنگارنگ ہیں کیونکہ کسی کو بھلا
اور کسی کو بُرا تقدیر میں لکھا ہے اور اُسی سرنوشت کے موافق ہر ایک سے بھلائی اور بُرائی دُنیا
میں ہوتی ہے تو مراد اَعۡطٰی وَصَدَّقَ بِالۡحُسۡنٰی ۙ سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ
عمل اُس کے مقدر میں ہیں خواہ مخواہ کرے گا اور مراد فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلۡیُسۡرٰی ؕ سے یہ ہے
کہ اُن کاموں کی توفیق دنیا میں ضرور یا دیگا حاصل کلام کا یہ ہے کہ اعمالوں کو جس مرتبے
میں لحاظ کیجیے خواہ علم الٰہی میں خواہ دنیا کے پائے جانے میں ہر طرح سے ایک ثمرہ رکھتے
ہیں اِسواسطے کہ عمل خیر اور شر کے علم الٰہی میں مقدر ہیں اور ثمرہ اُن کا حاصل ہونا توفیق
کا ہے خیر میں اور حاصل ہونا خذلان اور رُسوائی کا ہے شر میں دنیا کے پائے جاتے
اِس واسطے کہ دنیا سایہ ہے تقدیر کے عالم کا اور دنیا کی نسبت تقدیر کے عالم سے ایسی
ہے جیسے ڈھلی ہوئی چیز کی نسبت اُس کے سانچے سے ہوتی ہے کہ اُس کے سانچے
سے وہ چیز کم اور زیادہ نہیں ہو سکتی اور اگر اُن عملوں کو صادر ہونے اور کرنے کے بعد

ملاحظہ کیجیے تو اُس کا پھل جزا ہے آخرت کی اِس واسطے کہ آخرت اُس کھیتی کے کاٹنے کا وقت ہے جو دنیا میں بو گئے تھے جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے اشعار از مکافاتِ عمل غافل مشو ٭ گندم از گندم بروید جَو ز جَو ٭ اینچنیں گفتہ است پیر معنوی ٭ کای برادر ہرچہ کاری بدر دی ٭ یعنی عمل کے بدلے سے غافل نہ ہو۔ گیہوں بونے سے گیہوں پیدا ہوتا ہے اور جَو سے جَو۔ ایسا کہا ہے پیر معنوی نے کہ اے بھائی جو کچھ بوؤ گے وہی کاٹو گے اور جو اِس مسئلے میں اِس بات کا شبہہ ہے کہ اگر نیکی اور بدی کی توفیق جناب الٰہی کی طرف سے ہے تو کِس واسطے سب کو توفیق نیکی کی نہیں دیتے ہیں اور بدی سے زبردستی کیوں نہیں روکتے ہیں تا کہ سب آدمی آسانی کی اچھی راہ چلیں اور کوئی شخص سختی اور بُرائی نہ دیکھے تو اِس شبہے کے جواب میں دو مقدمے ارشاد ہوتے ہیں پہلا یہ ہے کہ اِنَّ عَلَیۡنَا لَلۡھُدٰی ٭ بیشک ہمارے ذمے پر ہے راہ دکھلانا اور پہونچانا نیکی یا بدی کی طرف اور اِس ہدایت کو سب کے ساتھ مصروف کیا ہے ہم نے کئی واسطوں سے پہلے تو حواس خمسہ ظاہری کہ سمع اور بصر اور شم اور ذوق اور لمس ہیں اور حواس خمسہ باطنی کہ حس مشترک اور خیال اور وہم اور حافظہ اور متصرفہ ہیں اور قوت عقلیہ کہ جس کے سبب سے اچھائی اور بُرائی میں فرق اور تمیز کرتے ہیں ہر شخص کو دیے ہیں پھر بعد اس کے رسولوں کے بھیجنے سے اور کتابوں کے اُتارنے سے اور شریعتوں اور حکموں کے بیان کرنے سے اور بہشت کی نعمتیں اور دوزخ کی سختیاں ذکر کرنے سے اور مُرشدوں اور نصیحت کرنے والوں کو مقرر کرنے سے اور ہوشیاری اور سمجھ کے اسباب پیدا کرنے سے سب کو سیدھی اور ٹیڑھی راہ میں جُدائی اور فرق بتلادیا ہمنے آب بعد ان سب باتوں کے نیک راہ پر زبردستی چلانا اور بد راہ سے زور سے روکنا ہمارا ذمّہ نہیں ہے بلکہ اُن دونوں راہوں میں سے ایک راہ کو اختیار کرنا اور اُس پر چلنا بنی آدم مکلّف یعنی عاقل بالغ کے ارادے اور قصد پر وابستہ اور حوالہ کیا ہے ہم نے کہ ان دونوں میں سے جو چاہے اختیار کرے اور اگر ایسا نہ ہو تو آزمایش اور اختیار ثابت نہ ہووے اور فرمانبردار اور گنہگار میں کچھ فرق اور جُدائی نہ رہے اِس واسطے کہ اس صورت میں سیدھی راہ چلنے میں سب مجبور اور بے اختیار ہو جاتے اور نیک بخت کی بدبخت اور گمراہ پر کچھ

زیادتی اور بہتری نہ ہوتی بلکہ ہدایت اور گمراہی کے معنی بھی بوجھے نہ جاتے اور آدمی بھی
آسمان اور ستاروں اور ہوا اور خاک اور پانی اور آگ کی طرح چار اور ناچار قید اور بےبسی
میں رہتا اور انسان کی پیدایش کے خاصے جو ایسی چیزوں میں بالکل جدائی اور امتیاز
سب مخلوقات سے چاہتے ہیں سب معطل اور بیکار ہو جاتے اور کیا نہ کیا برابر ہو جاتا اور
دوسرا مقدمہ یہ کہ وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰی ہ اور بیشک ہمارے واسطے ہی اور ہمارے
ہی تصرف میں ہے آخرت کا عالم اور دُنیا کا عالم سو جو کوئی ہم سے آخرت چاہتا ہے اُس کو
ہم آخرت دیتے ہیں اور جو دُنیا مانگتا ہے اُس کو ہم دُنیا دیتے ہیں اور جو کوئی ان دونوں کو
طلب کرتا ہے تو ہم دونوں دیکر اُس کو سرفراز کرتے ہیں اور اگر سب کو زبردستی اور زور سے
آخرت ہی کی راہ میں چلاتے تو دنیا کا کارخانہ خراب اور بےقدر ہو جاتا اور زیبایشیں اور
بناوٹیں دُنیا کی سب نیست و نابود رہتیں اور کوئی شخص دُنیا کے حاصل کرنے کی خواہش
نہ کرتا سو دونوں جہان کے آباد کرنے کے واسطے خواہشیں اور ارادے بنی آدم کے بھانت
بھانت کے کیے ہم نے اور ہر شخص کے دل میں محبت اور خواہش ایک کام کی جو کسی ایک
کے دونوں جہانوں کی آبادی میں درکار اور مطلوب ہے ڈالی ہم نے وَلَنِعْمَ مَاقِیْلَ
یعنی کیا اچھی بات کہی ہے کسی شاعر نے **شعر** ہر کسے را بہر کارے ساختند ٭ میل اورا
در دلش انداختند ٭ یعنی ہر کسی کو ایک کام کے لیے پیدا کیا ہے اور اُس کام کی محبت
اُس کے دل میں ڈالدی ہے اور جو فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْعُسْرٰی کی لفظ میں اُن سختیوں کا
بیان جو بدکاروں کو درپیش ہیں مجمل یعنی گول مذکور ہو چکا تھا اب اُن سختیوں میں سے
جو بہت سخت اور بُری ہے اُس کو ذکر کرکے ڈراتے ہیں فَاَنْذَرْتُکُمْ نَارًا تَلَظّٰی ج پھر
ڈر سُناتے ہیں ہم تم کو بھڑکتی آگ سے جس کی لپٹ دو سو برس کی راہ سے کافر کو اپنے
اندر کھینچ لے گی اور وہ آگ خاص ہے کافروں کے واسطے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے لَا یَصْلٰھَا
اِلَّا الْاَشْقَی ہ نہ پیٹھے گا اُس میں مگر بڑا بدبخت کہ وہ کافر ہے آب یہاں پر جاننا چاہیئے
کہ بدبختی کئی قسم کی ہوتی ہے کسی کو دُنیا کے ظاہر کاموں میں بدبخت کرتے ہیں کہ بدن اُسکا
سخت بیماریوں میں گرفتار رہتا ہے اور ہر کسب اور دھندے میں مال پیدا کرنے سے محروم

رہتا ہے یہاں تک کہ آدمیوں کی نظروں سے گر پڑتا ہے اور سب کے نزدیک ذلیل اور بے قدر ہو جاتا ہے اور کسی کو آخرت کے کاموں میں بدبخت اور بے نصیب کرتے ہیں اور اس کے بہت مرتبے ہیں کسی کو گناہ صغیرہ کے اصرار پر اور عبادات میں سستی کرنے پر مبتلا کرتے ہیں اور کسی کو گناہ کبیرہ کا مرتکب کر کے توبہ کی توفیق سے دور رکھتے ہیں اور کسی کو شرک اور کفر میں کہ پرلے درجے کی بدبختی کے مرتبے ہیں گرفتار کرتے ہیں پھر جو دنیا کے کام ایک دن نیست اور نابود ہونے والے ہیں تو یہاں کی بدبختی چنداں اعتبار نہیں رکھتی ہے حقیقت میں بدبخت عنداللہ وہ شخص ہے جو آخرت کے کاموں میں بدبخت ہے اس میں بھی دو قسم ہیں ایک اس قسم کے بدبخت ہیں کہ سختیوں کے دیکھنے اور عذاب کے چکھنے سے عالم برزخ میں اور حشر اور نشر کا ہول اور حساب اور میزان کا رنج اور مشقت کھینچنے سے قیامت کے میدان میں اور انبیاء اولیاء کی شفاعت سے اُن کی بدبختی بالکل جاتی رہے گی جیسے گنہگار صغیرہ پر اصرار کرنے والے اور کبیرہ کر کے بے توبہ مرنے والے اور دوسری قسم کے وہ بدبخت ہیں جن کی بدبختی ہرگز اُن سے جُدا ہونے والی نہیں ہے جیسے کافر اور مشرک کہ کسی کی شفاعت اُنکے حق میں کام نہ آوے گی اور قبول نہ ہو گی سو جو پہلی قسم میں مبتلا ہیں وے شقی ہیں اور جو دوسری قسم کے گرفتار ہیں وہ اشقیٰ ہیں اس واسطے اشقیٰ کی تفسیر میں یہ ارشاد ہوا الَّذِي كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ یعنی سب بدبختوں سے بڑا بدبخت وہ ہے جس نے دین کو جھٹلایا اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے مُنھ کو موڑا اور یہ تفسیر مطابق نہیں ہوتی مگر کافر پر اس واسطے کہ مسلمان کتنا ہی بڑا گناہ کرے لیکن دین کی تصدیق میں اُس کے کچھ فرق نہیں آتا یعنی دین اسلام کو ہرگز جھوٹا نہیں جانتا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے قبول کرنے سے کبھی مُنھ نہیں موڑتا یعنی یہ نہیں کہتا ہے کہ یہ حکم جھوٹے ہیں بلکہ یہی کہتا ہے کہ یہ برحق ہیں مگر نفس کی شامت سے مجھ سے ہو نہیں سکتے اب یہاں پر باقی رہا ایک سوال اور وہ سوال یہ ہے کہ جب اشقیٰ سے مراد کافر ہوا تو آگ میں جانے کا انحصار کافر ہی کے واسطے ہونا اس کے کیا معنی ہونگے اسواسطے کہ گنہگار ایماندار کا آگ میں جانا اُس کے گناہ کی قدر ثابت ہے اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ یہاں وہ آگ مراد ہے جس کی لپیک دو سو برس کی راہ سے کافروں کو

کھینچ لے گی اور یہ آگ خاص ہے کافروں کے واسطے اور مومن گنہگار اگرچہ بقدر گناہ کے
آگ میں رہے گا لیکن وہ آگ اور ہے یہ آگ نہیں ہے جو کافروں کے واسطے خاص ہے
تو اس صورت میں حصر درست ہوگیا اور بعضے مفسروں نے اس شبہے کے جواب میں ایسا کہا
ہے جو کہ مسلمان گنہگار کا دوزخ میں جانا چشم نمائی یعنی گھڑکی اور ادب دینے کے طور پر ہوگا
تو گویا آگ میں جانا نہ ہوا آگ میں جانا وہ ہے جس کے بعد کبھی نکلنا نہ ہو ایسا جانا خاص
ہے کافروں کے واسطے تو حصر سے اِس طرح کا داخل ہونا مراد ہے نہ مطلق داخل ہونا چنانچہ
بولتے ہیں کہ کوئی نہ لڑا مگر زید اور غنیمت نہ پائی مگر عمرو نے یعنی لڑنا جیسا چاہیے ویسا کوئی
نہ لڑا مگر زید اور غنیمت کا مال بہت کسی نے نہ پایا مگر عمرو نے اور جو اگلی آیت میں سَيُجَنَّبُهَا
الْاَتْقَى ہ کی لفظ وارد ہے حصر کا حرف مذکور نہیں ہے تو وہاں یہ شبہہ بھی وارد نہیں ہوتا
ہے اور وہ جو بعضوں نے کہا ہے کہ جب نَارًا تَلَظّٰى کی لفظ سے خاص آگ مراد ہوئی جو کافروں
کے نصیب ہے تو اُس آگ سے دور رہنے میں سب ایماندار شریک ہیں خاص اتقٰی کی تعریف
تو بھی نہ کی اُس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ اُس آگ سے دور رہنا بھی بہت طرحوں سے
ہوتا ہے سو انتہا دوری کی اتقٰی کے واسطے ہے اور دوسرے مومنوں کو وہ دوری حاصل
نہیں ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ سیجنبہا کی ضمیر آگ مطلق کی طرف پھرتی ہو آگ مقید مذکور
کے قرینے سے یعنی جب اُس آگ کا جو کافروں کیواسطے خاص ہے ذکر ہوا تو مطلق آگ
بھی اُس میں پائی گئی تو اس مطلق کی طرف ضمیر پھر سکتی ہے اور اس صورت میں متقیوں کی
تعریف بھی نکل آئی یعنی اُس آگ سے بالکل بچ جاویں گے وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ہ اور نزدیک
ہے کہ دور رکھا جاوے گا اُس آگ سے جو بڑا متقی ہے اور اہل شرع کی اصطلاح میں
تقوےٰ اُسے کہتے ہیں جو کفر سے اور گناہ کبیرہ اور صغیرہ سے بچارہے اور کبھی کوئی گناہ
اُس سے ہو جاوے تو اُس سے اُسی وقت نادم ہو کے توبہ اور استغفار کرے تا کہ اُس گناہ
کا اثر اور نشان دل پر باقی نرہے اور گناہ دل میں گھر کرنے نہ پاوے اور اتقٰی کا مرتبہ اس سے
بھی بڑھ کر ہے یعنی شریعت اور طریقت کے آداب کو بھی نہ چھوڑے اور گناہ کا خطرہ اور بُری
نیّت کا خیال بھی دل میں نہ آنے دے اور اپنے ظاہر اور باطن کو ایکساں رکھے سو یہ

باتیں بہت نادر اور کمیاب ہیں اللہ تعالےٰ جس کو اپنے کرم و فضل سے یہ رُتبہ نصیب کرے اُس کو ملتا ہے اور اس جگہ پر اتقیٰ سے سب مفسّروں کے نزدیک مراد حضرت ابوبکر صدّیق رضؓ ہیں اور یہ سورۃ اِن ہی کی شان میں نازل ہوئی ہے جیسے اشقیٰ سے اُمیّہ بن خلف مراد ہے کہ کفر کی شقاوت اور بدبختی کو بخل اور دوسرے گناہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی ایذا کے ساتھ جمع کر کے اشقیٰ کے مرتبے کو پہونچا تھا اور اہل سُنّت اور جماعت نے حضرت ابوبکر صدّیق رضؓ کی خصلت اور بزرگی سب اُمت پر بعد پیغمبروں صلی اللہ علیہم وسلم کے سب باتوں میں سب مسلمانوں سے علیحدہ ہونے میں نکالی ہے اور یہی آیت اُس کی دلیل ہے اور تقریر اس دلیل کی اِس طرح پر ہے کہ حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ کو حق تعالیٰ نے اتقیٰ فرمایا ہے اور دوسری آیت میں فرمایا ہے کہ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ یعنی بیشک بڑا بزرگ تم میں سے اللہ تعالےٰ کے نزدیک وہ ہے کہ جو متقی ہے تو ان دونوں آیتوں میں تطبیق دینے سے ایسا ثابت ہوا کہ ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ آدمیوں میں بڑے بزرگ ہیں اللہ تعالےٰ کے نزدیک اور یہی معنی ہیں افضلیّت کے اور تفضیلی لوگ کہتے ہیں کہ یہاں پر اتقیٰ سے متقی مُراد ہے نہ یہ کہ جو سب سے زیادہ ہو تقویٰ میں وہ مراد ہو اِسواسطے کہ حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے بلاشبہہ کمتر تھے تو ان معنوں سے اُن پر اتقیٰ ہونا ثابت نہ ہوا بلکہ یہ لفظ جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم پر البتہ صادق ہوتی ہے اور جب اتقیٰ تقی کے معنوں میں ہوا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کا افضل ہونا سب اُمت پر ثابت نہ ہوا اور اہل سُنّت اُن کے جواب میں کہتے ہیں کہ اتقیٰ کو تقی کے معنوں میں کہنا عربی لغت کے خلاف ہے اور اللہ تعالیٰ کے کلام کو کہ ٹھیٹ عربی ہے ایسے معنوں پر ڈھالنا جو عرب کے محاورے کے خلاف ہو درست نہیں ہے اور جو ضرورت کہ ان معنوں کی مراد لینے میں بیان کرتے ہیں وہ مردود ہے کیونکہ کلام دوسرے آدمیوں میں نہ پیغمبروں میں ہے اس واسطے کہ شریعت کے قاعدوں سے معلوم ہو چکا ہے کہ سب پیغمبر بزرگی اور مرتبے میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑے ہیں پیغمبروں کو دوسرے آدمیوں پر اور دوسرے آدمیوں کو پیغمبروں پر کسی امر میں قیاس نہ کیا چاہیئے اِس واسطے کہ ایسے لفظوں کے بولنے سے

بزرگی اور بڑائی کے مقام پر عرف شرعی میں اُمت ہی مراد ہوتی ہیں پیغمبر ہرگز اس سے
مراد نہیں ہوتے اور عرف کی تخصیص ذکر کی تخصیص سے قوی ہوتی ہے جیسا کہ اگر کوئی شخص
کہے کہ گیہوں کی روٹی دوسری روٹیوں سے اچھی ہوتی ہے تو اس کلام سے یہ نہ بوجھا جائیگا
کہ بادام کی روٹی سے بھی بہتر ہوتی ہے باوجود اس بات کے کہ بادام کی بھی روٹی ہوتی ہے
لیکن وہ اس کلام سے عرف میں خارج ہے اس واسطے کہ اس کلام کے بولنے سے وہ روٹی
مراد ہے جو غلہ سے ہو نہ وہ جو میوے سے بنی ہو اور بعضے اہل سنت اور جماعت کے بزرگوں
سے سُنا گیا ہے کہ فرماتے تھے کہ الاتقیٰ یہاں اپنے اصل معنی تفضیل پر ہے یعنی وہ شخص کہ تقویٰ
میں زیادہ ہو اپنے سوائے کُل پر خواہ پیغمبر ہوں خواہ اُمت لیکن یہ خاص اُن لوگوں کی نسبت
سے ہے جو زندہ ہیں تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آخر عمر میں بعد رحلت آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم کے کہ اُن کی خلافت کا زمانہ تھا اُس کلمے کے مصداق ہو سکتے ہیں یعنی
الاتقیٰ کا لفظ اُس وقت میں اُن پر صادق آتا ہے اور حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام
جو زمین پر نہیں ہیں بلکہ آسمان پر دنیا والوں کے نزدیک مُردے کا حکم رکھتے ہیں اور اتقیٰ کو
یہ لازم نہیں ہے کہ ہر وقت اور ہر شخص کی نسبت سے زندہ ہو یا مُردہ تقویٰ میں زیادہ ہو
اور اگر ایسا ہو تو کسی کو متقی کہنا بھی درست نہ ہو اس واسطے کہ لڑکپن میں تقویٰ ہو نہیں سکتا
ہے اور ہر منصب اور ہر مرتبے کو جو شرع میں محمود ہیں اِن سب میں آخر عمر کا اعتبار ہے
جیسے صالح ہونا یا غوث ہونا یا قطب ہونا یا ولی ہونا یا نبی ہونا اسی واسطے جو شخص کہ اپنی
عمر میں اِن مرتبوں کو پہونچے ہیں اُن کو بھی اِن ہی القابوں سے ذکر کرتے ہیں اگرچہ لڑکپن
میں اور جوانی میں ان کو یہ مرتبہ حاصل نہ ہوا تھا تو معلوم ہوا کہ الاتقیٰ اُسی کو کہتے ہیں جو اپنی
آخر عمر میں کہ وہی عملوں کے اعتبار کا وقت ہے اپنے زمانے کے لوگوں سے جو زندہ ہیں
افضل ہو اور تقویٰ میں زیادہ پس اِس تقریر سے اپنا مطلب ثابت ہوا بغیر تکلف اور
تاویل کے اور جو دوزخ کی آگ سے دور رکھنے میں ابو بکرؓ کو اتقیٰ فرمایا ہے تو اب وے عمل
اُن کے جو اس سورۃ کے اُترنے کے وقت درگاہ الٰہی میں مقبول ہوئے تھے یاد فرماتے
ہیں اَلَّذِیۡ یُؤۡتِیۡ مَالَهٗ یعنی وہ تقویٰ والا اور ڈرنے والا کہ اپنے مال کو دیتا ہے

اللہ کی راہ میں چنانچہ بلالؓ سے شخص کو اور سوائے اس کے دوسرے غلام اور لونڈیوں کو
کہ اسلام لائے تھے اور اُس اسلام لانے کے سبب سے اُن کے مالک اُن کو ایذا دیتے
تھے اور طرح طرح کی تکلیفیں پہونچاتے تھے ان سب کو اُن کافروں سے مول لے کر آزاد
کر دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کاموں میں اور ہجرت کے سفر کے سامان میں
اور مسجد نبویؐ کی زمین کے خرید کرنے میں اپنے مال کو خرچ کیا اور غرض اُس کی اُس
مال کے خرچ کرنے سے یہ تھی کہ یَتَزَکّٰی ۚ اپنے تئیں پاک کرے اور دمبدم مال کے
دینے میں اس نیت سے ترقی کرتا ہے اور اُس کا کمال نئے پودھے کی طرح سے کہ پانی
اور ہوا کے پہونچنے سے بڑھتا ہے روز بروز زیادہ ہوتا جاتا ہے اِس واسطے کہ زکوٰۃ کی
لفظ میں دو معنے پائے جاتے ہیں ایک طہارت اور دوسرے زیادتی اور یہ دونوں باتیں
اُس کو حاصل ہیں وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰىٓ ۙ اور نہیں ہے اُس پر
کسی کا احسان کہ اس مال کے دینے سے اس کا عوض اور بدلہ کیا جاوے ہر چند کہ مال
کا دینا احسان اور سلوک کے بدلے میں بھی نیک ہے لیکن جو اُس میں اپنا نام بھی منظور
ہوتا ہے تو کمال اخلاص کے مرتبے کو نہیں پہونچتا ہے اور حدیث صحیح میں وارد ہے کہ
آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کسی کا سلوک اور احسان مجھ پر ایسا نہیں ہے
جس کا عوض اور بدلہ دُنیا میں مَیں نے اُس کے ساتھ نہ کیا ہو سوائے ابوبکرؓ کے کہ اُسکے
احسان اور سلوک کا عوض میں نے نہیں کیا اس کا عوض اللہ تعالےٰ اُس کو قیامت کے
دن عنایت فرماوے گا اِسی جگہ سے ثواب کا اندازہ اور مرتبے کا کمال حضرت ابوبکر صدیق
رضی اللہ عنہ کا بوجھا چاہیئے کہ کس قدر ہے ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ اس پر
بھی اگر کسی کو اُن کے مرتبے میں شک اور شبہہ باقی رہے تو یہ سمجھ لے کہ ایمان کے آفتاب
کا پرتو بلکہ پرچھانواں بھی اس کے دل پر نہیں پڑا **شعر** گر نہ بیند بروز شپرہ چشم ٭
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ ٭ اور دوسری صحیح حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے کئی دن پہلے اپنی وفات سے خطبہ پڑھا اور اُس میں تعریف حضرت ابو بکر صدیق
رضی اللہ عنہ کی بہت ارشاد فرمائی اُس میں سے یہ بھی فرمایا کہ کسی کا احسان مال کا

اور سلوک حق الخدمت بدن کا اور جان کا مجھ پر اس قدر نہیں ہے جس قدر ابو بکرؓ کا ہے اپنی بیٹی میرے نکاح میں دی اور مجھ سے مہر نہ لیا اور بلالؓ کو اپنے خالص مال سے مول لیکر آزاد کیا اور مکّے سے مدینے کو ہجرت کے سفر میں سب اسباب زاد اور راحلے کا درست کر کے مجھ کو پہونچایا اور اپنی جان اور مال سے ہمیشہ میری غمخواری کرتا رہا سواے سب کے دروازے مسجد کی طرف سے بند کر دو سواے ابو بکرؓ کے دروازے کے کہ اُس کو کھُلا رہنے دو اور حضرت ابو بکر صدّیق رضی اللہ عنہ کے کمال کا مرتبہ اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ علّام الغیوب خود اُنکے اخلاص پر گواہی دیتا ہے اور اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے کہ وہ یہ کام نہیں کرتا اِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى مگر واسطے چاہنے رضامندی اپنے پروردگار کے جو سب بڑوں سے بڑا اور بزرگ ہے اور کسی طرح کی نفسانیت اِس خرچ کرنے میں اُس کو منظور نہیں ہے بلکہ ثواب کا لالچ اور عذاب سے دوری بھی اِس دینے میں اُسے مقصود نہیں ہے چنانچہ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے غلاموں اور لونڈیوں کو جو اسلام لائے تھے بڑی بڑی قیمتوں سے خرید کر کے آزاد کیا ابو قحافہ نے جو آپ کے باپ تھے اس بات پر نصیحت کرنا شروع کیا کہ اگر تم کو لونڈی غلاموں کا آزاد کرنا ہی منظور تھا تو اچھے چست اور چالاک جو سب کام کے قابل ہوتے اور تمھارے ہر کام میں مدد کرتے اُن کو لیکر آزاد کیا ہوتا تو کچھ فائدہ بھی تھا ایسی لونڈی غلاموں کو جو کسی کام کے نہیں ہیں مول لے کر آزاد کرنا اور پھر آزاد کرنے کے بعد اُن کے کھانے کپڑے کا بھی ذمہ دار ہونا اِس سے کیا فائدہ ہے حضرت ابو بکر صدّیق رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ کے جواب میں یہی کہا کہ اِس کام سے مجھ کو صرف اللہ تعالےٰ کی رضامندی منظور ہے اِس کے سواے کوئی دوسری چیز منظور نہیں ہے اور جامع عبدالرزاق میں صحیح طریق سے مروی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی کا مال مسلمانوں میں سے میرے ایسے کام نہیں آیا جیسا ابو بکرؓ کا مال میری ضرورت پر کام آیا راوی کہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابو بکر رضی اللہ عنہ کے مال کو اس طرح صرف کرتے تھے جیسے کوئی اپنا مال خرچ کرتا ہے اور کسی طرح کی جُدائی اور فرق اپنے اور ابو بکرؓ کے مال میں نہیں جانتے تھے اور ابن ماجہ

کی سنن میں مذکور ہے کہ ایک روز آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کسی کے مال سے مجھ کو اس قدر فائدہ نہیں ہوا جس قدر ابو بکرؓ کے مال سے مجھ کو نفع ہوا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ وہاں پر حاضر تھے گریہ وزاری کر کے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ میں بھی آپ کا ہوں اور میرا مال بھی آپ کا ہے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اِس قصّے کو روایت کیا ہے اور بڑے کمال کے مرتبے پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی یہ بات دلالت کرتی ہے کہ حقتعالیٰ نے جس طرح سے اپنے پیغمبرؐ کی دلجوئی اور خاطرداری کیواسطے والضحیٰ کی سورۃ میں وعدہ فرمایا ہے کہ وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ ہ اسی طرح سے اس سورۃ میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کیواسطے وعدہ فرمایا ہے وَلَسَوْفَ يَرْضَىٰ ۴ اور یقین ہے کہ ابو بکرؓ راضی ہوگا حق تعالیٰ سے یا حق تعالیٰ جل شانہٗ ابو بکرؓ سے راضی ہوگا اِس واسطے کہ یَرْضٰی میں جو ضمیر ہے وہ دو احتمال رکھتی ہے ایک احتمال یہ ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف پھرے دوسرا احتمال یہ ہے کہ حق تعالےٰ کی طرف پھرے لیکن دونوں صورتوں میں اپنا مطلب حاصل ہے وَلَنِعْمَ مَا قِيلَ یعنی کیا اچھی بات کہی ہے کسی شاعر نے **شعر** بخت اگر مدد کند دامنش آورم بکف * گر بکشم زہے طرب ور بکشد زہے شرف * یعنی اگر اپنے نصیب کی مدد سے معشوق کا دامن ہاتھ میں آوے پھر اگر میں اُس کو کھینچوں تو زہے نصیب میرے اور اگر وہ کھینچے تو زہے بزرگی اپنی اور حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے مروی ہے کہ کہا ہے اُنھوں نے کہ میں اور بہت سے مہاجر اور انصار ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے کے پاس حاضر تھے اور لوگوں کی فضیلت اور بزرگیاں آپس میں بیان کر رہے تھے کہ فلانا اِس رُتبے کا ہے اور فلانا اُس رُتبے کا اور اِسی گفتگو میں آوازیں ہماری بلند ہوئیں جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم دولت خانۂ مبارک سے تشریف باہر لائے اور ہم لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ کس شغل میں مشغول ہو ہم نے عرض کیا کہ بعضے لوگوں کی بزرگیاں بیان کرتے ہیں تب آپ نے اپنی زبان مبارک سے ارشاد فرمایا کہ اگر اس طرح کا ذکر ہے تو خبردار ابو بکرؓ پر کسی کو بزرگ مت جانیو اسواسطے کہ وہ افضل ہے تم سب کا دنیا اور آخرت میں اور ابو درداؓ سے دارقطنی میں صحیح سند سے روایت آئی ہے

کہ کہا ابو درداءؓ نے ایک روز میں آگے آگے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے راستے میں جاتا تھا کہ یکایک آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم راستے میں مل گئے اور فرمایا کیا تو اُس شخص کے آگے آگے چلتا ہے جو دنیا اور آخرت میں تجھ سے بہتر ہے قسم ہے خدا کی کہ آفتاب نے طلوع اور غروب نہیں کیا ہے کسی پر بعد انبیاء اور مرسلین کے کہ وہ بہتر ہو ابو بکرؓ سے اور ابن السمانؒ کتاب الموافقہ میں حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے صحیح سند سے روایت کرتا ہے کہ وے اپنے بزرگوار امام باقرؓ سے اور وے اپنے بزرگوار امام زین العابدینؓ سے اور وے اپنے والد ماجد سید الشہداء کربلا حضرت امام حسینؑ سے اور وے حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ فرماتے تھے کہ میں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ آفتاب نے طلوع اور غروب نہیں کیا ہے کسی پر بعد پیغمبروں اور رسولوں کے کہ بہتر ہو ابو بکر صدیقؓ سے اور حافظ بغداد کا خطیبؒ جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتا ہے کہ میں ایک دن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اِس وقت ایک شخص ایسا آتا ہے کہ حق تعالیٰ نے میرے بعد اُس سے بہتر کسی کو پیدا نہیں کیا اور اُس کی شفاعت قیامت کے دن پیغمبروں کی شفاعت کے مانند ہوگی، جابرؓ کہتے ہیں کہ کچھ دیر نہ گذری تھی کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اُٹھے اور اُنکی پیشانی پر بوسہ دیا اور بغلگیر ہو کر ایک ساعت اُنسیت حاصل کی اِس بات سے معلوم ہوا کہ جسطرح سے رضامندی حضرت پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی اُمت کی شفاعت میں منحصر ہے اسیطرح حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بھی رضامندی اُمت کی شفاعت میں ہے اِسواسطے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کی رضا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی رضا میں فانی تھی اور بس واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

سورۃ الضحیٰ

والضحیٰ کی سورۃ مکی ہے اس میں گیارہ آیتیں اور چالیس کلمے اور ایک سو بانوے حرف ہیں اور اس کو سورۂ والضحیٰ اِسواسطے کہتے ہیں کہ اِس سورۃ میں اوّل قسم ضحیٰ کی کھائی ہے

اور ضحیٰ کے معنی دن چڑھے کا وقت جو کہ آفتاب بلند ہونے کا وقت ہے اور اُس وقت کا ہر روز میں رات کے اندھیرے کے بعد آنا وحی بار بار آنے کی دلیل ہے اور اِس سورۃ کے نازل ہونے سے یہی مقصود ہے کہ وحی اکثر اوقات آیا کرے اسواسطے اِس کے نازل ہونیکا سبب ایسا کہتے ہیں کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ معظمہ میں اسلام کی دعوت شروع کی اور لوگوں کو مسلمانی کی راہ پر بُلانے لگے تب مکّے والوں نے مدینے کے یہودیوں کے پاس آدمی بھیجے کہ ہم میں سے ایک شخص ایسا پیدا ہوا ہے جو نبوت اور پیغمبری کا دعوےٰ کرتا ہے اُس کے دعوےٰ کی سچائی آزمانے کے واسطے کچھ نشانی بتلاؤ کہ تم اہل کتاب ہو اور پیغمبروں کی نشانیوں سے خوب واقف ہو تاکہ اُس نشانی سے ہم اُسے امتحان کریں یہودیوں نے کہا کہ تم اُس سے تین چیزیں پوچھو سکندر ذوالقرنین کا احوال اور اصحاب کہف کا قصہ اور روح کی کیفیت مکّے کے کافروں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر ان تین چیزونکا سوال کیا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ میں ان تینوں چیزوں کی خبر تم کو کل دونگا اور اُس وقت انشاء اللہ تعالے کہنا آپ کی زبان مبارک پر نہ آیا تو کئی دن تک وحی کا آنا بند رہا بعضے کہتے ہیں دش دن تک اور بعضوں نے اس سے بھی زیادہ کہا ہے یعنی چالیس دن تک وحی نہ آئی اِس سبب سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو بڑا غم ہوا دشمن اسکی خوشی سے طعنے دیتے اور بدگوئی کرنے لگے یہاں تک کہ ابولہب سر مجلس کہتا تھا کہ ان محمدا ودعہ ربہ وقلی یعنی محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو اُس کے خدا نے چھوڑ دیا اور ناخوش ہوا اور ابولہب کی دو جوروؤں سے ایک جورو بڑی بے شرمی اور ہنسی ٹھٹھولی سے کہ عورتوں کی طبیعت میں ہوتی ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حضور شریف میں آکر بولی کہ ما ارٰی شیطانک الا قد ترک یعنی تیرا شیطان جو تیرے پاس آتا تھا تجھ کو چھوڑ کر چلا گیا ایسی وحشت ناک باتوں سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو زیادہ غم ہوا اور بی بی خدیجہ کبریٰ رضی اللہ عنہا کے پاس جاکر یہ بات کہنے لگے کہ اُسی حالت میں یہ سورۃ نازل ہوئی اور اس کے شروع میں دن رات کا آنا جانا اور عالم میں روشنی اندھیرے کے ہیر پھیر پانے کا بیان فرمایا کہ تا اس رمز کو سمجھیں کہ دنیا کی چال ڈھال ایک حالت پر نہیں کبھی روز روشن سارے جہان کو روشن

کرتا ہے اور کبھی اندھیری رات اندھیرا کر دیتی ہے جیسا نور ہمیشہ قیام نہیں کرتا ویسا اندھیرا بھی سدا نہیں ٹھہرتا اندھیرے کے بعد اُجالا آتا ہے اور اُجالے کے بعد اندھیرا ہو جاتا ہے اسی موجب وحی کا آنا اور اُس کا بند ہونا سمجھا چاہیئے اگر کئی روز اٹک جاوے تو دل تنگ نہ ہوا چاہیئے کہ اُس میں بھی حکمتیں ہیں جس طرح رات کے آنے میں حکمتیں ہیں

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۝

وَالضُّحٰى ۝ قسم کھاتا ہوں میں ضحیٰ کے وقت کی یعنی پہر دن چڑھے کی کہ آفتاب بلند ہونیکا اور اُسکی پادشاہی ظاہر ہونے کا وقت ہے اِس لیے کہ آفتاب دن رات میں دو چالیں چلتا ہے ایک چال چڑھنے کی کہ آدھی رات ہونے سے شروع ہوتی ہے اور دوپہر دن تک رہتی ہے اور یہ ضحیٰ کا وقت آفتاب کے اُس پہلی چال کے انتہا کا وقت ہے تو یہ وقت نزول وحی کے وقت سے کہ ربانی اور امکانی حقیقتوں کے پورے ظاہر ہونے کا وقت ہے نہایت مشابہت رکھتا ہے اور یہ وقت اور بھی خصوصیتیں رکھتا ہے ایک یہ کہ روزی کے تلاش کا اور علم و ہنر حاصل کرنے کا اکثر یہی وقت ہے دوسرے یہ کہ یہ وقت فرض نماز سے خالی ہے اور نفلی عبادت کیواسطے فراغت تیسرے یہ کہ اُسی وقت خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کلام کیا تھا چوتھے یہ کہ اسی وقت میں فرعون کے جادوگر موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ دیکھکر ایمان لائے تھے اور سجدہ کیا پس یہ وقت نورِ حق کے کمال ظاہر ہونے کا وقت ہے باطل کے اندھیرے پر کہ اس کا اثر اگلی اُمتوں پر ہو گیا تھا پانچویں یہ کہ ضحیٰ کی نماز جسکی ادنیٰ چار رکعتیں اور اعلیٰ بارہ رکعتیں ہیں اور اس نماز کی بہت سی فضیلتیں جو حدیث شریف میں آئی ہیں اسی وقت میں مقرر ہے اور تجربہ والوں نے کہا ہے کہ جو فقر و فاقے سے ڈرتا ہو اُسے چاہیئے کہ ضحیٰ کی نماز پڑھا کرے اور جو قبر کے اندھیرے سے ڈرتا ہو تو چاہیئے کہ تہجد کی نماز پڑھتا رہے اور مشایخوں کے اوراد میں مقرر ہے کہ ضحیٰ کی نماز کی چار رکعتوں میں یہ چار سورتیں سورۂ والشمس اور سورۂ واللیل اور سورۂ والضحیٰ اور سورۂ الم نشرح پڑھتے ہیں وَالَّيۡلِ اِذَا سَجٰى ۝ یعنی میں سوگند کھاتا ہوں رات کی اُسوقت کہ اپنے اندھیرے سے چیزوں کو خلائق کی نظروں سے ڈھانک لیوے اور ڈھانک لینا رات کا جب ہوتا ہے کہ اُس رات میں چاند اور مشعل

اور شمع اور چراغ کی روشنی نہ ہووے اِس طور کی رات جاہلیت کے زمانے کا نمونہ ہے اور
ضحیٰ کا وقت کہ نور کے کمال کا وقت ہے سو وحی کے نازل ہونے کے وقت کا نمونہ ہے آور
رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات شریف کے بعد وحی منقطع ہونے سے اور اُن کے
خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے باقی نہ رہنے سے گویا کہ رات آئی لیکن ایسی رات میں
شروع سے آخر تک چاند کی چاندنی موجود ہے اور جیسا کہ چاند آفتاب کا خلیفہ ہے کہ اُسکی
روشنی اپنی ذات میں سمیٹ کر عالم کے روشن کرنے کو اُس آفتاب کی جگہ پر بیٹھا ہے ویسا ہی
خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے سینۂ مبارک سے نور
حاصل کر کے عالم کو اپنے نور سے روشن کیا ہے اور خلافت کا زمانہ گذر جانے کے بعد رات کی
اندھیری نے ہجوم کیا اور طالبان حق کے ہر گروہ اپنے مقدور بھر چراغ اور شمع اور مشعل سے
مدد لے کر اپنا کام چلاتے ہیں اور اُس اندھیرے کو دفع کرتے ہیں اِسی سبب سے کہ مجتہدوں
کے مذہب اور اولیاء اللہ کے طریقے اُس نور کا فیض پہونچانے میں قسم قسم اور جُدا جُدا ہوئے
ہیں پس ضحیٰ کا وقت گویا قلب محمدی صلے اللہ علیہ وسلم پر نور الٰہی کی تجلی ہونے کا وقت ہے اور
رات ظلمت بشری کے مانند یعنی انسانی کثافت اور مَیل کے مانند ہے جو تن مَن پر غلبہ اور ہجوم
کر کے ہر چیز کو نگاہ سے چھپا دیتی ہے آور یہاں ایک بحث یہ ہے کہ سورۂ واللیل میں اوّل
رات کی قسم کھائی ہے بعد اُس کے دن کی اور سورۂ والضحیٰ میں برخلاف اُس کے فرمایا یعنی
پہلے ضحیٰ کی قسم کھائی ہے کہ روز ہے اُس کے بعد رات کی اس کا کیا سبب ہے مفسروں نے
یوں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رات کو بھی ایک طرح کی فضیلت اور شرافت سے خصوصیت
بخشی ہے کہ راحت اور آرام اور سکون اور خواب اور پردہ پوشی کا سبب ہے علیٰ ہذا القیاس
دن کو بھی ایک طور کی بزرگی اور کرامت سے مخصوص فرمایا ہے کہ وہ معیشت کے کاربار کی
درستی کا ایک دوسرے کی ملاقات کا آمد و رفت کی آسانی کا اور دوسری جہت سے کاموں کا
باعث ہے اسلیے قسم کھانے میں کبھی رات کو دن پر اور کبھی دن کو رات پر مقدم کیا ہے تاکہ مقدم
ہونے کی بزرگی سے دونوں بہرہ مند ہوویں آور یہاں سے معلوم ہوا کہ جو اسد طوسی نے دن
رات کے مناظرے اور جھگڑے کی بیتوں میں کہا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے قسم میں رات سے دن کو

پہلے ذکر کیا ہے سُو یہ اُس کا کہنا سورۂ واللیل سے غافل رہنے کے سبب سے ہے اسواسطے کہ سورۂ واللیل کے شروع میں رات کی قسم ہے اور اسد طوسی کی وہ ساری بیتیں جو فارسی بولی میں ہیں سو یہ ہیں **نظم** بشنو از بحث گفتار شب و روز بہم * سرگذشتیکہ ز دل دور کند شدت غم * ہر دو را خاست جدل از سببِ بیشی فضل * درمیاں رفت فراوان سخن از مدحت و ذم * گفت شب فضل من از روز فزوں آمد زانکہ * روز را کرد زشب باز خداوند قدم * نزد یزدان ز پرستندۂ از عابد روز * ساجد و عابد شب راست فزوں قدر و قیم * قوم را سوے مناجات بشب بُرد کلیم * ہم بشب گشت جُدا لوط ز بیداد و ستم * قمر چرخ بشب کرد محمدؐ بدو نیم * سوی معراج بشب رفت ہم از بیتِ حرم * ہست در روز سہ اوقات کہ منع ست نماز * در نماز ز ہمہ شب فخر نبی بود و اُمم * آسمان از تو بود ہمچو یکے فرش کبود * وز من آراستہ بر مثل یکے باغِ ارم * ہر مہ و سال عرب را عدد از ماہ من ست * نیز از ماہِ من ست از پرِ جبرئیل رقم * روز کین قصہ شنیدہ شدہ آشفتہ و گفت * خامشی کن چہ در آئی بسخن بس محکم * روز را عیب بطعنہ چہ کنی کایزد عرش * روز را پیش ز تو کرد ستایش بقسم * روزۂ خلق کہ دارند بروز ست ہمہ * بہ حرم حج بروز ست ہم از بیتِ حرم * روز خواہد کہ بود خاستنِ خلق بحشر * روز شد نیز وجود ہمہ مردم ز عدم * روی آفاق ز من خوب نماید ز تو زشت * دیدۂ خلق ز من نور فزاید ز تو نم * مر مرا گونۂ اسلام و ترا گونۂ کفر * مر مرا جامۂ شادی و ترا جامۂ غم * سپہ و خیل نجوم تو چہ باشند کہ پاک * بگریزند چو خورشید من افراخت علم * گر زماہِ تو شناسند مہ و سال عرب * ز آفتابم ہمہ دانند مہ و سال عجم * ماہِ تو از ضوءِ خورشید من افزاید نور * از پے خدمتِ خورشید کند پشت بخم * از فریضہ سہ نماز ست بروز و دُو بشب * زاں نمازِ تو کم آمد ز من ہستی کم * آب آئے ہم اِس بات پر کہ کس واسطے سورۂ واللیل کو رات کی قسم مقدم لانے سے خاص کیا اور سورۂ والضحیٰ کو کس سبب اس ڈھب سے یعنی ضحیٰ کی قسم اوّل میں لانے سے مخصوص فرمایا اس میں یہ بھید ہے کہ واللیل کی سورۃ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں ہے اور اُن کو نور اسلام کے اول کفر کی تاریکی لاحق تھی اور یہ والضحیٰ کی سورۃ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی شان میں ہے اور اُن کو ابتدا سے عصمت کا نور حاصل تھا اس لیے والضحیٰ کی سورۃ کو روز کے ذکر

سے شروع کیا اور نور ایمان کے مانند ہے آور اس جگہ ایک لطیفہ اور ہے کہ اگر شروع میں
رات کو ذکر کریں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مناسب ہے پھر اس سے اوپر چڑھیں
تو محمد صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم سے جا ملیں کہ دن کے مانند ہیں جیسا کہ رات کے بعد دن آتا
ہے اور اگر روز کو شروع میں ذکر کریں کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے مشابہ ہیں بعد ازاں اُتریں
بلا فاصلہ تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پاویں کہ رات کے مانند ہیں کیونکہ روز کے پیچھے
بلا فاصلہ رات آتی ہے آور اس لطیفے سے ان دونوں کی رفاقت ایک تن ایک مَن کی
بہت اچھی طرح سے جلوہ گر ہوتی ہے چنانچہ اِس رفاقت کا اثر غار کے قصّے سے اور ایک
جگہ مدفون ہونے سے اور دوسری صحبتوں سے ظاہر ہوا ہے حاصل کلام اس سورۃ کے شروع
میں دن اور رات کی قسم آئی ہے سو گویا اس میں یہ اشارہ ہے کہ ہم کبھی دن کی ساعتیں
گھٹاتے ہیں اور رات کی ساعتیں بڑھاتے ہیں اور کبھی اُس کے برعکس یعنی دن کی گھڑیاں
زیادہ کرتے ہیں اور رات کی گھڑیاں کم کرتے ہیں اور یہ گھٹانا بڑھانا کم زیادہ کرنا کچھ محبّت
اور عداوت کی راہ سے نہیں ہے بلکہ حکمت کے طور سے ہے اسی طرح رسالت اور وحی نازل
ہونے کے مقدمے کو سمجھا چاہیئے کہ کبھی حبس ہے یعنی بند اور کبھی فیضان یعنی جاری آور یہاں
ایک لطیفہ یہ ہے کہ جب کافروں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر بہتان کیا کہ تجھ کو
تیرے پروردگار نے چھوڑ دیا اور رخصت کیا اور مدعی ہوئے تب مدعی پر شاہد لانا اور منکر پر
قسم کھانا ضرور پڑا تو پہلے اُن کو کہا کہ تم اس دعویٰ کے شاہد لاؤ جب شاہد لانے سے عاجز
ہوئے تب رسول اکرم صلے اللہ علیہ و آلہ و اصحابہ وسلم کو قسم کھانا لازم ہوا تو دن اور رات کی
قسم کھا کر اُنھوں کے مُدعا کا انکار کیا اور اس قسم میں اشارہ ہے کہ دن رات بھی بڑھنے اور
گھٹنے سے نہیں بچتے تجھ کو کہاں سے طمع رکھنی چاہیئے جو خلق کی زبان سے بچے آور یہ بھی ہے
کہ رات تنہائی اور وحشت کا وقت ہے اور دن ملنے جُلنے اور کام دھندے کا وقت ہے پس
گویا ایسا فرمایا کہ خوش رہا کرو کہ وحی بند ہونے کی وحشت کے بعد تم کو فرشتوں کے ساتھ
مل بیٹھنا میسر ہوگا آور یہ بھی ہے کہ دن عیش و عشرت کا وقت ہے اور رات کلفت اور وحشت
کا وقت آور دن سے ضحیٰ کا وقت پسند کیا اور اُسکی قسم کھائی اور رات کی قسم کھانے میں

ساری رات لائے اِس میں اِس بات کا اشارہ ہے کہ دُنیا کے غم اُسکی خوشی سے بہت زیادہ ہیں اور بعضے مفسروں نے یوں کہا ہے کہ ضحیٰ سے مراد رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا دن ہے اور لیل سے مراد معراج کی رات اور بعضے کہتے ہیں کہ ضحیٰ سے مراد رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا چہرہ مبارک ہے اور لیل سے مراد آں سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے بال کہ سیاہی میں رات کے مانند ہیں اور بعضے کہتے ہیں کہ ضحیٰ سے مراد رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کا دن ہے اور لیل سے مراد آں سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی عبادت میں مشغول ہونے کی رات اور بعضے کہتے ہیں کہ ضحیٰ سے مراد اُس عالم کا نور ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا تھا اور اس کے سبب سے عالم غیب کے اسرار روشن اور منکشف ہوئے اور لیل سے مراد عفو اور بخشش کا خلق ہے جس سے اُمت کے عیبوں کو ڈھانک لیا اور بعضے کہتے ہیں کہ ضحیٰ سے مراد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ظاہری احوال ہے جو خلق اللہ اُس سے آگاہ ہوئی اور لیل سے مراد اُن کا باطنی احوال کہ حق تعالیٰ کے سوا کسی کو اُس کی خبر نہیں اور بعضے کہتے ہیں کہ ضحیٰ سے مراد اسلام کا اقبال ہے اور لیل سے مراد اسلام کے غریب اور سُست ہوجانیکا زمانہ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے اِنَّ الاِسلَامَ سَیَعُودُ غَرِیبًا یعنی تحقیق اسلام نزدیک ہے کہ غریب اور سُست ہوجائے گا اور بعضے کہتے ہیں کہ ضحیٰ سے مراد زندگانی کا وقت مراد ہے اور لیل سے مراد قبر میں جانے کا وقت ہے اور یہ سب باتیں ہوسکتی ہیں مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ۝ یعنی تیرے پروردگار نے تجھ کو جُدا نہ کیا اور ناخوش نہ رکھا یعنی وحی بند ہونے کی مدت جو دراز ہوئی سو اسواسطے نہیں کہ اللہ تعالےٰ کی تربیت کرنے میں کچھ قصور ہے یا تمھارے کمال صفاتوں میں کچھ نقصان اور فتور بلکہ کسی حکمت کیواسطے ہے اور عنقریب پھر وحی کا آنا ہوگا جیسے دن جلدی سے رات کے بعد پھر آتا ہے اگر بعضے اوقات بشریت کے اندھیرے کے آجانے کے باعث وحی کا بند ہونا نمود ہو تو کچھ اندیشہ نہ کرو آخر نور حق کا غالب آوے گا اور ظلمت بشریت کو بالکل مٹا دیوے گا اور وصال بے فراق حاصل ہووے گا چنانچہ فرماتے ہیں وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ۝ اور بیشک تیری پچھلی ہر حالت بہتر ہے تیرے واسطے اگلی معاملت سے یہاں تک کہ تیری بشریت اصلا نہ رہیگی

اور نور حق کا غلبہ ہمیشہ تجھ پر رہا کرے گا اور اگر آخرت کو بعد الموت کے احوال پر خیال کریں
تو بھی بجا ہے آخرت کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سرداری کا مرتبہ اور اُن کی
طرف سارے عالم کا رجوع لانا اور اُنکی مبارک ذات کے چشمے سے بخشش اور فیض الٰہی کا
جاری ہونا نہایت زور شور اور اوج موج میں ہوگا یہاں تک کہ قیامت کے دن سب
اگلے پچھلے لوگ اُنکی شفاعت کے محتاج ہوں گے اور اُن کے جھنڈے کے تلے چھانوں
میں آرام پاویں گے اور اُن کے حوض کوثر کے پانی سے سیراب ہوں گے اور مراتب اور
مکانات بانٹ دینا اُن ہی سے ہوگا یعنی جس کو جس لائق دیکھیں گے ویسے اُس کو مرتبے
اور منزلیں تقسیم کردیں گے اور رَبُّکَ کے لفظ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑی تسلی
ہے یعنی کہاں ہوسکتا ہے کہ جس خاوند نے تم کو اس مرتبے سے پرورش کیا ہو اور اپنی
طرح بطرح کی تربیتیں تمھارے حق میں عنایت فرمائی ہوں اس حد تک کہ اپنے نور کی
تجلی بے واسطہ اور بے وسیلہ کسی مُرشد اور پیغمبر کے تمھاری روح مبارک پر نازل کی ہو وہ
تم کو چھوڑے اور جُدا کرے یہ بات مجازی خاوندوں سے بھی بعید ہے چنانچہ مشہور ہے کہ
اپنے نوازے اور سرفراز کیے ہوئے کو گرایا نہ چاہیئے تو اُس حقیقی خاوند کی کیا بات کہ جو ہر چیز
کے پیدا ہونے کے پیشتر اُس کے حوصلے اور اُس کے عمل سمجھ بوجھکر ہر ایک کو کسی مرتبہ اور
منصب سے مختار اور مخصوص کرتا ہے اور بیشک کیا خوب کہا ہوا ہے رُباعی چوں بعلم
ازل مرا دیدی ✤ دیدی انگہ بعیب بگزیدی ✤ من بعیب آں و تو بعلم ہماں ✤ رد مکن اُنچہ
خود پسندیدی ✤ ترجمہ جس گھڑی تو نے مجھے علم ازل سے دیکھا، دیکھا اور عیب کے ساتھ
اُس گھڑی پر چیدہ کیا، میں ہوں وہ عیب سے اور علم سے ہے تو بھی وہی رد نہ کر، تو نے
جو کچھ آپ پسندیدہ کیا، یہاں سمجھا چاہیئے کہ جب کوئی صاحب مہربان قدر دان اپنے نوکروں
سے ایک نوکر کو کسی خدمت پر مامور اور مقرر کرتے ہیں اور وہ نوکر بڑی کوشش اور کمال
استقلال سے اُس خدمت میں مشغول رہتا ہے تب حاسد بہتانی اور غیبتی اُس نوکر کی دل
شکنی کے درپے ہو کر جھوٹی باتیں بے اصل مشہور کرتے ہیں کہ فلانا اپنے خاوند کی نظر سے
گرا اور اس خدمت سے کہ مشغول تھا معزول ہوا تو ایسے وقت اُس خاوند کو نہایت الطاف

اور اشفاق کی رُو سے اُس نوکر کی دلداری کرنا اور تسلی دینا لازم ہوتا ہے اور اُن جھوٹی باتوں کے سُننے سے جو اُس کے دل پر گرانی اور آزردگی کا اثر پہونچا ہے سو دفع کرنے کیواسطے خلعت اور انعام اور اُس کے منصب کی ترقی کا وعدہ دینے سے اُس کو ممتاز اور مخصوص کرتا ہے سو اُسی نوع کا یہ کلام ہے وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ یعنی اور بیشک دیوے گا تجھ کو پروردگار تیرا اس قدر کہ تو راضی ہوگا اور اُس سے تیری استعداد اور حوصلے کا جام بھرپور ہو جاوے گا اور کچھ آرزو اور خواہش باقی نہ رہیگی اور یہ وعدہ نہایت وسعت اور فراخی رکھتا ہے خصوصًا وہ مخاطب یعنی وہ پیغمبر جن کو وعدہ دیا ہے ایسے پیغمبر عالی شان ہیں اُن کے حوصلے اور استعداد پر نظر کر کے دیکھا چاہیئے کہ کس قدر اور کیسا کیا اتنی بخششیں اور عنایتیں ان کو دی جاویں گی تا محظوظ اور خوشنود ہوویں آور حدیث شریف میں آیا ہے کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی اُس وقت رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اصحابوں سے بولے کہ میں ہرگز راضی نہیں ہونے کا جب تک کہ اپنی اُمت سے ایک ایک آدمی کو بہشت میں داخل نہ کرونگا اور اُس جناب رسالت مآب کے حق میں اُنکی روح مُبارک پیدا ہونے کی ابتدا سے بہشت میں داخل ہونے تک جو جو الٰہی بخششیں اور عنایتیں عطا ہوئی ہیں اور ہوتی ہیں اور ہوونگی سو قیاس کے احاطے سے اور بیان کرنے کی حد سے باہر ہیں اُن میں سے کچھ مجمل اور خلاصہ بیان کرنے میں آتا ہے سمجھا چاہیئے کہ جب کوئی کسی کو اپنے وسیلے رکھنے والوں سے اپنا پیارا اور محبوب کرتا ہے تو اُس کو بہت چیزوں سے پوشاک میں سواری میں بیٹھنے کی جگہ میں اور اِس سوا اور احوال میں ممتاز فرماتا ہے تا اُس کا پیارا اپنا اور محبوبیت خاص وعام کی نظر میں جلوہ گر ہو جاوے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو خصوصیتیں جناب اقدس آلٰہی سے حاصل ہوئی ہیں سو دو قسم کی ہیں پہلی قسم وہ ہے جس میں پیغمبر بھی شریک ہیں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ نعمت سب سے آگے اور اُن سب سے زیادہ دی ہے اِس سبب سے اِنکو سب سے ممتاز فرمایا ہے اور دوسری قسم وہ ہے جو اُن ہی کو مخصوص ہے اور خاصتہ ان ہی کا ہے دوسرے کسی کو اُس میں شراکت اور بہرہ نہیں آور یہاں مختصر کرنے کے سبب ان دونوں قسموں سے باہم ملا کے کچھ تھوڑا سا بیان کرتا ہوں تا کہ اس آیت کے معنی بہت اچھی طرح سے سُننے والوں

کے ذہن میں گذریں اور دل نشیں ہوویں ان خصوصیتوں سے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ
وسلم کی ذات مبارک میں تھیں ایک یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پیٹھ کے پیچھے
ایسا دیکھتے تھے جیسے روبرو اور رات کے وقت اور اندھیرے میں ایسا دیکھتے تھے جیسا دن
کو اور روشنی میں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے منھ مبارک کا لعاب کھاری پانی کو میٹھا کرتا
تھا اور شیرخورے بچوں کو اپنے منھ کے لعاب سے ایک قطرہ چکھاتے تھے تو وہ بچے سارا دن پیٹ
بھرے رہتے تھے دن بھر دودھ طلب نہ کرتے تھے چنانچہ عاشورے کے دن اہل بیت کے بچوں
سے تجربہ ہوا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بغلیں سفید رنگ اُجلی شفاف تھیں اُن میں اصلا
بال کا نام نہ تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز اتنی دور جاتی تھی جو اوروں کی آواز اُس کے
دسویں حصے تک نہ جاتی تھی اور آپ کی آواز اتنی دور سے سُنتے تھے جو اوروں کی آواز اُس سے تلے
سے سُن نہ سکتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں سو جاتی تھیں اور دل جاگتا رہتا تھا
اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری عمر میں جمھائی نہ آئی اور کبھی احتلام نہ ہوا اور اُنکے بدن
مبارک کا پسینہ مشک سے بہت خوشبودار تھا یہاں تک کہ اگر کسی راستے سے تشریف لیجاتے
تو لوگ اُنکے پسینے کی خوشبو کے سبب سے جو اُس ہوا میں پھیل رہتی تھی معلوم کرتے تھے کہ
آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اِس راستے سے تشریف لے گئے ہیں اور کسی آدمی نے اُن کے
جھاڑے کو زمین پر نہ دیکھا تھا زمین پھٹ کر نگل لیتی تھی اور اُس جگہ سے مُشک کی خوشبو
یعنی بول و براز ۱۲
نکلتی تھی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تولد کے وقت ختنہ کیے ہوئے ناف کٹے ہوئے اور
پاک صاف کہ اصلا اُن کے بدن مبارک پر پلیدی کا اثر نہ تھا پیدا ہوئے اور زمین پر سجدہ
کرتے ہوئے اور اپنی شہادت کی اُنگلی آسمان کی طرف اُٹھائے ہوئے آئے اور اُن کے تولد
کے وقت ایک نور چمکا اور ایسی روشنی ہوئی جو اُن کی ماں کو اُس روشنی کے سبب سے شام کے
شہر نظر آئے اور فرشتے اُن کا جھولا جھلاتے تھے اور چاند اُن کے ساتھ بچپن کے وقت جھولے
میں باتیں کرتا تھا اور جب اُس کو اشارہ کرتے تو اُن کی طرف جھکتا تھا اور بارہا جھولے میں
جھولتے کلام کیا ہے اور بادل اُن پر ہمیشہ دھوپ کے وقت سایہ کرتا تھا اور اگر جھاڑ کے تلے
درخت ۱۲
آتے جھاڑ کا سایہ اُن کی طرف متوجہ ہوتا تھا اور اُن کا سایہ زمین پر گرتا نہ تھا اور اُنکی پوشاک

پر کبھی نہ بیٹھی تھی آور اگر آپ کسی جانور پر سوار ہوتے تو وہ جانور آپ کی سواری کی مدت تک لیدا ور پیشاب نہ کرتا تھا اور عالم ارواح میں جو اوّل پیدا ہوا سو آپ تھے آور پہلے جس نے السست بربکم کے جواب میں بلٰی کہا سو بھی آپ تھے آور معراج اور بُراق کی سواری بھی مخصوص آپ کو تھی اور آسمان پر جانا اور قاب قوسین تک پہوچنا اور دیدار الٰہی سے مشرف ہونا اور فرشتوں کو اُن کی فوج اور سپاہ بنانا کہ لشکر کی طرح اُن کے ہمراہ ہو کر لڑے یہ بھی خاصّہ اُن ہی کا ہے آور چاند کا دو ٹکڑے کرنا اور دوسرے عجائب معجزے بھی اُن ہی کیساتھ مخصوص ہیں آور قیامت کے دن جتنا اُن کو ملے گا اُتنا کسی اور کو نہ ملے گا آور جو پہلے قبر سے اُٹھے گا سو بھی آپ ہوں گے آور جو پہلے بیہوشی سے ہُشیار ہو گا سو بھی آپ ہوں گے اور اُن ہی کو حشر میں بُراق پر لادیں گے اور ستر ہزار فرشتے اُن کے چوگرد ہوں گے اور اُن ہی کو عرش عظیم کے داہنی طرف کرسی پر بیٹھائیں گے اور مقام محمود سے مشرف کریں گے اور لواء الحمد یعنی الحمد کا جھنڈا اُن کے ہاتھ میں دیویں گے حضرت آدمؑ اور اُن کی تمام اولاد اِس جھنڈے کے تلے ہوں گے اور سارے انبیاء اپنی اُمتوں سمیت اُن ہی کے پیچھے چلیں گے اور پروردگار کا دیدار دیکھنا پہلے اُن ہی سے شروع ہو گا اور اُن ہی کو شفاعت عظمٰی سے مخصوص کریں گے اور پلصراط پر جو پہلے گذر کرے گا سو آپ ہی ہوں گے اور محشر کے ساری خلائق کو حکم ہو گا کہ اپنی آنکھیں بند کر لو تا اُن کی بیٹی حضرت بی بی فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا پل صراط پر سے تشریف لیجاویں اور پہلے جو بہشت کا دروازہ کھولے گا سو آپ ہوں گے اور اِن ہی کو قیامت کے وسیلے کے مرتبے سے مشرف کریں گے آور وہ وسیلہ ایک ایسا نہایت بلند مرتبہ ہے جو مخلوقات سے کسی کو میسّر نہ ہوا آور اس کی حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیامت کے دن جناب الٰہی سے قرب و منزلت میں ایسے ہوں گے جیسے وزیر بادشاہ سے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سب شریعتوں میں جن چیزوں سے مخصوص ہیں سو بہت ہیں اُنکی گنتی طول وطویل ہے اُن میں سے یہ ہے کہ اُن کو کافروں کی غنیمت کا مال حلال کیا، اور اُن کے واسطے زمین کو مسجد بنا دیا یعنی جس جگہ چاہیں نماز پڑھیں اور اُنکے واسطے زمین کی مٹی کو پاک کرنے والی کیا آور پانچ وقتوں کی نماز اور وضو اس طریق سے اور اذان

اقامت اور سورۂ الحمد اور آمین اور جمعہ کا روزا اور قبولیت کی ساعت جو جمعہ کے روز میں ہے
اور رمضان شریف اور شب قدر کی برکتیں کہ یہ سب اُن ہی کے واسطے مخصوص ہیں اور یہ
خصوصیتیں دریافت کرنے کو ظاہر نظر پہونچتی ہے اور آپ کی وے خصوصیتیں جو باطنی مراتب
کے بموجب ہیں اور وہ انوار اور وہ تجلیات جو روز بروز بڑھتے اور زیادہ ہوتے جاتے ہیں
اور وہ احوالات اور مقامات جو اُن کے اُمتیوں کو اُن کی پیروی اور فرمانبرداری کرنے کے
طفیل سے حاصل ہوئے اور ہوتے ہیں اور قیامت تک حاصل ہوں گے اور وہ علوم اور
عرفان جو اُن کو عطا ہوئے ہیں سو بے انتہا ہیں اور اس وَلَسَوْفَ کی آیت میں، ان سب
چیزوں کا اشارہ ہے یعنی یہ سب نعمتیں ملیں گی اِس واسطے عطا کو خاص نہ کیا یعنی یہ کچھ اور
اتنا کچھ نہ فرمایا اور جس وقت کسی کو کچھ نعمت زمان مستقبل میں دینے کا وعدہ کرتے ہیں تو جو
نعمت زمان ماضی میں ہوئی تھی اس نعمت کے مشاہدوں اور علامتوں سے اپنے اُس وعدے
کو محکم اور مضبوط کرتے ہیں تا پچھلے وعدے کو اگلے وعدے پر قیاس کرے اور اُمید اُسکی قوی
ہو جاوے اسی واسطے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اس وعدے کے بعد اُن اگلی خدمت
کے اور بدون درخواست کرنے کے ملی تھیں اور کبھی کسی کے خیال میں نہیں آتا کہ وہ نعمتیں
کس خدمت اور ثواب کے عوض میں ملی ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاٰوٰى ۪
کیا نہیں پایا تجھ کو یتیم پھر جگہ دی اس نعمت کا بیان یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
ماں کے پیٹ میں تھے آپ کے والد عبداللہ نے وفات پائی اور جب تولد ہوئے اور قریب
چھ برس کے تھے کہ آپ کی والدۂ نے انتقال کیا پھر اُس کے دو برس کے بعد آپ کے دادا
عبدالمطلب نے بھی رحلت کی اور آپ کو تین طرح کی یتیمی ماں اور باپ اور دادا کے گذر جانے
سے حاصل ہوئی اور اس طور کی حالت میں اندیشہ تھا کہ لڑکا ضائع ہو جاوے اور بخوبی
پرورش نہ پاوے اللہ تعالیٰ نے ابتدا سے آپ کی پرورش ہونیکی صورت اسطرح پر ظاہر
فرمائی کہ والد کے انتقال کے بعد اُن کی ماں کے اور دادا عبدالمطلب کے دل میں آنحضرتؐ
کی محبت ایسی بڑھائی کہ اشفاق پدری کے قائم مقام ہوئی اور دن اور رات آنحضرتؐ کی
محبوبی اور دلبری کے کرشمے اُن کی ماں اور دادا کو دکھلاتا تھا تا عاشق ہو کر عاشقوں کے طور پر

اُنکے پالنے اور سنبھالنے میں بڑی کوشش کرتے تھے اور اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے پھر جب عبد المطلب کی وفات کا وقت آیا تب اُنھوں نے آنحضرتؐ کو اپنے بیٹے ابوطالب کو جو آپ کے حقیقی چچا تھے سپرد کیا اور نہایت تاکید سے آپ کی خدمت اور خبر گیری کی ترغیب دی ابوطالب اُنکی تاکید اور وصیت کے موافق حضرتؐ کی خبرداری اور خدمت گذاری میں نہایت سرگرم رہتے تھے اور اس بیچ میں باطنی تربیّت اور تعلیم آلٰہی مخفی نیک اخلاق اور پسندیدہ آداب پر لانے میں اپنا کام کرتے تھے یعنی اُن کی چال چلن اور سارے لچھن سب کو من بھاؤنے لگتے تھے یہاں تک کہ حد بلوغ کو پہونچے اور بالغ ہوئے اور کمالات کی خوبیاں جمع کر کے اپنی قوم کے عزّت بخش اور فخر خاندان ہوئے وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۝ اور پایا تجھ کو راہ بھولا ہوا پھر راہ بتائی تجھے اِس ہدایت اور ضلالت کا بیان وہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو بالغ ہونے کے بعد کمال عقل اور دانائی کے سبب سے اِس قدر معلوم ہوا کہ بتوں کی پوجا اور کفر و جاہلیت کی رسمیں سب بے اصل اور پُوچ ہیں تو دین حق کی کھوج اور تلاش کے درپے ہوئے اور بڑے بوڑھوں کی زبان سے سُنا کہ ہمارا اصل دین حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خیال بندھا اور تدبیر سوجھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح خدا کی طرف پورا رجوع ہو جاؤں اور اُس کی عبادت بندگی کروں لیکن جب دین ابراہیمی نہ کسی کو یاد رہا تھا اور نہ کسی کتاب میں لکھا ہوا اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کتاب پڑھ سکتے تھے بالضرور اس دین کے احکام کے کھوج اور تلاش کرنے میں بے قرار ہو کر تسبیح تہلیل تکبیر اعتکاف جنابت کا غسل حج کے مناسک ادا کرنے اور خلوت اور گوشہ نشینی سے اور اسی نوع کے اور دوسرے امورات سے جس قدر معلوم ہوا اُسی قدر مشغول رہتے تھے اُس وقت تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی سے اُن کو پاک دین کے اصول پر مُطلع فرمایا اور آگاہ کیا اور اِس پاک دین کے فروعات بہت اچھی طرح سے اُن کے لیے

---

۵ بعض مفسرین نے ضال کے معنی محبت کے لیے ہیں یعنی تم کو محبت والا پایا تو راہ بتائی اور اس کی سند وہ آیت ہے جو سورۂ یوسف میں مذکور ہے انك لفی ضللك القدیم یعنی اے یعقوبؑ آپ اسی پُرانی محبت میں چور ہیں ۱۲ سید اطہر علی نگینوی ۱۲ ۱۲ ۱۲ ۱۲ ۱۲ ۱۲

معظّمہ مقرر فرمائے اِس دم وہ اُنکی بیقراری جو حق دین نہ پانے کے سبب رہتی تھی جاتی رہی گویا اپنی کھوئی ہوئی چیز پائی اور جس راہ سے چلا چاہتے تھے اور وہ راہ سُوجھ پڑتی نہ تھی سو راہ آپ کو دکھائی اِس باعث اس راہ کے نہ پانے کی بیقراری کو راہ بھولنے سے نسبت دی یعنی ضَالًّا فرمایا اور تفسیر والے جنھوں نے یہ بات جیسی چاہیئے ویسی پوری نہ سمجھے سو اس بھولنے کی تفسیر میں بہت دور پر جا پڑے ہیں بعضے کہتے تھے ضلال سے مراد ظاہر کی راہ بھولنی ہے جو لڑکپن کی حالت میں مکّے کے پہاڑوں کے بعضے دروں میں گھر کی راہ بھول کر حیران بھٹکتے پھرتے تھے کہ ابوجہل اونٹنی پر سوار اچانک اُدھر جا نکلا اور آپ کو اُٹھا کے اونٹنی پر سوار کر کے عبدالمطلب کے پاس لے آیا اور کہنے لگا ہم نہیں جانتے کہ اِس تیرے بیٹے سے ہم کو کیا کچھ پہونچے گا عبدالمطلب نے پوچھا کیوں ابوجہل بولا کہ میں نے اس لڑکے کو فلانے درے میں رستہ بھولا ہوا بھٹکتا پایا سو اس کو اُٹھا کر پہلے اپنی پیٹھ کے پیچھے سوار کر لیا تو اونٹنی ہرگز نہ چلی بیٹھ بیٹھ جاتی تھی جب اُس کو میں نے اپنے آگے بٹھلایا تب یہ اونٹنی اُٹھ کر چلنے لگی اس قصّے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصّے سے وہ مشابہت ہے کہ جیسا اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو اُن کے دشمن کے ہاتھ سے جو فرعون تھا پرورش کروایا ویسا ہی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اُن کے دشمن کے ہاتھ سے جو ابوجہل تھا اُن کے دادا عبدالمطلب کے پاس پہونچوایا اور بعضے کہتے ہیں کہ بی بی حلیمہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی دائی آپ کو اپنے گھر سے عبدالمطلب کے یہاں پہونچانے کو لائیں اور مکہ معظمہ کے دروازے پر آپ کو گنوایا تو بیقرار ہو کر ہبل کے پاس گئیں کہ وہ ایک بڑا بت تھا اور وہاں جا کر بلند آواز سے رونے لگیں جوں ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک لیا وہیں سارے بُت اوندھے مُنھ گر پڑے اور بتوں کے اندر سے ایک آواز نکلی کہ ہے ہے یہ کیا نام لیتی ہے کہ اُسی لڑکے کے ہاتھ میں ہماری ہلاکی اور خرابی ہے اِس عرصے میں جبرئیل علیہ السلام نے آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر اُن کے دادا عبدالمطلب کے پاس پہونچا دیا آپ کی دائی بی بی حلیمہؓ بُت خانے سے بے آس ہو کر اس ارادے سے نکلیں کہ عبدالمطلب کو آپ کے گم ہو جانے کی خبر دوں تا آپ کو ڈھونڈیں وہاں گئیں تو کیا دیکھتی ہیں کہ آپ عبدالمطلب کے پاس بیٹھے ہیں یہ دیکھ کر بہت

اپ صنجھے میں پڑیں اور دنگ ہوگئیں پس اس وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى کی آیت میں اس قصّے کی طرف اشارہ ہے اور بعضے کہتے ہیں کہ ضال سے مراد ہجرت کے رُخ کا بھولنا ہے کہ کس طرف جانا چاہیئے یا تو قبلے کا گم کرنا یا تو جبرئیل علیہ السلام کا پہلے پہل نہ پہچاننا یا تو دنیا کے کاروبار کی راہ بھولنا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم عبادت میں نہایت مشغول ہونے کے سبب سے دنیا کے کام کاج اور لین دین کے دستور سے خبردار نہ تھے اور سروکار نہ رکھتے تھے یا تو آسمانی راستوں کا گم کرنا کہ وہ راستے معراج کی رات معلوم ہوئے اور بعضے کہتے ہیں کہ ضلال اس جگہ مل جانے کے معنی میں ہے چنانچہ عرب کہتے ہیں ضل الماء فی اللبن یعنی مل گیا پانی دودھ میں ایسا کہ فرق اور تمیز نہیں کرسکتے سو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے آگے کافروں میں رلے ملے تھے کوئی آپ کو ممتاز کر نہ پہچانتا تھا اور بعضوں نے کہا ہے کہ ضلال کے معنی محبت اور عشق کا مرتبہ ہے چنانچہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے اپنے باپ کے کمال عاشقی اور محبت کو جو حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ رکھتے تھے اس لفظ سے کہا ہے کہ انک لفی ضلالک القدیم اس کے یہ معنی کہ بیشک تو اپنی قدیم ضلال میں یعنی تو اُسی اپنے اگلے عشق اور محبت میں ہے اور ہدایت سے مراد وہ ہے کہ ہمنے تجھے اپنے محبوب اور مطلوب سے ملنے کی راہ بتلادی الغرض تفسیر والوں کی باتیں اسی طرز کی ہیں یہاں اِس قدر سمجھنا چاہیئے کہ تمام انبیاء علیہم السلام پیغمبری پانے کے آگے بھی اور پیغمبری پانے کے بعد بھی اصلی اور طبعی کفر اور گمراہی سے پاک اور معصوم اور محفوظ ہیں بلکہ جان بوجھ کر گناہ کرنے سے بھی پاک ہیں چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ میں نے کبھی کوئی کام اُن کاموں میں سے جو جاہلیت والے کرتے تھے نہ چاہا کہ میں بھی کروں مگر دو وقت اور اُن دونوں وقت میں لطف الٰہی نے مجھے وہ کام کرنے نہ دیا اور اللہ تعالےٰ کا تھامنا اور نگاہ رکھنا میرے اور اُس کام کے بیچ میں حائل اور مانع ہوا اور وہ دو کام یہ تھے کہ ایک دن قریش کے ایک نوجوان کو جو شہر مکہ کے باہر میرے ساتھ بکریاں اور بھیڑیاں چراتا تھا میں نے کہا میری بکریوں اور بھیڑیوں کی خبرداری کرنا کہ میں شہر مکہ میں جاکر جو کئی ایک نوجوان گھر مل بیٹھے کہانیاں کہتے ہیں سو سنوں جب اس عزم سے شہر مکہ میں داخل

ہوا تو پہلے ہی گھر میں سے جو میرے سر براہ تھا گانے بجانے کی آواز سُنی اور پوچھا کہ یہاں کیا ہے بولے کہ فلانے شخص کی فلانی عورت سے آج شادی ہوتی ہے یہ سُنکر میں گیا اور چاہا کہ بیٹھ کر تماشا دیکھوں بیٹھتے ہی اللہ تعالیٰ نے مجھ پر نیند ایسی غالب کردی کہ دن نکلے تک نہ جاگا جب آنکھ کھلی تو دیکھا کہ وہ مجلس برخاست ہوگئی اِسی طرح پھر بھی دوسری مرتبہ قصد کیا تو پھر بھی میرے اور باجے گاجے کھیل تماشے اور قصے سننے کے درمیان نیند حائل ہوئی اور خدا تعالیٰ کے تھامنے اور نگاہ رکھنے کے سبب سے میں بچ رہا پھر اُس دن سے کبھی میرے خیال میں نہ گذرا یہاں تک کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت اور پیغمبری سے سرفراز فرمایا اور اُس پاکی پرہیز گاری کو دوچنداں کیا لیکن شریعتوں کے احکام نہ جاننے اور اُنکی سمجھ نہ پڑنے کی بیقراری پیغمبروں کو بھی پیغمبری پانے کے آگے ہوتی ہے اور حق دین کی تلاش میں رہتے ہیں اور لفظ ضلال کے معنی کے لیے اس قدر بس ہے جیساکہ اوپر بیان کرنے میں آیا وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ اور تجھ کو پایا عیالدار بے مایہ پھر غنی اور بے پروا کیا تجھے یہ وہ نعمت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہلے اُن کے دادا عبد المطلب کے مال سے مستغنی کیا کہ اُن کو اپنے سب بیٹوں سے بہتر اور عزیز جان کر پرورش کرتے تھے اُنکے بعد ابوطالب کے مال سے کہ وہ چچا تھے پناہ لیا کہ وہ بھی اُن کو اپنے والد عبد المطلب کی وصیت کے بموجب اپنے فرزندوں پر مقدم کرکے سبھوں سے زیادہ چاہتے تھے پھر جب آپ پچیس برس کے ہوئے تب حضرت بی بی خدیجہ کبری رضی اللہ عنہا کو کہ نہایت مالدار تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں اس قدر اُنکی محبت اور خدمت پر لُبھایا کہ اپنا سارا مال نقد اور جنس اُن کے آگے لا رکھا اور قریشوں کے رئیسوں کو بُلا کر شاہد کیا کہ اب یہ سب مال اِس شخص کا ہے چاہے لٹا دیوے چاہے رکھ لیوے جب بی بی خدیجہ کبری رضی اللہ عنہا خلد بریں کو سدھاریں تب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے مال سے فارغ البال کیا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دل میں اس قدر آنسرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضامندی اور دلبری کی محبت آپڑی کہ اپنی پونجی کے چالیس ہزار درم اُن کے کاروبار میں خرچ کر بیٹھے پھر بعد ہجرت کے مدینے کے رہنے والے انصار کے مال سے غنی کیا اِس کے

پیچھے کفار نابکار کی فتوح اور غنیمتوں کے مال سے نہال کر دیا اگرچہ اُن میں سے بعضے معاملے اِس سورۃ کے نازل ہونے کے بعد ظہور میں آئے ہیں پر جو کچھ کہ علم الٰہی میں ہے سو گویا ظہور میں آئے ہوئے کے مانند ہے اِس واسطے اُن کو بھی منّت رکھنے کے مقام میں فرمایا اور باوجود اِن سب ظاہری بے پروائیوں کے باطنی بے پروائی جسے قناعت کہتے ہیں اِس نہایت تک عنایت فرمائی تھی جو آپ کے نزدیک سونا اور پتھر برابر تھا سو تواریخ والے خوب بیان کرتے ہیں اور تحقیق والے صاحب کمالوں نے کہا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اِس سبب سے یتیم کیا تو لوگ یتیموں کی حقارت نہ کریں اور جب کسی یتیم کو دیکھیں تو یاد کریں کہ ہمارے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم بھی کسی وقت میں یتیم تھے اور یتیم کو مان دیویں کم سے کم اتنا مان جتنا جاہل لوگ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تصویر کو مان دیتے ہیں آور اس سبب سے بھی ہے تا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم یتیموں کی قدر بوجھیں اور یتیموں پر مہربانی رکھیں اور یاد کریں کہ یتیمی کا دُکھ کتنا کچھ بھاری ہے آور اس باعث سے بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منظور یہ تھا کہ اپنی عمر کے شروع سے آخر تک خداے تعالےٰ کے سواے کسی اور پر بھروسہ نہ رکھیں آور سب سے عالی توکّل کا مرتبہ اُن ہی کو ملے اور یہ بات یتیمی کے سوا نہیں ملتی اور اس بات سے بھی ہے کہ یتیم ہونا سو عادت کے بموجب بچوں کے اوقات ضائع ہونے اور اُن کے بے ادب ہو جانے کا سبب ہے اور جب کوئی شخص یتیمی کی حالت میں پورے سُتھرے پچھّن اور بھلی چال سے سُدھر جاوے تو بلاشک معجزے کے طور سے مانتے ہیں اور اُس کو نبوّت کی نشانی جانتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فقر و مسکینی میں اور دادا چچا زوجۂ محترمہ یار غار اور انصار جان نثار کے مال سے مستغنی ہونے میں یہ بھید ہے کہ اگر آپ مالدار ہوتے تو مالداروں کے اخلاق کہ فی الجملہ بڑائی خود پسندی خود بینی اور خود نمائی کو چاہتے ہیں سُنّت اللہ جاری ہونے کے بموجب آپ میں اثر کرتے اور آپ کی نشست برخاست اُٹھ بیٹھ مالداروں کے ساتھ ہوتی اور آپ کو تواضع اور ملنساری اور آشنا پروری اور اللہ کی طرف دمبدم التجا کرنے اور مسکینی کی لذّت معلوم نہ ہوتی آور یہ بھی ایک سبب ہے کہ جس صورت میں آپ کو آپ ہی کے مال سے مستغنی کرتے تو آپکے

فرمانبرداروں پر بدگمانی دھرتے کہ شاید لوگ اس شخص عالیشان کی شانداری اور مال کی خواہش کی طمع کے سبب سے اس شخص کے فرمانبردار ہو گئے ہیں اور خالص اخلاص اور صرف ایمان اور حق کی پاسداری سمجھی نہ جاتی ان باتوں کے واسطے آپ کو فقیر بے مایہ پیدا کر کے لوگوں کو آپ کی صحبت کی کشش سے گرویدہ کیا تا خود بخود اپنی جان و مال کو آپ پر نثار کریں اور یہ بات آپ کے کمال پر پہلی دلیل ہے کہ لوگ ظاہری اسباب کے بغیر اس قدر آپ پر گرویدہ ہوتے ہیں اور یہاں ایک نکتہ ہے سمجھا چاہیے کہ ہر آدمی کیا فقیر کیا غنی ابتدا میں بے مایہ اور تہی دست پیدا ہوتا ہے اور دوسروں کے مال سے جمعیت پاتا ہے لیکن اگر وہ آدمی اپنی طرف سے ہوس اور لالچ کر کے مال زیادہ کرنے کی تلاش میں سرگرداں رہتا ہے تو سب کی نظروں میں ذلیل اور خوار ہو جاتا ہے اور اگر وہ آدمی اوروں کو ظرافت اور دانائی کی تدبیروں سے اپنا تابع اور فرمانبردار کر کے اُن کے مال سے فائدہ لیتا ہے تو اُسکی عزت اور شوکت کا باعث ہو پڑتا ہے اور یہی باعث ہے کہ بادشاہ عزیز ہے باوجود اس بات کے کہ رعیت کے مال سے مستغنی ہے اُن کے پاس سے ایک تدبیر کے ساتھ اناج خراج اور محصول کے پیسے لیتا ہے اور فقیر طمع رکھ کے آدمیوں سے طلب کرتا ہے بلکہ اُس سے بہت کم مانگتا ہے مگر وہ ذلیل ہے پس معلوم ہوا کہ مال کا ہونا عزت کا سبب نہیں ہوتا اور اس کا نہ ہونا ذلت اور حقارت کا واسطہ نہیں ہاں سچ ہے جو مال کہ قناعت بے پروائی اور لالچ ترک کرنے سے ہاتھ آوے سو عزت کا باعث ہے اور جو فقیر کہ طمع اور تلاش کے سبب دوڑ دھوپ میں لگا رہے سو ذلت اور خواری کا موجب ہے۔ اور جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اوروں کے مال سے عزت اور حرمت اور غلبے کے طور پر استقلال حاصل ہوا تب آپ کا جاہ و جلال زیادہ اور کامل ہوا اور کبھی کوئی ننگ اور عار کا کلنک نہ لگا اور جب اللہ تعالےٰ اِن نعمتوں کا بیان پورا کر چکا تب اُن کے شکر کی درخواست کے لیے فرمایا کہ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ؕ یعنی پھر یتیم کو تو بھی مت دبا اور قہر مت کر یعنی یتیم کا مال اور حق تلف مت کر اور اُس کے ساتھ بات کرنے میں تندی اور سختی مت کر کیونکہ تو بھی یتیم تھا اور یتیم کی لاچاری اور ناتوانی تجھے خوب معلوم ہے کہ ذرا سی

بات سے شکستہ دل اور آزردہ خاطر ہو جاتا ہے اور یہ شکر دہ ہے کہ جو اَلَمْ یَجِدْكَ
یَتِیْمًا فَاٰوٰی ہ کی نعمت سے بدل اور مقابلے میں ہے وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ہ یعنی
اور مانگنے کو نہ جھڑک کیونکہ تو بھی عیال دار اور مسکین تھا اور تو مسکینی کا درد دکھ خوب
جانتا ہے اور یہ وہ شکر ہے جو وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰی کی نعمت کے عوض کے مقابلے
میں ہے وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ہ یعنی اور اپنے پروردگار کی نعمتوں کو بیان کر ع ۱۱
کیونکہ تجھے بہت نعمتیں دی ہیں اور بہت علوم اور عرفان بے پایاں تیرے دل پر نازل
فرمائے اور اس نعمت کا شکر دہ ہے جو اوروں کو بھی اُن کے پانے کی راہ بتادیں اور حصہ
عنایت فرماویں اور ایک یہاں لطیفہ ہے سو یہ ہے کہ منت گذاری کے مقام میں دین
کی نعمت کو جو ہدایت ہے دنیا کی نعمت پر کہ تو انگری ہے مقدم کیا اور جو دین کی
نعمت کے عوض اور مقابل تھا اس کو اس واسطے پیچھے لائے کہ دنیا کی نعمت کے بدل
اور مقابلے میں خلق اللہ پر شفقت منظور ہے اور دین کی نعمت کے مقابلہ میں باطنی نعمتوں
کے حاصل کرنے کی راہ دکھلانی ضرور ہے اور خلق اللہ پر شفقت اور مہربانی کرنا اُن کے
ہدایت کرنے پر مقدم رکھا ہے اِس واسطے کہ جب تک قوت اور گذران کے کام انتظام
نہ پاویں تب تلک شرعی احکام عمل میں لانے اور عاقبت کے سر انجام کی تلاش میں
رہنے کی خاطر جمعی میسر نہیں ہوتی اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ سائل کو یتیم کے ساتھ پوری
برابری ہے اس لیے کہ جو شکر گذاری کہ سائل کے حق سے نسبت رکھتی ہے سو یتیم کے
بیان سے لگادی اور نعمتوں کی گنتی میں ہدایت کی نعمت کو تو انگری کی نعمت پر مقدم
کیا اس واسطے کہ تو انگری اُس وقت نعمت ہوتی ہے کہ جب مال میں تصرف کرنے کی
چال معلوم ہو اور تصرف کی چال ہدایت میں خیال میں آتی نہیں اور ان تینوں شکر گذاریوں
کی مناسبت تینوں نعمتوں کے ساتھ ظاہر ہے جیسا کہ بیان ہوا اور ایک مخفی مناسبت اور ہے
کہ یہ تینوں شکر گذاریاں قیامت کے دن آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُمت کی واسطے
شفاعت کرنے پر دلیل ہو سکتی ہیں کیونکہ یتیم سب ناتوانوں سے نپٹ ناتواں ہے اُس کی
مدد کرنے میں کوشش کرنا کمال شفقت اور لطف اور مرحمت کی دلیل ہے اور سائل اکثر

اوقات بے محل چاپلوسی اور منت اور زاری کے ساتھ سوال کرنے سے ستاتا ہے پس باوجود اس اذیت کے اُس کے ستانے پر صبر کر کے اُس کے ساتھ احسان کرنا اُمت کے گناہوں سے درگذرنے کی اور کیے ہوئے کو نہ کیا ہوا خیال کرنے کی دلیل ہے اور اللہ تعالےٰ کی نعمتوں کا بیان کرنا ایک مشقت چاہتا ہے اور اُمت کے فائدے کیلیے اس مشقت کی برداشت کرنی جناب آلہی میں عرض و معروض کرنے کی مشقتیں اُٹھانیکی اور اُن کو عذاب سے چھڑانے کی دلیل ہے اور یہ آیت وَاَمَّا بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثۡ ۝ اس بات کی دلیل ہے کہ خدا تعالےٰ کی نعمتوں کو جو اپنے اوپر اور اپنے وابستوں پر ہوں سو ظاہر کرنا کہنا سُنانا سُنت ہے لیکن اُس وقت کہ نیت خالص ہو جیساکہ پروردگار کے شکر کرنے کا زبان سے رواج دینے پر یا پیروی اور لوگوں کو حاصل ہونے پر ارادہ اور جو کوئی اِن نعمتوں کے ظاہر کرنے سے اپنے جی میں شیخی اور خود پسندی کا خوف رکھتا ہو تو اُس کے حق میں چھپا رکھنا اور کسی سے نہ کہنا بہتر ہے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ ہر روز اپنی شب بیداری کا احوال لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ میں نے آج رات کو اس قدر نماز پڑھی اور اس قدر قرآن مجید کی تلاوت کی بعضے نافہموں نے اُن پر اعتراض کیا کہ یہ ظاہر کرنا ریا کا طور ہے اُنھوں نے کہا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے وَامابنعمة ربك فحدث ۝ اور میرے نزدیک کوئی نعمت اس نعمت کے برابر نہیں جو اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی عبادت بندگی کی توفیق عنایت فرمائی میں کس واسطے اس نعمت کو ظاہر نہ کروں اور اس شکر گذاری سے محروم رہوں سمجھ لیا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تین چیزوں کی بہت تاکید فرمائی ہے ایک یتیم کے حق کی رعایت رکھنا دوسرے سائل کے حق کا لحاظ اور دھیان دھرنا اور تیسرے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بیان کرنا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس تاکید کے بموجب تینوں چیزوں میں نہایت کوشش کرتے تھے چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مبارک اخلاق اور اطوار کے واقف کاروں کو خوب معلوم ہے حدیث صحیح میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ یتیم کا پالنے والا خواہ وہ یتیم اُس کا قرابت والا اسکا ہو خواہ بیگانہ

کہیں کا ہو قیامت کے دن بہشت میں میرے ساتھ ایسا ملا رہے گا جیسے یہ دو انگلیاں میرے ہاتھ کی ملی ہوئی ہیں اور اپنی اُنگلیوں سے بتایا اور یہ بھی حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آکر عرض کرنے لگا کہ یارسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میرا دل نہایت سخت ہے کچھ علاج فرمائیے آپ نے ارشاد فرمایا کہ یتیموں پر شفقت کیا کر اور اُن کے سر پر ہاتھ پھیر کر تیرے دل کی سختی دور ہو جاوے گی اور یہ بھی حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو کوئی پیار سے یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرے گا تو اُس کے واسطے جتنے اُس یتیم کے سر پر بال ہوں گے اُتنے ہر ہر بال کے حساب سے ایک ایک نیکی لکھی جاوے گی اور زمان سلف کے بزرگوں نے کہا ہے کہ جب یتیم روتا ہے تو عرش ہلنے لگتا ہے پھر جو یتیم کو دلبری اور خاطر داری کے ساتھ رونے سے خاموش کرے تو گویا عرش کو ہلنے سے ٹھہرایا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بخشش اور داد و دہش مانگنے والوں پر یہاں تک تھی کہ کبھی لَا یعنی نہیں آپ کی زبانِ مبارک سے نہیں نکلی چنانچہ صحیح بخاری میں جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے کسی نے کوئی چیز کا سوال نہ کیا کہ آپ نے اُس کے جواب میں لَا فرمایا ہو جیسا کہ فرزدق شاعر اس مضمون کو مبالغے کے طور اس شعر میں نظم کر کے کہتا ہے شعر

مَا قَالَ لَا قَطُّ اِلَّا فِیْ تَشَهُّدِهٖ	لَوْ لَا التَّشَهُّدُ کَانَتْ لَاؤُهٗ نَعَمْ

ترجمہ نہ بولے لَا کبھی ہرگز مگر اپنے تشہد میں + تشہد گر نہ ہوتا تو وہ لَا ان کا نعم ہوتا + اور صحیح ترمذی میں روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس بحرین کے ملک سے نوے ہزار درم آئے آپ اُن کو اپنی مسجد کے حصیروں پر ڈھیر کروا کے صبح کی نماز پڑھ کے بانٹنے لگے پھر ظہر تک اُن میں سے ایک درم بھی باقی نہ رہا اور اس بیچ میں جو مانگنے والا آیا اُس کو دیا بانٹنے سے فارغ ہونے کے بعد اتفاقاً ایک مانگنے والا وہاں آنکلا اُس سے آپ نے فرمایا کہ اب میرے پاس کچھ باقی نہ رہا جو تجھے دوں پر تو بازار کو جا اور بیوپاریوں سے میرے نام پر جو کچھ چاہے سو خرید کر اور میرے ذمے پر لکھوا دے جب کچھ میرے ہاتھ آوے گا تب میں ادا کر دوں گا اتنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے

عرض کی کہ یارسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم حق تعالےٰ نے آپ کو مقدور سے زیادہ
تکلیف فرمائی نہیں پھر کاہے کو اس قدر اپنے اوپر قرض کا بوجھ اُٹھاتے ہو آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ بات خوش نہ آئی اور آپ کے چہرۂ مبارک پر خفگی کے آثار ظاہر ہوئے
ایک انصار نے جو وہاں حاضر تھا عرض کیا کہ انفق ولا تخش من ذی العرش اقلا کا ترجمہ
دیئے جا اور عرش کے مالک سے محتاج ہونے کا خوف مت کر یہ سخن سُنتے ہی آنحضرت
صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہنسے اور آپ کے چہرۂ مبارک پر خوشی کے آثار نمودار ہوئے اور
فرمانے لگے کہ اسی طور سے مجھے حکم ہے اور مامور ہوں حاصل کلام یہ ہے کہ آنسرور انام
علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بخششیں اور انعام نہایت عام اور از بس تمام تھیں کہ اللہ تعالےٰ
نے اُن کو میانہ روی سے مامور کیا اور بہت دیدینے اور زیادہ خرچ کرنے پر نہی کی آیت
نازل ہوئی چنانچہ سورۂ اسرا کی تفسیر میں مذکور ہے کہ ایک دن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک لڑکے نے آکر گذارش کی کہ یارسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میری
ماں عرض کرتی ہے کہ میرے پاس کوئی کُرتا نہیں جو پہنوں ایک کُرتا مجھے عنایت کیجیے
آپ نے فرمایا کہ گھڑی بھر رہ کر آئیں ڈول گا وہ لڑکا گیا اور پھر آکر عرض کرنے لگا کہ میری
ماں عرض کرتی ہے کہ یہی کُرتا جو آپ پہنے بیٹھے ہیں مجھے عنایت فرمائیے آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم اسی دم دولت خانے کو تشریف فرما ہوئے اور اُس کُرتے کو اپنے بدن مبارک سے
اُتارا اور تہ کر کے اُس لڑکے کے پاس بھجوا دیا کہ لے جا اپنی ماں کو دے اور آپ ننگے بدن
بیٹھے رہے اصحاب کہ آپ کے آنے کے انتظار میں بیٹھے تھے بہ تنگ ہو کر اُٹھ کر چلے گئے
حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ولا تبسطہا کل البسط یعنی اس قدر اپنا ہاتھ کشادہ
مت کر کہ برہنہ ہو کر گھر بیٹھ رہے اور اپنے مخلص یاروں مصاحبوں سے جو دین کے فائدے
حاصل کرنے کو تیری خدمت میں آتے ہیں صحبت چھوٹ جاوے اور صحیح بخاری میں آیا ہے
کہ ایک وقت کسی عورت نے ایک چادر اپنے ہاتھ سے سی کر اور درست کر کے آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گذرانی اور التجا کی کہ میری آرزو یہی ہے کہ اسے آپ ہی
اوڑھیں کہ میں نے اپنے ہاتھوں سے سی ہے اور کنارے بہت سُتھرے لگائے ہیں آنحضرت

صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی اُس وقت چادر درکارتھی لے کراوڑھی اتنے میں ایک شخص آیا اور التماس کرنے لگا کہ یہ چادر کیا خوب ہے اور اس کے کنارے بہت خاصے خوش اسلوب دلچسپ اور مرغوب ہیں یارسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یہ چادر مجھے عنایت کرو آپ نے فرمایا کہ بہت خوب وہیں وہ چادر اُسے بخشی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجلس مبارک برخاست فرمائی تب اصحابوں نے اُس شخص کو ملامت کی اور کہا کہ تونے اچھا نہ کیا کیونکہ وہ چادر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کمال ضرورت اور رغبت سے اوڑھی تھی اور تو جانتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی سائل کو رد نہیں کرتے پھر تونے کس واسطے سوال کیا اُس نے کہا کہ میں نے یہ چادر اس دنیا میں اوڑھنے کیلیے نہیں مانگی بلکہ اپنے کفن کے واسطے مانگ لی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مبارک دل کی مقبول اور محبوب ہوئی تھی اور بہت مطلوب اور مرغوب تھی اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بیان کہ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شان میں جناب اقدس الٰہی سے دنیا اور آخرت میں برسات کے مانند برستی تھی سو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے رات دن ظہور پاتی تھیں اور شکر گذاری کے مقام میں یکسر دفتر کے دفتر اُن سب کا بیان فرمایا ہے چنانچہ حدیث شریف کی کتابوں کے واقفوں پر ظاہر اور باہر ہے اس مبارک سورۃ کی ایک مجرب خاصیت یہ ہے کہ گم کی ہوئی چیز کے واسطے اس سورۃ کو سات مرتبے پڑھ کر شہادت کی اُنگلی اپنے سر کے چوگرد پھرا دے پھر تمام ہونے پر اصبحت فی امان اللہ وامسیت فی جوار اللہ امسیت فی امان اللہ واصبحت فی جوار اللہ سات مرتبے پڑھ کر دستک دیوے تو وہ گیا ہوا مال پھر ہاتھ آوے گا واللہ اعلم بالصواب

سورۃ الم نشرح

یہ سورۃ مکی ہے اس میں آٹھ آیتیں اور اٹھائیس کلمے اور ایک سو تیس حرف ہیں اور اس سورۃ کا ربط والضحیٰ کی سورۃ سے پورا ہے وہ یہ ہے کہ ان دونوں سورتوں میں اللہ تعالیٰ کو اپنی نعمتوں کی گنتی اپنے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم پر منظور ہے اور دونوں سورتوں کی عبارت کا

أَحَدِنَا عَلَيْهِ قَالَ أَنْ تُطْعِمَهَا إِذَا طَعِمْتَ وَتَكْسُوهَا
إِذَا اكْتَسَيْتَ الْحَدِيثَ تَقَدَّمَ فِي عِشْرَةِ النِّسَاءِ وَ
عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ
سَلَّمَ فِي حَدِيثِ الْحَجِّ بِطُولِهِ قَالَ فِي ذِكْرِ النِّسَاءِ وَلَهُنَّ
عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ
وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ
رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَفَى بِالْمَرْءِ إِثْمًا أَنْ
يُضَيِّعَ مَنْ يَقُوتُ رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَهُوَ عِنْدَ مُسْلِمٍ
بِلَفْظِ أَنْ يَحْبِسَ عَمَّنْ يَمْلِكُ قُوتَهُ وَعَنْ جَابِرٍ
يَرْفَعُهُ فِي الْحَامِلِ الْمُتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجُهَا قَالَ لَا نَفَقَةَ
لَهَا أَخْرَجَهُ الْبَيْهَقِيُّ وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ لَكِنْ قَالَ
الْمَحْفُوظُ وَقْفُهُ وَثَبَتَ نَفْيُ النَّفَقَةِ فِي حَدِيثِ

کے خصوصیات ظاہری کے بیان میں ہے اور دوسری سورۃ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصوصیات باطنی کے شمار میں ہے اور ظاہر اور باطن میں جو فرق ہے سو اظہر من الشمس ہے اور اس سورۃ کے نازل ہونے کا سبب بعضے مفسروں نے ایسا بیان کیا ہے کہ ایک دن رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے درگاہِ الٰہی میں عرض کیا کہ اے میرے پروردگار تو نے حضرت ابراہیمؑ کو خلت کا مرتبہ بخشا اور حضرت موسیٰؑ کو کلیمی کے خلعت سے نوازا اور حضرت داوٗدؑ کا لوہا اور پہاڑوں کو فرمانبردار کر کے ممتاز کیا اور حضرت سلیمانؑ کو جنوں اور آدمیوں کی سلطنت دے کر اور آگ اور ہوا کو اُن کا فرمانبردار کر کے سرفراز کیا میرے واسطے کون سی چیز خاص کی تو نے اس سوال کے جواب میں حق تعالےٰ نے یہ سورۃ نازل کی اور ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ سوال معراج کے ہونے سے پہلے ہوا ہو اس واسطے کہ بعد معراج کے ایسی نعمتیں مخصوص جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم کو عنایت ہوئیں کہ کسی نبی کو انبیاؤں سے عشر عشیر اُس کا حاصل نہ ہوا تھا اور سورۃ الم نشرح کے نکتوں سے ایک یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ نے یہ مرتبہ یعنی شرح صدر کا بدون طلب کرنے کے عنایت فرمایا اور موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو باوجود طلب کرنے کے جناب الٰہی سے کہ رب اشرح لی صدری تو بھی یہ مرتبہ حاصل نہ ہوا بموجب ہندی مصرع کے مصرع بن مانگے موتی ملیں مانگے ملے نہ بھیک ؎ چنانچہ اُس قصے سے جو اُن سے اور اُن کے بھائی حضرت ہارون علیہما السلام سے واقع ہوا تھا یعنی ڈاڑھی کا کھینچنا بڑے بھائی کی یہ بات ظاہر ہے جو اپنے مقام پر مفصل بیان ہوگا تاکہ اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ جو کام حق تعالےٰ کی عنایت سے بے چاہے اور بے درخواست آدمی کے ہوتا ہے اُس کا مرتبہ بڑا ہوتا ہے اُس کام سے جو آدمی کے طلب کرنے سے ہوتا ہے اور اس سورۃ کا نام سورۂ الم نشرح اس واسطے رکھا ہے کہ اس سورۃ کا مضمون کلام محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اصل اور جڑ پر قرار واقعی دلالت کرتا ہے اِس واسطے کہ اس کمال کی حقیقت یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صدر معنوی جس کی تفصیل آگے آتی ہے کشادہ اور وسیع ہو کے تجلیات الٰہی کی روشنیوں سے پُر ہو جاوے اسی مضمون کا اس سورۃ میں بیان ہے اور اس سورۃ کی خاصیتوں سے

بن مانگے موتی ملیں مانگے ملے نہ بھیک

ایک یہ بھی ہے کہ جو شخص اس سورۃ کو سونے کے وقت سترہ مرتبہ پڑھ کے اپنی چھاتی پر پھونک لے تو اُس کو وسوسے اور خطرے شیطانی کبھی حیران اور پریشان نہ کریں اور معاملے کی تدبیروں میں خطا اور بھول چوک نہونے پاوے

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلَمۡ نَشۡرَحۡ کیا نہیں کھولدیا ہمنے لَكَ صَدۡرَكَ ۙ تیری بہتری کیواسطے سینہ تیرا تاکہ وحی کا بوجھ سنبھالے اور حق تعالیٰ کے بھیدوں کا وہ سینہ گنجینہ ہووے اور دعوت کا یعنی اُمت کو اِسلام کی طرف بُلانے کا اور احکام الٰہی کے پہونچانے کا غم اور اُمت اور دین کا غم اور دنیا اور آخرت کا غم سب اُس میں سما جاوے یعنی تحمل اور بُردباری حاصل ہووے اور مَیل اور کدورت اور دشمنی اور بدخواہی اور سب بُری خصلتیں اُس سے نکل جاویں اور روشنی علم اور ایمان اور حکمت کی اُسمیں بھر جاوے اور لک کی لفظ کو اسواسطے لائے ہیں کہ تیرے سینے کو کشادہ کرنا تیرے ہی نفع کیواسطے ہے تاکہ بڑا کمال حاصل کرے تو آور اگر یہ لفظ لک کی نہ ہوتی تو یہ معنی بوجھے نہ جاتے اور صدر عرب کی زبان میں سینے کو کہتے ہیں آور طریقت والوں کی اصطلاح میں ایسا مقرر ہے کہ قلب کے دو دروازے ہیں ایک دروازہ نفس کی طرف ہے اُسی کا نام صدر ہے اور دوسرا دروازہ روح کی طرف ہے وہ بہت کشادہ اور وسیع ہے صدر کی نسبت سے اور صدر اُسکی نسبت سے بہت تنگ واقع ہوا ہے پھر جب صدر کو کشادہ کیا تو ظاہر ہے کہ وہ دوسرا دروازہ اُس سے زیادہ کشادہ ہو جاوے گا اِسی واسطے اِس جگہ صدر کے لفظ کو لائے اور قلب کو مذکور نہ کیا اِسواسطے کہ صدر بجاے قلعے کے ہے قلب کیواسطے اور اکثر دنیا کی فکروں کی اور اس کے ظاہری اسباب کی حرص اور خواہشوں کے سبب سے شیطان قلب پر اسی صدر کی طرف سے دھوم مچاتا ہے اور تنگ کرتا ہے اور اُسکی تنگی سے قلب بھی تنگ ہو جاتا ہے اور عبادت کی لذت اور ایمان کا مزہ دل کی تنگی کے سبب سے کم ہو جاتا ہے آور جب قلب کی یہ طرف یعنی صدر کی کشادہ ہو گئی تو عبادت کا ادا ہونا بخوبی دل کی خوشی سے میسر ہوا اور مطلب حاصل ہوا آس جگہ پر جاننا چاہیئے کہ شرح صدر عبارت ہے حوصلے کی فراخی سے اور حوصلے کی فراخی ہر شخص کی اُسکی استعداد کی قدر اور اُس کے کمال اور مرتبے کے اندازے اور قدر کے ہوتی ہے اور ہر مرتبے کے حوصلے کی فراخی اور ہر کمال کی جبتک

کہ اُس مرتبے اور اُس کمال کو نہ پہونچے ہرگز دریافت نہیں کر سکتے اسی واسطے کہا ہے
لا یعرف الولی الا ولی ولا یعرف النبی الا النبی یعنی ولی کو ولی پہچانتا ہے اور نبی کو
نبی اور اسی مضمون کی ایک مثل بھی فارسی بولی میں مشہور ہے یعنی ولی را ولی می شناسد
علے الخصوص شرح صدر مصطفوی کو کہ کسی بشر کو ممکن نہیں ہے کہ قرار واقعی اُس کو دریافت
کر سکے اسواسطے کہ آپ کے کمال کا مرتبہ کہ نبوت کا خاتمہ ہے کسی کو حاصل نہیں ہے تو آپ کے
مرتبے کی پہچان بھی کسی کو حاصل نہ ہو گی ولنعم ما قیل یعنی کیا اچھی بات کہی ہے کسی شاعر نے
قطعہ یا صاحب الجمال و یا سید البشر * من وجہک المنیر لقد نور القمر * لا یمکن الثناء
کما کان حقہ * بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر * یعنی اے صاحب جمال اور اے سردار
آدمیوں کے تیرے چہرۂ روشن سے تحقیق روشن ہوا ہے چاند نہیں ممکن ہے تعریف کرنا جیسا
کہ لائق ہے اُن کے بعد خدا کے بزرگ تو ہی ہے قصہ کوتاہ لیکن وہ شرح صدر یعنی حوصلے
کی فراخی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ظاہر اور باطن میں حاصل ہوئی ہے تمثیل کے
طور پر تھوڑا سا مجمل یعنی گول گول بیان کرنا ضرور ہے سو شرح صدر معنوی یعنی حوصلے کی باطنی
فراخی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اس طرح پر سمجھا چاہیئے کہ آپ کے سینے میں ایک بڑا میدان
لق اور دق واقع ہے اور اس میدان میں ایک بڑی عمارت عظیم الشان بنی ہے اور اُس
عمارت میں بارہ مجلس ہیں کہ بعضی اُن میں دنیا سے تعلق رکھتی ہیں اور بعضی آخرت سے اور
بعضی دین اور دُنیا سے اوپر سو ایک مجلس میں یہ خیال کیا چاہیئے کہ ایک بڑا بادشاہ عظیم القدر
اُس میں بیٹھا ہے اور سب روئے زمین کے بادشاہ اُسکی حضوری میں حاضر ہیں اور سلطنت کے
دستور اور مُلک گیری کے آئین پوچھتے ہیں اور توقیعات کسرےٰ اور توزک تیموری اور کلمات
طیبات عالمگیری اور واقعات بابری اور آئین اکبری ان سب کتابوں کے مضمون کو جانچتے
ہیں کہ یہ آئین اور قاعدے جو اِن کتابوں میں لکھے ہیں ٹھیک ہیں یا نہیں اور ملکوں کے
انتظام کی تدبیریں اور صلح اور لڑائی کی گھاتیں ہر ہر اقلیموں اور ہر ہر شہر دنکی اُس بادشاہ
عالی جاہ سے پوچھتے ہیں اور سیکھتے ہیں اور دوسری مجلس میں ایک بڑا حکیم حاذق بیٹھا ہوا
تدبیریں خانگی اور اخلاق کا سنوارنا اور آداب کا درست کرنا موافق قاعدے کے جیسا کہ چاہیئے

بیان فرما رہا ہے اور بڑے بڑے زمانے کے حکیم اور جہان کے دانا یہ قاعدے اُس سے سیکھ رہے ہیں اور جو قاعدے کہ وہ ارشاد فرماتا ہے ارسطو اور نصیر طوسی اور ابن مسکویہ اور ابن سینا اور سوائے اِن کے جو بڑے بڑے دانا ہیں بہت سے علم اُس سے نکالتے اور اپنے اپنے فنون میں برتتے ہیں اور تیسری مجلس میں ایک قاضی عدالت کی سند پر بیٹھا ہوا جھگڑے اور قضیے لوگوں کے چکار رہا اور دونوں جھگڑنے والوں کو راضی کر رہا ہے اور تمام جہان کے قاضی اُس کے حکموں اور فیصل ناموں کو دستور العمل جان کر بڑی احتیاط سے لکھ رہے ہیں اور چوتھی مجلس میں ایک مفتی علامۂ دہر فتوے کی مسند پر بیٹھا ہے اور ایک فتووں کا دریا اُسکی زبان سے جوش مار رہا ہے اور ہر ایک نئے معاملے کا حکم موافق اصول کے قاعدوں کے کتاب اور سُنت سے نکال کر بیان کر رہا ہے اور روایتوں کے لکھنے والے اور فرائض کے سمجھنے والے جہان کے اُس کے گرد بیٹھے ہوئے ہر ہر لفظ کو اُسکی نقل کر کے اپنی اپنی حاجتوں کے وقت اُس پر عمل کرتے ہیں اور پانچویں مجلس میں ایک محتسب حکومت پر بیٹھا ہے اور جلاد اُسکے سامنے کھڑے ہیں اور گنہگاروں کو اور فاسقوں کو اُس کے سامنے لا کر ہر ایک کو موافق اُسکے گناہ کے سزا دیتے ہیں کسی پر حد جاری ہے اور کسی پر تعزیر اور کوئی قید خانے میں اور کسی کو فقط چشم نمائی ہو رہی ہے اور احتساب کے قاعدے یعنی کوتوالی کے علم اور حدوں اور تعزیروں کی اقامت اور بدعتیوں کی تنبیہ اس کام کے لوگ اُس سے سیکھ رہے ہیں اور وہ بُرائیوں کے بند کرنے کی گھاتوں میں اور شہوت اور غضب اور ظلم کے راستوں سے روک دینے کی باتوں میں خوب کوشش کر رہا ہے اور چھٹی مجلس میں ایک قاری خوش خواں اور خوش الحان ساتوں قرأتیں وجوہ اور روایات سے یاد کیے ہوئے سب کے سامنے پڑھ رہا ہے اور جہان کے قاری وہاں حاضر ہیں اور ہر وجہ اور ہر روایت کی تحقیق اُس سے کر رہے ہیں اور وہ کسی سے ادغام کا قاعدہ ارشاد فرما رہا ہے اور کسی سے ہمزے کی تخفیف کی بحث اور کسی سے یُرْمِلُوْنَ کا قاعدہ اور کسی سے اظہار اور اخفا اور اسی طرح سے ہر ایک کی تعلیم ہو رہی ہے اور ساتویں مجلس میں ایک عابد وردوں اور وظائف اور نوافل میں ایسا مشغول ہے کہ دنیا اور ما فیہا سے کچھ خبر نہیں رکھتا اور صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک تلاوت قرآن مجید میں اور اذکار

امام نووی اور حصن حصین جزری اور حزب اعظم ملا علی قاری اور اوراد شیخ الشیوخ رحمۃ اللہ
علیہم اجمعین کے مطالعے میں مشغول ہے اور انوار و اذکار کی کثرت سے فرشتے آسمان اور زمین
کے اُسکی مجلس سے اُنسیت حاصل کر کے گروہ کے گروہ گرداگرد اُس کے آتے ہیں اور اُسکو
اُن کی حضوری میں نہایت اُنس اور بڑی لذت حاصل ہوتی ہے کہ دنیا اور مافیہا کو فراموش
کر دیا ہے اور اس کام کے متلاشی لوگ وہاں حاضر ہو کے اُس سے اس مبحث میں پوچھ پاچھ
کرتے ہیں اور وہ کسی کو دن اور رات میں نفلوں کے ادا کرنے کی کیفیت تعلیم کر رہا ہے اور
کسی کو کپڑا پہننے کی اور پانی پینے کی اور کھانا کھانے کی اور نئے چاند دیکھنے کی اور سوائے
اس کے دعائیں بتا رہا ہے اور سب لوگ اُسی کی ہدایت کے سبب سے ذکر اور ورد سے
اپنے اپنے عمر کے وقتوں کو معمور رکھتے ہیں اور آٹھویں مجلس میں ایک عارف کامل سب
ذات اور صفات اور افعال الٰہی کے اسرار جو سب جہان میں پھیل رہے ہیں اور اُنکے سوائے
دوسرے علوم بے نہایت اپنی زبان سے اِس طرح بیان کر رہا ہے کہ گویا موتی جھڑ رہے ہیں
اور اس علم کے شوقین لوگ فتوحات مکیہ اور فصوص الحکم کے مضمون اور عبارت کو اُسکی زبانی
لکھ رہے ہیں اور اُسکی لذتیں حاصل کر رہے ہیں اور نویں مجلس میں ایک واعظ ممبر پر بیٹھا
ہوا کلمات وعظ اور نصیحت کے نہایت توضیح اور تشریح سے بیان کر رہا ہے اور ایک مجلس
عام جمع ہے اور اُس کے کلمات پند آمیز کی تاثیر سے دل جنبش میں اور روحیں حرکت میں
ہیں کسی کو بڑے ثواب کی رغبت دلا کر راہ پر لاتا ہے اور کسی کو بڑے عذاب دردناک سے
خوف دلا کر توبہ کراتا ہے اور قبر کے احوال اور حشر نشر کی تکلیفیں اور حساب اور میزان کی کیفیتیں
اور پُل صراط پر چلنے کی مشقتیں اور دوزخ کے طرح طرح کے رنج اور عذاب اور بہشت کے
بڑے بڑے مرتبے اور ثواب اور وہ عمل جو ایسے مقام پر نفع کریں یا نقصان پہونچا دیں ان
سب کا احوال خوب شرح اور بسط سے بیان کر کے خاطر نشان کر رہا ہے تاکہ کسی طرح کا شبہہ
اُن کے دلوں میں باقی نہ رہے سو اُسکی مجلس میں کافر زُنار یعنی جنیو کو توڑتے ہیں اور گنہگار
فاسق فاجر توبہ کرتے ہیں اور سخت دل نرم ہو جاتے ہیں اور حق ناشناس حق شناس
ہو جاتے ہیں اور دسویں مجلس میں ایک رسول اولوالعزم بیٹھا ہوا اُمت کو راہ پر لانے اور

سمجھانے کے واسطے ہزاروں تدبیریں اور حیلے سوچ رہا اور کر رہا ہے اور جن لوگوں کو اس کام کی تدبیر کیواسطے اپنا رفیق کر رکھا ہے اُن میں سے ہر ایک کو اُن کے حوصلے کے موافق احکام الٰہی کے پہونچانے کیواسطے اور لوگوں کو اسلام کی طرف بُلانے کیواسطے چاروں طرف بھیج رہا ہے اور ہر قوم کا معاملہ اپنے رسول سے سنکر اس معاملے کے بندوبست کے واسطے تدبیریں کارگر اپنی عقل اور فکر سے خوب سوچکر اُن رسولوں کو تعلیم کر رہا ہے اور گیارھویں مجلس میں ایک مُرشد کامل طریقے والا بیٹھا ہے اور ہزاروں مُرید خدا کے طالب اُس کی خدمت میں حاضر ہیں اور اپنی اپنی مشکلیں اُس سے حل کر رہے ہیں اور وہ ہر ایک کی استعداد اور حوصلے کے موافق بیگانگی کے پردے کے دور کرنے میں کوشش کر رہا ہے اور مطلب کے پہونچنے کی راہ کا پتہ بتلا رہا ہے اور ہر ایک احوال اور مقاموں اور مرتبوں اور منصبوں کی راہ نمائی کر رہا ہے اور مُریدوں اور فائدہ لینے والوں کے باطنوں میں طرح طرح کی تاثیریں اپنی توجہ باطنی سے پہونچا رہا ہے اور ہدایت اور نفس کی پاکی کے کارخانے کو رونق دے رہا ہے اور بارھویں مجلس میں ایک محبوب نازنین چاند کا سا ٹکڑا بلکہ کعبے کے مانند بیٹھا ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جمال کی تجلّی نے اُس گلبدن کے بدن کو اپنا گھر پاک ٹھہرایا ہے اور طور کی طرح کی ایک شکل ہے کہ حُسن ازلی کے انواروں نے اُس کو روشن کر کے خدا کی محبوبیت کی شان اُس میں جلوہ گر رکھی ہے اور اپنی محبت کی کشش سے لوگوں کے دلوں کو شکار کر رہا ہے اور لاکھوں اُس ازلی حُسن کے عاشق بڑی بڑی دور سے بغیر اُمید کسی منفعت کے اور بدون خواہش کسی کمال کے حاصل کرنے کے فقط دیدار کے بھوکے دیوانوں کی طرح دوڑے چلے آتے ہیں اور اپنی اپنی پیشانیاں اُس کے فیض کے آستانے پر گھستے ہیں اور اُس کے جمال کی ایک جھلک کے مُشتاق ہیں اور یہ مرتبہ اُن مرتبوں سے ہے کہ کسی بشر کو حاصل نہیں ہوا مگر اُسی محبوب اور مقبول کے طفیل سے اور اُس کی اُمت کے بعضے اولیا اللہ کو تھوڑا حصّہ اس محبوبیت الٰہی سے نصیب ہوا ہے اسی سبب سے وہ اولیا جو اس مرتبے سے بہرہ مند ہوئے ہیں تو سب دلوں کے محبوب اور خلائق کا مرجع ہو گئے ہیں اور تمام مخلوقات کا جُھکاؤ اُنکی طرف ہوا ہے جیسے حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی اور سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیا

قدس اللہ تعالےٰ سرہما آور اگر کسی کو ان بارہ مجلسوں میں یا ان مجلسوں کے مضمونوں میں کسی طرح کا شک یا شبہہ خاطر میں آوے تو اس کو چاہیئے کہ ان معاملوں میں جو ان بارہ مجلسوں میں بیان ہوئے ہیں تامل کرے اور خوب غور کرکے دیکھے کہ ان سب کاموں کی اصل کہاں سے ہے تو بے شک اُس کو یقین ہو جاوے گا کہ یہ سب کارخانہ ایک جھلک ہے کمال محمدی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انوار دل سے جیسے درخت کی جڑ کی تازگی سے شاخ شاخ اور پتہ پتہ ہرا رہتا ہے اور جیسے دریا سے نہریں نکل کے چاروں طرف جاری ہوتی ہیں اسی طرح سے حقیقت میں سینۂ بے کینہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا حوض کے خزانے کے مانند تمام کمالات ظاہری اور باطنی سے بھرا تھا اور ہر ملت اور مذہب اور طریقے میں دن اور رات وہی نور محمدی صلے اللہ علیہ وسلم فوارے کے مانند اُسی خزانے سے جوش مار رہا ہے اور اُن گروہوں کو اپنے ہمجنسوں سے ممتاز کر دیا ہے چنانچہ تاریخ کے جاننے والوں پر جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حالات کا مطالعہ کیا کرتے ہیں یہ بات چھپی نہیں ہے آور یہ حکمت کا قاعدہ ہے کہ ہمیشہ ایک طرح پر کاموں کا ہونا بغیر حاصل ہونے اُن کاموں کے ملکہ کے نہیں ہوتا اور وہ کام کمال کے مرتبے میں جس قدر منتظم ہوں گے اُسی قدر اُس ملکے کے کمال پر دلالت کریں گے آور ظاہری شرح صدر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا بغیر بیان کرنے ایک مقدمے کے سمجھنا بہت مشکل ہے سو وہ مقدمہ یہ ہے کہ غیب کے عالم کی نسبت ظاہر کے عالم سے ایسی ہے جیسے اصل کی نسبت فرع سے ہوتی ہے اور جیسے آدمی کی نسبت اُس کے سایے سے سو جو چیز کہ عالم ظاہری میں پائی جاتی ہے اگر عالم غیب میں اُس کی کچھ اصل ہے تو بہتر ہے اور جو نہیں ہے تو جیسا دھوکا کہ ایک دَم میں مٹ جاتا ہے اور جیسے جھوٹا خیال کہ کچھ اصل نہیں رکھتا اسی طرح سے جو چیز کہ عالم غیب میں پائی جاتی ہے اگر اُس کی کوئی مثال یا کوئی صورت ظاہر کے عالم میں نہیں ہے تو اُس کی مثال ایسی ہے جیسے بے پھل کا درخت اور مدلول بے دلیل اور بے نشان اِسی واسطے کہا ہے کہ جو کچھ عالم ارواح اور عالم غیب میں ہے وہ مصدر اور جڑ ہے اور جو کچھ عالم اجسام اور عالم ظاہری میں ہے وہ مظہر اور شاخ اُس کی ہے پھر جب یہ مقدمہ جانا گیا تو اب جاننا چاہیئے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا

معنوی شرح صدر عالم غیب میں ثابت ہوا تو عالم ظاہری میں یہ معاملہ چار مرتبے ظہور پایا پہلے مرتبے میں اُس وقت ہوا تھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ماں کے پیٹ میں تھے کہ آپ کے باپ نے وفات پائی پھر جب پیدا ہوئے تو آپ کی ماں نے چاہا کہ پرورش کے واسطے کسی دائی کو سپرد کریں اِس واسطے کہ عادت عرب کی اس طور کی تھی کہ اپنے لڑکوں کو پرورش کے واسطے باہر کی دائیوں کو دے دیتے تھے اور وہ دائیاں اپنے اپنے گھروں میں لیجا کر پرورش کر کے دو چار برس کے بعد پہونچا دیتی تھیں اتفاقاً اُن دنوں میں کتنی عورتیں دودھ والیاں بنی سعد کے قبیلے کی کہ طائف کے گرد و نواح میں رہتی تھیں بچوں کے لینے کیواسطے مکہ معظمہ میں آئی تھیں اور مالداروں کے بچوں کو لے کر اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہوئیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یتیمی کے سبب سے کسی نے قبول نہ کیا ایک عورت جن کا نام بی بی حلیمہؓ تھا اُن ہی عورتوں کے ساتھ آئی تھیں اور بہت مفلس تھیں اس سبب سے کسی نے اپنا بچہ پرورش کرنے کو اُن کو نہ دیا تھا وہ بیچاری نہایت حیران اور پریشان تھیں کہ بغیر کوئی بچہ لیے خالی ہاتھ لوٹ جانا بڑی خفت اور شرمندگی ہے ناچار ہو کر یہی دل میں ٹھہرائی کہ اس لڑکے یتیم کو اگرچہ کچھ نفع اِن کے پرورش کرنے میں نہیں ہے لیکر چلیے یہ سوچ کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو لے کر روانہ ہوئیں اور اُن کی سواری کا ایک گدھا نہایت دُبلا تھا کہ چل نہ سکتا تھا جوں ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گود میں لے کر اُس پر سوار ہوئیں وہیں وہ گدھا اس قدر قوی اور تیز رو ہو گیا کہ سب گدھوں سے آگے نکل گیا باوجود اس کے کہ وہ سب آگے سے چلی تھیں تمام قافلہ والوں کو اس بات کے دیکھنے سے نہایت تعجب ہوا جب بی بی حلیمہؓ اپنے گھر میں پہونچیں اپنی بکریوں کو کہ دُبلی بے دودھ کے چھوڑ آئی تھیں سب کو موٹا تازہ دودھار پایا اِن سب باتوں کے دیکھنے سے اُن کو یقین ہوا کہ یہ سب اس بچے کے قدموں کی برکت سے ہے تو نہایت شفقت اور پیار سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو پرورش کرنے لگیں یہاں تک کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اُن کے گھر میں چار سال کے ہوئے ایک دن بی بی حلیمہؓ کے بیٹوں کے ساتھ بکریاں چرانے کو تشریف لیگئے تھے اور وہ لڑکے آپ کو جنگل میں بکریوں کے پاس چھوڑ کر اپنی ماں کے پاس کھانا لینے کو گئے تھے اور آپ اکیلے بکریوں کے

پاس کھڑے تھے کہ یکایک دو گدھ کی شکل کے جانور نمودار ہوئے اور ایک نے دوسرے سے پوچھا کہ یہ وہی شخص ہے دوسرے نے کہا ہاں یہ وہی شخص ہے پھر دونوں آپ کی طرف متوجہ ہوئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اُن سے خوف معلوم ہوا تو وہاں سے آپ بھاگے آخر اُن جانوروں نے آپ کو آگے لیا اور دونوں بازو آپ کے پکڑ کر زمین پر چت لٹایا اور اپنی چونچ سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینۂ مبارک کو چاک کیا اور سینے کے اندر سے دل کو بھی نکالکر چاک کیا اور اُس دل کے اندر سے ایک پھٹکی جمی ہوئی سیاہ خون کی نکالکر پھینک دی اور کہا یہ خون جما ہوا مُردار شیطان کا حصہ ہوتا ہے ہر آدمی میں اِسی واسطے اُن کے دل سے نکال ڈالا تاکہ کبھی شیطان کے وسوسے کو اُن کا دل قبول نہ کرے بعد اس کے ایک نے دوسرے سے کہا وہ برف کا پانی لایا پھر اُس سے آپ کے سینے کو دھویا پھر اولے کا پانی منگوا کے اُس سے دل کو دھویا اُس کے بعد سکینہ منگوایا اور سکینہ ایک چیز تھی ذرور کی طرح اور ذرور کہتے ہیں چھڑکنے والی چیز کو اُس کو آپ کے قلب مبارک پر چھڑکا پھر ایک نے دوسرے سے کہا کہ اب اس کو سی دے پھر اُس کو سی دیا اور نبوّت کی مُہر کر دی پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سینۂ مبارک کو بھی سی کر برابر کر دیا چنانچہ انس بن مالک رضی اللہ عنہما کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے خاص خادم تھے کہتے ہیں کہ میں نے اُس سینے کا نشان آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سینۂ مبارک پر دیکھا تھا القصہ بی بی حلیمہؓ کے لڑکے کہ کھانا لینے گئے تھے آپہونچے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ حال دیکھ کر بہت گھبرائے اور اُسی وقت اپنی ماں سے جاکر کہا وہ بھی یہ حال سُنکر نہایت گھبرائیں اور اپنے خاوند کو لیکر اُسی وقت آپ کے پاس اُس جنگل میں پہونچیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ بھونچک سے کھڑے ہیں اور رنگ مبارک آپ کا زرد ہو رہا ہے بی بی حلیمہؓ نے آپ کو نہایت شفقت سے اپنی گود میں لے کر تسلی اور دلاسا دیا اور احوال پوچھا کہ کیا گذرا آپ نے اپنی زبان مبارک سے جو کچھ کہ گذرا تھا سب بیان فرمایا بی بی حلیمہؓ نے اُس روز سے آپ کی نگہبانی بہت کرنا شروع کی اور آپ کو اکیلا گھر سے باہر نہ جانے دیتی تھیں یہانتک کہ اُن کے خاوند نے اُن سے کہا کہ یہ لڑکا کچھ عجیب وغریب ہے ایسے ایسے معاملے اس کے

ساتھ ہوتے ہیں کہ ہماری عقل میں نہیں آتے ایسا نہ ہو کہ اس کو کسی طرح کی اذیت یہاں پہونچے بہتر یہ ہے کہ ان کو ان کے دادا عبدالمطلب کے پاس پہونچا دیں چنانچہ آپ کو اسی عمر میں آپ کے دادا پاس پہونچا دیا اور اس وقت کی شرح صدر سے حق تعالیٰ کو منظور یہ تھا کہ لڑکوں کے دلوں میں جو رغبت کھیل کود کی اور دوسرے نالائق کاموں کی ہوتی ہے وہ آپ کے دل سے نکل جاوے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بچپن اور طفولیت کی حالت میں بھی کھیل کود کی طرف رغبت اور خواہش نہ تھی جس طرح اس عُمر میں دوسرے لڑکوں کو ہوتی ہے اور آپ کا اُٹھنا بیٹھنا ایک انداز سے تمکین اور وقار کے ساتھ تھا اور دوسرے مرتبے کا بیان یہ ہے کہ ابن حبانؒ اور حاکمؒ اور ابونعیمؒ اور ابن عساکرؒ اور ضیائے مقدسیؒ اور عبداللہ بن احمدؒ نے مسند کی زوائد میں صحیح سند سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جب دسؔ برس کے ہوئے تو ایک جنگل میں تھے وہاں دو آدمیوں کو دیکھا اور آپ فرماتے ہیں کہ میں نے تمام عُمر ایسے نورانی چہرے کے آدمی نہیں دیکھے اور ایسی خوشبو اُن میں آتی تھی کہ میں نے کسی عطر میں نہیں سونگھی ہے اور اُنکے کپڑے ایسے نفیس اور صاف اور برّاق تھے کہ پھر ایسا کپڑا دوسرا آج تک میری نظر میں نہیں آیا اور وہ دونوں شخص جبرئیلؑ اور میکائیلؑ تھے اُن دونوں نے میرے دونوں بازو ایسے آہستگی سے پکڑے کہ مجھ کو کچھ بھی معلوم نہ ہوا اور مجھ کو پیٹھ کی ہڈی پر چت لٹایا کہ کوئی جوڑ میرا بیکل نہ ہوا اور دُکھ نہ پایا پھر اُنھوں نے میرا پیٹ چاک کیا اس طرح سے کہ کچھ درد نہوا اور خون بھی نہ نکلا اور ایک اُن میں سے سونے کے طشت میں پانی لاتا تھا اور دوسرا اندر سے پیٹ میرا دھوتا تھا پھر ایک نے دوسرے کو کہا کہ ان کے دل کو چاک کر کے کینہ اور بدخواہی کو اُس سے دور کر دو اُس نے دل کو چیر کے ایک پھٹکی بندھے خون کی نکال کے پھینکدی پھر کہا شفقت اور مہربانی کو اُن کے دل میں ڈال دے سو ایک چیز چاندی کے تِل کی طرح کی لاکر میرے دل میں ڈالدی اور ایک سوکھی دوا جیسے ذرور یعنی چھڑکنے کی چیز کی طرح لاکر اُس پر چھڑکی پھر انگوٹھا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا پکڑ کر کہا جاؤ ہمیشہ خوش رہو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں اُس وقت سے اپنے دلمیں ہر چھوٹے بڑے پر

شفقت اور مرحمت پاتا ہوں اور اُس وقت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سن بلوغ کے قریب پہونچے تھے اور جوانی کے لوازمات میں سے شہوت یعنی نفس کی خواہشوں کی طرف جھکنا اور غضب کا جوش مارنا ہے سو اُن گناہوں کے بچانے کیواسطے جو شہوت اور غضب سے تعلق رکھتے ہیں اور اکثر اُن کا جوش اور خروش جوانی میں یا بعد میں اُس کے ہوتا ہے آپ کے سینۂ مبارک کا چاک کرنا دوسری مرتبے ہوا تیسری مرتبے کا بیان یہ ہے کہ جب زمانہ بعثت کا قریب پہونچا اور وقت وحی کے نازل ہونے کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل مبارک پر نزدیک آیا تو پھر تیسری مرتبے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کو صاف کرنے اور قوت دینے کے واسطے چاک کیا اور اس قصّے کو بیہقیؒ نے اور ابو نعیمؒ نے دلائل میں اور ابو داؤد طیالسیؒ نے اور حارث بن حسامہؒ نے اپنی مسندوں میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہینے کا اعتکاف نذر مانا تھا اور اپنے اوپر لازم کیا تھا اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی آپ کے ساتھ اِس اعتکاف میں شریک ہوئی تھیں اور اتفاق سے وہ مہینہ رمضان کا تھا اور دونوں ایک غار میں اعتکاف کی نیت سے بیٹھے تھے ایک رات کو اُسی رمضان کی راتوں سے وقت کے دیکھنے اور ستاروں کے پہچاننے کے واسطے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم باہر نکلے تھے کہ یکایک آواز السلام علیک کی آئی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے جانا کہ یہ آواز جنوں کے جھپٹ کی سی ہے یعنی کسی جن کا اس مکان میں گذر ہوا ہے یہ سوچ کر میں دوڑا اور غار میں پہونچا اور حضرت خدیجہؓ کو اس حال سے خبردار کیا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ یہ خوشخبری کی آواز ہے اس واسطے کہ سلام علیک کا لفظ امن اور اُنسیت کا نشان ہے اس آواز سے مت ڈرو پھر دوسرے مرتبے آپ باہر نکلے تو کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ایک تخت پر جس کی چمک آفتاب کی سی ہے بیٹھے ہیں اور ایک پرا پنا مشرق کو اور ایک مغرب کو پہونچایا ہے آپ فرماتے ہیں کہ اس حالت کے دیکھنے سے مجھکو پھر ڈر معلوم ہوا اور چاہا کہ پھر میں غار میں گھُسوں لیکن جبرئیل علیہ السلام نے اتنی فرصت مجھ کو نہ دی اور جھپٹ غار

کے دروازے پر آگئے یہاں تک کہ اُن کے دیکھنے اور اُن کے کلام کے سُننے سے میری
دہشت جاتی رہی بلکہ اُنسیت حاصل ہوئی پھر جبرئیل علیہ السلام نے مجھ سے وعدہ لیا کہ فلانے
وقت اکیلے آنا آپ فرماتے ہیں کہ میں اُس وعدے کے وقت اکیلا آکر دیر تک انتظار میں
کھڑا رہا جب بہت دیر ہوئی تو میں نے ارادہ کیا کہ اب گھر کو جاؤں یکایک کیا دیکھتا ہوں کہ
حضرت جبرئیل اور حضرت میکائیل علیہما السلام دونوں درمیان آسمان اور زمین کے بڑی
عظمت اور شان سے آتے ہیں پس آتے ہی مجھ کو زمین پر لٹایا اور میرے سینے کو چاک کیا
اور میرے دل کو نکال کے سونے کے طشت میں زمزم کے پانی سے دھویا اور ایک چیز
اُس سے نکال ڈالی کہ کچھ بھی مجھ کو معلوم نہ ہوا پھر دل کو اپنے مکان پر رکھکر سینے کو درست
کردیا اور دونوں فرشتوں نے میرے ہاتھ پانوں پکڑ کے اُلٹا کیا جس طرح سے کوئی برتن کو
اُس کے اندر کی چیز گرانے کو اوندھا کرتے ہیں پھر ایک مُہر میری پیٹھ پر کردی یہاں تک
کہ اُس مُہر کرنے کا صدمہ میں نے اپنے دل پر پایا چوتھے مرتبے معراج کی رات کو اور اس
مرتبے میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینۂ مبارک کے چاک ہونے کا سبب یہ تھا کہ
آپ کا دل مبارک عالم ملکوت یعنی عالم ارواح کی سَیر کی قوت حاصل کرے اور اُن تجلیات
کی روشنی اور چمکتے ہوئے انوار کے دیکھنے کی طاقت پیدا کرے کہ جن کے دیکھنے سے دل میں
وحشت آجاتی ہے اور قصّہ معراج کا معروف اور مشہور ہے اس کے بیان کرنے کی اس جگہ
پر کچھ حاجت نہیں ہے اور اس قصّے میں ایمان اور حکمت سے دل کو پُر کرنا بھی مذکور ہے
چنانچہ اپنے مقام پر گذرا ہے حاصل کلام کا یہ ہے کہ ظاہر میں چاک کرنا آپکے سینۂ مبارک
کا معنوی شرح صدر کا نمونہ ہے کہ دنیا میں کئی مرتبے ظہور میں آیا اور اس شرح صدر ظاہری
کے مکرر ہونے کی وجہ بھی اس قصّے کے بیان میں ذکر کی گئی چنانچہ پوشیدہ نہیں ہے
اور پہلی نعمت کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ملی یہی تھی کہ سینۂ مبارک کو اسقدر کشادہ کردیا
کہ بے انتہا کمالوں کی گنجایش اُس میں ہوسکے اِسی واسطے اس سورۃ کے اوّل میں اسی
نعمت کو استفہام انکاری کے طور پر یاد دلایا ہے کہ بموجب قول نَفْیُ النَّفْیِ اِثْبَاتٌ یعنی
نہیں کی نہیں سے مطلب ثابت ہوتا ہے تو یہ نفی بھی اثبات کو مفید ہوئی یعنی لم نشرح

صیغہ نفی کا ہے جب اس پر ہمزہ استفہام انکاری کا لائے تو پہلی نفی کی نفی ہوگئی یعنی کیا نہیں کھولا ہم نے سینہ تیرا بلکہ بیشک کھولا ہے اور یہی مطلب ہے آور اس کے بعد دو نعمتیں اور بھی کہ اسی نعمت کی تاثیرات سے ہیں تنبیہ کے واسطے لائے ہیں اُن دونوں میں سے ایک یہ ہے وَوَضَعۡنَا اور اُتار لیا اور دور کیا ہم نے اس حوصلے کی کشادگی کے سبب سے عَنۡكَ وِزۡرَكَ ۙ تجھ سے تیرا بوجھ اس واسطے کہ جو کچھ آدمی کے روح میں استعداد ہوتی ہے سو اپنی جبلت اور پیدایش کے موافق اُس کے حاصل کرنے کو رغبت کرتا ہے اور جب اُس کے اور جوڑ بند اُس کا بوجھ نہیں اُٹھا سکتے ہیں تو وہ چیز اُس پر بھاری ہو جاتی ہے جیسے کوئی بڑے قصد والا کہ سرداری اور بادشاہی لینے کے واسطے موافق استعداد کے اُسکی طبیعت خواہش کرتی ہے اور یہ بات بغیر بہت مال خرچ کیے اور بغیر بہت فوج جمع کیے اور بغیر بڑی بڑی محنتیں بدنی کھینچے اور بڑے بڑے رنج روحانی اُٹھانے کے حاصل نہیں ہو سکتی ناچار اُس کے دل پر بھاری پڑتی ہے پھر اگر حوصلے کی فراخی حاصل ہوئی تو ہر کمال کے حاصل کرنے میں جو مخالف چیزیں اُس کے مزاحم ہونگی اور پیش آویں گی تو اس کے سبب سے اُس کا دل تنگ اور خفا نہ ہوگا آور اس بوجھ کا اثر جلدی اُس کے دل سے دور ہو جاویگا اور اُس کے دل کو نہایت سُبکی اور آسانی حاصل ہوگی الَّذِيٓ اَنۡقَضَ ظَهۡرَكَ ۙ وہ بوجھ جس نے ٹیڑھی کر دی تھی اور ٹوٹنے کے قریب کر دی تھی پیٹھ تیری اِس واسطے کہ تیری ہمت چاہتی تھی کہ ان سب کمالوں کو حاصل کرے اور نفسانی تشویشات کے سبب سے تیرا دل تنگی کرتا تھا پھر جو ہمنے تیرے حوصلے کو کشادہ کر دیا تو یہ سب تشویشیں تجھ پر آسان ہوگئیں آور تفسیر کرنے والے عالموں کی نکر اس وزر کے بیان میں اِدھر اُدھر گئی ہے لیکن بات کی حقیقت کو نہ پہونچے چنانچہ بعضوں نے کہا ہے کہ وہ مکہ معظمہ سے نکلنے کا غم تھا اور مدینے میں پہونچا دینے سے وہ غم جاتا رہا اور بعضوں نے کہا ہے کہ وہ غم کافروں کی شرارت اور ستمگاری کا تھا اور حق تعالے کی تائید سے وہ غم جاتا رہا یعنی اِسلام غالب ہوا آور بعضوں نے کہا ہے کہ وہ غم دین حنیفی اور اُس کے حکموں کے بتانے کا تھا سو قرآن نازل کرنے سے اور شریعت کے حکموں کے بیان کرنے سے اس غم کو بالکل مٹا دیا آور بعضوں نے کہا ہے کہ

وہ غم اُمّت کا تھا سو شفاعت کے مقام کے دینے سے اس غم کو کھو دیا اور بعضوں نے کہا ہے کہ وہ رسالت کی بار برداری کا غم تھا سو وہ جان نثار یاروں کے بہم پہونچا دینے سے نیست اور نابود کر دیا جیسے حضرت ابو بکر صدّیق اور حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان ذی النورین اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم اجمعین بہر حال جو کچھ اُن بزرگواروں نے ذکر کیا ہے ایک قطرہ ہے اِسی دریا سے اور ایک پرچہ ہے اسی طومار سے آور دوسری نشانی آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شرح صدر کی یہ ہے کہ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝ اور بلند کیا ہم نے تیرے واسطے ذکر تیرا یعنی جب ان مرتبوں کے کمالوں کی جمعیت تجھکو حاصل ہوئی کہ اُلوہیت کے مرتبے کا ظل اور سایہ ٹھہرا اور اس جمعیت کے ساتھ منفرد اور طاق ہوا تو اب تیرا ذکر حق تعالےٰ کے ذکر کے ساتھ کرتے ہیں جیسے کہتے ہیں کہ اللہ اور اُس کا رسولؐ خوب جانتا ہے یا کہتے ہیں کہ اللہ اور رسولؐ کا ایسا حکم ہے کہ اُسکی فرمانبرداری واجب ہے اور اسی پر اور باتیں قیاس کر لیا چاہیئے آور حدیث شریف میں وارد ہے کہ ایک روز آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیلؑ سے پوچھا کہ میرے ذکر کو کس طرح سے بلند کیا ہے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ تمھارے ذکر کو حق تعالیٰ نے اپنے ذکر کے نزدیک کیا ہے اذان میں اور تکبیر میں اور التحیات میں اور خطبے میں اور کلمہ طیّب میں اور کلمہ شہادت میں اور فرمانبرداری کے کام میں جیسے کہ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ اور گناہ کی حرمت میں جیسے کہ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا آب جاننا چاہیئے کہ جس جگہ ذکر حق تعالےٰ کا ہے اُس جگہ رسول اللہ کا بھی ذکر ہے مگر تین جائے پر پہلے اذان کے آخر میں کہ فقط لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا جاتا ہے دوسرے چھینکنے کے بعد کہ فقط اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہا جاتا ہے تیسرے ذبح کے وقت کہ فقط بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہا جاتا ہے آور اس جگہ پر رسول اللہ کا نام نہ لینے کی ایک وجہ ہے کہ اپنے مقام پر ذکر کیجاوے گی آور جب تینوں نعمتوں کو کہ اصلی اور فرعی تھیں بیان فرمایا تو وہ خصوصیت کہ سارے انبیاؑ سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے ثابت ہوئی اب بیان فرماتے ہیں کہ یہ سب اُس صبر کی برکت سے ہے کہ سختیوں کو کیا تم نے اور ہماری راہ میں رنج اُٹھایا فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝

پھر تحقیق ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے کہ درگاہ الٰہی سے عین اس سختی میں نصیب ہوتی ہے اور وہ آسانی اُس سختی کے بوجھ اُٹھانے کی طاقت دیتی ہے کہ اس سبب سے وہ سختی آسان ہوجاوے کہ اگر اس مصیبت گذر جانے کے بعد یا پہلے اس کے اس سختی کو یاد کریں تو اس کے اُٹھانے کی طاقت اپنے میں نہ پاویں سو کمالات کے حاصل کرنے میں اس قسم کی آسانیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شرح صدر اور فراخی حوصلہ کے سبب سے عنایت ہوئی تھیں تاکہ آپ کے دل کو تنگی اور کدورت حاصل نہ ہو اور ہر کمال کی تحصیل کو باوجود پیش آنے مزاحم اور موانع طرح طرح کے انجام کو پہونچاویں اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ؕ تحقیق اس مشکل کے ساتھ آسانی دوسری بھی ہے اور وہ دوسری آسانی مرتبوں اور درجوں کی بلندی ہے اسواسطے کہ مصیبت میں صبر کرنا اگر حق تعالےٰ کی رضامندی کے واسطے ہے تو حق تعالیٰ کی درگاہ میں مرتبوں اور درجوں کی بلندی کا سبب ہے اور اگر بندوں کیواسطے ہے تو اس بندے پر اپنی خدمت اور مشقت کا حق ثابت کرنے کا سبب ہے کہ منصب اور مرتبے کی زیادتی دیکھ کے وہ سختی اور مصیبت بالکل آسان ہوجاتی ہے چنانچہ یہ معاملہ دُنیاداروں میں مجرب اور آزمودہ ہے دنیا کے مرتبہ اور جاہ کیواسطے سر تک دینے میں بھی آہ نہیں کرتے اور اس تقریر پر وہ اعتراض جو اس مقام پر مشہور ہے وارد نہیں ہوتا وہ یہ ہے کہ مع کا لفظ عرب کی لُغت میں ملنے اور ساتھ ہونے کے معنی میں ہے تو چاہیئے کہ تنگی اور فراخی کا زمانہ ایک ہی ہو اور یہ ممکن نہیں ہے اِس واسطے کہ دو ضدوں کا جمع ہونا ایک زمانے میں لازم آتا ہے والضدان لایجتمعان اور دو ضدیں آپس میں اکٹھی نہیں ہوسکتیں اس جواب کی توضیح علمار کے قاعدوں کے موافق یہ ہے کہ دو ضدوں کا جمع ہونا جُدے جُدے دو اعتباروں سے ہوسکتا ہے جیسے کہتے ہیں مسافر کو روزہ رکھنا اگرچہ مشقت ہے لیکن مسلمانوں کی موافقت اور ہمراہی کے سبب آسان ہوجاتا ہے اور مصیبت والے کو اگرچہ دُکھ ہے لیکن ثواب کا پانا اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کو پہونچنا آسانی ہے اور افلاس اور تنگدستی اگرچہ فقیروں کو دنیا کی مشقت کا سبب ہے لیکن آخرت کے حساب و کتاب سے نجات پانا اور چوروں اور بٹ ماروں سے بے دہشت ہونا اور ظالم حاکموں کے تاوان لینے سے بچنا کمال آسانی ہے تو ہوسکتا ہے

کہ ایک ہی چیز ایک زمانے میں ایک اعتبار سے مصیبت ہو اور دوسرے اعتبار سے آسانی
اور بعضے مفسروں نے کہا ہے کہ مع کا لفظ لغت میں اگرچہ مقارنت اور نزدیکی کے واسطے
ہے لیکن جو ایک چیز بعد ایک چیز کے جلدی حاصل ہوتی ہے تو اُس نزدیکی کو بھی ملنا بولتے
ہیں اور مع کے لفظ کو وہاں استعمال کرتے ہیں اور یہ مقام بھی اسی قسم کا ہے اِس واسطے کہ
دنیا کی سختی اگرچہ لمبی اور دراز ہو لیکن جو آخرت دنیا سے بہت متصل ہے تو گویا جدائی نہیں
ہے اور دنیا سے ملی ہوئی ہے اور اس آیت کے مکرر لانے کی دو وجہیں ہیں پہلی وجہ یہ ہے
کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اس آیت کے نازل ہونے
کے بعد ہنستے ہوئے گھر سے باہر تشریف لائے اور صحابہؓ سے فرمایا کہ خوش ہو کہ حق تعالیٰ نے
دنیا کی ہر سختی کے بعد دو آسانی کا وعدہ فرمایا ہے ایک آسانی دنیا میں اور ایک آخرت میں
چنانچہ بعضے ذوفنون نے اس بیت میں اسی مضمون سے اشارہ کیا ہے **شعر** اذا اشتدت
بك البلوی ففکر فی الم نشرح + فعسر بین یسرین اذا فکرته فافرح + یعنی جب ہجوم کریں
تجھ پر بلائیں تو غور اور فکر کر الم نشرح کے معنوں میں اس واسطے کہ ایک سختی دو آسانیوں
میں واقع ہوئی ہے پھر جب اس مضمون کو غور کرے گا تو خوشیاں کر اور شادیاں کہ میری
بھی سختی رہنے والی نہیں ہے اور حدیث صحیح میں وارد ہے کہ لن یغلب عسر یسرین یعنی
ایک سختی دو آسانیوں پر غلبہ نہ کر سکے گی اور اگر کسی کے دل میں یہ شبہہ گذرے کہ جس طرح
یُسر دو جائے پر مذکور ہے اسی طرح عُسر بھی دو جائے پر مذکور ہے پھر عُسر کی وحدت اور
یُسر کا تعدد کہاں سے بوجھا گیا اُس کا جواب یہ ہے کہ عربیت کے جاننے والے کہتے ہیں کہ
جب نکرہ کو بعد نکرہ یا معرفہ کے لاتے ہیں تو وہ اتحاد کو چاہتا ہے اور دونوں کا مضمون
ایک ہوتا ہے چنانچہ حق تعالےٰ فرماتا ہے ارسلنا الی فرعون رسولا فعصی فرعون
الرسول کی لفظ معرفہ ہے نکرہ کے بعد یعنی رسولاً کے بعد آئی ہے اور دونوں لفظوں سے
مراد ایک ہی رسول ہے اسی طرح جاءنی رجلٌ رجلٌ فقال رجلٌ میں بھی ظاہر ہے کہ
نکرہ کے بعد نکرہ آیا ہے اور دونوں سے علیحدہ علیحدہ رجل مراد ہیں تو یہاں پر عُسر دو مرتبہ
معرفہ لائے لیکن دونوں ایک ہیں اور یُسر کو دونوں جائے پر نکرہ لائے تو دو یسر بوجھے گئے

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ تکرار تاکید کے واسطے ہے اس واسطے کہ مصیبت میں اُمید آسانی کی منقطع ہو جاتی ہے تو اس مقام میں گمان اِس بات کا تھا کہ مصیبت میں پھنسے ہوؤں کو شاید حاصل ہونا آسانی کا بعد اس سختی کے یقین نہ ہو اس واسطے آسانی کی تاکید لانے کی احتیاج ہوئی اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اپنی نعمتوں کی شمار اور یاد دہی سے فراغت ہوئی تو ان نعمتوں کا شکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے طلب فرماتے ہیں کہ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۝ پھر جب تو فارغ ہو ہر مرتبے اور ہر منصب کے حق کے ادا کرنے سے وے مرتبے اور منصب کہ تم کو دیے ہیں ہم نے جیسے نبوت اور رسالت اور ہدایت اور معرفت اور خلافت کبریٰ اور قضا اور افتا اور احتساب اور تعبّد اور ولایت اور سوائے اِن کے جو ہیں پھر رنج کھینچ اور محنت کر اللہ تعالےٰ کے یاد کرنے میں وَاِلٰی رَبِّكَ فَارْغَبْ ۝ اور اپنے پروردگار کی طرف رغبت کر اور دل لگا ایسا پروردگار جس نے تجھ کو کس کس طرح سے پرورش کیا اور ایسے کمال کو پہونچایا کہ کسی کو بنی آدم سے میسّر نہ ہوا اور سوائے اُس کے کسی کو اپنی نظر میں جگہ مت دے اور بعضے مفسروں نے اِس کے معنی یہ کہے ہیں کہ جب فرض نماز سے فارغ ہو تو دعا کے واسطے ہاتھ اُٹھا اور بعضوں نے کہا ہے کہ جب التحیات کے پڑھنے سے فارغ ہو تو اپنی دنیا اور آخرت کے واسطے دعا کر اب یہاں پر باقی رہا ایک سوال کہ عربیت کے واقف کار فکر کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ الم نشرح کو مضارع کے صیغے سے اور اُس کے معطوفوں کو جیسے وضعنا اور رفعنا کو ماضی کے صیغے سے کس واسطے ذکر کیا اس کا جواب عین تفسیر میں اشارہ کیا گیا ہے کہ شرح صدر کا پہلی نعمت ہے بلکہ سب نعمتوں کی جڑ ہے تو ہمزہ استفہام انکاری کا اُس کی نفی پر لائے اور مضارع کے صیغے سے ذکر کیا تاکہ شرح صدر کے تجدّد اور دوام پر دلالت کرے اور وضع اور رفع فرعی نعمتیں ہیں اور پچھلی کہ شرح صدر کے سبب سے حاصل ہوئی ہیں اِس واسطے ان کو ایسے صیغے سے ذکر کیا کہ استمرار پر دلالت نہ کرے اور اس ترکیب میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہوا کہ شرح صدر کے سبب سے وضع اور رفع سے بھی فراغت پائی ہمنے یعنی جب شرح صدر کیا تو وضع اور رفع دونوں عملوں میں آچکے اور ہو چکے اِس واسطے کہ وضع

ع ۱

اور رفع اُسی شرح صدر کا ثمرہ ہے اور اُسی کا پھل واللہ اعلم بالصواب

سُوْرَۃُ وَالتِّیْن

یہ سورۃ مکی ہے اسمیں آٹھ آیتیں اور چونتیس۳۴ کلمے اور ڈیڑھ سو حرف ہیں اور اس سورۃ کا نام سورۂ تین اس واسطے رکھا ہے کہ تین عرب کے لغت میں انجیر کے پھل کو کہتے ہیں اور انجیر فائدہ بخشنے اور خوبیوں میں سب میووں سے جامع ہے جیسے آدمی کا بدن سب بدنوں سے جامع ہے اور اسی جامعیت کے سبب سے مستحق فیضان روحی کا ہوا ہے کہ جامع کمالات کا ہے پس مشابہ ہے قرآن کے لفظوں کے ساتھ کہ سمیٹنے والے بہت سے اسراروں کے ہیں اور اس سورۃ میں ثابت کرنا شرح اور معاد کا یعنی آخرت کا کمال تاکید کے ساتھ منظور ہے اسی واسطے اس سورۃ کی ابتدا میں چار قسمیں مذکور ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالتِّيْنِ قسم ہے انجیر کی اور انجیر کو اور میووں سے ایک خصوصیت ظاہری ہے اور ایک خصوصیت باطنی سو جو ظاہری خصوصیت ہے وہ یہ ہے کہ وہ غذا بھی ہے اور دوا بھی ہے اور میوہ بھی ہے اس واسطے کہ وہ ایک چیز ہے لطیف سریع الھضم ملین طبع کہ بڑے مواد کو بدن کے اندر سے پسینے کی راہ نکال دیتا ہے اسی واسطے باوجود حرارت کے تپ کو مفید پڑتا ہے اور بلغم کو تحلیل کرتا ہے اور گردے اور مثانے کو سنگریزے سے پاک کر دیتا ہے اور بدن کو موٹا کرتا ہے اور مسام کو کھول دیتا ہے اور دفع کرنیمیں کبد اور طحال کے سُدوں کے بینظیر ہے اور ایک عجائبات سے اس میوے کے یہ ہے کہ سب کھانے میں آتا ہے کوئی چیز پھینکنے کے لائق نہیں رکھتا قرآن کی طرح بالکل مغز ہی مغز ہے نہ ایسا چھلکا رکھتا ہے کہ کھانیمیں نہ آوے نہ گٹھلی رکھتا ہے کہ پھینکی جاوے اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے ایک طباق بھرا ہوا انجیروں کا بطور ہدیے کے لایا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کچھ اُن میں سے نوش جان فرمائے اور یاروں کو بھی ارشاد فرمایا کہ کھاؤ کیونکہ یہ میوہ گٹھلی نہیں رکھتا اور بہشت کے میوے بھی ایسے ہی ہیں سو

اُس کو کھاؤ کہ بواسیر کے مادّے کو دفع کرتا ہے اور نقرس کے درد کو مفید ہے اور حضرت امام علی موسیٰ رضا رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ہمیشہ انجیر کھانا گندہ دہنی کو دفع کرتا ہے اور سر کے بالوں کو بڑھاتا ہے اور فالج سے امن دیتا ہے اور عجائبات سے اِس میوے کے ایک یہ ہے کہ برابر لقمے کے بنایا ہے نہ چھوٹا نہ بڑا تا کہ کھانے والے کو کسی طرح کی محنت اور مشقت نہ ہو اور جو اس کی باطنی خصوصیتیں ہیں سو اُن میں سے ایک یہ ہے کہ یہ میوہ کمال والوں سے نہایت مشابہت رکھتا ہے کہ ظاہر اور باطن اُس کا یکساں ہے اسواسطے کہ نہ گٹھلی رکھتا ہے نہ چھلکا بخلاف اور میووں کے کہ باہر کا اُن کے کھانے کے لائق ہے اور اندر کا پھینک دینے کے قابل ہے دوسرے یہ کہ اس میوے کا عجیب درخت ہے کہ اپنے کمال کو قبل دعوے کے ظاہر کرتا ہے کہ اوّل پھلتا ہے اور پیچھے پھولتا ہے بخلاف اور میووں کے درختوں کے کہ اوّل اُن کے پھول پتے نکلتے ہیں پھر پیچھے سے میوہ ظاہر ہوتا ہے گویا کہ یہ درخت صفت ایثار کی رکھتا ہے کہ اوّل غیر کو فائدہ پہونچاتا ہے بعد اُس کے اپنی آراستگی اور فائدے کی تدبیر کرتا ہے اور دوسرے درخت معاملہ دار لوگوں کی طرح سے ہیں کہ اوّل اپنا بھلا کر لیتے ہیں اُس کے بعد اوروں کو فائدہ پہونچاتے ہیں اور ایک یہ بھی ہے کہ جسقدر فیض یہ میوہ رکھتا ہے اور میووں میں نہیں ہے کہ ایک سال میں کئی بار پھلتا ہے اور باوجود ان سب باتوں کے اس میوے کے درخت کو ایک بڑی مناسبت ہے انسان سے کیونکہ جب حضرت آدم علیہ السلام کی بہشت میں بسبب تقصیر ہو جانے کے بہشتی پوشاک اُن کی اُتاری گئی اور ننگے رہ گئے تو گھبرا کر جس درخت کے نزدیک گئے کہ اُس کے پتے لے کر اپنا تن ڈھانکیں وہ درخت اونچا ہو گیا اور پتے اُن کو نہ دیے اور جب انجیر کے درخت کے پاس گئے تو یہ اونچا نہ ہوا تب اُنھوں نے اُس کے پتے بہت سے توڑ کر اپنی شرمگاہ کو چھپایا اور بعضے کسان لوگ یعنی کھیتی کرنے والے کہتے ہیں کہ کامل جھاڑ وہ ہے کہ جس میں دسوں چیزیں موجود ہوں جڑ اور ڈالیاں اور پتے اور پھول اور میوہ اور گٹھلی اور گوند اور چھال اور چھلکا اور شیرہ جیسے کھجور کا درخت کہ یہ دسوں چیزیں اسمیں موجود ہیں اور جس درخت میں ان دسوں چیزوں سے کم ہو دیں وہ درخت ناقص ہے پس انجیر

پ۸ اعراف ع ۱۲

گٹھلی نہیں رکھتا ہے تو چاہیئے کہ وہ ناقص ہو جواب اس کا یہ ہے کہ یہ نقصان عین کمال
ہے کیونکہ گٹھلی کچھ کھانے کی چیز نہیں ہے پھینک دینے کی چیز ہے پس ہونے سے نہ ہونا بہتر
ہے حاصل کلام کا یہ ہے کہ جناب باری نے اس کی جمعیت پر یعنی سب میووں کی خوبیاں
اس میں موجود ہیں اور فوائد پر اور بے ضرری پر نظر فرما کر اُس کی قسم کھائی ہے اور اس
مناسبت کو جو انسان کی جامعیت کے ساتھ رکھتا ہے رعایت فرمائی ہے وَالزَّیْتُوْنِ ۙ
اور قسم ہے زیتون کے درخت کی کہ پھل کو بھی اُس کے زیتون کہتے ہیں اور وہ بھی جامع
یعنی جمع کرنے والا ہے بہت سے فائدوں کو ظاہر میں بھی اور باطن میں بھی پھر وہ جو ظاہر
کے فائدے ہیں اُن میں ایک یہ ہے کہ جب پھل کو اُس کے سرکے میں اچار بنا کر استعمال
کرتے ہیں تو معدے کو قوت دیتا ہے اور بھوک کو بڑھاتا ہے اور زیتون کا پختہ پھل کھانے
سے بخوبی سیری حاصل ہوتی ہے اور بدن کو موٹا کرتا ہے اور قوت باہ کو بڑھاتا ہے اور اگر
زیتون کی گٹھلی کا مغز چربی اور آٹے میں ملا کر کوڑھی کے بدن پر ملیں تو کوڑھ دفع ہو جاتا
ہے اور اگر زیتون کے شیرے کا عورت فرزجہ لیوے تو بچہ دان کا بہنا موقوف کر دیتا ہے اور
جس نمک پانی میں کہ زیتون کے پھل ڈالے ہوں اگر اس کی کلی کریں تو دانتوں کی جڑوں
کو مضبوط کرتا ہے اور جو کچھ کہ انجیر میں فائدے جمع ہیں کہ غذا بھی ہے اور میوہ بھی ہے اور
دوا بھی ہے وہی فائدے زیتون میں بھی موجود ہیں کچھ زیادتی کے ساتھ اور وہ فائدے
یہ ہیں کہ زیتون کا سالہا سال تک فائدہ باقی رہتا ہے اس طور سے کہ جس قدر کہ اُس میں
سے کچے جھڑتے ہیں اُس کا تیل بنتا ہے اور اُس کو زیت الانفاق کہتے ہیں کہ قندیلوں اور
چراغوں میں جلانے کے کام آتا ہے اور روشنی اس کی نہایت صاف اور لطیف ہوتی ہے
کہ اور چیزوں کے تیل کی ویسی روشنی نہیں ہوتی اور جو پک جاتا ہے تو اُس کا تیل بھی
نکالتے ہیں اُس کو زیت الطیب کہتے ہیں کہ خوشبودار ہوتا ہے اور فائدہ بخشنے میں
بے نظیر ہے اور قولنج کے دفع کرنے کے واسطے اور سُدّوں کے اور اسہال کے واسطے
خاصیت ارنڈی کے تیل کی رکھتا ہے اور ملنے میں اور لیپ کرنے میں روغن گل کے
مانند ہے اور شری اور حمرہ اور وبا اور صداع اور بالوں کی سیاہی اور بور ونقرس

اور وجع مفاصل اور سبل اور رطوبت غلیظہ کو کہ پلکوں میں پہونچتی ہے بہت مفید ہے اور
اگر بچھو کے کاٹے پر لگائے تو بہت فائدہ کرتا ہے اور جو خصوصیتیں کہ باطن میں ہیں اُنمیں
سے ایک یہ ہے کہ جب اُس کا تیل بنتا ہے تو کمال نورانیت اور چمک پیدا کرتا ہے اور اس
سبب سے یعنی باطنی خصوصیت سے کمال والوں کے ساتھ نہایت مناسبت رکھتا ہے
کہ جب وہ اپنے حیات کے پھل کو ریاضت کی گھریا میں گلا کر روح کے لطیف کرنیمیں کوشش
اور جانفشانی کر کے نہایت نرمی اور لطافت پیدا کرتے ہیں تو بڑی نورانیت اور روشنی
حاصل ہوتی ہے اور باوجود اس بات کے تیل اُس کا دھوؤں کی سیاہی سے پاک
ہوتا ہے ارواح کاملہ کی نورانیت کے مانند بخلاف اور تیلوں کے کہ باطل ریاضت کرنے
والوں کی طرح سے ملے ہوئے دھوئیں کی سیاہی سے ہوتے ہیں اور یہ بھی ہے کہ فکر اور
استدلال والوں سے کمال مناسبت رکھتا ہے کہ معلومات کے احوال کو فکر کی قوت میں
ڈال کر گلاتے اور اوٹاتے ہیں تاکہ روشنی اور چمک پیدا کرے اور چیزونکی حقیقت دریافت
کرنے میں چراغ کی روشنی کی طرح کام میں لاویں اور یہ بھی ہے کہ کمال مناسبت رکھتا
ہے قرآن کے لفظوں سے کہ جب اُس کے معنوں کو لفظوں کی آمیزش سے علیحدہ کردیں
تو حقائق الٰہی کے نور کی تابش اور روشنی دکھاتا ہے اور یہ بھی ہے کہ کوئی درخت دنیا میں
اتنی بڑی عمر نہیں رکھتا جتنی کہ یہ درخت رکھتا ہے کہ فلسطین جو ایک شہر مشہور و معروف ہے
اقلیم شام میں وہاں زیتون کے جھاڑ یونانیوں کے ہاتھ کے لگائے ہوئے اب تک موجود
ہیں کہ وہ لوگ سکندر کے زمانے میں اُس ملک کی طرف آئے تھے پس ہر درخت کی عمر
اُن درختوں میں سے آج کی تاریخ تک دو ہزار برس کے قریب ہوئی ہے اور یہ بھی ہے
کہ بہت پیدایش کی جگہ اُس درخت کی شام کا ملک ہے کہ جگہ انبیاؤں اور اولیاؤں
کے رہنے کی ہے اور یہ بھی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اُس درخت کیلیے برکت
کی دعا کی ہے اور یہ بھی ہے کہ قرآن مجید میں اُس درخت کا نام شجرۂ مبارکہ فرمایا ہے اور
یہ بھی ہے کہ اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ جو کوئی اپنے کو خواب میں دیکھے کہ زیتون کے پتے ہاتھ
میں لیے ہے اُس کو خوشخبری ہے کہ عروۃ الوثقی یعنی شریعت کی سیدھی راہ اُس کے ہاتھ

آوے گی اور ایک مریض نے ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کے پاس کہ رئیس المعبرین یعنی سردار تعبیر کرنے والوں کے تھے آکر کہا کہ مجھ کو خواب میں بتایا ہے کہ دونوں کا میں سے کھا ابن سیرینؒ نے کہا کہ زیتون کے پھل کھا کہ اُس کے حق میں قرآن شریف میں لاشرقیۃ ولاغربیۃ وارد ہوا ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ کُلُوا مِنَ الزَّیْتِ وَادْھِنُوا بِہٖ فَاِنَّہٗ مِنْ شَجَرَۃٍ مُّبَارَکَۃٍ یعنی کھاؤ زیتون کا تیل اور بدن پر ملو اُس کو کہ وہ برکت والے درخت کا تیل ہے حاصل کلام کا یہ ہے کہ اِس قسم میں ترقی واقع ہے پہلے قسم کی نسبت میں یعنی پہلی قسم میں انجیر کو یاد فرمایا تھا کہ وہ ظاہری فائدے رکھتا ہے بغیر باطن کی نورانیت کے اور اس قسم میں زیتون کو یاد فرمایا کہ ظاہری فائدوں کے ساتھ باطن کی بھی نورانیت رکھتا ہے تو انسان کے کمال سے اُس کو مناسبت زیادہ ہے وَطُوْرِ سِیْنِیْنَ اور قسم ہے جھاڑ والے پہاڑوں کی سمجھا چاہیئے کہ طور لُغت میں پہاڑ کو کہتے ہیں اور پہاڑ دو قسم کے ہوتے ہیں ایک جھاڑ والے کہ اُن میں چشمے جاری ہوتے ہیں اور بسبب اُس پانی کے طرح طرح کے جھاڑ اُن میں اُگتے ہیں جیسے اخروٹ اور چرونجی اور انجیر اور زیتون اور دوسرے بڑے بڑے درخت جیسے سال اور ساگوان خودرَو یعنی آپ ہی آپ پیدا ہوتے ہیں اور دوائیں جیسے عقاقیر اور مصالح گرم جیسے لونگ اور الائچی وغیرہ اور جدوار یعنی نربسی اور زہر اور لاکھوں بوٹیاں نقصان کرنے والی اور فائدہ بخشنے والی نمودار ہوتی ہیں اور جانور عجیب جیسے پہاڑی بکرے نہایت بڑے بڑے اور ہرن جس میں سے مشک نکلتا ہے اور مرغ زرین اور ان کے سوا اور بہت جانور عجیب وغریب وہاں پیدا ہوتے ہیں اور قسم کے معدنوں کی جیسے بلور اور یشب اور بہت سی چیزیں اس قسم کی اُس میں پیدا ہوتی ہیں، پس جامعیت ایسے پہاڑ کی نہایت عالی مرتبے میں ہے کہ نباتات بھی اُس میں موجود ہیں اور حیوانات بھی اور ارواح جناتی بھی مثل دیو پری کے ایسے پہاڑوں میں بہت ہوتی ہیں اور اُن چیزوں کے فائدے کی اُمید پر بہت سے آدمی بھی وہاں رہتے ہیں پس ایسا پہاڑ کہ ایسے ایسے عجائبات کا مجمع ہو رہا ہے کہ عشر عشیر اُس کا کسی جائے پر معلوم نہیں ہوتا لیکن باوجود جمعیت کے ہر پہاڑ جھاڑ دار تجلی الٰہی سے خالی ہے جب ایسے پہاڑ میں تجلی

الٰہی بھی حاصل ہوئی تو جامعیت کامل اُس کے واسطے حاصل ہوئی سواس قسم کا پہاڑ
جھاڑوں والا ایک پہاڑ ہے مدین اور مصر کی راہ میں کہ اُس پہاڑ کو فلسطین کہتے ہیں اور
حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس پہاڑ پر تجلّی الٰہی نے سرفراز کیا اور آواز
انی انا اللہ رب العالمین کی اُن کے کانوں میں پہونچائی اور کلیمی کا مرتبہ اُس پہاڑ پر اُنکو
حاصل ہوا اور بعد اس قصّے کے بھی حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے جا کر
اُس میں مناجاتیں کی ہیں اور چلّے کھینچے ہیں اور عبادتیں کی ہیں اور توریت کی تختیاں
بھی جناب الٰہی سے اُسی پہاڑ پر اُن کو عنایت ہوئی ہیں پس وہ پہاڑ باوجود ظاہر کی
جامعیت کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے روحی اسراروں کا اور اُنکی عبادت کے نوروں
کا بھی جمع کرنے والا ہوا اور جس نور اور اسرار نے کہ اُس پہاڑ میں تجلّی فرمائی تھی اور حضرت
موسیٰ علیہ السلام کو بیہوش کیا تھا اس قدر اُس جگہ پر اثر اُس کا مستقیم اور باقی رہا کہ
عَلٰی مَرِّ الدُّھُوْرِ وَالْاَزْمَانِ یعنی قرنوں اور زمانوں تک قرب حاصل کرنیکو حضرت
موسیٰ کے فرمانبرداروں کے اور احکام شرعی کی امداد ہونے میں کافی ہوا پس شروع اور
انتہا انوار موسوی کی کہ تمام بنی اسرائیل اُس سے نورانی اور آراستہ ہوئے وہی مبارک
پہاڑ تھا اسی واسطے اس قسم میں پہلی قسم سے بھی ترقی فرمائی کہ جو نور زیتون میں ہے وہ نور
عنصری ہے اور جس نور نے اُس پہاڑ پر تجلّی فرمائی اور اُس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا نور الٰہی تھا
کہ علیٰ مر الدہور والایام یعنی قرنوں اور مدتوں تک تاثیر اُس کی باقی رہی اور حضرت موسیٰ
علیہ السلام کے کمالات کے جھاڑ کو ابدالآباد تک تر و تازہ رکھتا ہے دوسرے خشک پہاڑ کہ
اُن میں پانی نہ جھاڑ تو وہ موے آدمی کے جسم کے مانند ہیں کہ ظاہر میں آدمی نظر آتا ہے
اور باطن میں کوئی انسانی کیفیت نہیں رکھتا اس واسطے قابل قسم کے نہ تھے اس سے
بچنے کے واسطے لفظ سینین کا فرمایا ہرچند اصل لغت میں طور سینین ہریالی والے پہاڑ
کو بولتے ہیں لیکن عرف میں یہ لفظ خاص اِسی پہاڑ کے واسطے ہے جس پر حضرت موسیٰؑ
کو تجلّی الٰہی واقع ہوئی تھی اور لفظ سینین کا نبط کی قوم کی لغت ہے کہ شام کی اقلیم کے
کھیتی کرنے والے ہیں اور اس لفظ کو عرب کے لوگ کئی طرح تصرف سے استعمال کرتے ہیں

کبھی سینین کہتے ہیں اور کبھی سَیْناسین کے زبر کے ساتھ چنانچہ پارۂ قد افلح میں واقع ہے
اور کبھی سِیناسین کے زیر کے ساتھ چنانچہ ابو عمرو اور نافع اور ابن کثیر پڑھتے ہیں اور بعضے
مفسروں نے کہا ہے کہ مُراد انجیر سے اصحاب کہف کی مسجد ہے کہ اُس کے گرد انجیر کے جھاڑ
بہت ہیں اور مراد زیتون سے بیت المقدس کی مسجد ہے کہ گرداگرد اُس کے یہ درخت کثرت
سے ہیں اور بعضوں نے کہا ہے کہ زیتون سے مراد زیتا کا پہاڑ ہے کہ وہ بیت المقدس سے
مشرق کی طرف واقع ہے بلند ہے مسجد اقصیٰ سے اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب
اُم المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کہ ازواج مطہرات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کی ہیں بیت المقدس کو تشریف لے گئیں اور مسجد اقصےٰ میں نماز پڑھ کر فارغ ہوئیں تو مسجد سے
نکل کر طور زیتا پر تشریف فرما ہوئیں اور وہاں پر بھی نماز پڑھی پھر اس پہاڑ کے کنارے پر
کھڑے ہو کر ارشاد کیا کہ اسی جگہ سے لوگ قیامت کے دن متفرق ہوں گے کچھ بہشت کو جاوینگے
اور کچھ دوزخ کو اور یہ وہی پہاڑ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کو یہاں سے آسمان پر لے گئے ہیں اور
اس مکان کی نصاریٰ بہت تعظیم کرتے تھے اور کرتے ہیں اور اس پہاڑ کے سر پہ ایک
فرنگن نے (کہ اُس کا نام ہیلانہ تھا) ایک کنیسہ بنایا تھا اور اُس کے اندر ایک قُبّہ بنایا تھا
کہ اُس کو مصعد عیسیٰ علیہ السلام کا کہتے تھے یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے چڑھنے کی جگہ ہوتے
ہوتے وہ کنیسہ ڈھے گیا لیکن بالفعل اُس پہاڑ میں خرنوب نبطی کا درخت ہے کہ قریب
اُس کے ایک مسجد بنائی ہے اور اُس مسجد کی پائین میں ایک غار ہے صاف کہ بہت
لوگ اُس مکان کی زیارت کے واسطے جاتے ہیں اور اُس درخت کو خرنوبۃ العشرہ کہتے ہیں
اور جب سلطان صلاح الدین نے بیت المقدس کو فرنگیوں کے ہاتھ سے فتح کر لیا تمام
زمین طور زیتا کی شیخ احمد حکاری اور شیخ علی حکاری کو برابر آدھوں آدھ تقسیم کر کے
وقف کر دی اور یہ قصہ سترھویں ذیحجہ کو سال پانچ سو چوراسی میں واقع ہوا اور وہ زمین
اب تک اُن دونوں شیخوں کی اولاد کے ہاتھ میں ہے پس اِس سورۃ میں اوّل اُس جگہ
کی قسم کھائی کہ اصحاب کہف کی ولایت کے انوار کی جائے ہے اور وہ لوگ پہلے گروہ ہیں
اولیاؤں کے کہ فنا کی راہ چلے ہیں بعد اس کے انوار نبوت عیسوی کے جائے کی قسم یاد فرمائی

الٰہی بھی حاصل ہوئی تو جامعیت کامل اُس کے واسطے حاصل ہوئی سواس قسم کا پہاڑ جھاڑوں والا ایک پہاڑ ہے مدین اور مصر کی راہ میں کہ اُس پہاڑ کو فلسطین کہتے ہیں اور حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس پہاڑ پر تجلّی الٰہی نے سرفراز کیا اور آواز انی انا اللہ رب العالمین کی اُن کے کانوں میں پہونچائی اور کلیمی کا مرتبہ اُس پہاڑ پر اُنکو حاصل ہوا اور بعد اس قصّے کے بھی حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے جا کر اُس میں مناجاتیں کی ہیں اور چلّے کھینچے ہیں اور عبادتیں کی ہیں اور توریت کی تختیاں بھی جناب الٰہی سے اُسی پہاڑ پر اُن کو عنایت ہوئی ہیں پس وہ پہاڑ باوجود ظاہر کی جامعیت کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے روحی اسراروں کا اور اُنکی عبادت کے نوروں کا بھی جمع کرنے والا ہوا اور جس نور اور اسرار نے کہ اُس پہاڑ میں تجلّی فرمائی تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بیہوش کیا تھا اس قدر اُس جگہ پر اثر اُس کا مستقیم اور باقی رہا کہ عَلٰی مَرِّ الدُّهُوْرِ وَالْاَزْمَانِ یعنی قرنوں اور زمانوں تک قرب حاصل کرنیکو حضرت موسیٰؑ کے فرمانبرداروں کے اور احکام شرعی کی امداد ہونے میں کافی ہوا پس شروع اور انتہا انوار موسوی کی کہ تمام بنی اسرائیل اُس سے نورانی اور آراستہ ہوئے وہی مبارک پہاڑ تھا اسی واسطے اس قسم میں پہلی قسم سے بھی ترقی فرمائی کہ جو نور زیتون میں ہے وہ نور عنصری ہے اور جس نور نے اُس پہاڑ پر تجلّی فرمائی اور اُس کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا نور الٰہی تھا کہ علیٰ مر الدہور والایام یعنی قرنوں اور مدتوں تک تاثیر اُس کی باقی رہی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کمالات کے جھاڑ کو ابدالآباد تک تروتازہ رکھتا ہے دوسرے خشک پہاڑ کہ اُن میں پانی نہ جھاڑ تو وہ موے آدمی کے جسم کے مانند ہیں کہ ظاہر میں آدمی نظر آتا ہے اور باطن میں کوئی انسانی کیفیت نہیں رکھتا اس واسطے قابل قسم کے نہ تھے اس سے بچنے کے واسطے لفظ سینین کا فرمایا ہرچند اصل لغت میں طور سینین ہریالی والے پہاڑ کو بولتے ہیں لیکن عرف میں یہ لفظ خاص اِسی پہاڑ کے واسطے ہے جس پر حضرت موسیٰؑ کو تجلّی الٰہی واقع ہوئی تھی اور لفظ سینین کا نبط کی قوم کی لغت ہے کہ شام کی اقلیم کے کھیتی کرنے والے ہیں اور اس لفظ کو عرب کے لوگ کئی طرح تصرف سے استعمال کرتے ہیں

کبھی سینین کہتے ہیں اور کبھی سَینا سین کے زبر کے ساتھ چنانچہ پارۂ قد افلح میں واقع ہے
اور کبھی سِینا سین کے زیر کے ساتھ چنانچہ ابوعمرو اور نافع اور ابن کثیر پڑھتے ہیں آور بعضے
مفسروں نے کہا ہے کہ مُراد انجیر سے اصحاب کہف کی مسجد ہے کہ اُس کے گرد انجیر کے جھاڑ
بہت ہیں آور مراد زیتون سے بیت المقدس کی مسجد ہے کہ گرداگرد اُس کے یہ درخت کثرت
سے ہیں آور بعضوں نے کہا ہے کہ زیتون سے مراد زیتا کا پہاڑ ہے کہ وہ بیت المقدس سے
مشرق کی طرف واقع ہے بلند ہے مسجد اقصیٰ سے آور حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب
اُم المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کہ ازواج مطہرات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کی ہیں بیت المقدس کو تشریف لے گئیں اور مسجد اقصےٰ میں نماز پڑھ کر فارغ ہوئیں تو مسجد سے
نکل کر طور زیتا پر تشریف فرما ہوئیں اور وہاں پر بھی نماز پڑھی پھر اس پہاڑ کے کنارے پر
کھڑے ہو کر ارشاد کیا کہ اسی جگہ سے لوگ قیامت کے دن متفرق ہوں گے کچھ بہشت کو جاوینگے
اور کچھ دوزخ کو اور یہ وہی پہاڑ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کو یہاں سے آسمان پر لے گئے ہیں آور
اِس مکان کی نصاریٰ بہت تعظیم کرتے تھے اور کرتے ہیں آور اس پہاڑ کے سر پر ایک
فرنگن نے (کہ اُس کا نام ہیلانہ تھا) ایک کنیسہ بنایا تھا اور اُس کے اندر ایک قُبہ بنایا تھا
کہ اُس کو مصعد عیسیٰ علیہ السلام کا کہتے تھے یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے چڑھنے کی جگہ ہوتے
ہوتے وہ کنیسہ ڈھے گیا لیکن بالفعل اُس پہاڑ میں خرنوب نبطی کا درخت ہے کہ قریب
اُس کے ایک مسجد بنائی ہے اور اُس مسجد کی پائین میں ایک غار ہے صاف کہ بہت
لوگ اُس مکان کی زیارت کے واسطے جاتے ہیں اور اُس درخت کو خرنوبۃ العشرہ کہتے ہیں
آور جب سلطان صلاح الدین نے بیت المقدس کو فرنگیوں کے ہاتھ سے فتح کر لیا تمام
زمین طور زیتا کی شیخ احمد حکاری اور شیخ علی حکاری کو برابر آدھوں آدھ تقسیم کر کے
وقف کر دی اور یہ قصہ سترھویں ذیحجہ کو سال پانچ سو چوراسی میں واقع ہوا اور وہ زمین
اب تک اُن دونوں شیخوں کی اولاد کے ہاتھ میں ہے پس اِس سورۃ میں اوّل اُس جگہ
کی قسم کھائی کہ اصحاب کہف کی ولایت کے انوار کی جائے ہے اور وہ لوگ پہلے گروہ ہیں
اولیاؤں کے کہ فنا کی راہ چلے ہیں بعد اس کے انوار نبوّت عیسوی کے جائے کی قسم یاد فرمائی

بعد اس کے انوار موسوی کی جائے کی قسم کھائی بعد اس کے فرماتے ہیں وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ۝ اور اس شہر امانت والے کی یا امن والے کی اور مراد اس شہر سے مکۂ معظمہ کا شہر ہے کہ جامعیت میں نہایت کو پہونچا ہے اس لیے کہ ہر شہر قسم قسم کے لوگوں کو جیسے سپاہی اور سوداگر اور پیشے والے اور غنی اور فقیر اور عورت اور مرد اور سوا اس کے اور قسم قسم کی چیزوں کو جامع ہوتا ہے جیسے بادشاہ اور حاکم اور مکانات متبرکہ اور مقام شہدا اور قبور اولیاء اور انبیاء اور عبادت خانے اور مسجدیں اُن میں ہوتی ہیں اور طرح طرح کی بوٹیاں اور قسم قسم کے جانور پرند اور چرند اُس میں پرورش پاتے ہیں لیکن کسی شہر میں بیت اللہ یعنی خدا کا گھر کہ ہمیشہ تجلی الٰہی اُترنے کی جگہ ہو اور سب مخلوق کی عبادت کی قبلہ ہو نہیں ہے مگر یہی ایک شہر یعنی مکۂ معظمہ کہ یہ بزرگی بھی اُس کو نصیب ہوئی ہے۔ اور اس سبب سے اُس کو جامعیت کامل حاصل ہوئی ہے اور ان سب وصفوں کے ساتھ پیدا ہونے اور نبی ہونے خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جائے ہے پس جامع ہے وحی محمدی صلے اللہ علیہ وسلم کے اسرار کا اور اُس جناب کے نبوت اور ولایت کے نور اُس میں ظاہر اور تاباں ہیں اور وہ نبوت اور ولایت نہایت جامع دوسری نبوتوں اور ولایتوں سے ہے پس اس قسم میں بڑی ترقی ہوگئی جمعیت کی اگلی قسموں کے بہ نسبت گویا کہ یہ جمعیت ایسی جمعیت ہے کہ سب عالم اسفل کے اور عالم اعلیٰ کے اسراروں کو اور بھیدوں کو اپنے اندر سمیٹ لیا ہے اور خالق اور خلق میں رلا ملا دیا ہے اور شہر مکہ ایک شہر ہے لمبا کہ لمباؤ اُس کا زیادہ ہے چوڑاؤ سے اور پہاڑ گرداگرد اُس کے قلعے کے مانند واقع ہوئے ہیں اور اُن پہاڑوں کے ہونے کے ساتھ بعضے طرف دیوار شہر پناہ کے طور پر بنائی ہے سو جو دیوار کہ مشرق کی طرف ہے وہ باب معلات کی دیوار کر کے مشہور ہے کہ مقبرۂ شریف اُس شہر کا ہے اور وہ دیوار کہ مغرب کی طرف اور کچھ شمال کی طرف مقابل مدینۂ مقدسہ نبویہ کے ہے اُس کو سور باب الشبکیہ کہتے ہیں اور جو دیوار کہ یمن کی طرف ہے اُس کو سور باب الیمن اور سور باب الماجن بھی کہتے ہیں اور تعمیر ان دیواروں کی ۸۱۶ھ آٹھ سو سولہ میں حکم سے وہاں کے شریف کے کہ سید حسن بن عجلان تھا واقع ہوئی اور طول

اور عرض اُس شہر کا اس قدر ہے کہ باب معلات سے باب ماجن تک چار ہزار چار سو بہتر گز ہے، باب معلات سے شبیکہ تک بھی اتنا ہی ہے مگر دو سو بیس گز زیادہ ہے اور گرداگرد اُس کے دو پہاڑ ہیں ایک کو ابوقبیس کہتے ہیں اور دوسرے کو کہ وہ سنگ سُرخ کا ہے مقابل ابوقبیس کے قیقعان کہتے ہیں اور ان دونوں پہاڑوں کو اخشبین مکہ کہتے ہیں ابوقبیس کو اخشب شرقی اور قیقعان کو اخشب غربی کہتے ہیں اور مکہ معظمہ میں عمارتیں بہت ہیں اور بہتے چشمے اور چشمہ دار کوئیں اور وقفی حوض اور حمام بہت سے ہیں چنانچہ فاکہی کے زمانے میں کہ اِس مقام کا مورخ ہے سولہ حمام گرم ہوتے تھے اور اس شہر کو دو قسم ٹھہرایا ہے ایک معلات ایک مسفلہ اور ایک دار الخیزران کہ نزدیک کوہ صفا کے داہنی طرف مکہ معظمہ کی حد سے معلات کی ہے اور دار العجلہ کہ بائیں طرف مکہ معظمہ کے ہے نشانی حد مسفلہ کی ہے اور یہ شہر مکرم اور معظم حجاز کی ولایت میں داخل ہے اور وہ ولایت درمیان ہیں ولایت شام اور عراق اور مصر اور یمن کے واقع ہے اور اس ولایت میں کئی شہر داخل ہیں چنانچہ ایک اُن میں سے یہی شہر ہے اور ایک مدینہ منورہ اور ایک یمامہ اور بہت پرگنے ان تینوں شہروں کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اور عمل مکہ معظمہ کا بعضی طرف سے دس منزل ہے خصوصًا جو سرحد کہ یمن کی طرف واقع ہے اُس کو ضنکان کہتے ہیں وہ مکہ معظمہ سے دس روز کی راہ ہے اور بعضی طرف سے کم ہے جیسے مدینہ مکرمہ کی طرف کہ سرحد اس طرف کی ایک گانوں ہے کہ اُس کو جنازہ بن صیفی کہتے ہیں اور ایک گانوں ہی جو درمیان عسفان اور مرکہ کے ڈیڑھ منزل پر ہے اور عراق کی طرف ایک گانوں ہے کہ اُسکو عمیر کہتے ہیں وہ بھی اسی قدر ہے اور گرداگرد مکہ معظمہ کے حد حرم کی ہے کہ وہاں شکار کرنا اور درخت کاٹنا درست نہیں ہے اور اگر اتفاقًا کسی نے وہاں شکار مارا یا جھاڑ کاٹا تو اُس پر کفارہ آتا ہے اور حد حرم کی دروازے سے مسجد الحرام کے کہ مشہور باب بنی شیبہ ہے دو میناروں تک کہ عرفے کیطرف حرم کی حد پر کھڑے ہیں سینتیس ہزار دو سو دس گز ہے اور باب معلات سے اُن ہی دونوں میناروں تک پینتیس ہزار تراسی گز ہے اور عراق کیطرف اُن دونوں میناروں تک کہ راہ پر وادی نخلہ کے بنائے ہیں ستائیس ہزار ایک سو باون گز ہے، اور

باب معلات سے اُن ہی دونوں میناروں تک پچیس ہزار[۲۵۰۲۵] پچیس گز ہے آور تنعیم کیطرف سے
کہ مدینۂ منورہ کی سمت کو واقع ہے حد حرم کی بارہ ہزار[۱۲۴۲۰] چار سو بیس گز ہے آور یمن کیطرف
سے باب ابراہیم کی حرم کی حد کے نشان تک چوبیس ہزار[۲۴۵۰۹] نہ پانچ سو نو گز ہے اور
دیوار سے باب الماجن کی حرم کی حد کی علامت تک اُسی طرف کو کہ وہ بھی یمن کی طرف
ہے بائیس ہزار[۲۲۸۷۴] آٹھ سو چہتر گز ہے آور حساب کی رو سے حرم کے دور کو سینتیس[۳۷] کوس لکھا ہے
واللہ اعلم آور خصوصیات سے حرم کے دے ہیں جو مذکور ہوئے یعنی شکاری جانوروں کا
نہ وہاں شکار کرنا درست ہے اور نہ سایہ اور پانی سے ہانکنا اور نہ درخت اور سبزہ وہاں کا
کاٹنا اور اُکھیڑنا اور نہ پتے جھاڑنا یہ سب جائز نہیں مگر اذخر اور سنا کہ دوا کی ضرورت کے
واسطے جائز رکھا ہے آور یہ بھی ہے کہ اس جگہ آدمی ارادہ کرنے سے گناہ کے پکڑا جاتا ہے
سوائے اور مکانوں کے اور عبادت اور بندگی وہاں کی بہت ثواب رکھتی ہے چنانچہ حسن
بصری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ایک روزہ مکہ معظمہ کا برابر لاکھ روزوں کے ہے اور
ایک درم دینا اس مکان مبارک میں برابر لاکھ درم کے ہے آور حاکمؒ کی مستدرک میں ابن
عباسؓ سے نقل کی ہے کہ حَسَنَاتُ الْحَرَمِ كُلُّ حَسَنَةٍ بِمِائَةِ أَلْفِ حَسَنَةٍ یعنی ہر نیکی
کہ حرم میں کیجاتی ہے برابر لاکھ نیکی ہے آور یہ بھی ہے کہ جو کوئی مکہ معظمہ میں مریگا شرف
اور بزرگی اُس کو حاصل ہوگی چنانچہ حدیث شریف میں واقع ہے کہ مَنْ مَاتَ بِمَكَّةَ
بَعَثَهُ اللّٰهُ تَعَالَىٰ فِي الْآمِنِينَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ یعنی جو مرا مکے میں اُٹھا دیگا اُسکو اللہ تعالیٰ
قیامت کو امن والوں میں آور یہ بھی حدیث شریف میں ابن عمرؓ سے واقع ہے کہ
مَنْ مَاتَ بِمَكَّةَ فَكَأَنَّمَا مَاتَ فِي السَّمَاءِ الدُّنْيَا یعنی جو کوئی مرا مکہ معظمہ میں تو گویا
کہ مرا دنیا کے آسمان پر آور نشانیاں عجیب وغریب وہاں نظر آتی ہیں کہ اگر درندہ جیسے
بھیڑیا یا چیتا کسی جانور کے پیچھے دوڑتا ہے آور وہ جانور جب حرم کی حد میں داخل ہوجاتا
ہے تو وہ درندہ پھر جاتا ہے اور ہرگز حرم میں داخل نہیں ہوتا اور بہت لوگوں نے حرم
کی حد میں ہرنوں کو اور درندے جانوروں کو ایک جگہ ملے دیکھا ہے آور یہ بھی ہے کہ
پرندے جب اُڑتے ہوئے بیت اللہ کے قریب آتے ہیں تو کچھ ادھر کچھ اُدھر پھٹ جاتے ہیں

اور کعبے کے اوپر ہو کر نہیں جاتے یہ بات ہمیشہ لوگ دیکھتے ہیں آور یہ بھی ہے کہ پانی زمزم کے کوئیں کا شب برات کو جوش کرتا ہے آور یہ بھی ہے کہ زمزم کے پانی میں ایک خاصیت ہے کہ اس کے پینے سے سیری حاصل ہوتی ہے جیسے کھانا کھانے سے حاصل کلام کا یہ ہے کہ یہ شہر مبارک بسبب کمال جامعیت کے نہایت عالی مرتبے کو پہونچا ہے اسیواسطے اِس سورۃ میں اِسی شہر کی قسم پر ختم فرما کر مطلب کو ارشاد کرتے ہیں کہ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ یعنی قسم ان چاروں چیزوں کی اس بات پر ہے کہ مقرر ہم نے پیدا کیا انسان کو بہت اچھی صورت اور ترکیب میں اِسواسطے کہ اگر ظاہر اُس کا دیکھیے تو کمال حُسن اور جمال کے ساتھ موصوف ہے قد اور قامت میں اور دوسرے اندام وں کی خوبی اور برابری میں گردن اُس کی نہ ایسی لمبی ہے اونٹ کی سی نہ بہت چھوٹی ہے کچھوے کی سی ناک اُسکی نہ ایسی لمبی جیسے ہاتھی کی سونڈ نہ اور چوپایوں کی طرح بے معلوم اسیطرح سب اعضا میں فکر کیا چاہیے اور خوبی اور حُسن اور جمال دریافت کیا چاہیے اسیواسطے امام شافعیؒ کے زمانے میں ایک شخص نے اپنی عورت سے کہا تھا کہ ان لم تکونی احسن من القمر فانت طالق یعنی اگر تو چاند سے اچھی نہ ہو گی تو تجھ کو میں نے طلاق دی سب علماء اُسوقت کے حیران ہوئے اور طلاق پڑنے کا حکم دیا جب یہ استفتاء امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پہونچا فرمایا کہ طلاق واقع نہیں ہوئی اِسواسطے کہ اُس کی عورت انسان ہے اور انسان کو حق جل وعلا نے فرمایا ہے کہ میں نے اچھی صورت میں اُسکو بنایا ہے اگر چاند کی صورت اس سے اچھی ہوتی تو احسن تقویم اُسکی تعریف میں کیوں فرماتا ولنعم ما قیل **اشعار**

ما انت مادحہا من ان یشبیہا ۔ بالشمس والبدر لا بل انت ھاجیہا + من این للشمس خال فوق وجنتہا + ومضحک من نظام الدر فی فیہا + من این للبدر اجفان مکحلۃ + بالسحر والفتح یجری فی حواشیہا + یعنی نہیں ہے تو تعریف کرنیوالا اے وہ شخص جو تشبیہ دیتا ہے انسان کو آفتاب اور ماہتاب سے بلکہ تو ہجو کرنیوالا ہے اُسکا کہاں ہے آفتاب کے تِل رخسارے پر اور ہنسنے میں لڑی موتیوں کی مُنھ میں اُس کے کہاں ہے چاند کی پلکیں سُرمہ والیاں جادو بھری اور فتح اور نصرت جاری ہے کناروں میں اُسکے

اور ظاہر بات ہے کہ چاند میں سوائے روشنی اور چمک کے کچھ اور نہیں ہے اور یہ نسخہ جامع ہے نقاشی کی نزاکتوں کا اور طرح طرح کی شکلوں کا چنانچہ کہا گیا ہے شعر من ماہ ندیدہ ام کلہ دار + من سرو ندیدہ ام قبا پوش + یعنی میں نے چاند نہیں دیکھا ٹوپی دیے ہوئے۔ اور سرو کو نہیں دیکھا میں نے قبا پہنے ہوئے اور اس سبب سے بھی ہے کہ کوئی صورت دنیا میں لائق عبادتوں کثیرہ کے نہیں ہے جیسے آدمی کی صورت ہے کہ قیام اور رکوع اور سجود سب اُس سے ہو سکتا ہے اور اگر اُس کے حسن کا بیان تفصیل کے ساتھ کیا جاوے جیساکہ علم تشریح میں بیان ہے تو اُس کو دفتر کے دفتر چاہییں اس واسطے اس بیان سے خاموش ہونا اور زبان قلم کو روک رکھنا بہتر ہے اور اگر اس کے باطن کے معنی کو غور کریں تو چار عالم اس نسخہ جامعہ میں لپٹتے ہیں عالم شہوت کا اور عالم غضب کا اور عالم وہم کا اور عالم خیال کا اور ان چاروں عالم کو غیبی حاکم کے حکم کا مسخر اور فرمانبردار کیا ہے اور اُس حاکم کو شرع کی نورانی مشعل سے آنکھوں کی روشنائی بخشی کہ بھلے اور بُرے کو اُس نور سے پہچان لے پھر جب حکم اس حاکم کا ان چاروں عالم پر غالب ہوتا ہے تو آدمی بڑے مرتبے کے کمال اور جامعیت کو پہونچتا ہے اور جو چیز کہ کسی سے عالم متفرق میں اُس کے حاصل ہونیکی توقع نہیں ہوتی ہے اس نسخۂ جامعہ سے کہ انسان ہے حاصل ہوتی ہے جیسے معجون مرکب کی خاصیت کہ کسی جزو میں اُس کے اجزاؤں سے وہ خاصیت حاصل نہیں ہوتی لیکن غلبہ اُس حاکم کا محض غیبی مدد اور آسمانی توفیق سے ہوتا ہے اسیواسطے ہر کسی کو میسر نہیں ہوتا چنانچہ فرماتے ہیں ثُمَّ رَدَدْنٰهُ پھر ڈالدیا ہمنے ایسی عجیب مخلوق کو جس کو اس قدر نوازا تھا اُس کے قصور کرنے سے عقل کے اور اُسکی دوسری رعایا جیسے شہوت اور غصہ اور وہم اور خیال کے کارخانے کے انتظام میں اَسْفَلَ سَافِلِيْنَ ۙ نیچے سے نیچے کہ چوپایوں کے مرتبے سے بھی گذر جاتا ہے اور شہوت اور غصے کے جال میں ایسا پھنس جاتا ہے اور پھندے میں وہم اور خیال کے ایسا بندھ جاتا ہے کہ اُس کا مرتبہ سب نکمی اور ذلیل مخلوقوں سے بھی زیادہ ذلیل ہو جاتا ہے اس لئے کہ دوسری مخلوقات کو جو کمالات حاصل کرنے کی استعداد نہیں ہے تو پکڑ اور مار دھاڑ بھی نہیں ہے اور اِس

مخلوق کو باوجود کمالات حاصل کرنے کی استعداد کے اگر کمالوں سے محروم اور بے نصیب رہا تو ہمیشگی کی پکڑ اور سدا رہنے والا عذاب در پیش ہے اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مگر جو لوگ ایمان لائے اور اپنی عقل کو اپنے وہم اور خیال پر غالب کیا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور کام کیے اچھے اور اپنی عقل کو شہوت اور غصے پر غالب کیا اور بہت محنت اور کوشش کی فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ؕ پھر اُن کو مزدوری ہے بے انتہا اگرچہ ظاہر میں کوشش اُن کی بیماری اور بڑھاپے اور موت کے سبب سے تمام ہو جاتی ہے لیکن جو کیفیت کہ اُنکی روح میں بسبب خوف جم جانے جوڑ بند کے نیکوئی پر حاصل ہوئی ہے ہر روز زیادتی میں ہے اور ہر آن اور ہر لحظہ بے نہایت ثواب مقابلے میں اُس کے بڑھتے جاویں گے چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ جو مسلمان بندہ اچھے دین کے چلن اور طریق پر ہوتا ہے اور وہ طریقہ اُس سے بڑھاپے یا مسافری یا بیماری کے سبب سے چھوٹ جاوے حق تعالٰے کاتب الحسنات یعنی نیکی کے لکھنے والے فرشتوں کو فرماتا ہے کہ نامہ اعمال میں اُس شخص کے ثواب اُن طاعتوں اور نیکیوں کا کہ ہمیشہ کرتا تھا لکھ دو اور اُس کا ثواب اُس سے روکو مت بلکہ بعضی روایتوں میں آیا ہے کہ مرنے کے بعد اُس کے فرشتوں کو حکم کریں گے کہ اُس کی قبر کے پاس تسبیح اور تکبیر اور تحمید سے مشغول رہو اور وہ سب اس بندے کے نام لکھو یہاں تک کہ قیامت کے دن جب قبر سے اُٹھے تو ان بے انتہا خزانوں کو خرچ میں لاوے اور بعضے مفسروں نے ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ۙ کی آیت کو بڑھاپے اور سٹھیا جانے کی حالت پر قیاس کیا ہے کہ اس حالت میں آدمی کی صورت بدل جاتی ہے اور جوڑ بند ڈھیلے ہو جاتے ہیں اور پیٹھ جھک کر کمان سی ہو جاتی ہے اور سیدھا پن قد کا برباد ہو جاتا ہے اور سارا بدن اور سر کے بال سفید ہو کر مبروص یعنی سفید داغ والے کی صورت بنجاتا ہے اور جھریاں اُس کے چہرے پر پڑ جاتی ہیں تو اُس کا چہرہ بدزیب معلوم ہوتا ہے اور دانت اُکھڑ کر مُنھ کھنڈر کی صورت بنجاتا ہے لیکن ان معنوں کو استثنار اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کے مناسب نہیں ہے مگر جبکہ استثنار کو منقطع کہیں سو اُسمیں بڑا تکلف ہے اور جو ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ حقیقت دین کی غالب کرنا عقل کا ہے تمام قوتوں پر جیسے

شہوت اور غصہ اور وہم اور خیال اور عقل کو نور سے شرع کے روشن کرنا پس دین کی تکذیب کرنے کی کوئی وجہ باقی نہ رہی اسواسطے کہ انسان کی معنوی خوبصورتی عین دین ہے اور وہ حسن ہر کسی کو مطلوب اور مرغوب ہے اسیواسطے اس تکذیب کے رد کے مقام پر فرماتے ہیں فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّينِ ۝ پھر کونسی چیز تیرے جھٹلانے کا باعث ہوتی ہے اے آدمی باوجود ظاہر ہونے ایسے ایسے دین کے مقدمات کے جو اوپر بیان ہو چکے حاصل یہ کہ جو حقیقت اپنی صورت معنوی کی معلوم کر لی تو نے اور جان لیا کہ حسن اِس صورت معنوی کا موقوف اِس بات پر ہے کہ اول عقل کو شرع کے نور سے روشن کر کے پھر اُس کو اپنی قوتوں پر حاکم کرے پس کوئی وجہ دین کی تکذیب کی باقی نہ رہی کیونکہ وہ نور دین ہی کا ہے جس سے عقل راہ پاتی ہے اِسواسطے کہ عقل مانند بینائی کے ہے اور نور دین کا جیسے آفتاب کی شعاع پھر اگر شعاع آفتاب کے درمیان میں نہ ہو تو بینائی سے اُس کی کچھ کام نہیں نکلتا پس دین کا نور انسان کی صورت معنوی کے کمال حاصل کرنے کیواسطے ضروریات سے ہے اور جس طرح کہ انسان خلل پڑ جانے سے ظاہری صورت میں انسانیت سے نکل جاتا ہے اور حیوانوں کے مانند مسخ ہوجاتا ہے اسیطرح سے صورت معنوی میں خلل پڑ جانے سے اُس حد سے نکل جاتا ہے اور مسخ معنوی میں گرفتار ہوجاتا ہے اور ایسا کون نادان ہے کہ نکل جانے کو انسانیت سے اور داخل ہونے کو حیوانیت میں اپنے اوپر روا رکھے اور اگر مزاج کے فساد کی راہ سے کوئی شخص حیوانی صورت کی طرف رغبت کرے تو اس کو اس مقدمے سے سمجھا دینا چاہیئے کہ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحَاكِمِيْنَ ۝ کیا نہیں ہے اللہ سب حاکموں کا حاکم اور جو دوسرے حاکم اپنی رعیت کیواسطے یہ بات نہیں چاہتے ہیں کہ ایک فرقے سے دوسرے فرقے میں جا ملیں یا اعلیٰ مرتبے سے ادنیٰ کی طرف جھکیں تو حق تعالےٰ کیونکر ایسی حرکت پسند کریگا کہ حکمت کے خلاف ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دین کو جزا کے معنوں میں لیں تو اس صورت میں ربط ان آیتوں اور اگلی آیتوں کا یوں سمجھا چاہیئے کہ جب قدرت حق تعالےٰ کی احوال بدل کرنے پر انسان کی خلقت کے شروع سے نطفہ تھا یہاں تک کہ خلقت میں کمال اعتدال کو اور صورت کی خوبی کو پہونچا اور زینت معنوی عقل

ع

کے دینے سے اور روشن کرنے سے اُس کے شرع کے نور سے بھی اُس کو بخشی پھر کیا ایک بعضونکو
اِن میں ایسا ظاہر میں گرادیا کہ سب ذلیلوں کا ذلیل ہونا آدمی پر کھل گیا پھر جزا دینا قیامت
کے دن اور مُردوں کا زندہ کرنا اور احوال کا بدلنا کہ دنیا کے سرکشوں کو ذلیل کردینا اور یہاں کے
عاجزوں کا مرتبہ بلند کردینا اُس کے نزدیک کیا بعید ہے اور اس قدر کہ بیان کیا گیا ثابت
ہونے کو جزا کے باعتبار حق تعالےٰ کی قدرت کے بس ہے اور اگر نظر اُسکی حکمت اور عدالت پر
کریں اور معلوم کرلیں کہ بدلہ نیک کا اور بد کا پہونچانا اور فرق بدکار اور نیکوکاریں کرنا حکمت
اور عدالت کیواسطے واجب ہے پس واجب ہونا جزا کا ثابت ہوا چنانچہ اَلَیْسَ اللّٰہُ بِاَحْکَمِ
الْحَاکِمِیْنَ ۝ میں اشارہ اسی بات کیطرف ہے اب جاننا چاہیئے کہ جزا کا ہونا باعتبار قدرت
کے ممکن ہے اور حکمت اور عدالت کی راہ سے واجب ہے اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو
کوئی سورۂ والتین کو پڑھے اور اس آیت پر پہونچے کہ اَلَیْسَ اللّٰہُ بِاَحْکَمِ الْحَاکِمِیْنَ ۝ تو
چاہیے کہ کہے بَلٰی وَاَنَا عَلٰی ذٰلِكَ مِنَ الشّٰھِدِیْنَ یعنی سچ ہے کہ تو سب حاکموں کا حاکم ہے
اور میں بھی اس بات پر گواہ ہوں اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم نے عشاء کی نماز میں اس سورۃ کو اکثر پڑھا ہے اور حضرت امیر المومنین عمر بن الخطاب
رضی اللہ عنہ بھی اکثر اس سورۃ کو کعبے کے سامنے فرض نماز میں پڑھتے تھے کہ اشارہ ہووے
حرم کی بزرگی پر کہ اُس کی اس سورۃ میں قسم کھائی ہے واللہ اعلم بالصواب

سورہ اقراء

یہ سورۃ مکی ہے اسمیں اُنیس آیتیں اور بہتر کلمے اور ایک سو اسی حروف ہیں اور اس سورۃ کو سورۂ علق
بھی کہتے ہیں کیونکہ اس سورۃ میں مذکور ہے کہ آدمی کو علقہ سے یعنی جمے ہوئے لہو سے بنایا ہے اور
یہ مذکور دلالت کرتا ہے اِس بات پر کہ اللہ تعالےٰ اپنی رحمت سے ذلیل کو عزیز کردیتا ہے جیسے
اِس لہو کی پھٹکی کو کہ نہایت ذلت کے درجے میں تھی انسان کی صورت بنا کر اور اس میں روح
پھونک کر کیا کچھ عزت بخشی اسیطرح سے آدمی کو باوجود کمال ذلت اور محتاجگی کے اُتارنے سے
قرآن کے اور سکھانے سے وحی کے علموں کے عزت دیتا ہے اور جو شک اور شبہہ کہ اِس مقدمے

میں کافروں کے دلوں میں کھٹکا تھا سو انسان کی خلقت کی ابتدا کو دیکھنے سے کہ ایک لہو کی پھٹکی سے بنا ہے دفع ہو جائے اور اس سورۃ کو اکثر مفسروں نے اَوَّلُ مَا نَزَلَ مِنَ الْقُرْاٰنِ کہا ہے یعنی اوّل جو قرآن سے نازل ہوا ہے سو یہی آیتیں ہیں اور وہ جو حضرت امیر المومنین مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہٗ سے منقول ہے کہ اَوَّلُ مَا نَزَلَ مِنَ الْقُرْاٰنِ فَاتِحَةُ الْكِتَابِ یعنی اوّل جو قرآن سے نازل ہوا ہے سو سورۂ فاتحہ ہے اور حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ اول ما نزل سورۃ مدثر ہے سو یہ بات ظاہر میں تو ایک دوسرے سے مخالف معلوم ہوتی ہے لیکن مطابقت اور توفیق اِن تینوں قولوں کی اِس طور سے ہے کہ اوّل حقیقی یعنی سب سے پہلے نازل ہونے میں یہی پانچ آیتیں اس سورۃ کی ہیں بعد اس کے نماز کی تعلیم کیواسطے سورۂ فاتحہ نازل ہوئی ہے پھر بعد بند ہونے وحی کے اول جو نازل ہوئی ہے سورۂ مدثر ہے پھر بعد اس کے قرآن کا نازل ہونا پے در پے شروع ہو گیا پس جس شخص نے کہ سورۂ مدثر کو اوّل ما نزل کہا ہے تو گویا اس نے متصل پے در پے نازل ہونا مراد لیا ہے اور نازل ہونے کو اس سورۃ کے باقی قرآن کے نازل ہونے کی تمہید ٹھہرایا ہے اور سورۂ فاتحہ کے نازل ہونے کو مناجات کی تعلیم کیواسطے قرار دیا ہے اور پہونچانا دین کے حکموں کا سورۂ مدثر کے نازل ہونے سے شروع رکھا ہے اور جس نے کہ سورۂ فاتحہ کو اوّل ما نزل کہا ہے سو اِس راہ سے ہے کہ اوّل جو چیز کہ اُس کے سبب سے قرب اور نزدیکی حاصل ہو اور اُسکا پڑھنا عبادت ہو وہ یہی سورۂ فاتحہ ہے اور سورۂ اقرأ فقط پڑھنے کا طریقہ سکھانے کو اور عادت ڈالنے کو نازل ہوئی تھی اور اس سورۂ اقرأ کے نازل ہونے کی کیفیت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو چیز کہ علامتوں سے وحی کے اوّل نمودار ہوئی سچے خواب تھے کہ جو کچھ آپ رات کو خواب میں دیکھتے تھے وہ بعینہ یعنی اُسی طرح دن کو ظہور میں آتا تھا بعد اُسکے محبت خلوت اور گوشہ نشینی کی آپکی خاطر مبارک پر غالب ہوئی اور کوہ حرا میں جو مکہ معظمہ کے شہر سے متصل ہے تشریف فرما ہو کر ایک غار اپنی خلوت کے واسطے مقرر فرمایا کھانا پانی کئی روز کا اپنے ہمراہ لیجا کر اُس غار میں بیٹھا کرتے تھے اور اللہ تعالےٰ کی حمد و ثنا اور تسبیح اور تہلیل میں مشغول رہتے تھے جب کھانا دانہ تمام ہو جاتا تھا تو دولتخانے کو تشریف فرما ہوتے

اور ایک دو روز رہ کر اہل و عیال کا حق ادا کر کے پھر کھانا پانی ساتھ لیکر اُس غار میں جا بیٹھتے تھے اور آپ کے رہنے کی مدت اُس غار میں اکثر ایک مہینے سے کم ہوتی تھی اور کبھی اتفاقاً ایک مہینہ پورا بھی اُس غار میں رہے ہیں ایک روز اُسی خلوت کے دنوں میں اُس غار سے نکل کر ہاتھ پاؤں دھونے کے واسطے پانی کے کنارے کھڑے تھے کہ یکایک حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اوپر سے آواز دی کہ اے محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اوپر کو دیکھنے لگے لیکن کچھ نظر نہ آیا پھر دوسری بار اور تیسری بار بھی اسی قسم سے آواز آئی تو آپ حیران ہو کر ادھر اُدھر دیکھنے لگے کہ اچانک ایک شخص نورانی چہرہ جیسے آفتاب ایک نور کا تاج سر پر دھرے سبز لہلہاتی پوشاک پہنے آدمی کی صورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہنے لگا کہ پڑھ اور بعضی روایتوں میں آیا ہے کہ اُس بزرگ کے ہاتھ میں ایک سبز ریشمی کپڑا تھا کہ اُس میں کچھ لکھا ہوا تھا اُس ٹکڑے کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھایا اور کہا کہ پڑھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں حرف کی صورت نہیں پہچانتا اور پڑھا ہوا نہیں ہوں اُس بزرگ نے پھر کہا پڑھ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو گلے لگا کر ایسے زور سے بھیچا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت تکلیف ہوئی اور بدن مبارک تمام پسینے پسینے ہو گیا اسی طرح سے تین مرتبے کیا اور چوتھے مرتبے کہا اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝ اور یہ پانچوں آیتیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ذہن میں بیٹھ گئیں اور آپ کو یاد ہو گئیں اور بعضی روایتوں میں آیا ہے کہ اسی بزرگ نے ان آیتوں کے سکھانے کے بعد اپنا پاؤں زمین پر مارا وہاں سے ایک چشمہ بہتے پانی کا پیدا ہوا پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو طریقہ نہانے کا اور وضو کرنیکا اور استنجا کرنے کا سکھایا اور دو رکعت نماز پڑھائی اور سورۂ فاتحہ بھی سکھائی کہ نماز میں پڑھا کریں بعد اس معاملے کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس صدمے کے خوف سے کانپتے ہوئے اپنے دولت خانے میں تشریف لائے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کہ اُس وقت آپ کے نکاح میں تھیں فرمایا کہ مجھ کو بالاپوش اُڑھا دو کہ یہ تھرتھری موقوف ہو جاوے

پھر جب تھوڑی دیر کے بعد وہ لرزہ موقوف ہوا تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ یہ کیا حال تھا آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام احوال اُن کے سامنے بیان فرمایا کہ میں اپنی جان سے ڈرتا ہوں کہ اس صدمے میں ہلاک نہ ہو جاؤں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی کہ آپ ہرگز خوف نہ کریں کیونکہ حق تعالیٰ نے آپ کی ذات پاک میں اپنی رحمت کی صفتیں بہت ظاہر فرمائی ہیں چنانچہ ضعیفوں پر رحم کرتے ہو اور اپنے ناتے والوں سے احسان اور سلوک اور محبت کرتے ہو اور مہمانوں کی ضیافت کرتے ہو اور مہمانوں کے کاموں میں مددگاری کرتے ہو پھر جو شخص کہ اس قدر خلق اللہ پر رحم کرتا ہے وہ رحمت الٰہی کے سزاوار ہونے کے لائق ہوتا ہے نہ غصہ اور غضب کے بعد اس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ورقہ بن نوفل کے پاس کہ ان کے چچازاد بھائی تھے اور دین عیسوی رکھتے تھے اور عبرانی کتابوں سے اور توریت اور انجیل سے خوب واقف تھے بلکہ عربی زبان میں اُنکا ترجمہ بھی کرتے تھے لے گئیں اور کہا کہ بھائی ذرا سُنو تو یہ تمھارے بھتیجے کیا احوال بیان کرتے ہیں القصہ جب ورقہ نے یہ تمام قصہ سُنا تو کہا کہ یہ شخص ناموس اکبر تھا اور اہل کتاب کی اصطلاح میں ناموس اکبر جبرئیل علیہ السلام کو کہتے ہیں اور کہا کہ یہ وہی ناموس اکبر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغمبروں پر وحی لاتا ہے اور موسیٰ علیہ السلام پر بھی نازل ہوتا تھا اب خوش ہو اور کچھ خوف نہ کرو لیکن تمھاری قوم اِس نعمت کی قدر نہ جانے گی اور تم کو تکلیف پہونچاوے گی یہاں تک کہ تم کو اس شہر سے نکال دیگی سو کیا خوب بات ہو کہ میں اُسوقت تک زندہ رہوں اور تمھاری تائید اور مدد کروں اور دونوں جہان کی سعادت اِس وسیلے سے حاصل کروں القصہ اس مقدمے سے چند روز کے بعد ورقہ نے اس جہان فانی سے رحلت کی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اُس کو خواب میں سفید کپڑے پہنے دیکھا تو تعبیر فرمائی کہ یہ شخص بہشتی تھا اور اس قصے میں کئی نکتے دریافت کرنا چاہیئے اول تو یہ ہے کہ عادت بنی آدم کے پرورش کی اس بات کو چاہتی ہے کہ سہج سہج ہو پھر اگر اول ہی بار آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو وحی سے قرآن کی مشرف فرماتے تو اس کے اُٹھانے کی تاب نہ لا سکتے اِسواسطے اوّل خواب میں کہ اِس عالم سے غفلت کی حالت ہے دل میں ایک ایک چیز کے علم کا ڈالنا شروع

فرمایا کہ آہستہ آہستہ عادت علم سیکھنے کی عالم غیب سے پیدا ہو اور رفتہ رفتہ اس تعلیم غیبی کے خوگر ہو جاویں بعد اس کے چاہا کہ ان کی بیداری اور ہوشیاری میں انقطاع اور بے پروائی جورو بچوں اور گھر بار سے حاصل ہو تا کہ بالکل غیب کے عالم کی طرف متوجہ ہو جاویں تو اُس وقت اُن کو محبت خلوت اور گوشہ گیری کی دل میں پیدا ہوئی اور ایک ایسا مکان اُن کو بتا دیا کہ وہاں کوئی آدم زاد نہ تھا تا کہ وحی اُترنے کیوقت کسی کے دل میں شبہہ پڑھنے اور سیکھنے کا نہ گذرے پھر وحی نازل ہونے کے وقت ایک بڑا صدمہ اور تھرانا اور خوف آپ کے دل میں ڈالا تا کہ کسی کو خیال بناوٹ اور ملاوٹ کا نہ آوے دوسرے یہ کہ حضرت جبرئیلؑ کی تاثیر کو آپکی رُوح میں بھیچنے اور گلے لگانے کے سبب سے پرلے درجے پر کمال کے ثابت اور قائم کر دے اِسواسطے کہ کاملوں کی تاثیر جو دوسرے کے اندر اثر پیدا کرتی ہے جسکو اہل طریقت کے عرف میں توجّہ کہتے ہیں چار طرح سے ہوتی ہے اوّل تو تاثیر انعکاسی وہ ایسی ہے جیسے کوئی شخص خوب عطر لگا کر مجلس میں آوے اور اُس عطر کی خوشبو سب ہمنشینوں کے دماغ کو معطر کر دے پس یہ قسم سب قسموں میں توجہ کی ضعیف ہے کیونکہ اس کا اثر تب ہی تک ہے جب تک اُسکی صحبت نہ ہے بعد اُسکے کچھ باقی نہیں رہتا دوسری تاثیر القائی وہ اِس قسم کی ہے جیسے کوئی شخص بتی اور تیل سکورے میں ڈال کر لایا اور دوسرے شخص کے پاس آگ تھی اُس نے اُس کو روشن کر دیا پس چراغ تیار ہو گیا اِس قسم کی تاثیر البتہ کچھ قوّت رکھتی ہے کہ سیکھنے سکھانے کی صحبت کے بعد بھی اُس کا اثر باقی رہتا ہے لیکن جب کوئی صدمہ پہونچا جیسے آندھی یا مینھ یا کوئی اور آفت تو اُس کا اثر جاتا رہتا ہے اِسواسطے کہ یہ تاثیر نفس اور لطیفوں کو درست نہیں کر سکتی ہے جیسے ناکارہ پن تیل اور بتی اور سکورے کو فقط شعلہ سنوار نہیں سکتا تیسری قسم تاثیر اصلاحی ہے وہ اِس طور کی ہے جیسے کہ پانی کو دریا سے یا کوئیں سے لا کر خزانے میں جمع کریں اور خزانے کی راہ کو حوض کے فوّارے تک کوڑے کرکٹ سے صاف کر دیں پھر خوب زور سے اُس میں پانی چھوڑ دیں کہ فوّارہ خوب جوش اور خروش سے چھوٹنے لگے اِس قسم کی تاثیر اُن اگلی تاثیروں سے بہت قوی ہے کہ نفس کی اصلاح اور ستھرائی لطیفوں کی بھی اُس میں ہوتی ہے لیکن خزانے کی استعداد اور

راہ کی مسافت کے موافق فیضان ہوتا ہے نہ کنوئیں اور دریا کے برابر اور ان سب باتوں کے ساتھ بھی اگر خزانے میں کچھ آفت یا فتور واقع ہو جاوے تو البتہ نقصان پڑ جاتا ہے چوتھی تاثیر اتحادی کہ شیخ اپنی روح باکمال کو طالب کی روح کے ساتھ خوب زور سے ملاوے کہ شیخ کی روح کا کمال طالب کی روح میں اثر کر جاوے اور یہ مرتبہ سب قسم کی تاثیروں سے زیادہ تر قوت رکھتا ہے کیونکہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہو جانے سے دونوں روحوں کے جو کچھ کہ شیخ کی روح میں ہے طالب کی روح میں سما جاتا ہے اور بار بار حاجت فائدہ لینے کی نہیں رہتی ہے سوا اولیاء اللہ میں اس قسم کی تاثیر بہت کم پائی گئی ہے چنانچہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس اللہ سرہٗ سے منقول ہے کہ ایک روز آپ کے مکان پر کئی مہمان آ گئے اور اُس روز آپ کے یہاں کچھ کھانے کی قسم سے موجود نہ تھا اسواسطے اُن کو کمال تشویش ہوئی اور اُن کے کھانے کی تلاش کرنے لگے اتفاقاً ایک نان وائی کی دُکان آپ کے مکان کے متصل تھی اُس نے اِس بات کی خبر پا کے ایک خوان بھرا ہوا روٹیوں کا خوب متکلف مرغن نہاری کے ساتھ آپ کے سامنے لا کر حاضر کیا آپ اُس کو دیکھ کر نہایت خوش ہوئے اور فرمایا کہ مانگ کیا مانگتا ہے اُس نے عرض کی کہ مجھ کو اپنا سا کر دیجیے فرمایا کہ تو اس حالت کا تحمل نہ کر سکے گا کچھ اور مانگ وہ اِسی بات کا سوال کیے جاتا تھا اور خواجہ انکار کرتے تھے جب وہ بہت سی عاجزی کرنے لگا تو ناچار ہو کر اُس کو اپنے ساتھ حجرے میں لے گئے اور تاثیر اتحادی اُس پر کی جب حجرے سے باہر نکلے تو خواجہ میں اور اُس نان وائی کی صورت شکل میں کچھ فرق باقی نہ رہا تھا لوگوں کو پہچاننا مشکل پڑا تھا لیکن اس قدر تھا کہ خواجہ ہوشیار تھے اور وہ نان وائی بیہوش اور سرشار القصہ اُس نان وائی نے تین روز کے بعد اُسی سکر اور بیہوشی میں وفات کی رحمۃ اللہ علیہ حاصل کلام کا یہ ہے کہ تاثیر جبرئیل علیہ السلام کی اس بھینچنے میں تاثیر اتحادی تھی کہ اپنی روح لطیف کو بدن کے مساموں کی راہ سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بدن میں داخل کر کے آپکی روح مبارک سے ملا دی اور شیر و شکر کے مانند گھل مل گئیں تو ایک عجیب حالت ملکیت اور بشریت کے درمیان میں پیدا ہوئی کہ بیان میں نہیں آسکتی تیسرے یہ کہ ورقہ بن نوفل کو کہ تسلی بخشنے والا اُس

جناب کا ہوا تھا اور وحی کے نازل ہونے پر گواہی دی تھی اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کو پہچانا تھا اور آپکی نصرت اور مدد کیواسطے کمر باندھی تھی جلد اس عالم سے اُٹھا لیا کہ کسی کو یہ گمان نہ ہو کہ یہ سب اگلے قصّے اور دوسرے کام شرع کے وہی ورقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو سکھاتا اور یاد دلاتا ہوگا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو بعد اس واقعہ کے صحبت بھی اُس سے ہمیشہ کی نہیں رہی اِسواسطے گنجایش اس احتمال کی بالکل بند ہوگئی اور یہ بھی منظور تھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اِس دین کے مقدمے میں اہل کتاب کی بلکہ کسی اگلے دین والے کی تائید اور مدد شامل نہ ہو جو کچھ کہ ہو سُو آپکی ذات مبارک ہی سے ہو

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ پڑھ اپنے پروردگار کا کلام مدد لے کے اپنے پروردگار کے نام سے اِسواسطے کہ اللہ تعالےٰ کے کلام قدیم کو آدمی آپ ہی آپ پڑھ نہیں سکتا ہے اور خاص کرنے میں رب کے لفظ کے اشارہ اس بات کیطرف ہے کہ اللہ تعالےٰ کی تربیت تیرے اوپر ظاہر اور کھُلی ہوئی ہے اور تمام خلق سے تربیت میں تو ممتاز اور چُنا ہوا ہے پھر اُن ہی ناموں میں سے اللہ تعالیٰ کے کہ تیری تربیت میں مصروف ہیں کلام قدیم کے پڑھنے میں مدد مانگ اور اگر تیرے خیال میں یہ شبہہ گذرے کہ کلام قدیم کو کس طرح سے پڑھ سکونگا کیونکہ ہمارا پڑھنا حادث اور نو پیدا ہے اور وہ قدیم اور ازلی ہے تو ایک اور صفت کو اپنے پروردگار کی خیال کر کہ الَّذِیۡ خَلَقَ ۚ وہ پروردگار جس نے پیدا کیا ہے چیزوں کو اپنے ناموں کی صورت پر پس اُس سے کیا دور ہے کہ کلام قدیم کو حرفوں کے قالب میں لا کر اول تیرے خیال میں ڈالدے بعد اس کے تیری زبان پر جاری کرا دے اِسواسطے کہ پیدایش سب چیزوں کی اِسی طور پر ہے کہ اسماء قدیمہ کو حادث صورتوں کے ساتھ ظاہر کیا ہے اور اگر تیرے دل میں شبہہ گذرے کہ کلام الٰہی قدیم نہایت مرتبے کو عزت والا ہے اور آدمی نہایت ذلیل سو اِس قسم کی عزیز چیز کو ذلیل مقام میں اُتارنا نہایت بعید معلوم ہوتا ہے تو ایک دوسری صفت کو اپنے پروردگار کی لحاظ کر کہ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ پیدا کیا ہے انسان کو اور کمال عزت دی ہے اُس کو ایسی روح سے کہ اُٹھانیوالی اسرار الٰہی کی ہے اور جمع کیا ہے اُس کو مختلف

اعضاؤں سے کہ اسمار الٰہی اُن سے ظہور کرتے ہیں اور ربط دیا ہے اُسکی روح لطیف کو
اُس کے جسم کثیف سے اِس طرح پر کہ لطافتیں روح کی اپنے ٹھکانے میں اور کثافت
جسم کی اپنے ٹھکانے ہے نہ روح جسم کی کثافت سے بگڑتی ہے نہ جسم روح کی لطافت
سے بکھرتا ہے اور یہ سب روح اور جسم ایک ہی چیز سے بنے ہیں کہ سراسر نجاست اور ذلت
رکھتا ہے چنانچہ فرمایا ہے کہ مِنْ عَلَقٍ ۚ جمے ہوئے خون سے کہ شرع کے حکم میں اور حکمت
کی رو سے بھی ذلیل اور نجس ہے پھر کیا عجیب ہے کہ کلام پاک قدیم کو حادث لفظوں کے
ساتھ جمع کر کے اور تربیت دے کے قوتوں خیالیہ اور بولنے کے آلات اور اسباب پر
ڈالدے اور وہ کلام پاک جیسا کہ ہے ویسا ہی اپنی ستھرائی اور پاکیزگی پر رہے اور اُسمیں
تغیر نہ آوے آپ یہاں پر سمجھ لیا چاہئے کہ آدمی کی پیدایش جمے ہوئے لہو سے توالد کی
صورت میں ظاہر ہے کہ جب نطفہ ماں کے پیٹ میں ٹھہرتا ہے تو قوت جاذبہ کے زور
سے جو اُس کو عنایت ہوئی ہے بہت سا لہو ماں کے بدن سے اپنی طرف کھینچتا ہے اور
جمانے والی قوت سے صامن کے مانند اُس لہو کو جما دیتا ہے یہاں تک کہ رفتہ رفتہ صورت
ہڈیوں اور گوشت اور پوست کی حاصل کرتا ہے لیکن حضرت آدم علیہ السلام کے مانند پیدا
ہونے کی صورت میں پس پیدا ہونا علق سے ان معنوں میں ہے کہ انسان کے اعضاء غذا
میں سے بدلہ اُس چیز کا ہے جو اُن میں سے تحلیل اور فنا ہوتی رہتی ہیں اور غذا بعد طے
ہونے ہضم کے مرتبوں کے جما ہوا لہو بن کے اعضاؤں کی صورت ہو جاتی ہے بلکہ توالد
کی صورت میں بھی بعد جدا ہونے بچے کے ماں کے پیٹ سے اِسی طور سے خلقت انسان
کی واقع ہوتی ہے آور اسیواسطے انسان کی پیدایش کی سب اصلوں میں سے علق کو مذکور
فرمایا ہے کہ یہ مادّہ ہر وقت میں اِسی صورت سے درکار ہے برخلاف مٹی اور نطفہ اور
سوائے اِن دونوں کے کہ شروع پیدایش میں درکار ہوتے ہیں اور بقا میں درکار نہیں
آب فکر کیا چاہیئے کہ ایک اکیلی چیز کہ وہ جما ہوا لہو ہے وہی روح کی صورت بن کے سمجھنے
والی اور حرکت دینے والی قوتوں کا حامل ہوتا ہے آور وہی اعضاء کی صورت پکڑ کے ہڈی
اور مغز اور گوشت و پوست بھی بن جاتا ہے اور روح لطیف مجرد کو اعضا کے ساتھ کہ ایسی

ناپاک چیز سے پیدا ہوئے ہیں کیسا کچھ یگانگیت اور اتحاد حاصل ہوتا ہے پس اس جگہ سے نازل ہونا ذات اور صفات کے معنوں کا خیال میں اور بولنے کے آلات میں بوجھا چاہیئے اور یہ بھی سمجھ لیا چاہیئے اقرأ کا لفظ کہ شروع کلام میں واقع ہوا ہے اکثر عوام کو شبہے میں ڈالتا ہے اور وے خیال کرتے ہیں کہ چاہیے تھا کہ یہ لفظ قرآن میں داخل نہ ہوتا کیونکہ یہ لفظ قرآن شریف کے پڑھنے کیواسطے فرمایا ہے اُس کو قرآن میں کس واسطے لکھنا چاہیے بلکہ قل کے لفظ میں بھی کہ سرے پر پانچ سورتوں کے واقع ہے قُلْ اُوْحِيَ اور قُلْ يَاۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ میں بھی یہی شبہہ وارد کرتے ہیں اِسی واسطے بعضے صحابہؓ نے قُلْ کے لفظ کو معوذتین میں سے موقوف کر دیا تھا لیکن اس شبہے کو اس طور سے دفع کیا چاہیئے کہ اقرأ کا لفظ اور اسیطرح قُلْ کا لفظ پیغمبر علیہ السلام کی طرف خطاب ہے دوسرے امر و نہی کی طرح پر تو اُس کا قرآن میں داخل ہونا ضرور ہوا جس طرح سے خط کی ابتدا میں لکھتے ہیں بایدشناخت یا فرمان کی ابتدا میں لکھتے ہیں بدانند اور بشناسند اسی طرح ان لفظوں کو سمجھنا چاہیئے اور اگر کسی شخص کو سب قرآن سُنانا دوسرے کو تبلیغ کے طور پر منظور ہو یا خط کا مضمون سمجھانا دوسرے کو منظور ہو تو ان لفظوں کا بولنا بھی اُس پر ضرور ہو جاویگا اب آئے ہم اِس بات کی طرف کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو اُمّی محض تھے اُن کو کہنا کہ پڑھ اِس قسم سے جیسے اندھے کو دیکھنے کو اور شل کو دوڑنے کو کہیں کہ یہ تکلیف مالایطاق ہے یعنی ایسی چیز کی تکلیف دینا ہے کہ ہو نہ سکے اور تکلیف مالایطاق ممنوع ہے چنانچہ اللہ تعالےٰ خود فرماتا ہے لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا جواب اس خدشے کا یہ ہے کہ یہ حکم تکلیفی نہیں ہے بلکہ تلقینی ہے جیسے بچّے کو جو اوّل مکتب میں لیجاتے ہیں تو اُستاد کہتا ہے کہ پڑھ اگرچہ وہ بچہ اُس وقت پڑھنا نہیں جانتا ہے لیکن اُستاد کا مطلب یہ ہے کہ جیسے میں پڑھتا ہوں تو بھی اسی طور سے میرے پڑھنے کو سُنکر پڑھ اور یاد کر لے اور جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو تعجب اس بات کا تھا کہ میں تو اُمّی محض ہوں مجھ سے کس طرح سے پڑھا جاویگا تو تاکید کے واسطے پھر دوسری بار فرماتے ہیں اِقْرَاْ پڑھ اور بعضے مفسروں نے کہا ہے کہ اوّل بار جو اقرأ فرمایا اُس سے مُراد

یہ ہے کہ قرأت قرآن کی اپنے نفس کے ثواب کے واسطے کرا اور دوسری بار جو اقرأ فرمایا
اُس سے مُراد یہ ہے کہ قرآن کو اور لوگوں پر پہونچا اور جس طرح سے اُمّت کو پڑھنا اپنے
نفس کیواسطے ضرور ہے اُسی طرح نبیؐ کو اُمت پر پہونچانے کے واسطے بھی ضرور ہے کیونکہ
اگر وہ نہ پہونچاویں تو اُمت کو پڑھنا قرآن کا کس طرح سے میسّر ہو اور بعضوں نے کہا ہے
کہ پہلا اقرأ نماز میں ہے اور دوسرا اقرأ خارج نماز کے اور بعضوں نے کہا ہے کہ پہلا سیکھنے
کے واسطے ہے اور دوسرا سکھانے کے واسطے ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ پہلے سے مُراد یہ
ہے کہ قاری ہو بغیر اس کے کہ کسی چیز کو قرأت کے واسطے معیّن کرے اور دوسرا متعلق ہے
اِسۡمِ رَبِّكَ سے جو پہلے گذر چکا ہے یعنی اپنے پروردگار کے نام کو پڑھ آپ اُمیّت
کے مانع کے دفع کرنے کے واسطے جو بار بار خاطر مبارک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ
وسلم کی گذرتا تھا اور خیال فرماتے تھے کہ اُمّی کو علم حاصل کرنے کا طریقہ خصوصًا وہ علم
جو متعلق صفات الٰہی سے اور کلام قدسی سے اور اس کے ہر روز کے احکاموں سے ہو کیونکر
حاصل ہو سکیگا اِسواسطے ایک اور مقدمے کو ارشاد فرماتے ہیں کہ اِس مقدمے سے طریقہ
علم غیبی کے حاصل ہونے کا لوگوں پر واضح ہوتا ہے وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ اور پروردگار تیرا
بڑا کریم ہے کہ اُمّی کو دانا کر دینا اور جاہل کو عالم بنا دینا اُس کے نزدیک بہت آسان کام
ہے کیونکہ اُمّی کو اگر مانع ہے تو یہی بات ہے کہ علم حاصل کرنے کے اسباب نہیں رکھتا ہے
اور اِس قسم کے مانع سب آدمیوں کے واسطے بہ نسبت بعضے علموں کے موجود ہیں پھر باوجود
ان موانعوں کے حق تعالےٰ اُن علموں کو بعضی مخلوقات کیواسطے سے اُنکو پہونچا دیتا ہے چنانچہ
فرماتا ہے الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ وہ ایسا پروردگار ہے کہ تعلیم فرمایا ہے آدمیوں کو قلم کے
واسطے سے وہ چیز جو حواس اور عقل اور خبر سے دریافت نہیں کر سکتے ہیں بسبب دور ہونے
زمانے کے جیسے اگلی اُمتوں کے اور گذری سنگتوں کے اور اگلے بادشاہوں کے اور انبیاء
اور اولیاؤں متقدمین کے احوال یا بسبب بُعد مکان کے جیسے احوال دور دور کی ولایتوں
اور اقلیموں اور شہروں کے بلکہ عادت بادشاہوں کی اِسی طور پر جاری ہے کہ اپنے
نوکروں اور رعیّت کو اپنے دل کی باتوں پر قلم کے واسطے سے اطلاع کرتے ہیں اور

روبرو کسی کے کلام نہیں کرتے آور جو کارخانہ بادشاہت کا کہ اُلوہیت کے کارخانے کا ظل ہے تو اُس کارخانے سے اِس کارخانے کو سمجھ لینا چاہیئے جیسے تعداد محل کے اندر کے اسامیوں کی نظارت کے قلم کے واسطے سے دریافت کرنا چاہیئے اور مکانوں اور باغوں اور قلعوں کی تعداد بیوتات کے قلم سے معلوم ہوتی ہے اور نوکروں اور ملازموں کو اُن کے مواجبوں اور منصبوں کے ساتھ رکھتے ہیں بخشیگری کے قلم سے پہچانا چاہیے آور مستحقوں کو اور وجہوں کو خیرات اور روزینوں کے کہ اُن کے واسطے مقرر کیے ہیں صدارت کے قلم سے معلوم کیا چاہیے آور عرض اور طول اپنے ملک کا اور گنتی جریبوں کی اور آبادی اور ویرانی گاؤں کی اور شمار دریا اور تالابوں کا جو اُس ملک میں واقع ہیں دفتر کے تقسیم کے قلم سے معلوم کیا چاہیئے آور تعداد جاگیروں آور خالصے کی وزارت کے دفتر سے دریافت کیا چاہیے آور بندیوانوں اور قیدیوں کی آور واجب القتلوں آور واجب التعزیر کی تعداد اُنکی سیاست کے مرتبوں کے ساتھ دفتر سے اطلاق کے کہ تعلق زندان خانے اور کوتوالی سے رکھتے ہیں بوجھا چاہیئے آور تعداد خزانوں اور دوسرے کارخانوں کی میر سامان کے دفتر سے جاننا چاہیئے اور علیٰ ہذا القیاس آور جو آدمیوں کو موافق اُنکی استعداد کے کارخانے پر اُلوہیت کے اطلاع دینا اور خبردار کرنا منظور تھا تو اُن کو لکھنے کی صنعت قلم کیواسطے سے سکھائی آور ہر فرقے کو اُن میں سے شوق مطلع ہونے کا ایک کارخانے پر اپنے بے انتہا کارخانوں سے دل میں ڈال دیا کہ اپنے قلم سے ضبط اُس کارخانے کا کریں تاکہ دوسرے فرقے اُن سے سیکھیں آور اسی طرح سے دوسرے فرقے کو شوق دوسرے کارخانے کی اطلاع کا خیال میں بسا دیا کہ اُنھوں نے قلم سے ضبط اُس کا کیا اور دوسروں کو اُن کے قلم کیواسطے سے اطلاع اُن کارخانوں پر حاصل ہوئی آور اِس عجیب تدبیر سے ہر ہر فرد کو انسان کے اس اطلاع سے فائدہ مند کیا آور جس طرح سے معاش کے مقدمے میں مدد اور تائید ایک کو دوسرے کی کرنا انسان کا خاصّہ ہے اسی طرح سے سمجھنے بوجھنے میں بھی مدد اور تائید کرنا اُس کا خاصّہ ہے اور یہ مدد اور تائید بغیر قلم کے وسیلے کے ممکن نہیں ہے کیونکہ بعضے لوگ ایک زمانے میں پیدا ہوئے ہیں اور دوسرے لوگ اُن سے سیکڑوں برس کے بعد پیدا ہوئے سو پچھلوں کو

پہلوں کے علموں پر اطلاع نہیں ہوتی مگر قلم کے واسطے سے اور بس اسی طرح سے بعضے
لوگ ایک مُلک اور اقلیم میں رہتے ہیں اور دوسرے لوگ دوسری اقلیم میں ہیں تو اُن
دور والوں کا مطلع ہونا اُن کے علوم اور معلومات پر بغیر قلم کی مدد کے ممکن نہ تھا اسیواسطے
جو حضرت سلیمان علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے جنوں سے سخن کی فضیلت سے پوچھا تو
جنوں نے عرض کیا کہ یا حضرت سخن ایک ہوا ہے کہ مُنھ سے نکلا اور فنا ہو گیا پھر حضرت
سلیمان علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اِس کے باقی رہنے کی کیا تدبیر ہے
اُنھوں نے عرض کی کہ اس کی تدبیر لکھنا ہے بس قلم صیاد ہے علموں کا اور حاصل کرنیوالا
ہے ہر بات کا اور مفہوم ایک نعمت ہے بہت بڑی اور نہایت بزرگ چنانچہ قتادہؓ نے کہا
ہے کہ لَوْلَا الْقَلَمُ لَمَا قَامَ الدِّیْنُ وَلَا صَلَحَ الْعَیْشُ یعنی اگر قلم نہ ہوتا تو دین قائم نہ رہتا
اور نہ زندگانی درست ہوتی اِسواسطے کہ دین کی کتابوں کو قلم سے لکھتے ہیں اور حساب کی
باریکیاں دریافت کرنا اور حق داروں کے حق قائم رہنے کے واسطے سجلوں کا لکھنا اور
علموں کا اور مال کا محفوظ رکھنا یہ سب قلم سے متعلق ہیں آور اگر نظر کو کچھ تھوڑا سا بھی دوڑاویں
اور غور کریں تو بوجھیں کہ بادشاہت حق تعالےٰ کی بہت سی ولایتیں رکھتی ہے آور ایک
ولایت اُن میں سے جو سب سے چھوٹی ہے سو عالم شہادت کی ولایت ہے اور یہ ولایت
بہت سے کارخانوں کو شامل ہے چنانچہ اُن ہی میں سے ہے کارخانہ عمارتوں اور باغات
کا اور اس کو کئی علموں سے دریافت کیا چاہیئے اوّل تو علم ہیأت کا کہ اُس میں عدد آسمانوں
کے اور ہیأت اور ترتیب اُنکی مذکور ہوتی ہے دوّسرا علم جغرافیہ کا کہ اُس میں ہیأت زمین
کی اور صورتیں اقلیموں کی اور جو کچھ کہ اُن میں ہیں دریا اور پہاڑ وغیرہ مذکور ہوتے ہیں تیسؔرا
علم مسالک اور ممالک کا کہ اُس میں راہیں اور شہر اور گانوُں اور تفصیل پہاڑونکی اور نہروں
وغیرہ کی ذکر کیجاتی ہے چوتھا علم ابعاد اور اجرام کا کہ اُس میں طول اور عرض زمینی اور آسمانی
ملکوں کا دلیل کے ساتھ ثابت کیا جاتا ہے اور اُن ہی سب میں سے ہے کارخانہ روشنی
اور مشعل خانے کا اور وہ ستاروں کی صورتوں کے علم سے معلوم کیا جاتا ہے آور علم اشعہ کا
یعنی شعاعوں کے دریافت کرنے کا اُس میں دخل رکھتا ہے اور اُن ہی میں سے ہے کارخانہ

توشہ خانے کا اور اصطبل اور کبوتر خانہ اور بازدار خانہ اور تفصیل اس کارخانے کی علم سے
حیوانات کے کہ کتاب حیوٰۃ الحیوان اِس میں تصنیف ہوئی ہے دریافت کرنا چاہیئے اور
اُن ہی میں سے ہے دوائی خانہ کہ اُسکی تفصیل مفردات سے ابن بیطار کی اور جامع بغدادی
اور بڑی بڑی قرابادینوں سے معلوم کرنا چاہیئے اور اُن ہی میں سے ہے جواہر خانہ اور تفصیل
اُسکی معادن اور احجار کے علم سے کہ بہت سی کتابیں اس فن میں بنی ہیں بوجھا چاہیئے آور
اُن ہی میں سے ٹکسال اور خزانۂ عامرہ ہیں اور اُن کو علم اجساد اور منطرقہ اور علم صنعت سے
حاصل کرسکتا ہے آور اُن ہی میں سے ہے کارخانہ روزینہ داروں اور جاگیرداروں اور ملکیوں
کا اُس کو ساتوں اقلیموں کے بادشاہوں کے دفتروں سے پہچاننا چاہیئے حاصل کلام کا یہ ہے
کہ جتنا کچھ یہ مذکور ہوا ایک نمونہ ہے قلم کے علم کی وسعت کا آور یہاں سے اُن علموں کے
فیض کو جو قلم کے وسیلے سے واقع ہوئے ہیں بوجھا چاہیئے کہ قلم روایت کشوں اور مفتیوں کا
احکام الٰہی کے دریافت کرنے کا سبب ہے معاملات اور عبادات میں آور قلم فرائض والوں کا
ہر میت کے وارثوں کے حصے معلوم کرنے کا سبب ہے آور قلم تاریخ والوں کا گویا تمام اگلے
زمانوں کا عرض حال ہے بلکہ اُس جناب والا کے وقائع نامہ کے مانند ہے آور اگر تقدیر کے
قلم کو خیال کریں اور اُس کے علموں کے فیض کو جو اُس کے طفیل سے آسمانیوں اور زمینیوں
کو پہونچا ہے غور کریں تو عقل خیرہ اور وہم حیران ہوتا ہے آور جو صورت تعلیم کی قلم کے وسیلے
سے اِس طور پر ہے کہ اوّل تو معنی ذہن میں متعین ہوتے ہیں بعد اُس کے خیال میں
لباس الفاظ مناسب کا پہنتے ہیں بعد اس کے مدد سے قلم کے وہ الفاظ نقوش خطیہ کی
صورت پر ظہور کرتے ہیں بعد اُس کے ہر خط کا پڑھنے والا اُس کو دریافت کرسکتا ہے اور یہ
صورت کمال مشابہت وحی سے اور قرآن کے نازل ہونے سے رکھتی ہے کیونکہ اوّل
کلام قدسی نے لوح محفوظ میں لفظوں کی صورت پہنی بعد اُس کے حضرت جبریل علیہ السلام
کی معرفت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صفحۂ خیال میں منقش ہوئی پھر آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ہر خاص و عام کو پہونچی پس اس نعمت کو وحی کے
ممکن ہونے کی اثبات میں لانے سے کمال مناسبت پیدا ہوئی اور جس طرح سے کہ بسبب

قلم کے اِن چیزوں کو کہ ہرگز کسب بشری کی قوت اُن کو حاصل کر نہیں سکتی ہے حاصل کر لیتا ہے اسی طرح سے بسبب وحی کے جو معلومات کہ اُن کا حاصل ہونا ممکن نہیں ہے حاصل ہو جاتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ ؕ سکھایا آدمی کو جو نہ جانتا تھا کیونکہ اسباب علم حاصل کرنے کے آدمی میں تین ہیں اوّل تو حواس صحیح سالم ظاہر اور باطن کے کہ اُن کے سبب سے جو کچھ اپنے میں اور اپنے پاس ہوتا ہے جیسے بھوک پیاس اور خوشی اور غصہ اور خوف اور امن اور رنگ اور بُو اور مزہ اور آواز اور گرمی اور سردی اور سوا اس کے دوسری چیزوں کو معلوم کرتا ہے اور دوسری عقل کہ اُس کے سبب سے غائب کی چیزوں کو حواس ظاہری اور باطنی سے معلوم کرتا ہے اور طریقہ ادراک عقلی کا تین قسم سے باہر نہیں ہے کیونکہ جس چیز کو کہ معلوم کرنا اُس کا منظور رکھتا ہے یا تو اُس کے سبب کو حواس سے دریافت کیا ہے تو بُرہان لمّی کو ترکیب دے گا مثلاً چاہتا ہے کہ گھر میں دھوئیں کا ہونا معلوم کرے اور اُس نے آگ جلنا اُس گھر میں معلوم کیا تو اس سبب سے دریافت کر لیگا البتہ اُس گھر میں دھواں ہوگا اس واسطے کہ آگ دھوئیں کا سبب ہے اور سبب بدون مسبب کے نہیں رہتا یا اُس کے مسبب کو معلوم کر کے اُس کے ہونے پر حکم کرتا ہے اور ترکیب دلیل اِنّی کی کرتا ہے مثلاً دھوئیں کو دور سے دیکھ کر دریافت کیا کہ یہاں پر آگ بھی ہوگی کیونکہ ہونا دھوئیں کا بغیر آگ کے محال ہے یا ایک سبب سے دوسرے سبب کو دریافت کرے گا اور اِس برہان کو لِمّ اور اِن سے مرکب کر کے درست کرے گا کیونکہ وجود مسبب کا بغیر سبب کے محال ہے اور سبب کا وجود دوسرے مسبب کے وجود کا باعث ہے مثلاً ایک جگہ پر دھوئیں کو معلوم کیا اور آگ کی گرمی کو کہ اُس مکان میں ہے قیاس کر کے سمجھ لیا کہ وہ مکان یقینی گرم ہوگا کیونکہ دُھواں بغیر آگ کے نہیں ہوتا ہے اور جب آگ وہاں موجود ہوئی تو گرمی بھی موجود ہو گی لیکن ان دو سببوں میں ایک قصور ہے وہ یہ ہے کہ حواس ہر شخص کا ہر چیز کو نہیں پہونچتا اور عقل مختلف اور متفاوت ہے یعنی ہر شخص کی عقل برابر نہیں ہے اور ان سب باتوں کے ساتھ جو کچھ اسباب اور مسببات کہ عقل کی نظر سے چھپ جاتے ہیں تو انکا دریافت کرنا ممکن نہیں ہوتا اِس واسطے ایک اور سبب بھی اُس کے معلوم کرنے کے واسطے دیا ہے

اور وہ تیسرا ہے یعنی سچی خبر کہ اپنے جنس کے لوگوں کی دیکھی ہوئی اور دریافت کی ہوئی اُنسے
سُنکر یقین کرے اور اپنے مطلبوں کے دریافت کرنے کے کام میں لادے آور جو خبر دینے والا
اسی کا ہم نوع ہے اور وہ بھی اُسی شخص کی طرح سے حواس اور عقل کے دام میں گرفتار
ہے پھر جو چیزیں کہ اُسکی نوع کے حواس اور عقل کی حد سے بلند ہیں وہ انسان کے دریافت
کے احاطے سے باہر ہیں سو اُس کو نازل کرنے سے وحی کے تعلیم فرمایا کہ وحی علم آلہی کے
وسیلے سے بڑے درجوں والے فرشتوں کے ذریعے نوع انسان کو پہونچی اور کام میں آوے اور الہام
اور کشف اور خبر دینا ہاتف کا اور صورت پکڑنا غیب کے کاموں کا کہ عارفوں کو اور اولیاؤں
کو انبیا علیہم السلام کی ارواح کے وسیلے سے اور اُنکی اقتدا اور پیروی کے طفیل سے حاصل
ہوتا ہے یہ سب وحی کے توابع سے ہے اور جو معنی مَالَمْ یَعْلَمْ کے لیے ہیں کہ قوت بشری
میں معلوم کرنا اُس کا ممکن نہ تھا پس شبہہ لغو ہونے مَالَمْ یَعْلَمْ کے ذکر کا دفع ہو گیا نہیں تو
ظاہر میں مشکل معلوم ہوتا ہے کیونکہ تعلیم نہیں ہوتی مگر بے معلوم چیز کی پس ذکر مَالَمْ یَعْلَمْ
کا کیا ضرور ہے کَلَّآ سمجھ لیا چاہیے کہ کلا کا حرف عرب کی لغت میں زجر اور توبیخ یعنی خفگی
اور جھڑکی کے واسطے استعمال کیا جاتا ہے تو اس کلام کے بعد ایک کلام ایسا چاہیئے کہ اُسکی
طرف زجر اور توبیخ متوجہ ہوا اور اِس مقام پر ایسا کلام کہ رَدّ اور باطل کرنے کے قابل ہو
ظاہر میں ذکر نہیں کیا گیا اسی واسطے بعضے علما نے کہا ہے کہ کلا اس جائے پر حقا کے معنی
میں ہے کیونکہ زجر کی صورت میں بھی اُس کے خلاف کا اثبات تاکید اور تقریر کے ساتھ
اِس کلمے سے کیا جاتا ہے پس مفہوم اِس کلمے کا مرکب ہے باطل کرنے سے ماسبق کے
اور تحقیق کرنے سے مابلحق کے ہے آور اگر تجرید کے سبب سے محض تحقیق کے لیے استعمال
کریں تو بھی روا ہے لیکن حق تو یہ ہے کہ قبل اِس کے ایک کلام ہے پوشیدہ کہ ہر شخص کا
ذہن اُس کی طرف نہیں جاتا ہے اور منظور کلا سے باطل کرنا اور رَدّ کرنا اُس کلام پوشیدہ
کا ہے آور توضیح اس ابہام کی یہ ہے کہ جو اکرمیت کو حق تعالیٰ کے بندوں کی طرف بیان
فرمایا اور ارشاد کیا کہ بے نہایت کرم اُس ذات کا ہر نوع کی تکمیل اور تربیت کے واسطے
متوجہ ہے یہاں تک کہ تعلیم اُن چیزوں کی جو اُن کے مقدور سے باہر تھیں قلم کے واسطے

سے اُن کو بتادیں اور اُلوہیت کے کارخانوں پر اُس تدبیر سے اُن کو آگاہ کردیا تاکہ خلافت کبریٰ کے حکم سے ربوبیت کے کاموں کی پیروی اور مخلوقات میں تصرف کریں اور تصرف الٰہی کا ظل ہونا اُن میں ثابت ہوجاوے آب یہ جگہ اس بات کی تھی کہ شاید اس کلام کے سُننے والے کے خیال میں یہ شبہہ گذرے اور کہے کہ جو انسان اس درجے کو جناب خداوندی میں عزیز اور مکرم ہے پھر کس واسطے اُس کو فقر اور احتیاج کے جال میں پھانس رکھا ہے اور ہر مخلوق کی طرف اُس کو محتاج کیا ہے بلکہ اِس قدر اُس کو محتاجگی ہر چیز کیطرف دی ہے کہ عشر عشیر اُس کا دوسرے حیوانات اور مخلوقات کو نہیں دی ہے چنانچہ اپنے کھانے میں چکی کا اور آگ کا اور اسی طرح دوسری چیزوں کا محتاج ہے اور اپنی بیماری میں دوا کا اور حکیم کا اور عطار کا اور جرّاح کا اور فصاد کا اور کحال کا محتاج ہے اور اسیطرح اپنی پوشاک اور لباس میں اور گھر بار میں اور چلنے پھرنے میں جو جو احتیاجیں کہ یہ رکھتا ہے ظاہر اور کھُلی ہیں کہ دوسرے حیوانوں کو ان چیزوں میں سے ایک کی بھی احتیاج نہیں ہے اور بزرگی جو اُس کو عنایت ہوئی ہے وہ ہرگز ایسی چیزوں کو نہیں چاہتی ہے اگر بہت مکرم اور بزرگ کرنا اس مخلوق کو سب مخلوقات پر منظور تھا تو پہلے لازم تھا کہ اُسکو ایسی احتیاجوں سے دور رکھتے اور نزدیک والے فرشتوں کی طرح کسی چیز کا محتاج نہ کرتے اور اگر خلافت کے اسباب حاصل کرنے کے واسطے اور دوسری مخلوقات میں تصرف کرنے کے واسطے اس کو احتیاج اِن چیزوں کی دی تھی تو لازم تھا کہ بہت سا مال اور بڑے بڑے خزانے اُس کو دیے ہوتے تاکہ اسکے لئے محتاج نہ ہوتا اور ہر ایک کے سامنے ذلیل نہ ہوتا سو اس شبہہ اور اعتراض کے دفع اور رَدّ کرنے کے واسطے کلّا کی لفظ کو لائے ہیں اور اس لفظ کی کلام پاک پروردگار میں دو خاصیتیں ہیں ایک اُن میں سے یہ ہے کہ جس آیت میں یہ لفظ آئی ہے اُس کو یقین جاننا چاہیئے کہ یہ آیت مکّی ہے اور مدینہ منورہ کی آیتوں میں یہ لفظ ہرگز نازل نہیں ہوئی سو اس بات کا بھید یہ ہے کہ یہ لفظ غصے اور غضب پر دلالت کرتی ہے اور مدینہ منورہ میں ایمان والے لوگ تھے اور اُن کے اعتقاد بہت درست تھے اگر کبھی اُن سے کوئی خطا یا گناہ ہوجاتا تھا تو اُس کا تدارک بہت جلد کرتے تھے اور پند اور نصیحت کو بہت رحمدلی اور

نرمی سے قبول کرتے تھے اور غصّہ اور غضب اور کینہ اور بغض ہرگز اُن کے درمیان میں
نہ تھا بخلاف مکّے والوں کے کہ اکثر کافر اور جھگڑالو دشمن نافرمان تھے تو اُن کے مقابلے
کے کلام میں بھی غصّہ اور غضب درکار ہوا اور دوسری خاصیت یہ ہے کہ اوّل نصف میں
قرآن شریف کے یہ کلمہ یعنی کَلَّا نہیں ہے اور آخر کے نصف میں خصوصًا پچھلے سیپاروں
میں یہ لفظ بہت آئی ہے اِس کا بھید یہ ہے کہ پہلے کلام میں سمجھانا اور راہ بتلانا نرمی سے
منظور ہے اور جب آدھا قرآن شریف کوئی شخص پڑھ چکا اور اُس کے مضمون کے سمجھانے
اور بُجھانے سے ہرگز راہ پر نہ آیا تو غصّہ کرنے اور جھڑکنے کے لائق ہوا خصوصًا وہ شخص کہ جس نے
قرآن کو تمام پڑھا اور اُس کے احکام اور نصیحتوں پر نہ چلا اور کچھ نہ چیتا تو جھڑکنے اور تنبیہ کرنے
کے زیادہ تر لائق ہوا اِسواسطے اِس لفظ کا لانا آخر کے سیپاروں میں بہت ضرور ہوا اسیواسطے
کسی سے اگر کوئی حرکت ناشائستہ اور بیجا ظہور میں آتی ہے تو پہلے اُس کو نصیحت کرتے ہیں
اگر نصیحت سے راہ پر آیا اور بُرائی کو چھوڑا تو بہتر ہے اور اگر نصیحت سے کچھ فائدہ نہ ہوا تو البتہ
تعزیر دینے کے اور ذلیل کرنے کے لائق ہوتا ہے اور مفسروں نے اِن دونوں خاصیتوں
کے بیان کرنے کے واسطے ایک بیت کہی ہے وہ یہ ہے **شعر** وَمَانزلت کلّا بیثرب
فاعلمن + ولَا جَاءَ فی القرآن فی نصف الاعلیٰ + یعنی اور نہیں اُتری لفظ کلّا کی رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مدینۂ منورہ میں سو جان رکھو اُس کو اور نہیں آیا ہے کلّا قرآن شریف
کے نصف پہلے میں جب یہ تمہید معلوم ہو چکی تو اب آیت کی تفسیر شروع کیجاتی ہے سو فرماتے
ہیں کَلَّا یعنی ایسی بات نہیں ہے جیسا تم سمجھتے ہو کہ آدمی کا محتاج اور فقیر ہونا کچھ اللہ تعالےٰ
کے کرم اور فضل کے قصور سے ہے بلکہ اس محتاجگی اور فقیری کا سبب دوسرا ہے اسواسطے کہ
اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰى تحقیق آدمی نافرمانی کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی اور سرکشی کرتا ہے اُس کے
بندوں پر اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى جب دیکھتا ہے اپنے تئیں تو انگر بے پرواہ مال اور جاہ سے
اور تندرستی اور قوت سے اور جو دوسرے اسباب ہیں بے نیازی اور بے پروائی کے پھر اگر
آدمی اِس طرح کا محتاج سب چیزوں کا نہ ہو تو اُس کی سرکشی اور نافرمانی بہت بڑھ جائے
اور اصلاح کی صورت مشکل ہو جائے سو یہ نہایت کرم اور فضل اُس کریم کارساز کا اُس کے

حال کو شامل ہے کہ ہر طرح کی احتیاج میں اُس کو گرفتار کر کے سرکشی اور نافرمانی سے روک رکھا ہے چنانچہ حق تعالےٰ خود دوسری جگہ پر اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ یعنی اگر کشادہ کر دیتا اللہ تعالےٰ رزق کے سببوں کو اپنے بندوں پر تو البتہ ظلم کرتے اور اپنے حد اور اندازے سے بڑھ چلتے اور بڑا فساد مچاتے زمین میں سو اس طرح کا اعتقاد کرنا آدمی کو سراسر غلطی ہے اور بالکل پوچ کیونکہ اس کو کسی حالت میں اپنے پروردگار سے بے پروائی حاصل نہیں ہے بلکہ اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى تحقیق اسے پروردگار کیطرف رجوع اور پھرنا ہے ہر حال میں اب اس مقدمے کو ایک ایسی تمثیل میں واضح کر کے بیان کرتے ہیں کہ ہمکو کسی طرح کی پوشیدگی نہ رہے جیسے ایک شخص ہے کہ اُسکو اچھا مرغوب کھانا میسر آیا اور اُس نے یہ سمجھا کہ آج کے روز مجھ کو بھوک سے بے پروائی حاصل ہوئی اب اُس سے پوچھا چاہیئے کہ تجھ کو کھانے کی اور چبانے کی قوت کون دیگا پھر بعد کھانا کھانے کے قے ہو جانے اور اُلٹ آنے سے کون روکے گا پھر ہضم کی قوت دیکے غذا کو روک کر سب جوڑ بندوں میں تقسیم کون کرتا ہے اور اُس کے فضلات کو پیشاب اور پاخانے کی راہ سے نکال کر کون دور کرتا ہے پھر غذا کو اس بات سے کون بچاتا ہے کہ زہر ہو کے بدن کو خراب کرے یا بدہضمی سے کوئی فساد بدن میں پیدا کرے اور یہ سب باتیں ایسی ہیں کہ باوجود نعمت کے اور حاصل ہونے غنا کے اُنکی طرف محتاج ہے اور بعد خراب ہونے بدن کے اور جُدا ہونے روح کے جسد سے پھر جانا آخرت کیطرف ہوگا اور سرکشی اور نافرمانی کی وجہ پوچھی جائے گی اور اس کا عوض لیا جائیگا تو اُسوقت کی محتاجگی ایسی ہے کہ اُس کی انتہا نہیں ہے بلکہ اگر عقل والے انصاف کریں اور اپنے دل میں خوب طرح سے تامل کریں تو اپنے تئیں توانگری کی حالت میں زیادہ تر حق تعالےٰ کا محتاج پاوینگے اِسواسطے کہ فقیر کو یہی آرزو ہوتی ہے کہ جان اُس کی سلامت رہے اور بدن اُس کا صحیح اور ایکدن کا کھانا پانی مل جاوے اور دولتمند کو کہ جان اور مال اور مرتبہ اور اہل و عیال سب کی سلامتی درکار ہے تو توانگر کی محتاجگی کی نسبت زیادہ ہوئی فقیر سے اور اس جگہ پر ایک شبہہ اکثر لوگوں کی خاطر میں گذرتا ہے وہ یہ ہے کہ اگر مال سرکشی اور نافرمانی کا سبب ہوتا تو

بڑے بڑے صحابہؓ کہ بہت مالدار تھے جیسے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت امیر المومنین
عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہما وے کس واسطے اس سرکشی کے سبب میں گرفتار نہ ہوئے
بلکہ حضرت سلیمان علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو کس واسطے اس قدر کشادگی اور مرتبے دُنیا
کے مال میں دیے کہ بیت المقدس کے درو دیوار کو سونے اور جواہرات سے جڑوا دیا اور بہت
سے اسباب اور ہتھیار جمع کیے اور اس شُبہے کا دفع اس طور سے بوجھا چاہیئے کہ اس آیت
میں مال کو بالکل سرکشی کا سبب نہیں فرمایا ہے بلکہ اپنے تئیں مال کے سبب سے بے پروا
سمجھنا اور اِس احتیاج سے کہ بندے کو حق تعالےٰ کی درگاہ میں ہر وقت اور ہر آن موجود
ہے غافل ہونا اور مال کی پیدائش کو اللہ تعالیٰ کے کرم اور فضل سے نہ جاننا بلکہ اپنی محنت اور
کوشش کی طرف نسبت کرنا سرکشی اور نافرمانی کا سبب ہے اور حضرت سلیمان علیہ السلام
کو اور اصحاب کبار کو اگرچہ مال کی زیادتی تھی لیکن اعتقادِ بد سے بری تھے بلکہ جو شخص کہ
اِن بزرگوں کے احوال کو دیکھے تو یقینی معلوم کرلے گا کہ محتاجوں کی خدمت اور خبر گیری اور
خاطرداری جس قدر اِن بزرگوں سے ہوئی ہے دوسروں سے نہیں ہوئی ہے گویا مال کی
کثرت کو زہر قاتل سمجھ کر للہ دینے کو تریاق جانتے تھے اِسی واسطے اس کام میں زیادہ کوشش
کرتے تھے اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ نعم المال الصّالح للرجل الصّالح یعنی کیا اچھا
مال نیک ہے جو نیکبخت آدمی کے پاس ہے کہ وہ نیک کام میں خرچ کرتا ہے اور جب
ثابت کیا کہ آدمی کی ہر بات میں محتاج ہونے کی یہی وجہ ہے کہ بے احتیاجی کی صورت
میں سرکشی اور نافرمانی کرتا ہے اور اپنے منعم حقیقی سے غافل ہو کے نعمت ہی کے دیکھنے میں
ریجھ رہتا ہے اور یہاں گمان اِس بات کا تھا کہ شاید کوئی تمثیل کے طور پر اُن بے پرواؤں
کا حال پوچھ بیٹھے کہ اُن کو غنا سرکشی کا سبب کیونکر ہوئی تو اُس کی مثال کو بیان فرماتے
ہیں اَرَاَیْتَ الَّذِیْ یَنْھٰی کیا دیکھا تو نے اُس شخص کو جو منع کرتا ہے اور روکتا ہے عَبْدًا
اِذَا صَلّٰیؕ بندے کو جب چاہتا ہے کہ نماز پڑھے اور حق بندے کا بھی یہی ہے کہ اپنے پروردگار
کی عبادت ہاتھ اور پاؤں سے اور زبان اور دل سے بجا لاوے اور ایسی عبادت جو اِن
سب باتوں کو جامع ہو سوائے نماز کے نہیں ہے اور حق خدا کا یہ ہے کہ معبود ہو ہر عبادت میں

پھر اُس منع کرنے والے نے بندے کا حق بھی تلف کیا اور خدا کا حق بھی تلف کیا تو اُس کی سرکشی اور نافرمانی خدا سے اور اُس کے بندوں سے بھی ثابت ہوئی اور یہ شخص ابوجہل تھا کہ کئی مرتبے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مسجد حرام میں نماز پڑھنے سے منع کیا تھا بلکہ یہ کہا تھا کہ اگر میں کبھی تجھ کو دیکھوں گا کہ اپنے متھے کو زمین پر رکھا ہے تو نے تو تیری گردن کاٹ ڈالوں گا اور ہر چند کہ یہ آیت اُس لعین کے حق میں نازل ہوئی لیکن اب بھی جو شخص کہ اللہ تعالےٰ کی بندگی سے روکے اور منع کرے وہ بھی اِسی وعید اور بُرائی میں شامل ہے اور وہ جو فقہا نے لکھا ہے کہ غصب کی زمین پر نماز پڑھنے سے منع کیا چاہیئے اور مکروہ وقتوں میں بھی نماز سے منع کیا چاہیئے اور مکروہ وقت پانچ ہیں ایکؔ آفتاب نکلنے کا وقت دوسرا اُس کے ڈوبنے کا تیسرا دوپہر کو اُس کے ٹھہرنے کا وقت چوتھا نماز عصر کے بعد مغرب تک پانچواں طلوع فجر سے آفتاب نکلنے تک سوائے نماز فجر کے اور لونڈی یا غلام کو اُس کا مالک تہجد کی نماز پڑھنے سے منع کرے اِس سبب سے کہ اگر رات کو جگے گا تو فجر کو اُس کی خدمت میں قصور کرے گا تو اُس کو بھی منع کرنا پہونچتا ہے اور اسی طرح خدمت کے وقت میں نماز سے منع کرنا بھی پہونچتا ہے اور اسی طرح خاوند کو منع کرنا اپنی جورو کو نماز نفل سے اور اعتکاف سے پہونچتا ہے اِس واسطے کہ اِس حالت میں بہت سی منفعتیں اُس کی جاتی رہیں گی جیسے جماع کرنا اور دوسری لذتیں سو اِن سب باتوں میں جو ذکر کی گئی ہیں منع کرنا نماز سے دوسری مصلحت کے واسطے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے تو حقیقت میں منع نہ ہوا بلکہ ایک عبادت سے دوسری عبادت میں پہونچا دینا ہوا اور بعضے دین کے بزرگوں نے ادب کی رعایت کے واسطے ان چیزوں کے منع کرنے سے بھی احتراز کیا ہے چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ عید کے دن حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ عیدگاہ میں تشریف لے گئے چند آدمیوں کو دیکھا کہ عید کی نماز کے پہلے نفلیں پڑھ رہے ہیں آپ نے فرمایا کہ ان سے کہدو کہ میں نے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کبھی عیدگاہ میں اس وقت نفل پڑھتے نہیں دیکھا اُن لوگوں نے آپ کے حکم کو نہ سُنا اور اپنے کام سے باز نہ آئے بعضے لوگوں نے عرض کیا کہ یا امیر المؤمنین اگر حکم ہو تو ان کو زبردستی منع کر دیں اور اگر نہ مانیں تو سزا کو پہونچیں آپ نے فرمایا

کر میں اس آیت یعنی اَرَأَیۡتَ الَّذِیۡ یَنۡھٰی عَبۡدًا اِذَا صَلّٰی ؕ کے مضمون سے ڈرتا ہوں اور اِس طرح سخت حکم نہیں کر سکتا لیکن ادب کی رعایت اُسی جگہ ہوتی ہے جہاں ممانعت کا حکم صریح اور ظاہر نہ ہو جیسے یہ مقام تھا کہ یہاں صریح ممانعت وارد نہیں ہوئی وِالّا موجب اس قول کے الامر فوق الادب یعنی حکم کا مان لینا ضروری ہے ادب کی رعایت سے اور اچھی بات کا بتلا دینا اور بُری بات سے حتی المقدور روکنا واجب ہے اور جب آدمیوں کی سرکشی کی مثال جو استغنا اور بے پروائی کے سبب سے ہوتی ہے بیان فرما چکے تو اس علت کے علاج کا طور بھی ارشاد فرماتے ہیں کہ اَرَأَیۡتَ اِنۡ کَانَ عَلَی الۡھُدٰۤی ۙ اَوۡ اَمَرَ بِالتَّقۡوٰی ؕ کیا دیکھا تونے اِس سرکش نافرمان کو کہ اگر ہدایت پر ہوتا یا لوگوں کو پرہیزگاری کا حکم کرتا یعنی اگر اپنی سرکشی کا علاج کرتا اور اپنی روح کو صحیح سالم رکھتا پھر اس مرتبے سے بھی آگے بڑھتا اور دوسروں کو نصیحت کرکے راہ پر لاتا اور نماز کے منع کرنے سے باز آتا اور لوگوں کو پرہیزگاری اور صلاحیت کا حکم کرتا اَرَأَیۡتَ اِنۡ کَذَّبَ وَتَوَلّٰی ؕ کیا دیکھا تونے اُسی سرکش کو کہ اگر جھٹلایا پیغمبرؐ کے دین کو اور مُنھ موڑا سچی راہ چلنے سے سو اُن دونوں حالت میں اپنا بدلہ پاوے گا لیکن پہلی حالت میں جزا نیک ہے اور دوسری حالت میں سزا بد اور جزا کا لحاظ رکھنا بھی سرکشی اور طغیان کا علاج ہے اور اگر اُس کو جزا کے واقع ہونے میں کچھ شک یا شبہہ ہو تو اُس کے سمجھانے کو اِس قدر کافی ہے کہ اَلَمۡ یَعۡلَمۡ بِاَنَّ اللّٰہَ یَرٰی ؕ کیا نہیں جانتا کہ حق تعالےٰ دیکھتا ہے اور دیکھنا ایسے کا جو بدلہ دینے کی قدرت رکھتا ہے اور ہر ہر ذرّے میں عالم کے اُسکی حکمتیں اور قدرتیں اظہر من الشمس ہیں یعنی آفتاب سے زیادہ روشن ہیں جزا کے ہونے اور یقین جاننے میں کافی ہے اِس واسطے کہ قدرت اُسکی جزا کے جائز ہونے کو چاہتی ہے اور حکمت اور عدالت اُسکی جزا کے واجب ہونے کو چاہتی ہے اور اچھائی اور بُرائی کا دیکھ لینا امتیاز اور جدائی کرنے کو ہر نیک و بد میں کافی ہے پھر جو شخص دیدہ و دانستہ باوجود قادر ہونے کے نیک اور بد میں فرق نہ کرے اور ہر شخص کو اپنے اپنے کیے کی جزا اور سزا نہ دے ایسا شخص ایک گھر کی ریاست کے قابل نہیں ہوتا پھر خدائی کے قابل ہونے کا کون ذکر ہے اور قدرت اور حکمت اُس مالک الملک کی ہر کس و ناکس پر ظاہر ہے اور جو پوشیدہ ہے وہ یہی ہے کہ

اللہ تعالےٰ کو خبردار جاننا سب نیک اور بد کاموں پر اپنے کہ شہوت اور غضب اور جہالت کے
پردے آدمی کی بینائی کی آنکھ کو بند کر کے اس کو اس خبرداری سے غافل کر دیتے ہیں ناچار
اسی اطلاع کے ذکر پر کفایت کی گئی کَلَّا یعنی مقدمہ ایسا نہیں ہے کہ وہ سرکش مہمل چھوڑ دیا
جائے گا اور اُسکی دنیا کی عزت اور مرتبے کے لحاظ سے اُسکی سرکشی اور نافرمانی پوچھی نہ جائیگی
بلکہ لَئِنْ لَّمْ یَنْتَہِ اگر اس دھمکی اور جھڑکی سے اپنی سرکشی سے باز نہ آئیگا لَنَسْفَعًۢا بِالنَّاصِیَۃِ ۙ
البتہ گھسیٹیں گے ہم اُس کو چوٹی سے کہ اُس میں بڑی ذلت اور حقارت ہے اِس واسطے
کہ پیشانی آدمی کی سب بدن میں بڑا اشرف اور بزرگی رکھتی ہے اِسی واسطے کہ تعظیم کی جگہ پر
بادشاہوں اور دوسرے امیروں کے سرِ مبارک کی قسم کھانا رائج اور معمول ہو گیا ہے اور
جب اُس پیشانی کو اس طرح سے ذلیل اور خوار کیا تو کمال ذلت ہوئی آور خاص پیشانی
کے ذکر کرنے میں ایک اشارہ اور بھی ہے وہ یہ ہے کہ آدمی میں سرکشی اور نافرمانی کے سبب
کو اسی عضو میں حوالہ کیا ہے اِس واسطے کہ جڑ تکبر اور غرور کی وہم اور خیال اور حواس خمسہ
یعنی باصرہ اور سامعہ اور شامہ اور لامسہ اور ذائقہ ہیں سو یہ سب اسی عضو میں یا اس کے
قریب سپرد کیے گئے ہیں اور سرکشی کا لفظ بھی اِس عضو کی شرارت پر گواہی دیتا ہے اسیواسطے
سیاست اور سزا دینا اُس کا اُسی عضو خاص سے ہوا چنانچہ چور کی سیاست ہاتھ کا کاٹنا ہے
اِس واسطے کہ چور چوری نہیں کرتا مگر ہاتھ سے نَاصِیَۃٍ کَاذِبَۃٍ خَاطِئَۃٍ ۚ ایسی پیشانی جو
جھوٹی اور گنہگار ہے یعنی سرکشی کی حالت میں پیشانی کے جزؤں اور ٹکڑوں سے اور اُس
قوت سے جو پیشانی میں سپرد ہوئی ہے جھوٹی باتیں بڑھ بڑھ کے کہتا تھا اور گناہ کے کام
بے پروائی سے کرتا تھا کبھی مسکینوں اور غریبوں کی طرف حقارت کی آنکھ سے دیکھتا تھا
آور کبھی اپنی مرضی کے مخالف اگر کوئی کام دیکھتا تھا تو پیشانی پر شکن ڈال کے ترشرو ہو کے
بیٹھتا تھا آور کبھی ہنسی اور مسخرگی میں یا لوگوں کی حقارت میں سر ہلاتا تھا تو یہ پیشانی اِسی
لائق ہے کہ اس کو اسی طرح سے ذلیل اور خوار کریں آور اس کی پیشانی اور چوٹی کے
بال کو جن کو ہمیشہ دھوتا اور تیل ڈالتا اور کنگھی کرتا رہتا تھا پکڑ کے کھینچیں اور خاک میں
ملا دیں آور مفسروں نے لکھا ہے کہ خاطی بہت بُرا ہوتا ہے مخطی سے اِس واسطے کہ عرب کی

زبان میں خاطی اُس کو کہتے ہیں جو جان بوجھ کے قصد سے گناہ کرے اور مخطی اُسے کہتے ہیں جس سے بے قصد نادانستہ گناہ ہوجاوے اِسی واسطے خاطی کو قرآن مجید میں سخت عذاب کا وعدہ کیا ہے یعنی غسلین کا کھانا اور غسلین کہتے ہیں پیپ لہو کو دوزخیوں کے جو اُن کا بدن جلنے کے سبب سے اُن کے گوشت پوست اور چربی سے اوٹ کے بہیگا چنانچہ حق تعالےٰ فرماتا ہے مِنْ غِسْلِيْنٍ لَّا يَأْكُلُهٗٓ اِلَّا الْخَاطِئُوْنَ ہ یعنی غسلین نہ کھائیگا اُس کو مگر قصد سے گناہ کرنے والا اور مخطی کے واسطے بخشش اور معافی کا وعدہ فرمایا ہے رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ج یعنی حق تعالےٰ نے فرمایا کہ یوں دعا مانگو کہ اے رب ہمارے نہ پکڑ ہمکو ہماری بھول اور چوک پر اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب یہ آیتیں نازل ہوئیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن لوگوں کے سامنے پڑھا تو رفتہ رفتہ یہ خبر ابوجہل کو بھی پہونچی وہ ملعون نہایت غصے میں ہوکر رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آکر سخت گفتگو بے ادبانہ کرنے لگا اور کہا کہ اے نادان کچھ بھی تم کو سمجھ ہے کس کو تو ڈراتا ہے اگر میں چاہوں تو ابھی اس میدان کو سوار اور پیادوں سے بھردوں لیکن یہ کس واسطے کروں کہ تجھ کو اور تیری قوم کو تو وہ لوگ جو صبح اور شام کو میرے دربار اور مجلس میں حاضر رہتے ہیں کفایت کرتے ہیں اگر اُن کو پکاروں تو ابھی تیری حقیقت معلوم ہوجاتی ہے سو اُس ملعون کے تکبر کے جواب میں حق تعالیٰ نے ایک آیت دوسری نازل فرمائی کہ فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ ۙ پھر چاہیئے کہ پکارے اپنے مجلس والوں کو یعنی اُن لوگوں کو جو اُسکی مجلس میں صبح اور شام حاضر رہتے ہیں اپنی موت کے دفع کرنے کے واسطے اور قابض الارواح کے مقابل میں بلکہ تمام فوج اور سپاہ کو اپنی مدد کے واسطے بُلاوے ہم بھی اُس کے مقابل میں اپنے ادنیٰ اور حقیر بندوں کو بھیجیں گے چنانچہ فرماتے ہیں سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ۙ قریب ہے کہ بُلاتے ہیں ہم زبانیہ کو اور زبانیہ اصل عرب کی زبان میں بندی خانے پیادوں کو کہتے ہیں جو لوگوں کی مُشکیں باندھ کر کے قید خانے میں بند کرتے ہیں اور یہاں پر وہ فرشتے مُراد ہیں جو دوزخ پر مقرر ہیں اور لوگوں کے ہاتھ پاؤں باندھ کے دوزخ میں ڈالیں گے سو اُس ابوجہل مردود کا یہی حال ہوا یعنی بدر کے روز مارا گیا اور صحابہؓ بموجب حکم آنحضرت

صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اُس ملعون کے کان میں سوراخ کرکے اُس میں رسّی ڈال کر مارے جانے کے مقام سے اُس کی لاش کو ایک ناپاک کوئیں تک گھسیٹتے لیگئے پھر اُسکی چوٹی کے بالوں سے کھینچ کر کوئیں میں ڈالا اور اُس کی روح کو بدن سے جُدا ہوتے ہی دوزخ کے نگہبانوں نے جہنّم کے عذاب میں گرفتار کیا پھر اُس کے رفیق اور اُس کی مجلس کے بیٹھنے والے کوئی اِس سخت مصیبت میں کام نہ آئے اور زبانیہ کے عددوں کا شمار جو قرآن مجید میں دوسری جگہ پر بیان ہے وہ یہ ہے کہ کافروں کے واسطے اُنیس فرشتے مقرر ہیں جو اُن کو پکڑکے دوزخ میں ڈالیں گے اور اُنیس کے مقرر ہونے کی وجہ سورۂ مدثر کی تفسیر میں بیان کیگئی ہے اور بعضی روایتوں میں آیا ہے کہ اُن فرشتوں کا قد اتنا لمبا اور چوڑا ہے کہ پیر اُن کا زمین میں اور سر آسمان میں لگتا ہے اور اُن کے سردار کا نام مالکؑ ہے اور اٹھارہ دوسرے اُس کے تابع ہیں آنکھیں اُنکی بجلی کی طرح چمکتی ہیں اور دانت اُنکے بارہ سنگے کے سینگ کی طرح اینٹھے ہوئے ہیں اور بال اُن کے اتنے لمبے ہیں کہ زمین پر گھسٹتے جاتے ہیں اور آگ کے شعلے اُن کے مُنھوں سے نکلتے ہیں اور ایک کندھے سے اُن کے دوسرے کندھے تک ایک برس کی راہ ہے اور اُن کے ہاتھ کی ہتھیلی ستّر ستّر ہزار آدمی کی گنجایش رکھتی ہے اور اس زبانیہ کے لفظ کی تحقیق میں اختلاف ہے بعضے کہتے ہیں کہ یہ ایسی جمع ہے کہ جس کا مفرد نہیں ہے اور بعضے کہتے ہیں کہ اس کا مفرد زبنیت عفریت کے وزن پر نکالا گیا ہے زبن کے لفظ سے جس کے معنی دفع کرنے کے ہیں اور زبنیت ہر متمرد وشریر کو کہتے ہیں جن سے ہو خواہ آدمیوں سے اور جب ان کافروں کے حال اور آئندہ کے بیان سے فراغت پائی تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُس کی مخالفت پر دلیر کیا اور فرمایا کَلَّا یعنی مت ڈر اُس سے اور اُس کے ڈرانے کو کچھ بھی دل میں مت گن لَا تُطِعْہُ اُس کے کہنے کو مت مان وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۩ اور سجدہ کر اپنے پروردگار کو اور نزدیکی حاصل کر اُس جناب کی سجدے کی عبادت سے ہرچند کہ اُس مردود نے نماز پڑھنے سے بالکل منع کیا تھا لیکن زیادہ غصّہ اُس کا سجدہ کرنے پر تھا اِس واسطے کہ نماز کے رُکنوں میں سجدہ کرنا تکبّر اور غرور کے بہت منافی ہے اور اُس کو تکبّر اور غرور پرلے درجے کا تھا

ع ۱۹

اسی واسطے یہ فعل اُس کو بہت بُرا معلوم ہوتا تھا اپنے سر جھکانے کا تو کیا ذکر ہے دوسرے کا سر جھکانا دیکھ نہ سکتا تھا اسی واسطے اُس کے مقابلے میں سجدے کا حکم ہوا تاکہ رغم الف اُس کی ہو یعنی اُس کی ناک گھسی جائے اور جو اس سرکش کو تکبّر کے بدلے میں چوٹی پکڑ کے گھسیٹنے سے خوف دلوایا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُس کے مقابلے میں حکم ہوا کہ اپنی پیشانی کو عاجزی سے ہمارے واسطے زمین پر رکھو شکر میں اس بات کے کہ ہم نے تمھارے دشمن کی پیشانی کو خاک میں ملا دیا اور یہ بھی ہے کہ جو سجدہ کرنا حق تعالے کی نزدیکی کا سبب ہے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کرنے کو فرمایا اور حکم ہوا کہ تو سجدے میں مشغول ہو تاکہ تیرا قُرب درگاہ الٰہی میں کمال کے مرتبے کو پہونچے اور بڑا مرتبہ اور بزرگی تجھ کو حاصل ہووے اور تیرا دشمن خود بخود ذلیل اور خراب ہو جاوے اسواسطے کہ جسقدر تیرے قُرب کے درجے جناب الٰہی میں بڑھیں گے اُسی قدر تیرے دشمن کو دوری اور مقہوری اس درگاہ سے ہوگی اور سجدے کی حالت میں آدمی کو زیادہ تقرب جناب باری سے حاصل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت میں آدمی اپنی اصل کی طرف کہ خاک ہے متوجہ ہوتا ہے اور جسقدر اسکی توجہ اپنی اصل کیطرف زیادہ ہوگی اُسی قدر حق تعالے کا قُرب اُس کو زیادہ حاصل ہوگا اسواسطے کہ فیضان وجود کا اُس جناب سے اسی راہ سے اس کو پہونچا ہے سو جب اُس نے اپنے تئیں پھر اُسی دروازے پر جہاں سے آیا تھا پہونچایا اور اُسی دروازے کو ٹھونکا تو رجوع الی اللہ ثابت ہو گیا اِسی واسطے حدیث شریف میں آیا ہے کہ اقرب مایکون العبد من ربہ وھو ساجد فاکثروا فیہ من الدعاء یعنی بندے کو سجدے کی حالت میں اپنے پروردگار سے بہت نزدیکی حاصل ہوتی ہے سو اس حالت میں اُس کو چاہیئے کہ دُعا بہت مانگے تاکہ جلد قبول ہووے اور یہ آیت تلاوت کی سجدے کی آیتوں سے ہے اس آیت کے پڑھنے سے پڑھنے والے اور سُننے والے پر سجدہ واجب ہوتا ہے اور حدیث صحیح میں وارد ہے کہ ابوجہل نے لوگوں سے کہہ رکھا تھا کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم جس وقت بیت اللہ شریف کے سامنے سجدہ کرتے ہوں اُسوقت مجھے خبر دینا کہ میں اُنکی گردن پر اپنا پیر رکھونگا اور گردن کو توڑ ڈالوں گا چنانچہ ایک روز آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بیت اللہ شریف کے سامنے کھڑے نماز پڑھتے تھے

بعضے لوگوں نے اُس مردود کو خبر پہونچائی وہ ملعون موافق اپنے وعدے کے آیا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک پہونچ کے چاہا کہ بے ادبی کرے کہ خود بخود اپنے دونوں ہاتھ سپر کیطرح مُنھ کے سامنے کیے ہوئے پیچھے ہٹا جسطرح سے کسی چیز سے کوئی ڈر کے اپنے تئیں بچاتا ہے دو تین مرتبے اسیطرح قصد کیا اور اسیطرح پیچھے ہٹا لوگ جو یہ تماشا دیکھنے کو جمع ہوئے تھے یہ بات دیکھ کے حیران ہوئے اور اُس سے پوچھا کہ ماجرا کیا تھا کہ تو اسطرح سے پھرا اُس نے کہا کہ میرے اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے درمیان ایک خندق آگ سے بھری ہوئی ظاہر ہوئی اور اُس کے کناروں پر فرشتوں کے پر مجھے معلوم ہوئے اور ایک بڑا اژدہا میری طرف لپکا اُس سے مجھ کو نہایت دہشت معلوم ہوئی اور میں ہرگز وہاں ٹھہر نہ سکا اگر ذرا بھی ٹھہرتا تو جل ہی جاتا اور اژدہا مجھ کو نگل لیتا لوگوں نے پوچھا کہ پھر یہ کیا بات ہے اُس کافرازلی نے کہا کہ یہ شخص بڑا زبردست جادوگر ہے میں اس سے جیت نہیں پاتا ہوں اور یہ بھی حدیث شریف میں آیا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ بات سُنکے فرمایا کہ اگر یہ مردود میرے نزدیک آتا تو فرشتے اُس کے ٹکڑے ٹکڑے کرڈالتے اور ہرگز جیتا نہ پھرتا اب جو فائدے اور باریکیاں کہ اِس سورۃ سے تعلق رکھتی ہیں کچھ بیان ہوتی ہیں چنانچہ اُن میں سے ایک یہ ہے کہ پانچ آیتیں اِس سورۃ کی قرآن کے نازل ہونیکی ابتدا میں نازل ہوئی تھیں اور باقی ابوجہل کے حق میں بہت دنوں کے بعد نازل ہوئیں لیکن بموجب حکم پروردگار کے ان آیتوں کو اُن کے ساتھ ملا دیا اور مناسبت کی وجہ تفسیر میں پہلے بیان ہوچکی اور یہ بھی ہے کہ اس سورۃ میں سمعی علموں کا ثابت کرنا منظور ہے کہ نقل کرانے اور لکھنے پر موقوف ہیں اور یہ بھی ایک نکتہ عجیب اس سورۃ میں ہے کہ اوّل اس سورۃ کا علم کی فضیلت پر دلالت کرتا ہے اور باقی مال کی مذمت پر تو اس جگہ سے بوجھ لیا چاہیئے کہ علم ایک چیز ہے نہایت مرغوب اور پسندیدہ اور دنیا کا مال نفرت اور بے رغبتی کے سزاوار ہے اور یہ بھی ہے کہ اس سورۃ میں علم اور خط کی تعلیم کی نعمت جو مذکور ہوئی تو حق تعالیٰ نے اپنے تئیں اکرم کی صفت سے یاد فرمایا یعنی وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ اور سورۂ انفطار میں اعتدال خلقت اور ظاہری اور باطنی اعضا کی برابری کی نعمت جو مذکور ہوئی ہے تو وہاں اپنے تئیں کریم کی صفت سے یاد فرمایا ہے یعنی

مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوّٰكَ فَعَدَلَكَ فِي أَيِّ صُورَةٍ مَا شَاءَ رَكَّبَكَ
اور یہ بات ظاہر ہے کہ اکرم بڑے کریم کو کہتے ہیں اور کریم فقط کرم پر دلالت کرتا ہے تو یہاں سے معلوم ہوا کہ علم کی نعمت صحت اور حسن اور جمال کی نعمتوں سے بڑھ کے ہے اور یہ بھی ہے کہ اس سورۃ میں ابو جہل کے حق میں جو اس اُمت کا فرعون تھا لَيَطْغٰى فرمایا کہ لام تاکید سے مؤکد ہے اور اس کا صیغہ بھی استمرار اور تجدد پر دلالت کرتا ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے فرعون کے حق میں باوجود اُسکی بادشاہی اور عزت اور مرتبے کے طغیٰ کا لفظ فرمایا ہے بغیر تاکید اور بے صیغہ استمرار کے تو یہ تغیر اسلوب کا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ فرعون باوجود اس قوت اور مرتبے کے حضرت موسیٰؑ کو رنج نہیں دیتا تھا مگر بات کہنے میں اور اس مردود نے باوجود کمزوری اور بے حکمی کے بارہا آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مارنیکا قصد کیا اور آپکی ہلاکی کے پیچھے پڑا تھا اور یہ بھی ہے کہ فرعون نے بچپن میں حضرت موسیٰؑ سے اچھے سلوک کیے تھے اور آخر کو بھی اُسکی زبان سے یہ کلمہ نکلا تھا یعنی لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ اور تھوڑا تکبر اُسکا گھٹ گیا تھا بخلاف ابو جہل کے کہ آنحضرتؐ کی جناب میں بچپن کی عمر سے حسد رکھتا تھا اور آخر میں ایسا کلمہ کہکر مرا جس سے تکبر بوجھا جاتا ہے یعنی لَوْ غَيْرُ اَكَّارٍ قَتَلَنِيْ یعنی میرا رتبہ یہ نہ تھا کہ مدینے کے کسانوں کے ہاتھ سے مارا جاؤں اور جسوقت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس کا سر کاٹنے کو اُس کے سینے پر چڑھے تو بطور تکبر کے کہا کہ یا راعی الغنم لقد ارتقیت مرتقی صعبا یعنی اے بکری چرانیوالے بڑے مقام پر بیٹھا تو اور یہ بھی کہا تھا کہ ھل اعمد من رجل قتلتموہ یعنی کیا ہے کوئی دُنیا میں عمدہ اور بڑا مرتبے میں اُس شخص سے جس کو تم نے قتل کیا ہے پس ان وجہوں سے سرکشی اور تکبر اس مردود کا فرعون کے تکبر اور غرور سے بھی بڑھ گیا تھا اِسی واسطے اُس کے حق میں ایسی لفظیں تاکید کی ارشاد ہوئیں واللہ اعلم

سورۃ القدر

مشہور تو یوں ہے کہ یہ سورۃ مکی ہے لیکن اسکے نازل ہونیکے سبب میں جو حالات بیان کیے جاتے ہیں اُن سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ مدنی ہو گی اِسواسطے کہ قصے بنی اسرائیل کے مدینہ منورہ میں مذکور ہوتے تھے اور ممبر بھی اُسی شہر مبارک میں بنایا گیا ہے اور اس سورۃ میں پانچ آیتیں اور

تیس کلمے اور ایک سو بارہ حرف ہیں اور اُسکے نازل ہونیکے کئی سبب ہیں اوّل یہ ہے کہ ایک روز آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بنی اسرائیل کا احوال صحابۂ کرام کیساتھ بیان فرماتے تھے اس عرصے میں احوال شمعون یا سمنون کا کہ ایک زاہد کا نام ہے جو بنی اسرائیل میں گذرا ہے اور کثرت عبادت میں ضرب المثل ہے بیان فرمانے لگے کہ اُس نے ہزار مہینے عبادت کی ہر روز روزہ رکھتا تھا اور کافروں کیساتھ جہاد کرتا تھا اور رات بھر نماز پڑھتا تھا صحابۂ کرام نے عرض کی کہ یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہم کسطرح سے ایسے شخص کے ثواب کو پہونچ سکیں گے کہ انتہا ہماری عمر کی ساٹھ یا ستر برس ہیں سو اُسمیں تہائی کی قدر تو سونے میں جاتی ہے اور کچھ معاش کی تلاش میں اور دوسری حاجتوں میں صرف ہوتی ہے اور کچھ اُسمیں سے مرض اور سستی میں ضائع ہوتی ہے پھر عبادت کیواسطے کیا باقی رہی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بھی اِس بات کو سُنکر نہایت دلگیر اور غمگین ہوئے اللہ تعالیٰ نے آپ کے دفع ملال کیواسطے یہ سورۃ نازل فرمائی کہ اگرچہ تمھاری اُمت کی عمریں کوتاہ ہیں لیکن ہمنے تمکو ایک ایسی رات عنایت فرمائی ہے کہ اُس ایک رات کی عبادت ہزار مہینے کی عبادت سے بہتر ہے دوسرا یہ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ایک روز اُنکی اُمت کی عمریں دکھائیں تو اکثر درمیان میں ساٹھ اور ستر برس کے تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غمگین ہوئے کہ اتنی سی عمر میں میری اُمت کیا کام کریگی اور اُن سے کیا ہوسکیگا ایسا نہ ہو کہ قیامت کے روز اگلی اُمتوں والے بڑی بڑی عمروں کا ثواب پاویں اور میری اُمت تھوڑی عبادت کیواسطے شرمندہ ہو حق تعالیٰ نے آپکی خاطر مبارک کی تسلّی کیواسطے یہ سورۃ بھیجی تیسرے یہ کہ حضرت امام حسن بصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دکھایا کہ بنی اُمیۃ کے ظالم حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ممبر پر ایک کے بعد دوسرا بندروں کیطرح سے کود کود کر بیٹھتے ہیں اور رعیت پر ظلم اور ستم کرتے ہیں یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نہایت شاق گذری تو آپکی تشفی کیواسطے یہ سورۃ نازل ہوئی اور مُراد ہزار مہینے سے بنی اُمیۃ کی سلطنت کی مدّت ہے کہ اُنکی بادشاہت کا زمانہ اسیقدر تھا اور اِس سورۃ کو سورۂ قدر اسواسطے کہتے ہیں کہ اسمیں مذکور لیلۃ القدر کا ہے اور لیلۃ القدر کو جو لیلۃ القدر کہتے ہیں اُسکی دو وجہیں ہیں اوّل تو یہ کہ قدر مقدار اور رُتبے کو کہتے ہیں اور اِس رات میں مقدار اور رُتبہ بنی آدم کے صلحاء اور عابدوں کا ظاہر ہوتا ہے اور مراتب مکسوبہ یعنی مرتبے کمائے ہوئے اُنکے

قرب اور منزلت میں عند اللہ ثابت ہوتے ہیں گویا کہ تمام سال کی عبادت کا ثمرہ ظاہر ہوتا ہے
اور فرشتے اور ارواحیں قدر اور منصب سے ہر ایک کے مطلع ہوجاتے ہیں دوسرے یہ کہ قدر بزرگی
کے معنوں میں بھی آتا ہے چنانچہ کہتے ہیں کہ فلانا نہایت عالی قدر یا ذوالقدر ہے یعنی شرف اور بزرگی
رکھتا ہے اور یہ رات کئی طور سے دوسری راتوں پر شرف اور مرتبہ رکھتی ہے اول یہ کہ تجلی الٰہی شام
سے صبح تک اِس رات میں متوجہ بندوں کے حال کیطرف ہوتی ہے اور اُنکو قرب معنوی حق تعالیٰ
کی جناب میں پیدا ہوتا ہے دوسرے یہ کہ فرشتوں کا عالم اور ارواح کا عالم ملاقات کو صلحا اور عابدوں
کی آسمان سے زمین پر آتے ہیں اور اُنکے نزدیک ہونیکے سبب سے عبادتونکی کیفیت اور طاعتوں
کی حلاوت دوسری راتونکی عبادت کی کیفیت اور حلاوت سے ہزاروں درجے بڑھ جاتی ہے
تیسرے یہ کہ قرآن مجید بھی اسی رات کو نازل ہوا ہے یعنی لوح محفوظ سے دُنیا کے آسمان پر اور یہ
ایسا شرف ہے کہ نہایت نہیں رکھتا چوتھے یہ کہ پیدائش فرشتوں کی بھی اسی رات میں ہے پانچویں
یہ کہ بہشتوں کا آراستہ کرنا بھی اسی شب کو ہے چھٹے یہ کہ حضرت آدمؑ کی پیدائش کا مادہ بھی اسی شب کو
جمع ہوا ہے اور صحیح روایت میں آیا ہے کہ عثمان بن ابی العاصؓ کا ایک غلام تھا کہ سالہا سال
جہازونکی ملاحی کی تھی ایک روز اُن سے کہنے لگا کہ دریا کے عجائبات سے ایک چیز میرے تجربے
میں ہے کہ میری عقل اُس سے حیران ہے وہ یہ ہے کہ دریائے شور کا پانی سال میں ایک رات میٹھا
ہوجاتا ہے عثمان بن ابی العاصؓ نے اُس سے کہا کہ جب وہ رات آوے تو مجھ کو خبر کرنا دیکھوں
تو وہ کونسی رات ہے اور کیا بزرگی رکھتی ہے اُس غلام نے ستائیسویں کو رمضان المبارک کی اُنسے
کہا کہ یہ رات وہی ہے غرضکہ مضمون سے اِس سورۃ کے معلوم ہوتا ہے کہ عبادتیں اور طاعتیں وقتوں
کی نیکوئی اور مکانونکی بزرگی اور اجتماع اور حضوری صالحوں کے سبب سے ایجاب میں ثواب کے
اور ایراث میں برکات اور انوار کے بڑا مرتبہ رکھتی ہیں اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہماری طاعتوں اور
عبادتونکی مشقت اور رنج کے موافق اُسوقت ثواب دیا جاتا ہے تاکہ اس طور کا کوئی سبب درمیان
میں نہ ہو جیسے کہ فرمایا ہے کہ اَجْرُكَ عَلٰى قَدْرِ نَصَبِكَ یعنی ثواب تیرا تیری محنت کی قدر ہے
لیکن جو اِن زیادتیوں سے تفاوت حاصل ہوتا ہے تو ثواب طاعتوں کا رنج اور مشقت کے
اندازے پر نہ ہوا اسواسطے کہ بہت ہوتا ہے کہ تھوڑی سی عبادت جمعیت خاطر سے متبرک وقت

یا مکان میں بہت سی طاعت سے بہتر اور منوّر ہو جاتی ہے آور یہ بھی سمجھ لیا چاہیئے کہ لیلۃ القدر
کو باوجود اِس عظمت اور شرف کے لوگونکی دریافت سے پوشیدہ رکھا ہے جیسے دعا قبول ہونیکی
گھڑی کو جمعہ کے دن میں اور صلوٰۃ وسطیٰ کو پانچوں نمازوں میں اور اسم اعظم کو اسمار الٰہی میں آور
مقبول طاعت کو دوسری طاعتوں میں آور اولیاء اللہ کو دوسرے لوگونمیں تاکہ تمام لوگ ہمیشہ
اِن چیزوں کی جستجو میں رہیں اور سب راتونکی اور سب ساعتونکی اور سب نمازونکی اور سب اسمار الٰہی
کی اور سب طاعتونکی اور سب نیک لوگونکی رعایت کریں آور اِس متبرک رات کے چھپانے میں بھی
ایک حکمت ہے جیسے مرنے کے اور قیامت کے دن کے چھپانے میں حکمت ہے وہ یہ ہے کہ مکلفین محنت
اور کوشش میں قصور نہ کریں اور تکیہ اور بھروسہ ایک چیز معین پر نہ کر بیٹھیں اور غفلت اور سستی
کو نہ اختیار کریں آور اِس شب کے پوشیدہ رکھنے کی وجہوں میں یہ بھی کہا ہے کہ اگر شب قدر
عام لوگوں پر ظاہر ہوتی تو بعضے لوگ اِس رات میں عبادت کر کے ثواب ہزار مہینے کا کماتے آور
بعضے لوگ شہوت اور ہوا اور ہوس کی گرفتاری کے سبب سے اِس رات کو لغویات اور معصیات
میں گذارنے سے عذاب ہزار مہینے کا حاصل کرتے پس رحمت الٰہی نے اِس بات کو چاہا کہ لوگ
اِس رات کو یقینی نہ جانیں کہ دیدہ و دانستہ اِس رات میں گناہ کریں اور عذاب عظیم میں گرفتار
ہوں ہر چند کہ بعضوں کو اِس رات میں عظیم ثواب حاصل ہوتا لیکن دفع ضرر کا بہتر ہے منفعت
کے حاصل کرنے سے آور یہ بھی سمجھ لیا چاہیئے کہ بعضے مفسروں نے قدر کو تقدیر کے معنی میں لیا ہے
اور کہا ہے کہ روزیاں اور موتیں اور دُکھ اور بیماریاں اور عمل اور سوا اس کے دوسرے حادثے
جو دُنیا میں ہونیوالے ہیں اسی رات کو مقدر ہوتے ہیں اور فرشتوں کو فرو ین اُن کاموں نکی جو
اُن سے متعلق ہیں لوح محفوظ سے نقل کر کے سپرد کر دیتے ہیں تاکہ مطابق اُس نوشتے کے تمام سال
عمل کریں لیکن صحیح یہ بات ہے کہ یہ تقدیر شعبان کی پندرھویں رات کو ہوتی ہے جسکو شب برات
کہتے ہیں اگرچہ تابعین میں سے بعضوں نے کہا ہے کہ نقل نویسی اُس رات کو ہوتی ہے اور متصدیوں
کے حوالے اِس رات میں کرتے ہیں تو ابتدا تقدیر کی شب برات میں ہوئی اور اِسکی انتہا اِس رات
میں لیکن تحقیق وہی بات ہے جو ذکر کی گئی اور شب قدر کی تعیین میں بہت اختلاف ہے جو کچھ کہ
قرآن مجید سے ثابت ہوتا ہے سو اسیقدر ہے کہ وہ مبارک رات رمضان کے مہینے میں ہے

اسواسطے کہ اس سورۃ میں قرآن کا نازل ہونا اسی رات میں فرمایا ہے اور اس رات میں عبادتیں
اور طاعتیں اور منصب اور مرتبے ہر مقرب الی اللہ کے عالم ملائکہ اور عالم ارواح پر ظاہر ہوتے ہیں
اسی سبب سے اس رات کو لیلۃ القدر کہتے ہیں اور سورہ بقرہ میں دوسرے سیپارے میں فرمایا ہے کہ
نزول قرآن شریف کا رمضان کے مہینے میں ہے پس جمع کرنیسے ان دونوں فرمانوں کے اسقدر
ثابت ہوتا ہے کہ شب قدر رمضان کے مہینے میں ہے آور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ شب قدر تمام سال
میں دائر ہو اور جس سال میں قرآن نازل ہوا تھا اُس سال میں رمضان کے مہینے میں واقع ہوئی
ہو لیکن یہ قول نہایت بعید ہے اور از روے حدیث صحیح مشہور کے ثابت ہوا ہے کہ وہ رات رمضان
کے مہینے کے اخیر دہے کی طاق راتوں میں ہے پس تمام سال میں یہ پانچ راتیں اس بات کا احتمال
رکھتی ہیں کہ شب قدر ہوں اکیسویں تیئسویں پچیسویں ستائیسویں اُنتیسویں آور اصح یہ بات ہے
کہ ایک رات اِن راتوں میں سے شبِ قدر ہوتی ہے بے تعیین کے کسی سال اکیسویں کسی سال
تیئسویں اور کسی میں پچیسویں اور کبھی ستائیسویں اور کبھی اُنتیسویں آور یہ بات جو مشہور ہے کہ
ستائیسویں رات ہے سو اس سبب سے ہے کہ وہ اکثر ستائیسویں شب کو واقع ہوتی ہے اسیواسطے
ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ لیلۃ القدر میں نو حرف ہیں اور یہ لفظ اس سورۃ میں تین
بار مذکور ہے اور جب تین کو نو میں ضرب دیں تو ستائیس ہوتے ہیں بعضے علماء نے کہا ہے کہ اس
سورۃ میں تیس کلمے ہیں اور ستائیسواں ان میں سے ھی کا لفظ ہے کہ شب قدر کی طرف پھرتا
ہے اور یہ اشارہ ستائیس کے عدد کی طرف ہے واللہ اعلم بالصواب ،

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۚ مقرر ہمنے نازل کیا قرآن کو لوح محفوظ سے آسمان دُنیا پر
شبِ قدر میں یعنی وہ رات کہ اُسمیں قدر اور مرتبہ عبادت کرنیوالوں کا ظاہر ہوتا ہے اور مرتبے
اُنکی ولایتوں سے عالم ملکوت اور عالم ارواح پر ظاہر ہوتے ہیں اور منصب قطبیت اور غوثیت اور
ابدالیت اور امامت کے اُن مرتبوں کے مستحقوں کیواسطے اِس رات کو معیّن اور مقرر کرتے ہیں
آور اس معاملے کو رات کیساتھ اسواسطے مخصوص کیا کہ دن ظہور کا وقت ہے تو مشابہ ہے عالم
شہادت سے اور رات پردہ پوشی کا وقت ہے پس عالم غیب سے کمال مشابہت رکھتی ہے

اور بھید اس رات کا وہ جو بعضے عارفوں کو معلوم ہوا ہے وہ یہ ہے کہ رات وصل کا وقت ہے اور صورت وصل کی اِس شب میں اس طور سے جلوہ فرماتی ہے کہ جمال الٰہی کی تجلی اپنے مشتاق بندوں کے حال کیطرف متوجہ ہوتی ہے اور مدارک اور اذہان یعنی بوجھوں اور ذہنوں میں اُن کے ایک فراخی پیدا ہوتی ہے اور قوت خیالیہ قوت مدرکہ کی خدمت کرتی ہے اور وہ تجلی ایک عالم کو ملائکہ اور ارواح سے کہ عالم قدس کے رہنے والے ہیں اپنے ہمراہ لاتی ہے اور ملاقات کرنا غیب کے عالم کا عالم ظاہری سے اور ملنا آسمان کے کمال والوں کا زمین کے کمال والوں سے اور ورآنا انوار اور روشنیاں ایک کی دوسرے میں اور فائدہ حاصل کرنا ایک عالم کا دوسرے عالم کے اشعہ اور لمعات سے یعنی کمالات کی روشنیوں سے اس رات کو بخوبی ہوتا ہے اور عالم روحانی میں ایک عجیب حالت پیدا ہوتی ہے کہ اُسکی شرح بیان کرنا بہت مشکل ہے لیکن ایک ناقص مثال سے اسقدر سمجھنے کیواسطے بیان کیا جاتا ہے کہ موسم بہار کے آنیکے طور پر بوجھ لینا چاہیئے کہ آسمان سے پانی برسنے کے سبب سے اور آفتاب کی گرمی کی تیزی سے جو زمین کی اُبھارنیوالی قوت میں تاثیر کرتی ہے اور ہر ہر دانے اور گٹھلی میں جو جو شکل چھپی اور پوشیدہ ہے وہ سب طرح طرح کے گل بوٹے اور رنگ رنگ کے سبزے لہلہاتے ظاہر ہوتے ہیں اور بڑی رونق اور کمال زینت عالم میں حاصل ہوتی ہے باقی رہا یہاں پر ایک شبہہ اور وہ یہ ہے کہ نزول قرآن تیئیس ۲۳ برس تک ہے اور شروع اُس کے نزول کا ربیع الاول کے مہینے میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر شریف کے چالیسویں ۴۰ برس کا شروع تھا اور قرآن مجید میں قرآن کے نازل ہونیکا اشارہ تین معین وقتوں کیطرف فرمایا ہے ایک تو رمضان شریف اور دوسرے شب قدر اور تیسرے شب مبارک کہ اکثر علما کے نزدیک شب برات ہے یعنی پندرھویں ۱۵ رات شعبان کی پھر مطابقت اور موافقت اس امر واقعی میں اور اِن مخالف تعبیروں میں کیونکر درست آویگی سو اس کا جواب روایتوں میں تامل کرنے کے بعد جو معلوم ہوا ہے سو یہ ہے کہ نزول قرآن کا لوح محفوظ سے بیت العزت میں کہ وہ ایک جائے ہے آسمان دُنیا پر گھری ہوئی ہے ملائکہ ذیقدر سے شب قدر میں ہے جو رمضان کے مہینے میں واقع ہے اور اندازہ اُسکے نزول کا اور حکم فرمانا لوح محفوظ کے نگہبانوں کو کہ اس کا نسخہ نقل کر کے آسمان دُنیا پر پہونچادیں اُسی سال کی شب برات میں تھا

اب اس صورت میں تینوں تعبیریں درست ہوئیں یعنی نزول حقیقی شب قدر کو رمضان کے مہینے میں واقع ہوا اور نزول تقدیری اُس سے پہلے شب برات میں اور نزول قرآن کا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان پر سو ربیع الاول کے مہینے میں چالیسویں برس کے شروع میں ہے اور تمام ہونا اُسکے نزول کا آخر عمر میں پس تعارض نہ رہا وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝ اور کیا جانتا ہے تو کہ کیا بزرگی ہے شب قدر کی یعنی ہر چند کہ عارف وسیع المعرفت جلیل المرتبہ ہو لیکن اس تجلی الٰہی کی حقیقت کو کہ گوناگون عالم ہمراہ رکھتی ہے اور رنگارنگ تاثیریں ہر ایک کی استعداد کے موافق ظاہر کرتی ہے جیسا کہ چاہیئے ویسا بیان کر نہیں سکتا اِسواسطے کہ شرط اُسکے جاننے کی واقف ہونا اُن سب علموں اور اُن سب استعدادوں پر ہے اور یہ بات تفصیل سے حاصل ہونا بشر کے مقدور سے باہر ہے پس جس قدر کہ ظاہر کرنا اس شب کی عظمت کا ممکن ہے بیان کیا جاتا ہے کہ لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۙ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝ شب قدر بہتر ہے ہزار مہینوں سے کہ اُن میں شب قدر نہ ہو اور مدعا یہ کہ ہر مہینہ شامل ہے دنوں کو اور راتوں کو اور ہر روز اور ہر شب موافق ان اللہ فی ایام دھرکم نفحات الا فتعرضوا لھا شامل ہونیوالے تجلیات غیبیہ اور شہودیہ کے ہوتے ہیں لیکن یہ تجلی کہ اس شب میں واقع ہوتی ہے اُن تجلیوں کی نسبت سے ایسی ہے جیسا کہ دریا کی نسبت قطرے کے ساتھ ہوتی ہے عام ہونے اور شائع ہونے میں اور اسمار الٰہی کی بلندی کے سبب سے کہ مادہ اس تجلی کے ہیں اور ہزار کے عدد کی تخصیص اِسواسطے ہے کہ عرب کی زبان میں عدد کا نام یہیں تک ہے اور ہزار سے آگے اُنکی زبان میں نام نہیں ہے تو گویا کہ اشارہ فرمایا ہے عدد کی انتہا پر اور مہینوں کی تخصیص اِسواسطے ہے کہ باوجود اِس بات کے کہ سال میں رات اور دن زیادہ ہیں لیکن عرب کے سال کہ قمر کے دَور سے شمار کرتے ہیں فقط اُسمیں مہینوں کی تکرار ہے اور شمسی سال ایک پوشیدہ چیز ہے اور مخصوص دنوں کے ساتھ ہے برخلاف چاند کے کہ رات سے خصوصیت رکھتا ہے اور باوجود اِن سب باتوں کے چاند کو زیادہ مناسبت اس مقام پر ثابت ہوئی ہے اِسواسطے کہ چاند کا نکلنا پہلی شب سے چودھویں تک بلکہ ابتدا سے انتہا تک رات ہی میں واقع ہوتا ہے تو گویا کہ نور کی تجلی کا ظہور رہے دنیا کے ظلمت کدے پر اور جس وقت کہ تجلی الٰہی اِس

رات کو اِس عظمت اور بزرگی کے ساتھ واقع ہوتی ہے تو ثواب اِس رات کی عبادت کا ہزار مہینے کی عبادت سے بہتر ہو گیا اب آگے بیان اُسکی عظمت کا فرماتے ہیں کہ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا اُترتے ہیں فرشتے آسمان سے اور روحیں علّیین کے مقام سے اُس رات میں ملنے کو اہل کمال سے اور بنی آدم کے اعمال کے انوار حاصل کرنیکو اور لذتیں اُٹھانیکو بسبب معلوم کرنے اُن کیفیتوں کے جو زمین والوں کی ذات میں اپنے محبوب اور معبود کی نسبت سے حاصل ہوئی ہیں آور یہ نازل ہونا اُنکا زمین والوں کے نور اور حضوری زیادہ ہونے کو بھی ہے اور اِسواسطے بھی ہے کہ آسمان کو کیفیتیں زمینوں کی بطور انعکاس کے حاصل ہوں پس علوی کمالات اور سفلی کمالات دونوں گروہوں میں تو کس انوار کے طور پر جلوہ فرماویں اور ایک شکل دونوں نوعوں سے مرکب ہو کے کمال کی صورت پکڑے اور وہ جو ہر ہر فرد میں کمالات مندرج تھے سوا جتماع کے اور حاصل ہونے ہیأت وجدانی کے سبب سے کہ مشابہ مزاج مرکب کے ہے دوسرا رنگ دکھاوے جیسے مزاج معجون مرکب کا اجزائے مختلفۃ الکیفیات سے کہ ہر ہر فرد کی تاثیر سے علاوہ ایک دوسری تاثیر پیدا کرتی ہے اور یہ ایک طلسم ہے طلسمات آلہی سے کہ ناقص کو اِس طریقے سے کامل کے حساب میں داخل کر لیتے ہیں آور اِسی بھید کے سبب سے جماعت کی نماز کو تنہا نماز سے افضل ٹھہرایا ہے اور جسقدر جماعت کثیر ہوتی ہے اُسیقدر روشن ہونے میں دل کے اور مقبول ہونے میں عند اللہ کے تاثیر زیادہ کرتی ہے اور جو ملائکہ اور ارواح کا نازل ہونا کاموں کے جاری کرنے کیواسطے جو ملائکہ سے تعلق رکھتے ہیں یا حاصل ہونے کو اُس مناسبت کے جو بعضے اہل کمال کو ارواح علویہ کے ساتھ کبھی پائی جاتی ہے ہوتا ہے اسیواسطے ایک کلمہ دوسرا ارشاد فرمایا ہے کہ یہ نزول اس قسم سے نہیں ہے بلکہ یہ نزول بِاِذْنِ رَبِّهِمْ حکم سے اُنکے رب کے ہے غرض یہ ہے کہ تجلی واحد سب ملائکہ اور ارواح کو فرمانبرداری میں لیکر واسطے ایک کام کے کہ وہ حاصل ہونا ہیأت وجدانیہ کمالات مختلفۃ المقدار کا ہے نیچے لائی ہے پس بے شبہہ نازل ہونا ملائکہ اور ارواح کا سوائے اس وقت کے اس طور پر ہے جیسے کوئی متصدی یا امیر بادشاہ کا کسی کے گھر اپنی آشنائی کے سبب سے یا کسی تقریب کے سبب سے آویں آور نازل ہونا ملائکہ اور ارواح کا اُس وقت میں بلاشبہہ اِس طور پر ہے کہ حکم سے

بادشاہ کے یا ہمراہ بادشاہ کے اُس شخص کے گھر میں جمع ہوں پس جو کچھ کہ تفاوت اِن دونوں حالتوں میں ہے ظاہر اور روشن ہے مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ۙ بیان ملائکہ اور ارواح کا ہے یعنی ملائکہ ہر کام کے اور ارواح ہر کام کے کہ قرب اور کمال کے ساتھ متعلق ہے نزول فرماتے ہیں ہر چند کہ سب لوگ منزل علیہم یعنی جن پر نازل ہوئے ہیں استعداد اس قرب اور کمال کی نہیں رکھتے ہیں لیکن پیدا کرنا ہیأت وجدانیہ کا اور پورا کرنا ناقصوں کے نقصان کا منظور ہے اور جب اُس شب مبارک کی عظمت کے بیان سے فارغ ہوئے تو اب ایک خاصیت دوسری اُس شب کے خواصوں میں سے بیان فرماتے ہیں سَلٰمٌ ۛ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝ سلامتی ہے اس رات کو نفس اور شیطان کی شر سے کہ اکثر ٹل جانا اُنکے شروں کا طاعتوں کے رد ہو جانیکا سبب پڑتا ہے سو اس رات کو نور تجلّی کی چمک سے اور حاضر ہونے ملائکہ اور ارواح کے سبب سے نفسانی حادثوں کی تاثیر اور شیطانی خطرات بالکلیہ دفع ہو جاتے ہیں اور غروب آفتاب کے وقت سے صبح صادق کے نکلنے تک یکساں ان آفتوں سے امن اور اطمینان ہوتا ہے بخلاف اور راتوں کے کہ اوّل تہائی میں شیطانوں کے پھیلنے کا وقت ہے اور اُنکے خطرے اور وسوسے عبادت اور بندگی کرنیوالوں کی خاطروں کو پریشان کر دیتے ہیں اسیواسطے اس ثلث میں فرض نماز مقرر فرمائی ہے اور دوسرے ثلث میں اکثر نیند غفلت کی اور بُرے بُرے خیال اور پریشان خوابیں اور نفسانی خواہش طبیعت کی عادت سے ظاہر ہوتے ہیں اور خراب کرتے ہیں اور دعا سے اور حضوری کی لذت حاصل کرنیسے غافل کر دیتے ہیں اور تیسرا حصہ یعنی پچھلی رات کہ ان دونوں خرابیوں سے بچی ہوئی ہے سو تہجد اور جناب الٰہی میں التجا اور زاری اور دعا کیواسطے مقرر ہوئی ہے اب اس جگہ چاہیئے کہ عالموں کا اختلاف ہے اِس بات میں کہ ملائکہ اور ارواح سے سب ملائکہ اور ارواحیں مُراد ہیں جیسا کہ قرآن کے ظاہری لفظ اسی پر دلالت کرتے ہیں یا وہ ملائکہ اور ارواحیں مراد ہیں جو سدرۃ المنتہیٰ میں رہتے ہیں جیسا کہ بعضی حدیثوں میں مذکور رہے ہر طرح سے حضرت جبرئیل علیہ السّلام کے نازل ہونے میں سب کا اتفاق ہے اور ان کا مقام سدرۃ المنتہیٰ کے بیچ میں ہے اور انکے ہمراہ سب ملائکہ اور ارواحیں نازل ہوتی ہیں اور ہر عبادت کرنیوالے سے حضرت جبرئیل علیہ السلام مصافحہ کرتے ہیں اور اُنکے مصافحہ کرنے کا نشان یہ ہے کہ عین عبادت کی مشغولی میں بال بدن پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور دل میں رقّت پیدا ہوتی ہے اور آنکھ سے آنسو نکل آتے ہیں اور اُس عبادت

ع ۵

میں نہایت لذت حاصل ہوتی ہے اور اس رات کے خواص سے ایک یہ ہے کہ اس رات کو دعا قبول ہوتی ہے تو سب کو لازم ہے کہ ایسی دعا اس رات کو مانگیں جو سب بہتریوں کو دنیا اور آخرت کے شامل ہو اور حدیث صحیح میں آیا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ اگر میں شب قدر کو پاؤں تو کیا دعا مانگوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ دعا مانگو اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ یعنی یا اللہ تیرا نام عفو ہے اور بخشنے کو تو دوست رکھتا ہے سو بخشدے مجھ کو اپنے کرم سے اور حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ مَنْ قَامَ لَیْلَةَ الْقَدْرِ اِیْمَانًا وَّ اِحْتِسَابًا غُفِرَ لَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ یعنی جو شخص زندہ رکھے شب قدر کو نماز اور عبادت سے ایمان کے ساتھ ثواب کی طلب کیواسطے تو اس کے پچھلے گناہ سب بخشدیے جاتے ہیں اور بعضے عالموں نے کہا ہے کہ سَلٰمٌ ھِیَ حَتّٰی مَطْلَعِ الْفَجْرِ ؎ کے معنی یہ ہیں کہ فرشتے اور روحیں اس رات کو سب مسلمانوں پر سلام کہتی ہیں اور صاحب کمالوں سے مصافحہ کرتی ہیں پس یہ آیت ملاقات کی کیفیت کے بیان میں ہے نزول کے بیان کے بعد واللہ اعلم بالصواب

سورۃ البیّنۃ

یہ سورۃ مکی ہے اور اسمیں آٹھ آیتیں اور چورانوے کلمے اور تین سو چھیانوے حرف ہیں اور بیّنہ لغت میں ظاہر اور روشن چیز کو کہتے ہیں کہ اس چیز کے دیکھنے کے بعد حقیقت کام کی ظاہر ہو جاوے اور کچھ شک و شبہہ اسمیں باقی نہ رہے جیسے گواہ معتبر دعوی میں اور اس سورۃ کا نام بیّنہ اسواسطے رکھا ہے کہ یہ سورۃ دلالت کرتی ہے اس بات پر کہ وجود پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خود بخود اپنی نبوت پر ایک روشن نشانی ہے یہانتک کہ کچھ احتیاج دوسری دلیل لانیکی نہیں ہے اور جو شخص وضعوں اور احوالوں اور افعالوں اور اقوالوں اور اخلاقوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بخوبی واقف اور خبردار ہو تو یقیناً سمجھ لے کہ اس قسم کی مقدس ذات بے شبہہ و شک لیاقت پیغمبری کی رکھتی ہے اور جھوٹ اور بناوٹ کا یہاں ہرگز دخل نہیں ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باوجود یتیمی کے کہ باپ اور دادا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بچگی کیحالت میں گذر گئے تھے اور بھائی بند اور قوم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جہل مرکب میں گرفتار تھے ستھرے آداب اور نیک اور پسندیدہ وضعوں سے بالکل واقف نہ تھے انکے درمیان میں آپکی

ذات بابرکات کمال حُسن اخلاق اور نہایت آداب کی رعایت کے ساتھ ظاہر ہوئی اور باوجود اس بات کے کہ آپ اُمّی محض تھے بلکہ مکتب میں بیٹھے بھی نہ تھے مشکل مشکل علموں کی باریکیاں واضح بیان سے ارشاد فرماتے تھے اور الفاظ کو کہ گویا وہ بھی معجزے تھے کمال فصاحت سے ادا کرتے تھے اور کبھی کوئی بات خلاف عقل اور مروّت کے آپ سے ظہور میں نہیں آئی اور مُلکی تدبیریں اور جنگ وصلح کے مقدمے اور سوا ان کے ہر کام آپ کا حکمت کے قاعدے پر جاری تھا پھر باوجود نہ ہونے تعلیم اور تعلّم کے کمال کو اس مرتبے کے پہونچنا بغیر تائید غیبی کے اور بدون تعلیم الٰہی کے ممکن نہیں ہے یہی معنی پیغمبری کے ہیں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

لَمۡ یَکُنِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ اَہۡلِ الۡکِتٰبِ وَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ مُنۡفَکِّیۡنَ حَتّٰی تَاۡتِیَہُمُ الۡبَیِّنَۃُ ۙ نہ تھے وہ لوگ جو کافر ہوئے ہیں اہل کتاب اور مشرکین سے جُدا ہونیوالے اپنے آئین اور وضع سے جبتک کہ نہ آوے اُنکے پاس کھُلی نشانی حاصل اس آیت کا یہ ہے کہ قبل مبعوث ہونے ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عرب کے مُلک میں لوگ دو قسم کے تھے ایک قسم تو مشرک تھے کہ بعضے اُن میں سے صابئین اور مجوس کیطرح سے روحانیت کو ستاروں اور آگ کی پوجتے تھے اور بعضوں نے صلحائ اور بزرگونکی صورتوں کو معبود ٹھہرایا تھا اور اُنکو بہت مقرب درگاہ الٰہی کا سمجھ کر وسیلہ دین اور دُنیا کا سمجھتے تھے جیسے قریش اور دوسرے وہاں کے جاہل لوگ اور دوسری قسم اہل کتاب کہ اپنے کو تابع کتاب الٰہی کا جانتے تھے اور بعضے توریت اور زبور کو اپنا پیشوا قرار دیتے تھے اور بعضے انجیل کو بھی مانتے تھے اور یہ سب فرقے قبیح بدعتوں میں اور بُری رسموں میں اور باطل اعتقادوں میں ایسے جم گئے تھے اور مضبوط ہو گئے تھے کہ پند اور نصیحت اور وعظ اور ارشاد اُنکے دلوں میں اثر نہیں کرتا تھا اور قائم کرنے سے دلائل عقلی کے اور سمجھانیسے قرائن اور حکموں کے ہرگز صلاحیت پر نہیں آتے تھے اور سب یہی کہتے تھے کہ ہم اپنی قدیمی وضعوں کو اور اپنے موروثی دینوں کو ہرگز نہ چھوڑینگے جبتک کہ کوئی دلیل ظاہر اور کھُلا معجزہ نہ دیکھ لیں اور پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم جنکی تعریف آسمانی کتابوں میں جابجا دیکھی ہے اور اگلے انبیاؤں سے سُنی ہے ظاہر نہ ہوں اور ہمکو ہمارے کاموں پر آگاہی نہ دیویں ہم اپنی وضع اور آئین ہرگز نہ چھوڑینگے اور یہ حالت اُنکی بعینہٖ ایسی تھی جیسے اس اُمّت کے بعض گمراہ فرقوں کی

اِس زمانے میں ہے کہ ایک گروہ اپنے کو صوفی ٹھہراکر بدعتوں میں پھنسے ہوئے ہیں اور ایک طائفہ ملحدوں کا اور ایک بے قیدوں کا کہ آپکو تارک دُنیا مقرر کیا ہے اور انسانیت کی حد سے باہر نکل گئے ہیں اور ایک گروہ نے اپنا نام شیعہ اہل بیت رکھا ہے اور باطل عقیدوں میں گرفتار ہیں اور کتنوں نے اپنے تئیں علماء کے زمرے میں قرار دیکر ٹھگئی اور مکر شروع کیا ہے اور حیلے شرعی نکالکر ایک عالم کی راہ ماری ہے اور روایتیں نادر اور غریب جنکی کہیں اصل نہیں ہے اور بالکل مخالف اصول کے ہیں دُنیا کی طمع کیواسطے لوگوں کو بتاتے ہیں اور راہِ حق سے پھیرتے ہیں پھر ان سب طائفوں کو اگر عقلی اور نقلی دلیلوں سے سمجھایا جاوے کہ سیدھے محمدی راستے پر قائم ہو جاؤ اور اپنی موروثی بدعتوں کو چھوڑ دو تو ہرگز نہیں سُنتے ہیں اور اِن سب گمراہ فرقوں کا جواب مقابلے میں وعظ اور نصیحت اور آیات کے یہ ہے کہ ہم اِس قدیم وضع اور آئین اپنے کو بغیر کوئی دلیل ظاہر کے اور بدون حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ کے ظاہر ہونیکے اور اُنکے بیان شافی کے ہرگز نہ چھوڑینگے پس اسی حالت کیطرح یعنی جیسے اب ہے قبل ظاہر ہونے ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عالم میں تھے تو حکمت الٰہی نے چاہا کہ ایک پیغمبر آوے کہ خود بھی ایک ظاہر حجت ہو اور اُسکا بیان شافی سب کو جہالت کے مرض سے نجات بخشے چنانچہ اسکا بیان فرماتے ہیں رَسُوۡلٌ مِّنَ اللّٰہِ یَتۡلُوۡا صُحُفًا مُّطَہَّرَۃً ۙ فِیۡہَا کُتُبٌ قَیِّمَۃٌ ؕ آوے ایک پیغمبر کہ پڑھے ورق پاک کہ اُنمیں لکھا ہے مضبوط اور تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ تین چیزیں ارشاد اور نصیحت میں نہایت مرتبہ عالی رکھتی ہیں پہلے یہ کہ ایک شخص بھیجا ہوا خدا کا ہووے اور معجزے اُسکے دکھلانے اور انسانی کمالات اُسکے جمع ہونیسے اُسکی رسالت خدا کیطرف سے ثابت ہو سو یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں کماحقہٗ ثابت تھی اِسواسطے کہ رسالت کی شرطیں اور انسانیت کے کمالات کی انتہا کو پہونچنا باوجود اُمّی ہونیکے اُنمیں ظاہر نظر آتی تھیں دوسرا کلام اُترا ہوا غیب کا کہ معجزوں کے نور اُسمیں روشن ہوں اور برکتیں اور نور اُسکی تلاوت میں نیک لوگوں کو نظر آویں اور کلام کے عیبوں سے کہ ہزل اور کذب اور تناقض ہے پاک ہو اور یہ بات قرآن مجید میں کہ ہمارے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم باوجود اُمّی ہونیکے اُس کو تلاوت فرماتے تھے ظاہر اور روشن ہے تیسرے یہ بات کہ ایسی کتاب کہ اُسمیں اگلی کتابیں مندرج ہوں اور مضمون اُنکے اُس کتاب کی مختصر عبارت میں لپٹے ہوں اور وہ معنی اور مضمون کہ معلومۃ الصدق ہیں یعنی سچے سمجھے ہوئے ہیں اور واضح تقریریں

ذہن نشین عبارتوں میں ادا کیگئی ہوں سو یہ چیز بھی اِس کلام مجید میں بھرپور موجود ہے بلکہ خلاصہ تمام اوّلین اور آخرین کا اُسمیں صاف صاف یا اشارۃً مذکور ہے اسیواسطے اس کلام شریف کے نازل ہونیکے وقت سے آج تک کہ بارہ سَو برس سے زیادہ گذرے ہیں بڑے بڑے علمار طرح طرح کے علموں کے زور سے اُسکی عبارتوں اور معنوںمیں غور کرکے نکتے باریک باریک اپنی استعداد اور حوصلے کے موافق نکالتے ہیں ع لنعم ما قیل شعر وَکُلُّ الْعِلْمِ فِی الْقُرْاٰنِ لٰکِنْ + تَقَاصَرَ عَنْہُ اَفْہَامُ الرِّجَالِ یعنی سب علم موجود ہیں قرآن میں لیکن قاصر ہوئی ہیں اُس سے بوجھیں آدمیونکی اور جب یہ تینوں چیزیں ایک جاے پر جمع ہوں تو ارشاد اور ہدایت میں اعلیٰ مرتبہ حاصل ہوتا ہے اب سزاوار یہ بات تھی کہ سب مخالف طائفے بعد مبعوث ہونے ایسے پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور نازل ہونے ایسے کلام پاک کے اپنی وضع اور آئین کو چھوڑکر ایک رو اور ایک جہت ہوکر متابعت اس دین کی قبول کرتے اور کسی طرح کا اختلاف اور تفرقہ جائز نہ رکھتے لیکن نفس اور شیطان کے غلبے کے سبب سے پھر اُسی اختلاف اور تفرقے کے مرض میں گرفتار ہوئے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْہُمُ الْبَیِّنَۃُ ؕ اور متفرق نہیں ہوئے جن لوگونکو ملی تھی کتاب یعنی یہود اور نصاریٰ مگر بعد اس بات کے کہ آچکی اُنکو نشانی روشن یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وقت میں بھی یہودی بُری بُری بدعتیں اور خراب خراب اعتقاد اور جھوٹی جھوٹی باتیں اور خبریں بے اصل بناکر اور اُنکو حق تعالےٰ کیطرف نسبت کرکے اِسیطرح شیطان کے پھندے میں گرفتار تھے جناب باری نے اُنکی ہدایت کیواسطے کھُلے کھُلے معجزوں کے ساتھ جیسے مُردوں کا جِلانا اور مادر زاد اندھوں کا اچھا کرنا اور کوڑھیوں کا تندرست کردینا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اُنکی طرف بھیجا اور اُن لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آنے کے بعد ایک بڑا اختلاف ڈالدیا یعنی ایک گروہ نے آپکو فرمانبردار حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ٹھہراکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مخالفت شروع کی اور اُنکے قتل اور ایذا کے درپے ہوئے اور ایک گروہ نے اپنا لقب نصاریٰ ٹھہراکر اپنے زعم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین کی مددگاری اختیار کی اور آپسمیں مارکٹائی اور لوٹ مار اور لعن طعن ہونے لگا اور قرنوں تک اسی طور سے خونخرابی میں گذری اور مدعا اس آیت سے یہ ہے کہ آنا پیغمبر کا اور نازل ہونا کتاب الٰہی کا بغیر حضرت حق کی توفیق کے اور ارادے کے ہدایت اور اصلاح اور ارشاد کیواسطے کافی نہیں ہوتا چاہیئے تھا کہ اُس کو

مستقل اسباب ہدایت کا گمان نہ کرتے آور اسیواسطے محققوں نے کہا ہے کہ قرآن اور پیغمبر اچھی غذا کے مانند ہیں کہ تندرست بدن کو کمال قوت اور طبعی اور حیوانی اور نفسانی کاموں میں درستی پیدا کرتی ہے اور مریض کیواسطے وہی غذا امراض اور عارضونکی زیادتی کا سبب ہو جاتی ہے پس اول روح کے مزاج کی درستی میں کوشش کرنا چاہیئے اور تعصب کی فاسد خلطوں سے اور جہالت کی رسومات اور خیالات کی قیدوں سے پاک صاف کرنا چاہیئے بعد اسکے اُس غذائے لطیف سے تقویت حاصل کرے آور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اِس آیت میں بیان اُس تفرقے اور اختلاف کا منظور رہو کہ بعد رسول ہونے ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظاہر ہوا اور وہ یہ ہے کہ ایک طائفہ یہود اور نصاریٰ کا انکار پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور اُنکے تابعوں سے قتال اور جدال کیواسطے اُٹھ کھڑا ہوا آور دوسرے گروہ نے متابعت اختیار کی اور اُنکے دین کی تائید اور نصرت کیواسطے دل اور جان سے شریک ہوئے آور اس سورۃ میں اہل کتاب کے تفرقے کے ذکر پر اکتفا کرنا اور مشرکین کے تفرقے کا ذکر نہ کرنا اسواسطے ہے کہ یہ بات ہونا کتاب والونسے جو اپنے کو عالم اور دانا کہتے تھے اور انبیاء علیہم السلام کے چال ڈھال سے اور کتب الٰہی کی شان سے خوب واقف اور آشنا تھے نہایت تعجب معلوم ہوا بخلاف مشرکین کے کہ اِن چیزوں سے آگاہ نہ تھے اگر اختلاف کریں تو کچھ دور نہیں آور جب یہ ماجرا مفصل بیان ہو چکا تو یہاں گمان ایک شبہے کا تھا اُسکو بھی دفع فرمایا آور تقریر اُس شبہے کی یہ ہے کہ ہر چند کہ معجزے ظاہر اور علامتیں روشن حقیقت پر ایک شخص کی گواہی دیں لیکن جو یہ شخص برخلاف پہلی شریعتوں کے کہ اجماع انبیاء علیہم السلام کا اُن پر ہو چکا ہے امر و نہی کرے اور اُن شریعتوں کو باطل کرے تو اُسکی بات ماننی نہ چاہیئے اور اُن سب معجزوں اور علامتوں کو اقبال دنیوی پر یا اتفاق پر یا استدراج پر قیاس کرنا چاہیئے آور تقریر اِس شبہے کے دفع کرنیکی اِس آیت میں ہے وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ۞ اور حکم نہیں ہوا اُنکو پیغمبر کی شریعت میں مگر یہی کہ عبادت کریں اللہ کی خالص کرکے اُسکے واسطے دین کو پھر جو خصوصیت اور کیفیت کہ عبادتوں میں یہ پیغمبر بیان کرتا ہے گو پہلی شریعتوں میں وہ خصوصیت اور کیفیت نہ ہو لیکن یہ سب تو طیہ اور تمہید ہے اللہ تعالیٰ کے قرب حاصل کرنے کیواسطے اور اخلاص کی تاکید اور حجاب کے دور ہونے کیواسطے اُس ذات پاک سے آور یہ کہ حنیف ہو جاویں آور حنیف عرب کی زبان میں اُس کو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے غیر کیطرف توجہ نکرے اور بہر

کام میں اور ہر چیز میں اللہ تعالیٰ کیطرف متوجہ رہے آور یہ کہ قائم کریں نماز کو اور دیویں زکوٰۃ کو اگرچہ کیفیت نماز کی اور زکوٰۃ کے ادا کرنے کی مختلف ہووے یہی ہے دین اور مذہب مضبوط کہ حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے ابتک انبیاء اور حکماء اور علماء نے اُسی کی شرح اور تفصیل میں اپنی عمر کو صرف کیا ہے آور اِس شبہے کے دفع کرنے کا حاصل یہ ہے کہ مقصود اصلی اس شریعت کا اگلی شریعتوں سے نہایت مطابق ہے اگرچہ خصوصیات اور کیفیات میں موافق وقت اور حال کے تفاوت ہو لیکن حقیقت میں مقصود کا مطابق ہونا اصل کے ساتھ کفایت کرتا ہے چنانچہ ہر فن اور ہر صنعت میں اسی قسم سے واقع ہے مثلاً یونانی طب بُقراط اور جالینوس کے زمانے سے بُوعلی بن سینا اور محمد زکریا اور مسیحی کے زمانے تک ایک ہی طور پر رہی اس معنی کر کہ اصول جو مقصود یونانی طبیبوں کے ہیں ہر زمانے میں محفوظ ہیں اُن میں تغیر اور تبدل نہیں ہوا چنانچہ سب کہتے ہیں کہ مُسہل نضج کے بعد یعنی فاسد مادہ پک جانے کے بعد دینا چاہیئے اور بُحران کے روز مریض کو چھیڑنا نہ چاہیئے اور مرض کو اُسکی ضد سے دفع کرنا چاہیئے اور صحت کو اُسکی جنس سے محافظت اور نگاہ رکھنا چاہیئے اور علیٰ ہٰذا القیاس آب جو شخص کہ متاخرین یعنی پچھلے طبیبوں کی کتابوں کو دیکھے اور اُنکے مقصدوں کے اصول کو مطابق اصول مقاصد متقدمین کے بوجھے تو یقینی اُنکی طبابت کو دریافت کرلے گا کہ خصوصیتیں کیفیات زائدہ کی جو فی الجملہ اگلونکی طبابت سے تفاوت رکھتی ہیں اُنکی کتابوں میں پائی جاتی ہیں بلکہ اگر تامل اور غور کو قرار واقعی کام میں لاوے اور حکمت کی باریکیونکی رعایت کہ اِن خصوصیتوں میں واقع ہوئی ہے دیکھے تو ضرور متاخرین کی فضیلت کا قائل ہوگا موافق مضمون اس قول کے کہ الصناعات تتکامل بتلاحق الافکار یعنی صنعتیں کامل ہوتی ہیں ملنے سے فکروں کے آور جب حال اہل کتاب کے مخالفوں کا بیان کیا گیا تو اب تفصیل اُن دونوں فرقوں کی اُنکے درجوں کے موافق جو عنداللہ اُن کیواسطے ثابت ہے ثواب سے یا عذاب سے بیان فرماتے ہیں اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ وَالْمُشْرِکِیْنَ مقرر جو لوگ کہ کافر ہوئے اہل کتاب سے اور مشرک کہ آخرت کے حکم میں شریک ہیں اور اہل کتاب کی بزرگی اور عقلمندی یہاں کچھ کام نہیں آتی اسواسطے کہ سب کے سب فِیْ نَارِ جَھَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا دوزخ کی آگ میں ہونگے سدا رہیں گے اُسمیں آور اگر یہ لوگ یہ کہیں کہ ہم انسان کے گروہ سے ہیں اور

انسان اشرف المخلوقات ہے اور کسی مخلوق کو سدا کا عذاب دُنیا اور آخرت میں نہیں ہے ہمکو کسواسطے دائمی عذاب میں گرفتار کرنا چاہیئے اُسکے جواب میں ارشاد ہوتا ہے اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ؕ یہ لوگ بھی سب مخلوقات سے بدتر ہیں اِسواسطے کہ جب حکم الٰہی کا انکار کیا اور اُسکے رسولوں کے منکر ہوئے تو اپنے نفس کی خواہش کو اللہ کے حکموں پر غالب کردیا اور یہ قباحت اور خرابی کسی مخلوقات میں نہیں ہے اِسواسطے سورۂ فرقان میں فرمایا ہے اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ؕ یعنی نہیں ہیں یہ کافر مگر جیسے چارپائے بلکہ اُن سے بھی بدتر اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لا مقرر جو لوگ کہ ایمان لائے سب پیغمبروں پر اپنے وقت کے پیغمبر تک اور کام کیے اچھے اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ؕ یہ لوگ یہی سب مخلوقات سے بہتر ہیں اِسواسطے کہ فرشتوں سے بھی بڑھ گئے ہیں اور ہر زمانے میں اللہ تعالےٰ کی حکمت بوجھے ہیں اور باوجود نفس کی خواہشوں کی کشمکش کے جناب باری کے حکموں کو اُس پر غالب کیا ہے اور وہم کی مخالفت کو دور کر کے عقل کو اُس پر متعین کیا ہے کہ شک اور شبہے درمیان میں نہ آجاویں اور یہ بات فرشتوں میں نہیں ہے کیونکہ وہ جزئی احکاموں کو جانتے ہیں اور وہم اور نفس نہیں رکھتے ہیں کہ عملوں میں یا عقیدوں میں اُنکے نقصان واقع ہو لیکن یہ بات عام ملائکہ کی نسبت سے ہے اور جو خاص فرشتے ہیں جیسے حضرت جبرئیل اور حضرت میکائیل علیہم السلام سو اُنکا مرتبہ نہایت بلند ہے اور اُنکو کمال احتیاط حکمت الٰہی کے اسراروں پر غیر متناہی عالموں میں حاصل ہے اور بُوجھ کامل رکھتے ہیں ہرچند کہ اُنمیں نفس اور وہم کا نہ ہونا ظاہر میں اُنکے ثوابوں کے نقصان کا سبب معلوم ہوتا ہے لیکن جو بنی آدم کے عمل کرنیوالوں کا ثواب ایک شاخ ہے اُنکے فیضونکی شاخوں سے اِسواسطے یہ زیادتی اُس کے برابر نہیں ہوسکتی اور مولانا حافظ الدین نسفی کے عقیدے میں یہ عبارت واقع ہے وخواص بنی اٰدم وھم المرسلون افضل من جملۃ الملٰٓئکۃ وعوام بنی اٰدم وھم الاولیاء والزھاد افضل من عوام الملائکۃ وخواص الملٰٓئکہ افضل من عوام بنی اٰدم اور خاص لوگ بنی آدم کے یعنی رسول اور انبیاء افضل ہیں خاص فرشتوں سے اور عوام لوگ بنی آدم کے یعنی اولیاء اللہ اور زاہد لوگ افضل ہیں عام فرشتوں سے اور خاص فرشتے افضل ہیں عام بنی آدم سے اور وہ جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے

منقول ہے کہ المومن اکرم علی اللہ من بعض الملائکۃ الذین عندہٗ یعنی بندہ مومن اللہ تعالیٰ کے نزدیک بزرگ ہے بعضے فرشتوں سے جو اُسکی حضوری میں ہیں یہ محمول ہے خاص ملائکہ کے ماسوا پر جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ بدلہ اُنکا اُنکے رب کے پاس باغ ہیں سدا رہنے کو اسواسطے کہ اُنھوں نے بھی مختلف طوروں میں اور متفاوت شریعتوں میں حق تعالیٰ کے امر اور نہی کا اور اُسکی حکمتوں کا لحاظ کر کے سدا اُس پر قائم رہے تھے تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ بہتی ہیں اُن باغوں کے نیچے نہریں اس واسطے کہ اُنھوں نے اپنی معرفتوں اور عقائدوں سے عملوں کی نہریں اپنی جان اور جسم پر جاری کی تھیں اور نور اُن عملوں کے اُن کے خاندانی سلسلوں میں اور اُنکی اولاد اور توابعوں میں جاری رہے خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ہمیشہ رہنے والے ہیں اُن بہشتوں میں ابدالآباد تک اسواسطے کہ اُنکے دلوں میں بھی نیت حق پر قائم رہنے کی ابدالآباد تک بس گئی تھی گو کہ عمر تھوڑی پائی تھی رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اللہ راضی ہوا اُنسے اسواسطے کہ اُنھوں نے کسی طور سے کسی نیک شان میں انکار اُس کا نہ کیا وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ اور وہ بھی راضی ہوئے اُس سے اسواسطے کہ ایمان لانیسے شریعتوں مختلفہ پر ثواب اُن سب کا پایا اور اُنکی طبیعت کا پیمانہ ایسا لبریز ہو گیا کہ گنجایش طلب کرنے کی نہ رہی ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ۠ یہ بیان واضح اُس شخص کیواسطے ہے کہ ڈرے اپنے پروردگار سے اور کسی طور میں انکار اُس کی حکمت کا یا اُس کی شان کا نہ کرے اور اُس جناب پاک کے حکم کو اُس کے خوف سے اپنے نفس کی خواہشوں پر اور رسموں کی قیدوں پر مقدم رکھے آور اس سورۃ میں کافروں کے حال کے بیان میں اُنکی جزا کو مقدم فرمایا بعد اس کے ارشاد ہوا کہ اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ۝ اور یہاں پر فقط مومنین کی جزا پر اکتفا کی اور کافروں کی جزا کا ذکر نہ فرمایا اسواسطے کہ عاقل کو شَرُّ الْبَرِيَّةِ کے لفظ سے انجام اُنکے حال کا واضح ہو جاتا ہے آور یہ بات بھی ہے کہ مومنین کی جزا بیان کرنے سے کافرونکی جزا کی تفصیل دریافت کر لینا چاہیئے ضدیت کے حکم سے والعاقل تکفیہ الاشارۃ یعنی عاقل کو ایک اشارہ بس ہے بعد اس کے فرمایا اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ؕ اور مومنین کے حال کے بیان میں اوّل فرمایا اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۝ بعد اس کے جزا کو ذکر کیا آور نکتہ تغییر میں اِس اسلوب کے یہ ہے کہ کافروں نے بدجزا پانیکے بعد منصب شَرُّ الْبَرِيَّةِ

کا حاصل کیا اور نہیں تو دُنیا میں اکثر مخلوقات سے اچھی طرح سے گذران کی ہے اور مسلمانوں نے معرفت الٰہی کے دروازے کے کھلتے ہی نیک کاموں سے اپنے نفس کو آراستہ کرنیکے سبب سے خیریت کا مرتبہ حاصل کیا ہے اور ان کو جزائے خیر کا ملنا ایک شاخ ہے ان کی خیریت کی شاخوں سے اور یہاں ایک اور شبہہ بھی آتا ہے کہ اضافت اسم تفضیل کی چاہتی ہے کہ مضاف الیہ کو ایک حصہ اصل صفت سے ہووے گو کہ موصوف اسم تفضیل کا اُس پر زائد ہووے اور اس جائے پر کہ صالح مومنین کو بہتر سب مخلوق سے کہا ہے تو چاہیئے کہ سب مخلوق فی الجملہ کچھ بہتری رکھتے ہوں حالانکہ کافر اور شیطانوں نے بہتری کی صورت بھی نہیں دیکھی ہے جواب اس شبہے کا یہ ہے کہ یہ تقاضا اُس وقت ہوتا ہے کہ اضافت اسم تفضیل کی مضاف الیہ پر زیادتی کے واسطے ہو اور اس جائے پر مُراد مطلق زیادتی ہے اور اضافت فقط توضیح کیواسطے ہے جیسا کہ یُوسف احسن اخوتہ میں مقرر کیا ہے اور اِس صورت میں اصل صفت کا وجود مضاف الیہ میں درکار نہیں ہے واللہ اعلم بالصواب

سُورۃ زلزلت

یہ سورۃ مکی ہے اسمیں آٹھ آیتیں اور ترپن کلمے اور ایک سو اُنچاس حرف ہیں اور نزول اس سورۃ کا قیامت کے منکروں کے جواب میں ہے جو پُوچھتے تھے کہ قیامت کب ہو گی اور تفسیروں میں مذکور ہے کہ پہر رات گئی تھی کہ یہ سورۃ نازل ہوئی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے صبح ہونے کا بھی انتظار نہ کیا اُسی وقت محل سرا سے باہر تشریف لائے اور لوگوں کو سکھائی اور اس سورۃ میں ایک آیت ہے کہ گویا خلاصہ ہے تمام قرآن کا اور جامع ہے شریعت کے سب احکاموں کو اور وہ اس سورۃ کے اخیر کی آیت ہے کہ دلالت کرتی ہے ہر عمل کی جزا پر بد ہو خواہ نیک اور حدیث صحیح میں وارد ہے کہ یہ سورۃ چوتھائی قرآن کے برابر ہے اور اس سورۃ کا نام زلزلت اسواسطے رکھا ہے کہ دلالت کرتی ہے زلزلۂ عظیم کے واقع ہونے پر قیامت کے دن اور سبب اُس زلزلے کا تین چیزیں ہیں اوّل تو تجلّی الٰہی کی بزرگی کہ زمین پر واقع ہو گی اور اُس تجلّی کے سبب سے اجزا زمین کے ٹوٹ پھوٹ کر بکھر جائیں گے جیسا کہ نمونہ اُس کا کوہِ طور پر واقع ہوا تھا قال اللہ

تعالیٰ واشرقت الارض بنور ربها وایضاً قال اللہ تعالیٰ فلما تجلی ربہ للجبل جعلہ دکا دوسرے غضب الٰہی کا جوش میں آنا گنہگاروں پر اور انتقام کی شان کا ظاہر ہونا مُردوں کے اُٹھانے کی صورت پر آور یہ بات بغیر زمین کے ہلانے اور جھڑجھڑانے کے تاکہ ہر مُردے کے اجزا جُدا جُدا معلوم ہو جاویں ممکن نہیں تیسرے آواز تند دوسرے نفخے کا کہ ہوائے شدید کے جھونکوں کا سبب ہوگی آور اُس ہوا کا داخل ہونا کمال شدت سے مسام اور مخرج میں زمین کے اور اُسکے سبب سے زلزلے کا پیدا ہونا آور از بسکہ یہ زلزلہ ایک عظیم واقعہ ہے حشر کے روز کے واقعوں سے اور مقدمہ ہے جزا کے کارخانے کا تو سورۃ کا نام بھی وہی مقرر کیا۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اِذَا زُلۡزِلَتِ الۡاَرۡضُ زِلۡزَالَهَا ۙ جس وقت ہلائی جاوے زمین ایسا ہلانا کہ ممکن ہے اُسی زمین کو آور ہلانے میں زمین کے کمال مبالغہ کیا جاویگا اِسقدر کہ طاقت زمین کی تحمل اُس کا کر سکے ہلائی جاویگی اور زمین پر کوئی عمارت اور کوئی پہاڑ یا جھاڑ باقی نہ رہیگا اور بلندیاں اور پستیاں سب برابر ہو جاوینگی آور زمین کی یہ شکل بدل جائیگی اور یہ معاملہ نفخ ثانی کے نزدیک ہوگا وَاَخۡرَجَتِ الۡاَرۡضُ اَثۡقَالَهَا ۙ اور نکالڈالیگی زمین بھاری بوجھ اپنے یعنی اُس بڑے بھونچال کے سبب سے جو کچھ زمین کے پیٹ میں ہے جیسے مُردے اور خزانے اور دانے اور گٹھلیاں باہر پھینکدیگی اور مُردوں کے باہر نکل آنیکے سبب سے علاقہ کہ ارواحوں کو زمین کے اندر سے تھا اِسواسطے کہ اُن ارواحوں کے جسموں کا ٹھکانا تھا ٹوٹ جائیگا وَقَالَ الۡاِنۡسَانُ اور کہیگا آدمی یعنی ارواحیں آدمیوں کی یا زندہ ہونے کے بعد اور اِس زلزلے کے آثار دیکھنے کے بعد کہیگا مَا لَهَا ۚ کیا ہو گیا ہے اِس زمین کو یَوۡمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخۡبَارَهَا ۙ اُس دن باوجود زلزلے کی شدت کے اور نہایت بیتابی اور بیقراری کے بولیگی زمین اپنی باتیں یعنی ابن آدم کے کاموں کو ظاہر کریگی اور کہے گی کہ فلانے شخص نے مجھ پر نماز پڑھی تھی اور روزہ رکھا تھا اور نیک کام کیے تھے اور فلانے نے مجھ پر ناحق خون کیا تھا اور زنا کیا تھا اور چوری کی تھی اور یہ کہنا اِس زمین کا دو حکمتوں کیواسطے ہے ایک تو یہ کہ لوگوں پر گواہ ہو کہ اِن لوگوں کو انکار کی جگہ نہ رہے اِسیواسطے آسمان اور دن اور رات اور ستارے اور ہاتھ پاؤں اپنے سب اُس روز گواہی دیں گے اور اچھے بُرے کاموں کو سب کے ظاہر

کریں گے دوسرے یہ کہ بدکار لوگ زمین کے بیان کرنے سے رُسوا ہوں گے اور نیک لوگوں کی تعریف اور اچھائی ثابت ہوگی اِس جائے پر بعضے لوگوں کے دل میں شُبہہ گذرتا ہے کہ زمین تو ایک جماد اور بے عقل ہے یہ کیسے گواہی دیگی اور باتیں کریگی سو تحقیق اس شبہے کی یہ ہے کہ مخلوقات میں سے ہر چیز ایک روح رکھتی ہے لیکن حیوانات کی روحیں اپنے بدن کی تدبیر اور تصرف کا بھی علاقہ رکھتی ہیں اور ہمیشہ تغذیہ اور تنمیہ یعنی کھانے اور بڑھنے میں اور جنبش اور حرکت میں مشغول ہیں اور دوسرے مخلوقات کی ارواح تدبیر اور تصرف کا علاقہ نہیں رکھتی ہیں اور جنبش کرنا اور حرکت اپنے اختیار سے دائمی نہیں ہے اس سبب سے اُن کی ارواح کا علاقہ عوام کی نظر سے پوشیدہ رہتا ہے اِس پر بھی خرق عادت کے طور پر یہ باتیں کبھی کبھی اُن سے ظہور کرتی ہیں چنانچہ صحیح حدیث میں تواتر کے ساتھ یہ بات ثابت ہے جیسے باتیں کرنا پتھروں کا اور درختوں کا اور پکار پکار کے رونا حنانہ ستون کا اور پکارنا ایک پہاڑ کا دوسرے پہاڑ کو هَلْ مَرَّ بِكَ اَحَدٌ يَذْكُرُ اللّٰهَ یعنی کیا گذرا تجھ پر کوئی شخص کہ اللہ کا ذکر کرتا ہو یہ سب اسی قسم سے ہیں اور قرآن مجید میں سب مخلوقات کی ارواح کا ہونا سورۂ یٰسٓ میں مذکور ہے فَسُبْحَانَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ ج ع اور سورۂ اسرا میں بھی مذکور ہے وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ج ع اور زمین کا اور نماز کی جگہ کا رونا مسلمان کے مرنے پر حدیث میں ثابت ہے اور گواہی دینا زمین کا اور پتھر اور درخت کا اذان دینے والوں کیواسطے تاکہ اذان میں آواز کو بلند کریں یہ بھی سب ثابت ہے چنانچہ مولانا روم قدس سرہٗ اپنی مثنوی میں فرماتے ہیں ابیات ہستی کو ہست مخفی از خرد ✽ ہستی ہیچوں خرد کے پے برد ✽ بادرا اگر چشم در بینش نداد ✽ فرق چوں میکرد اندر قوم عاد ✽ آتش نمرود را اگر چشم نیست ✽ باخلیلش چوں ترحم کردنی است ✽ گر نبودی نیل را آں نور دید ✽ از چہ کافر را ز مومن میگزید ✽ گر نہ کوہ و سنگ با دیدار شد ✽ پس چرا او درا او یار شد ✽ ایں زمین را گر نبودے چشم جان ✽ از چہ قاروں را فرو خورد آنچناں ✽ گر نبودی چشم دل حنانہ را ✽ چوں بدیدے ہجر آں فرزانہ را ✽ در قیامت ایں زمین از نیک و بد ✽ کہ زما دیدہ گواہی ہا دہد ✽ اور جو بیان فرمایا کہ زمین اُس دن لوگوں کے عملوں کو ظاہر کریگی اور نیک اور بد کاموں پر گواہی دیگی

اور اظہار اور گواہی میں احتمال جھوٹ کا بھی ہوتا ہے سو دفع کرنے کو اِس احتمال کے ایک عبارت دوسری بھی ارشاد ہوئی کہ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا یعنی یہ بات کہنا اِسواسطے ہے کہ تیرے پروردگار نے حکم کیا ہے اُس کو یعنی یہ اظہار کسی عداوت کیواسطے نہیں ہے کہ بنی آدمؑ سے رکھتی ہو یا احتمال جھوٹ کا اُس میں گنجایش رکھے اِسواسطے کہ بنی آدم سب زمین کے بچے ہیں اور عداوت اپنے بچّوں سے ممکن نہیں ہے اور نہ نفس کی خواہش سے ہے کیونکہ زمین نفس رکھتی ہی نہیں ہے پس معلوم ہوا کہ یہ بات نہیں ہے مگر حکم سے اللہ تعالیٰ کے اور جو چیز کہ مالک کے حکم سے ہوتی ہے اُسمیں جھوٹ کا دخل نہیں ہوتا اور جب اِس قدر ظاہر ہو چکا کہ قیامت کے دن بنی آدم کے اعمال جو ایک دوسرے سے چھپاتے ہیں زمین کے ظاہر کرنیسے سب پر ظاہر ہو جائیں گے پھر نیکی کرنیوالے سرخرو اور بدکار رُسوا ہوں گے تو اب بیان فرماتے ہیں کہ اسی قدر پر اکتفا نہ ہوگی بلکہ يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۥ اُس روز آویں گے لوگ اپنی قبروں سے حشر کے میدان میں بھانت بھانت کے ایک گروہ شرابیوں کا اور ایک گروہ زانیوں کا اور ایک گروہ ظالموں کا اور ایک گروہ چوروں کا اور علیٰ ہذا القیاس لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ۥ کہ دکھائے جاویں اُنکے کام یعنی حشر گاہ میں ایک رسوائی بدکاروں کو اور سرخروئی نیکوکاروں کو حاصل ہو اِس طور پر کہ نامے اُنکے اعمالوں کے کھولیں گے اور میزان کھڑی کرینگے اور ہر نیک اور بد عمل اُن کا گواہوں کے سامنے پڑھیں گے اور تولیں گے پس اُسوقت کماحقہٗ ظہور حاصل ہوگا چنانچہ تفصیل اُسکی ان دو آیتوں میں ہے فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۥ پھر جو کوئی کریگا ذرّے کے برابر نیکی دیکھے گا اُس کو یعنی صحیفۂ اعمال میں اور میزان میں اور ذرّہ دو معنوں میں آتا ہے چھوٹی چیونٹی جو سُرخ ہوتی ہے اور جو ریت میں چمکتا ہے وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۥ اور جو کوئی ذرّے کے برابر بدی کریگا اُس کو بھی دیکھ لے گا۔ ع

اور یہاں ایک شبہہ خیال میں گذرتا ہے کہ کافروں کی نیکی تو قابل جزا کے نہ ہوگی پھر دیکھنا اُسکا کیا فائدہ رکھتا ہے جواب اُس کا یہ ہے کہ کافر کی نیکی اگرچہ ہمیشہ کے عذاب سے بالکل رہائی کا سبب نہیں ہوتی لیکن اُسکی تاثیر سے عذاب کی تخفیف ہو جاویگی پس دیکھنا اُس کا البتہ فائدہ رکھتا ہے اور اسی طرح سے بدی مومن کی اگرچہ معاف ہوگئی ہو پھر بھی تاثیر سے خالی نہیں ہے اگرچہ

درجے ہی میں نقصان ہو مگر وہ ہی بدی کہ اُس سے توبہ اور ندامت کی ہے سووہ اعمال کے صحیفے سے نکل جاتی ہے اور کراماً کاتبین کو اور گواہوں کو بھی بھول جاتی ہے پس مَنْ یَّعْمَلْ کا لفظ اس کے سوا کے واسطے مخصوص ہوگا یا یوں کہا جاوے کہ جب توبہ اور ندامت اُس بدی پر واقع ہوئی اور توبہ اور ندامت ایک نیکی ہے عمدہ نیکیوں سے پس دیکھنا اُس بدی کا یاد دیکھنا توبہ اور ندامت کا اُس بدی سے نقصان کا سبب نہ ہوگا اسی واسطے توبہ کرنے والوں کے حق میں فرمایا ہے فَاُولٰٓئِكَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِھِمْ حَسَنٰتٍ یعنی بدیوں کو توبہ کرنے والوں کی اُنکے توبہ کے ضمن میں اُن کو دکھاویگا تو وہ بدیاں نیکی کی صورت پکڑینگی واللہ اعلم اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک شخص نے پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آکر عرض کی کہ یارسول اللہ مجھ کو قرآن سکھاؤ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے امیرالمومنین مرتضٰی علی کرم اللہ وجہہٗ کو فرمایا کہ اس کو قرآن سکھاؤ امیرالمومنینؓ نے سورۂ اذازلزلت سکھائی جب اس آیت پر پہونچے تو وہ شخص بولا حسبی حسبی لا ابالی ان لا اسمع غیرھا یعنی یہی آیت مجھ کو بس ہے پروا نہیں رکھتا ہوں میں کہ کچھ اور سیکھوں یعنی اور سیکھنے کی اب کچھ حاجت نہیں ہے امیرالمومنین نے اس قصّے کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دعہ فقد فقہ الرجل یعنی چھوڑ دے اس کو کہ وہ مرد فقیہ اور دانا ہے اور یہ بھی حدیث شریف میں آیا ہے کہ اس آیت سے دو شخصوں نے مدینے کے رہنے والوں سے عبرت پکڑی تھی ایک اُن میں سے وہ شخص تھا کہ صدقہ نہ دیتا تھا اور کہتا تھا کہ میں زیادہ مقدور نہیں رکھتا ہوں اور تھوڑی چیز اللہ کے نام پر دینا مجھ کو بے ادبی معلوم ہوتی ہے دوسرا وہ شخص تھا کہ چھوٹے چھوٹے گناہوں کو خیال میں نہ لاتا تھا جیسے بیہودہ باتیں اور بیجا نظر کرنا اور گمان کرتا تھا کہ ایسی ایسی باتوں کی پکڑ نہ ہوگی اُن دونوں کے گمان کے رد کرنے کے واسطے یہ دونوں آیتیں کافی ہوگئیں۔

سورۃ العادیٰت

یہ سورۃ مکی ہے اور اسمیں گیارہ آیتیں اور چالیس کلمے اور ایک سو تریسٹھ حرف ہیں اور عادیات عرب کے لغت میں دوڑنے گھوڑوں کو کہتے ہیں مشتق ہے عَدو سے جو دوڑنے کے معنوں میں ہے

اور اس سورۃ کا نام سورۂ عادیات اِسواسطے رکھا ہے کہ غازیوں کے گھوڑے غضب الٰہی کی سُرعت کی صورت ہیں کافرونکی ناشکری پر اور اللہ تعالیٰ کے انتقام کا ظہور نافرمانبرداروں پر دوڑتے گھوڑوں کیطرح سے دُنیا میں ہوتا ہے پس گویا کہ نمونہ ہے حشر ونشر کا اسیواسطے آنیسے مخالف کی فوج کے اور شکست ہونے سے اپنے موافق فوج کے جو کچھ انقلاب شہر اور ملک میں واقع ہوتا ہے کہ عزت دار لوگ ذلیل ہوجاتے ہیں اور پردہ نشیں بے پردہ اور مال اور متاع اور زر اور زیور اور کپڑا اور لتا کہ سالہا سال میں جمع کیا ہوتا ہے ایک آن میں برباد ہوجاتا ہے یہ بھی گویا قیامت کا نمونہ ظاہر ہوجاتا ہے اور جو یہ حالت یاد دلانے والی قیامت کی ہے تو اُسکی قسم کھائی ہے اور اس سورۃ کا نام بھی وہی ٹھہرایا اور اس سورۃ کے نازل ہونے کا سبب مفسروں نے یہ کہا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منذر بن عمر انصاری کو ایک غول سواروں کا دیکر بنی کنانہ کے ایک قبیلے پر کہ اشد کافر تھے مقرر فرمایا اور ارشاد کیا کہ فلانے روز صبح کے وقت اُن پر چھاپہ مارنا اور خوب قرار واقعی سزا پہونچانا اور فلانے روز یہاں پہونچنا اتفاقاً راہ میں ایک ندی ملی وہ اُس روز چڑھی تھی لشکر اُتر نہ سکا ناچار ہوکر مقام کردیا جب دوسرے دن پانی کم ہوگیا تو لشکر اُتر گیا اور حکم کے بموجب صبح ہوتے ہوتے شب خون مارا اور قرار واقعی سزا دے کے لوٹ مار کے صحیح اور سالم پھر آئے لیکن وعدے پر پہونچنے میں مقام کرنیکے سبب سے ایک روز کی تاخیر ہوگئی تو منافقوں نے یہ افواہ اُڑادی کہ وہ لشکر سب تباہ ہوگیا اور ایک آدمی اُسمیں کا نہ بچا جو آکر خبر دیتا مسلمانوں کو اِس بات سے نہایت غم ہوا تو اللہ تعالیٰ نے یہ سورۃ نازل کی اور ذکر اُنکے گھوڑوں کا اور اُن کے دشمنوں کی جماعت میں گھُس جانے کا اس سورۃ میں مذکور فرمایا کہ مسلمانوں کو تسلی حاصل ہو لیکن اس شان نزول میں ایک خدشہ ہے اِسواسطے کہ یہ سورۃ مکی ہے اور بھیجنا لشکر کا مدینے میں تھا پس یہ واقعہ اس کا شان نزول نہیں ہوسکتا اور اصح یہ بات ہے کہ جناب باری نے جو چاہا کہ اس دین میں جہاد کی رسم مقرر فرمادے تو اس رسم کا اشارہ اِس سورۃ میں منظور ہوا تاکہ خوشخبری ہووے مسلمانوں کو اِس بات کی کہ اُن کو طاقت جہاد کی اور گھوڑوں اور فوج اور لشکر کی عنایت ہوگی کہ پورا بدلہ اللہ کے دشمنوں سے لیں اور اُنکی جمعیت کو بکھیر دیں اور مال و ملک اُن کا اپنے تصرف میں لادیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالْعٰدِیٰتِ ضَبْحًا ۙ قسم ہے دوڑتے گھوڑونکی کہ دوڑنے کیوقت پیٹ میں سے آواز نکالتے ہیں اور جانوروں کا قاعدہ ہے کہ بہت دوڑنے کے وقت پیٹ میں سے اُنکے آواز نکلتی ہے کہ ہندی لُغت میں اُس کو ہانپنا کہتے ہیں فَالْمُوْرِیٰتِ قَدْحًا ۙ پھر قسم ہے اُن گھوڑوں کی کہ آگ جھاڑتے ہیں چقماق سے یعنی پہاڑونمیں اور پتھریلی زمین میں اُن کے نعل جو پتھروں پر لگتے ہیں تو شعلے نکلتے ہیں جیسے چقماق جھاڑنے سے اور نمود آگ کی رات کو زیادہ ہوتی ہے اور دن کو روشنی اُسکی نظر نہیں آتی تو اِس قسم میں اشارہ ہوگا اِس بات کی طرف کہ گھوڑے غازیوں کے راتوں کو دوڑیں گے فَالْمُغِیْرٰتِ صُبْحًا ۙ پھر قسم ہے اُن گھوڑوں کی کہ غارت کرتے ہیں صبح کے وقت یعنی راتوں رات دوڑ کر کے صبح ہوتے کہ عین غفلت کا وقت ہے دشمن پر پہونچتے ہیں اور مال اور اسباب اُن کا لُوٹ لیتے ہیں فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ۙ پھر اُٹھائی صبح کے وقت اُن گھوڑوں نے گرد اور یہ معطوف اُس فعل پر ہے جو مغیرات سے بوجھا جاتا ہے اَغَرْنَ صُبْحًا اور وجہ عدول کی اسم سے فعل کی طرف یہ ہے کہ اُٹھنا غبار کا دشمن سے نزدیک ہونے کے وقت ہے پس ایک ساعت رہا اور گذر گیا برخلاف دشمنوں کی لُوٹ مار کے کہ یہ ہمیشہ ہے اور قید غبار اُٹھانے کی صبح کے وقت اس واسطے ہے کہ ٹاپ مارنے کی قوت اُن گھوڑوں کی خوب ظاہر ہو اِسواسطے کہ صبح کے وقت پچھلی رات کی سردی سے اور شبنم کی رطوبت سے زمین دب جاتی ہے پھر اُسوقت غبار کا اُٹھانا بڑے زور سے ہوتا ہے بخلاف آخر کے دن کے کہ آفتاب کی حرارت اور اُسکی شعاع کی خشکی سے اجزا زمین کے ڈھیلے ہو جاتے ہیں اور تھوڑی سی حرکت میں غبار اُٹھ کھڑا ہو جاتا ہے اسیواسطے آندھیاں آخر دن کو بہت آتی ہیں فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ۙ پھر گھس گئے وے گھوڑے اُس وقت غول میں دشمنوں کے اور انبوہ کو اُن کے بکھیر دیا اب یہاں پر سمجھ لینا چاہیئے کہ قہر الٰہی کی صورت مقابلے میں گناہوں کے کمال مشابہت رکھتی ہے اُن گھوڑوں کی حرکت سے اِسواسطے کہ شروع اُس کا متوجہ ہونا غضب کا ہے جس کا نمونہ یہاں پر گھوڑوں کا دوڑنا ہے ہانپتے ہوئے جیسے غصے کے وقت میں ہوتا ہے اور روشن کرنا آگ کا سُموں سے نمونہ ہے دوزخ کے شعلے کا جو دوزخیوں کے واسطے تیار کیا گیا ہے اور لُوٹ مار

نمونہ ہے دوزخ کے پیادوں کے مارنے کا اور سانپ اور بچھوؤں کے کاٹنے اور پوست اور بدن اور گوشت اور چربیوں کے جلنے کا اور اُٹھانا غبار کا نمونہ ہے ناشکروں کی آنکھوں پر پردہ ڈال دینے کا کہ رحمت الٰہی اُس پردے کے سبب سے پوشیدہ ہو جاویگی اور گھس جانا دشمنوں کے غول میں نمونہ ہے غضب کی آگ کے گھس جانے کا دل اور جگر میں اور خراب کر دینا درستی کو بدن کی سو اس قہر الٰہی کے نمونے کی قسم کھائی اِس پر کہ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۚ تحقیق آدمی اپنے رب کا البتہ ناشکرا ہے یعنی اُسکی نعمتوں کا کُفران کرتا ہے اور یہ کفران نعمت کئی طرح پر ہوتا ہے اوّل تو یہ کہ نعمت کو نعمت دینے والے سے نہ سمجھے بلکہ اُس کو دوسرے کی طرف نسبت کرے جیسے کہ اِس زمانے کے اکثر لوگ کہتے ہیں کہ ہمکو بیٹا پیر نے دیا ہمارا دُکھ درد فلانے بزرگ نے کھو دیا دوسرے یہ کہ اُس نعمت سے وہ فائدہ جس کے واسطے وہ نعمت دی گئی ہے نہ اُٹھاوے بلکہ اُسکی ضد یعنی بُرائی کماوے تیسرے یہ کہ نعمت میں مشغول ہو جاوے اور مُنعم سے غافل اور اِسقدر محبّت نعمت کی اُس کے دل پر غالب ہو جاوے کہ اُسمیں غرق ہو جاوے اور نعمت دینے والے کو بھول جاوے جیسے دُنیادار لوگ کہ دُنیا کی محبت ایسی غالب ہو جاتی ہے کہ دن رات اُسی میں پھنسے رہتے ہیں یہاں تک کہ اُس کی محبّت میں اللہ تعالیٰ کے حکموں کو بھول جاتے ہیں وَاِنَّهٗ عَلٰی ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ۚ اور مقرر آدمی اپنی ناشکری پر آپ گواہ ہے یعنی خود اقرار کرتا ہے کہ میں آپ ناشکر ہوں اور یہ اقرار عالم میں اس صورت سے واقع ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کو کہتا ہے کہ فلانا شکر اُس نعمت کا ادا نہیں کرتا اور حال یہ ہے کہ خود بھی شکر اُس نعمت کا ادا نہیں کرتا پس طعن کرنا اُس کا دوسروں پر بعینہٖ اپنی جان پر ہے، وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ۗ اور مقرر وہ محبت پر مال کی بہت سخت اور مضبوط ہے یعنی اس قدر دوستی مال کی اُس کے دل میں بھر گئی ہے کہ منعم کی دوستی کی اُس کے دلمیں گنجایش نہیں رہی اور اگر کوئی کہے کہ میں ناشکر نہیں ہوں اور مال کی محبت بھی میرے دل میں نہیں ہے سو یہ انکار اُس کا اللہ تعالیٰ کے آگے پیش نہیں جاتا چنانچہ فرماتے ہیں اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِی الْقُبُوْرِ ۙ کیا پھر نہیں جانتا ہے جس وقت اُٹھائے جائیں گے جو قبروں میں ہیں یعنی مُردے زندہ ہو جاویں گے اور جو کچھ کہ زمین ہے اُس کے اوپر آجاوے گا اور ابتدا

پوشیدہ چیزوں کے ظاہر ہونے کی نمودار ہو جاوے گی یہاں تک کہ انتہا ظاہر ہونے پر اخلاق اور نیات اور چھپے ہوئے عقیدوں کی پہونچے گی چنانچہ فرمایا ہے وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُورِ اور ظاہر ہو جاوے گا جو سینوں میں ہے پھر اخلاق اور اعمال کو ظاہری صورت دیکر آگے لاویں گے کہ تمام خلق کو ایک دوسرے کے دلوں کے چھپے ہوئے بھید معلوم ہو جاویں اور اُس وقت ہر شخص معلوم کرلے گا کہ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيرٌ تحقیق پروردگار اُس کا اُس کے حال پر اُس روز البتہ خبردار ہے اور انکار اُسکے حضور میں پیش نہیں جاتا اور ہرچند کہ اللہ تعالیٰ کا علم ہر وقت بندے کے ظاہر اور باطن پر محیط ہے لیکن اُس روز اُس کا علم ہر شخص پر ظاہر ہو جاوے گا اور انکار کی جگہ نہ رہے گی اور یہ جملہ یعنی اِنَّ رَبَّهُمْ اَفَلَا يَعْلَمُ کے مفعول کے محل میں واقع ہوا ہے لیکن بسبب اِس لام کے جو لخبیر میں لائے ہیں لفظ میں عمل نہ کیا اور نہیں تو اِنَّ کے ہمزہ کو فتح سے پڑھتے اور اس کو نحوی تعلیق بلام کہتے ہیں اور افعال قلوب کے خصائص سے ہے اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لکنود کے معنی پوچھے فرمایا کہ جو شخص تنہا کھاوے اور غلام کو مارے اور اپنے عیال کو بھوکا رکھے

ع ۱۱

سُورَةُ الْقَارِعَة

یہ سورۃ مکی ہے اسمیں آٹھ آیتیں اور چھتیس کلمے اور ڈیڑھ سو حرف ہیں اور اس کا نام سورۂ قارعہ اسواسطے رکھا ہے کہ دلالت کرتی ہے ایک سخت حادثے پر جو قیامت کے دن واقع ہوگا اور دلونکو بڑی کوفت پہونچاویگا اور اُس حادثے کی تاثیر سے بھاری جسم ہلکے پڑ جاوینگے اور سخت جسم ریزہ ریزہ ہو جاویں گے اور ملاوٹ اور حماوٹ اُن کے اجزا میں سے نکل جاویگی پس کسی چیز میں بوجھ جو اُس چیز کے قائم رہنے کا اپنی جگہ پر سبب واقع ہوا ہے باقی نہ رہیگا اور نہ سختی کہ اُسکی اجزا کے جمع ہونے کا باعث ہے پھر جب بوجھ اور سُبکی اور جمع ہونا اور بکھرنا کہ دُنیا کے قاعدے کے موافق تھا درہم برہم ہوگیا پس بوجھ اور سُبکی اور جمع ہونا اور بکھرنا اِس عالم میں ایک اور ہی طرح سے ظہور کریگا پھر بوجھ بہشت کے درجات کی بلندی کا باعث ہو جاویگا اور سُبکی دوزخ کی

تہ میں گرنے کا سبب برخلاف اُس کے جو دُنیا میں مقرر ہے کہ بوجھ نیچے ہونے کا سبب ہوتا ہے اور سبکی بلندی کا سبب ہے اور اس قسم کے انقلاب عظیم سے ڈرانا بڑا مقصد ہے قرآن کے مقصدوں سے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْقَارِعَةُ مَا الْقَارِعَةُ ۚ کھڑکھڑانی کیا ہے وہ کھڑکھڑانی یعنی قیامت کہ دلوں کو ایک بڑا صدمہ پہونچاویگی اور بلند کو پست اور پست کو بلند کر دیگی حقیقت اُسکی کیا ہے آور یہ انقلاب اُسمیں کس سبب سے ہوگا وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ ۚ اور کیا جانتا ہے تو کہ کیا حقیقت ہے اُس کھڑکھڑاتے حادثے کی اور جو پہچانتا ہر چیز کا اُس کے اسباب پہچاننے پر موقوف ہے اور اسباب قیامت کے قائم ہونے کے کہ عمدہ اُنکا قہر الٰہی کی تجلی ہے تمام عالم پر کما حقہ کسی بشر کو معلوم نہیں ہوا اسیواسطے اُس کے بیان کے مقام پر اُسکی بعضی تاثیروں پر اکتفا فرما کر ارشاد کرتے ہیں يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ۚ وہ حادثہ اُس دن ہوگا جسدن ہوجاوینگے لوگ جیسے پتنگے بکھرے ہوئے کہ ہر ایک ایک طرف کو چلا جاتا ہے آور یہ تشبیہ چاروں وجہوں سے مرکب ہے آوّل ذلت دوسرے حرکت کا ضعف تیسرے حرکت کی بے انتظامی کہ کبھی تیز اور کبھی دھیمی ہوتی ہے چوتھے معین نہونا حرکت کی طرف کا کبھی آگے کبھی پیچھے کبھی داہنے کبھی بائیں طرف ہوتی ہے آور یہاں پر سمجھ لینا چاہیئے کہ ثقل جسم میں دو قسم کا ہوتا ہے اوّل قسم کہ اعلیٰ اور اولیٰ ہے سو وہ ثقل ہے جو وقار اور تمکین اور مضبوطی کے سبب سے ہوتا ہے آور یہ بات اُن جسموں کے ساتھ خاص ہے کہ روح کامل کا تعلق اُنکے ساتھ ہوا ہے آسیواسطے جن اور انس کا ثقلین نام رکھا ہے آور جو حادثہ کہ روح میں تاثیر عظیم کرتا ہے اور اُس کو حیران کر دیتا ہے تو اس ثقل کو دور کر دیتا ہے اسیواسطے بڑے بڑے وقار اور تمکین والوں سے خوف و اضطراب کے وقت بے اختیاری میں حرکتیں سُبک اور ہلکی ہونے لگتی ہیں اسواسطے کہ اُنکی روح حادثے کی دہشت کے سبب سے جسم کی محافظت سے عاجز ہوجاتی ہے اور رنگا رنگ ارادے اور خواہشیں اُسکی حرکتوں کی بے انتظامی کا سبب ہوجاتی ہیں آور اس آیت میں اِسی ثقل کے انقلاب کا بیان ہے آور دوسرے قسم کو عوام الناس بھی جانتے ہیں ثقل طبعی ہے کہ سخت جسموں میں اُن کے اجزا کی کثافت اور اجتماع کے سبب سے ہوتا ہے اور اس قسم کے

ثقل میں پہاڑ ضرب المثل ہیں اور اس قسم کے انقلاب کو دوسری آیت میں بیان فرمایا ہے
وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ۝ اور ہو جاوینگے پہاڑ جیسے رنگی اون دھنکی ہوئی گئی
رنگ کی کہ دُھنیا اُس کو اپنی دُھنکی سے دُھنک کر پھاہا پھاہا کر کے اُڑادے حاصل کلام کا یہ
ہے کہ تاثیر اُس حادثے کی بڑی سخت جسموں میں کہ پہاڑ ہیں اس حد کو پہونچے گی کہ اجزا اُنکے
سب علیحدہ علیحدہ ہو کے اور اپنے اپنے مکانوں سے حرکت کر کے ہوا میں پراگندہ اور منتشر
ہو جاوینگے اور انکو رنگین اُون اسواسطے بیان فرمایا ہے کہ رنگین اُون بہت کمزور اور ہلکی ہوتی
ہے اُس اُون سے جو رنگی نہیں گئی اور رنگوں کا اختلاف اسواسطے تشبیہ میں مذکور ہوا ہے کہ
پہاڑوں کے رنگ طرح طرح کے ہیں بعضے سفید جیسے مرمر اور بعضے سُرخ پھر انمیں بھی درجے
ہیں جیسے سنگ سُرخ اور سنگ باشی اور بعضے سیاہ وہ بھی اسیطرح سے ہیں جیسے سنگ موسیٰ
اور سنگ خارا اور بعضے سبزی کی طرف مائل ہیں پھر جب یہ سارے پتھر بکھر کے ہوا سے اُڑ جاوینگے
تو اُنکے رنگوں کے اختلاف کے سبب سے ایک چیز بوقلمون یعنی رنگ برنگ ہوا میں نظر
آنے لگی گی اور جب اُس حادثے کی تاثیر اجمال کے طور پر بیان فرمائی تو اب تفصیل اُس
اجمال کی ارشاد ہوتی ہے فَأَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ ۝ پھر مقرر جو شخص کہ بھاری ہوئیں
تولیں اُسکی اور یہ بوجھ پوشیدہ ثقالت کے سبب سے ہے کہ اُن عملوں میں چھپی ہوئی تھی اور
دُنیا میں ظاہر نہ تھی سو اُس روز ظاہر ہوگی اور حقیقت اِس بوجھ کی اُن اعمالوں کی فوقیت ہے
اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور اسی ثقل کے سبب سے اعمالوں کا محفوظ رہنا اور ٹھہرانا اعمال نامول
میں بندے کے صورت پکڑتا ہے اور یہ بھی ہے کہ ہر نیک عمل دُنیا میں انسان کے نفس پر
شاق اور ثقیل ہوتا ہے اور بندہ تحمل اُس کے ثقل اور مشقت کا حکم الٰہی کی فرمانبرداری کے
واسطے کرتا ہے سو یہ ثقل بھی اُس روز ظاہر ہو جاویگا اور اُس کے سبب سے بندے کو ترقی
حاصل ہوگی چنانچہ بیان فرمایا ہے فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَاضِيَةٍ ۝ پس وہ بندہ من مانتے عیش
میں ہوگا وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ ۝ اور مقرر جو شخص کہ ہلکی ہوئیں تولیں اُسکی اور یہ سبکی
اِس سبب سے ہے کہ وہ اعمال اللہ تعالیٰ کے نزدیک کچھ قدر نہیں رکھتے تھے اور جو نفس کی
خواہش کے موافق تھے تو نفس پر بھی شاق اور گراں نہ ہوتے تھے پھر قیامت کے دن یہ سبکی

اِس بات کا سبب ہوگی کہ وہ اعمال محفوظ نہ رہینگے بلکہ درہم برہم اور ضایع ہوجائینگے اور اُس شخص کے واسطے ذلت اور چاہ ظلمات میں گرنے کا سبب ہونگے چنانچہ بیان فرماتے ہیں فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ۙ پس ماں اُسکی نیچے کا طبقہ دوزخ کا ہے اور ماں اسواسطے فرمایا کہ بچے کو بے تکلفی اور طبعی کاموں کی حاجت کے وقت رجوع ماں کی طرف ہوتی ہے اور جو اُس روز تکلف اور بناوٹ کہ دُنیا میں بے ایمان لوگ کرتے تھے بالکل جاتا رہیگا تو بے اختیار اس دوزخ کے طبقے کیطرف رجوع کرینگے گویا کہ اُسکی دلی محبت اور خواہش اُسکی طرف رکھتے تھے اور وہ طبقہ ماں کیطرح سے اپنی طرف اُنکو کھینچ لیگا اور لیجاویگا وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا هِيَهْ ۙ اور کیا بوجھا تو کہ کیا ہے وہ ہاویہ یعنی جو عذاب کہ اس طبقے میں ہے کچھ آدمی کی سمجھ میں نہیں آسکتا اور ہاے ساکن کہ ماہیہ کے آخر میں ہے سو وقف کے واسطے ہے اور اس کو عرب کے لغت میں سکتے کی ہے بولتے ہیں والا اصل کلمہ ماہی ہے بغیر ہے کے نَارٌ حَامِيَةٌ ۟ ایک آگ ہے گرم یعنی جس طبقے کا نام ہاویہ ہے اُسکی گرمی کے بیان میں سوائے اسقدر کے ممکن نہیں ہے کہ ایک آگ نہایت گرم ہے کہ مقابلے میں اُس کے اور آگوں کو گرم کہنا نہ چاہیئے اور دوسرے طبقوں کو دوزخ کے اُس کے روبرو گرم بولنا نہ چاہیئے اعاذنا اللہ منہا ومن سائر وجوہ العَذاب پناہ دے ہمکو اللہ تعالیٰ اس ہاویہ سے اور سارے سببوں سے عذاب کے۔

ع ۱

سُوْرَةُ التَّكَاثُر

یہ سورۃ مکی ہے اسمیں آٹھ آیتیں اور اٹھائیس کلمے ہیں اور ایک سو تیس حرف ہیں اور اس سورۃ کے نازل ہونے کا سبب یہ ہے کہ قریش میں دو گروہ تھے ایک بنوعبد مناف کہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اُنمیں پیدا ہوئے تھے اور دوسرے بنو سہم کہ عاص بن وائل سہمی سرگروہ اس جماعت کا تھا ایک روز آپسمیں بڑا فخر اور بڑائیاں کرنے لگے اور ہر ایک کہنے لگا کہ از روے مال کے اور عمدہ کاموں کے اور شادیوں اور ضیافتوں کے اور نام اور مرتبوں کے ہم تم سے زیادہ ہیں اور یہ بڑائی بڑھتے بڑھتے اس بات کو پہونچی کہ آدمی کس کے زیادہ ہیں جب بنوعبد مناف نے اپنے لوگوں کو گنا تو بنو سہم سے زیادہ ہوئے تب بنو سہم نے کہا کہ ہمارے لوگ لڑائیوں میں بہت مارے گئے ہیں سو زندے اور مُردے ملاکر شمار کرو جب اس طور سے گنا تو بنو سہم زیادہ ہوئے

اور اس مقدمے میں مُردوں کی تحقیق کے واسطے قبرستان کو گئے اور قبروں کو شمار کیا اللہ تعالیٰ نے اُنکی اس جہالت کے اور غفلت کُلّی کے بیان میں جو اُن لوگوں سے ضروری چیز نہیں واقع ہوئی تھی یہ سورۃ نازل فرمائی اور اس سورۃ کا نام سورۃ تکاثر اسواسطے رکھا ہے کہ اِس سورۃ میں تکاثر کی بُرائی مذکور ہے اور بیان اُس کا یہ ہے کہ تکاثر سے ایسا ڈرا چاہیئے جیسا کہ قیامت سے اِس واسطے کہ تکاثر ایک بڑا حجاب ہے بندے کے اور اِس کے مطلوب کے درمیان میں اور جو حجاب ہے اُس کے پیچھے عذاب ہے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۙ غفلت میں رکھا تم کو بہتایت لینے اور تکاثر کے معنی زیادتی کا طلب کرنا ہے اور آدمی کی عادت ہے کہ اپنے آخر عمر میں مال کی اور اولاد کی اور نوکر چاکر ونکی اور خویش و اقربا کی زیادتی چاہتا ہے تاکہ انکے سبب سے اُس کے نام اور مرتبے کا سلسلہ منقطع نہ ہوجاوے اور یہ بات اس کو اللہ تعالیٰ کی معرفت سے اور اُسکے اسموں اور صفتوں اور فعلوں کے تامل کرنے سے جو اس پر واجب ہے اللہ تعالیٰ کے اور آدمیوں کے اور اپنے نفس کے حقوق سے غافل کر دیتی ہے اور اس غفلت کے سبب سے صرف کرنیسے اُن نعمتوں کے کہ وے نعمتیں اِس چیز کیواسطے بنی ہیں محروم رہتا ہے پس تکاثر گویا آدمی کو آدمیت سے نکالدیتا ہے اور حیوانات کے مرتبے میں داخل کر دیتا ہے پھر یہ غفلت اگر ارشاد سے کسی مرشد کے اور تنبیہ سے کسی بزرگ کے جلد دفع ہوگئی تو پھر آدمیت کی حد میں گیا حق راہ چلنے کی استعداد پیدا کی اور اگر اسی غفلت میں سدا رہا اور ہرگز نہ چونکا اور اسی حالتمیں مر گیا تو بڑا ٹوٹا کمایا اور اُسکی مثال ایسی ہوئی جیسے ایک شخص کو کچھ پونجی دیکر بازار کو بھیجا کہ سوداگری کرے اور کچھ نفع کما دے اور یہ شخص بازار کو گیا اور خوب شراب پی اور بیہوش ہوگیا اور پونجی کو کھو بیٹھا یہاں تک کہ شام کے وقت اُس کو اُٹھا کر اُسکے گھر پہونچا دیا اب نہ تو پونجی اُس کے ہاتھ میں ہے نہ نفع معاذ اللہ من ذلک اور اِسی حالت کیطرف اشارہ ہے اس کلمے میں حَتّٰی زُرۡتُمُ الۡمَقَابِرَ ؕ یہانتک کہ جا دیکھیں تمنے قبریں یعنی اسی شغل میں تھے اور ہرگز خبردار نہ ہوئے جبتک کہ گورستان کو نہ پہونچے كَلَّا بات یوں نہیں ہے جیسی تم نے سمجھی ہے یعنی گمان کیا ہے کہ بعد موت کے اگر کمال ہے تو یہی ہے کہ بہت سی

دولت اور کاروباری بیٹے اور اقربا جان نثار تمھارے بعد تمھارے نام کو قائم رکھیں اور حال یہ ہے کہ بعد موت کے ایک اور ہی چیز پیش آویگی کہ یہ چیزیں اُسکے مقابلے میں بے حقیقت محض ہو جاوینگی شعر حاصل دُنیا زکثرت تا بنو ☆ چوں گر زندہ است نیر زد بجو ☆ اور ہر عاقل کو ظاہر معلوم ہے کہ مال اور فرزند اور مرتبے اور قرابت سب فانی ہیں اور جو چیز کہ فانی ہے قابل فخر کرنے کے نہیں سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ آخر جان لوگے یعنی بعد مرنے کے تمکو معلوم ہوگا کہ وے سب چیزیں جنمیں تمنے اپنی عمر گذرانی سب تمھارے واسطے مضر اور مخل تھیں اسواسطے کہ وے سب نعمت ابدی کے فوت ہونے کا سبب اور قہر الٰہی کیطرف کھینچ لیجانیکا باعث ہوئیں ثُمَّ کَلَّا پھر بھی ہم کہے دیتے ہیں کہ بات یوں نہیں ہے جسطرح کہ تم اعتقاد رکھتے ہو سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ آخر سمجھ لوگے بعث اور حشر اور نشر اور دوزخ اور اُسکی سختیوں کے دیکھنے کے بعد کہ جو کچھ تم نے کیا سب ضرر اور خلل پہونچانیوالا تھا سو اوّل جاننا برزخ میں ہے اور دوسرا قیامت کے دن کَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْیَقِیْنِ ۝ فخر نہ کرو بات یوں نہیں ہے اگر جانو تم جاننا جسمیں کچھ شک اور شبہہ نہ ہو اور بعضے حجاب ظلمانی تم سے کھل جاویں تو البتہ جان لوگے کہ لَتَرَوُنَّ الْجَحِیْمَ ۝ البتہ دیکھوگے برزخ کو بعد موت کے برزخ میں گرم ہواؤں کے چلنے سے اور عذاب کی صورت دیکھنے سے اور مارنے سے آگ کے گُرزوں کے ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَیْنَ الْیَقِیْنِ ۝ پھر البتہ دیکھوگے تم اُس دوزخ کو یقین کا دیکھنا کہ احتمال شُبہے کا اور غلبہ خیال کا اور دریافت کی غلطی کا اُسمیں نہ ہوگا اور یہ دیکھنا قیامت کے روز ہوگا کہ دوزخیوں کو اُس کے کنارے پر کھڑا کریں گے اور ڈر اور سختیاں وہانکی اُنکو دکھاوینگے ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ یَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِیْمِ ۝ پھر البتہ سوال کیے جاؤگے تم اُن نعمتوں سے جو دُنیا میں تم کو دی تھیں اور اُن سب نے تمکو نیکی کمانیسے غفلت میں ڈالا اور سوال نعمتوں سے تین طرح پر ہوگا اوّل یہ کہ اُس نعمت کو تم نے کس طور سے کمایا حلال وجہ سے یا حرام سے دوسرا یہ کہ اُن نعمتوں کو کہاں صرف کیا اللہ تعالےٰ کی رضامندی میں یا نارضامندی میں تیسرا یہ کہ اُس نعمت کے شکر کے بدلے میں تم نے کیا کیا اور اِس جائے پر سمجھا چاہیئے کہ جو حق تعالیٰ نے بندے کو زیادہ قدر ضروری سے دیا ہے کہ معاش اور زندگی بندے کی اُس پر موقوف نہیں ہے سب اسی قسم سے ہے کہ اُس سے سوال کیا جاویگا اور کوئی بندہ اس سے خالی نہیں گو کہ مفلس اور فقیر ہو

ع ۸

اِسواسطے کہا ہے کہ ٹھنڈا پانی اور گرم روٹی اور ٹھنڈی چھاؤں اور نیند کی لذت اور تندرستی اور اسلام اور قرآن اور ہمارے رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارک اور تخفیف شریعت کی یہ سب نعمتیں ہیں کہ ہر اہل اسلام غنی سے فقیر تک ان میں شریک ہیں اور قدر اُنکی نہیں جانتے اور بعضوں نے کہا ہے کہ مراد ان نعمتوں سے جو پوچھی جاوینگی تین چیزیں ہیں صحت اور جوانی اور امن اور کوئی شخص اپنی عمر میں اِن تین چیزوں سے خالی نہیں رہتا ہے گو ہمیشہ اُس سے فائدہ مند نہ ہو اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک فقیر پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کی یا رسول اللہ کونسی نعمت مجھ کو دُنیا میں ملی ہے کہ اُس سے سوال کیا جاؤنگا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روٹیاں اور ٹھنڈا پانی اور سایہ اور یہ بھی حدیث میں آیا ہے کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امیر المؤمنین ابو بکر صدیقؓ اور امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطابؓ اور دوسرے یار رضی اللہ عنہم ابو الہیثمؓ کے گھر مہمان گئے تھے گرم روٹیاں کھجوروں کے ساتھ کھائیں اور ٹھنڈا پانی پیا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ وہ نعمت ہے کہ جس سے سوال کیے جاؤگے واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب

سُوْرَۃُ الْعَصْرِ

یہ سورۃ مکی ہے اور اسمیں تین آیتیں اور چودہ کلمے اور اڑسٹھ حرف ہیں اور اس سورۃ کے نازل ہونیکا سبب یہ ہے کہ کلدہ بن اُسید کہ اُس کو ابو الاسدین بھی کہتے تھے وہ ایک کافر تھا کہ امیر المؤمنین حضرت ابو بکر صدیقؓ سے ایام جاہلیت میں ہمصحبت تھا سو آپ کے اسلام لانیکے بعد ایک روز اُن سے ملا اور بولا کہ اے ابو بکرؓ ہمیشہ عقلمندی اور ہوشیاری سے تجارتوں اور سوداگریوں میں نفع اُٹھاتے تھے اب تم کو کیا ہو گیا ایکبارگی ایسے ٹوٹے میں پڑگئے کہ باپ دادے کے دین کو چھوڑ دیا اور لات وعزّیٰ کی عبادت سے محروم رہے اور اُنکی شفاعت سے نا اُمید ہوئے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اُس نادان کے جواب میں فرمایا کہ جو شخص حق کو قبول کرتا ہے اور نیک کام اختیار کرتا ہے وہ ٹوٹے میں نہیں پڑتا حق تعالیٰ نے اس گفتگو کے بیان میں اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بات کی خوبی میں یہ سورۃ نازل فرمائی اور اس سورۃ کا نام سورۂ عصر اِسواسطے رکھا ہے کہ اِس کے شروع میں عصر کی قسم کھائی ہے

اور عصر کے دو معنی ہیں ایک تو زمانہ کہ انسان کی عمر بھی اسمیں سے ہے اور عمر انسان کی ایک چیز ہے نہایت نفیس اور ایک پونجی ہے بہت عزیز کہ دینی اور دنیوی کمالات اسکے سبب سے حاصل ہوتے ہیں اور اُس کے راس المال اور پونجی کے مانند ہے لیکن اسمیں عیب ہے تو اتنا ہی ہے کہ خود بخود کم ہوتی چلی جاتی ہے سو اگر اعتقادات حقہ اور اعمال صالحہ احوال نیک کے حاصل کرنے میں صرف ہوئی تو ایک عمر ابدی اور لذت سرمدی حاصل کی اور اگر اسکے عکس میں گنوائی تو ظاہر بات ہے کہ نقصان اور خسارت اور ذلت اُس کے آگے رکھی ہے پس انسان کو کہ اِس عالم میں بھیجا ہے اور پونجی اور راس المال کی جگہ اُس کو عمر دی ہے سو وہ برف بیچنے والے کے مانند ہے کہ اُسکی تجارت کی پونجی خود بخود گھلتی چلی جاتی ہے اگر اُس کے بدلے کوئی عزیز چیز حاصل کر لی تو بہتر ہوا نہیں تو خسارہ سردست موجود ہے اور جو اس تجارت اور سوداگری میں ایک عجیب اور غریب بات ہے تو اُسکی قسم کھائی ہے دوسرے پچھلا دن کہ نماز عصر کا وقت ہے اور وہی نفع اور نقصان کے ظاہر ہونے کا وقت ہے اِس واسطے کہ ہر شخص روزی کی فکر میں صبح سے اپنے دھندے میں مشغول ہوتا ہے اور سیکڑوں حیلے اور ہزاروں مکر اور فریب روزی کے پیدا کرنے کے واسطے کرتا ہے پھر جب دن آخر ہوا تو وہ سب تدبیریں اور حیلے تمام ہوے اور انتہا کو پہونچے پھر اُسوقت ہر شخص اپنے کام سے فراغت کرتا ہے اور ہر سوداگر اپنی دُکان اُٹھا کر گھر جانے کا ارادہ کرتا ہے سو اس عرصے میں اگر کچھ کما لیا تو واہ واہ نہیں تو نقصان اور گھاٹے میں پڑا اور جو یہ وقت ٹوٹا ظاہر ہونے کا تھا تو اس وقت کی قسم یاد فرمائی بلکہ اگر آدمی فکر کرے تو دینی اور دُنیوی سُود اور زیاں کے ظاہر ہونے کا وقت بھی یہی ہے اِسواسطے کہ اعمال دن رات کے تمام ہو چکے اور جو جو چیزیں کمائی تھیں کما چکے اب روزنامچے کے دیکھنے کا وقت ہے کہ کیا گیا اور کیا رہا پس یہ وقت بزرگی رکھتا ہے دُنیا کے طالبوں میں بھی اور آخرت کے طالبوں میں اور لائق اس بات کے ہے کہ اسکی قسم کھائیں اور حدیث صحیح میں آیا ہے کہ جس کی عصر کی نماز قضا ہو گئی تو ایسا ہوا کہ گویا اُس کا گھر بار برباد ہو گیا اور بعضوں نے کہا ہے کہ مُراد عصر سے ہمارے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کا عصر ہے کہ اُنکے پیغمبر ہونے کے سبب سے بازار سود اور زیاں کا گرم ہو گیا جس نے کہ اطاعت اور فرمانبرداری اُن کی کی

تو سود حاصل کیا کہ ابد الآباد تک باقی ہے اور جس نے کہ نافرمانی اُن کی کی تو ایسے ٹوٹے میں پڑا کہ اُس کی حد اور نہایت نہیں ہے پس وہ وقت انوار الٰہی کی کثرت سے اور علوم نامتناہی کے فیضان سے اور نزدیک ہونے زمانے کے اور بخشدینے میں گنہگاروں کے ایسی عظمت اور بزرگی رکھتا ہے کہ آدمی کی پیدایش کے وقت سے ابتک کسی زمانے میں عُشر عشیر اُس کا ظاہر نہیں ہوا اور نہ ہوگا اور کیا خوب کہا ہے کسی شاعر نے شعر خوشا وقتے کہ مردم آدم بے سایہ را دیدند عزیب است ایں زمان گر سایۂ آدم شود پیدا ٭ یعنی کیا اچھا زمانہ تھا کہ لوگوں نے آدمی بے سایہ کو دیکھا اور مراد آدمی سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارک ہے نادر ہے یہ زمانہ جو سایہ آدمی کا ظاہر ہو

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

وَالۡعَصۡرِ ۙ قسم ہے زمانے کی کہ انسان کی عمر بھی اُسی میں داخل ہے جو اسکی پونجی کے مانند ہے اعتقادات حقہ اور اعمال صالحہ اور نیک حالات کے حاصل کرنیمیں یا قسم ہے نماز عصر کے وقت کی کہ سود اور زیاں کے ظہور کا وقت ہے رات دن کے عملوں میں یا قسم ہے ہمارے پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عصر کی نماز کی کہ زمانہ نور نبوت کے ظہور کا اور روقت ولایتونکی شاخیں پھوٹنے کا ہے اور اسوقت میں جو کوئی اِس نور سے منور ہوا تو ہمیشہ کا نفع اور فائدہ حاصل کیا اور جو کوئی اس نور سے محروم رہا تو بالکل نقصان اور سدا کا ٹوٹا اس کو نصیب ہوا اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَفِيۡ خُسۡرٍ ۙ مقرر آدمی ایک طرح کے ٹوٹے میں ہے اِسواسطے کہ راس المال اُس کا کہ عمر ہے دمبدم کم ہوتی جاتی ہے اور سبب قرب الٰہی کی تحصیل کا اور رضامندی اور ثواب اس کا ہاتھ سے ظاہر ہوتا ہے اور اگر وہی عمر گناہونکی اور شہوتوں فانی کے شغل میں گذاری جو حق تعالیٰ کی درگاہ سے دور کرنیوالی اور اُس کے غضب اور عذاب کو اپنی طرف کھینچنے والی ہیں تو ٹوٹے پر ٹوٹا کمایا اِلَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مگر جو لوگ ایمان لائے یعنی اپنی عمر سے فائدہ کمایا اِس واسطے کہ ایمان بھی ایک طرح کی معرفت ہے اور وہ سعادت ابدی کا فائدہ دینے والا اور قُرب الٰہی اور ملائکہ کے ملنے کا سبب ہے وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور کام کیے اچھے اسواسطے کہ نیک اعمال کے سبب سے اخلاق پسندیدہ اُن کو حاصل ہوئے اور احوال سنیہ اور مقامات عالیہ دُنیا میں اور

درجے بلند آخرت میں اُنکو نصیب ہوئے پس فائدے پر فائدہ اُن کو حاصل ہوا اور یہ سب
مرتبے کمال کے ہیں اور اگر اِن سب باتوں کے ساتھ تکمیل اور ارشاد اور تعلیم کا بھی رُتبہ حاصل
کیا تو دونا سود کمایا چنانچہ اس آیت میں تکمیل کے مرتبے کیطرف اشارہ فرماتے ہیں وَتَوَاصَوْا
بِالْحَقِّ ۙ۬ اور وصیت کرتے ہیں آپسمیں ایک دوسرے کو درست اعتقاد و نیکی اور بھلے کاموں نیکی
اور نیک خلقوں کی وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۧ اور وصیت کرتے ہیں آپسمیں ایک دوسرےکو سہارنے
کی یعنی نفس کو روکنے کی خواہشوں سے اور گھیر رکھنا طاعتوں کی مشقتوں پر اور روک رکھنا رضا
اور تسلیم پر سختی اور تکلیف کے غلبے کیوقت میں اور یہ تینوں قسمیں صبر کی تمام طاعتوں کو گھیرے
ہوئے ہیں اور سب گناہوں اور شہوتوں سے روکنے والی ہیں اور اِن دونوں لفظوں کے لانے
میں یعنی حق اور صبر کے اشارہ اِس بات کیطرف ہے کہ مرتبہ ارشاد اور تکمیل کا روحانی طبابت
کے مانند ہے اور طبابت میں دو چیزیں ضرور ہیں اول دوا کی تجویز دوسرے پرہیز کرنا پس
تواصوا بالحق دوا کرنے کیطرف اشارہ ہے اور تواصوا بالصبر کنایت پرہیز سے سو بغیر اِن دونوں
امر عظیم کے صحت روحانی کا حاصل ہونا محال ہے اور جب یہ دونوں باتیں سرانجام کو پہونچیں اور
طبابت روحانی کا کام درست ہوگیا اور ارشاد اور تکمیل کا کارخانہ جم گیا اور جو فائدہ اور منفعت
کہ اِس کارخانہ میں حاصل ہوتا ہے اندازے سے حساب کے اور احاطے سے قیاس کے باہر ہے
اِسواسطے کہ جو شخص صاحب ارشاد یعنی مرشد کی وصیت کے موافق عمل کرتا ہے تو ثواب اس کے
عمل کا اُس بتانے والے کے نامۂ اعمال میں بھی لکھا جاتا ہے اور سلسلہ قیامت کے دن تک
تمام نہ ہوگا اِسیواسطے صحابۂ کرامؓ کا ثواب کہ اِنکے ارشاد اور تکمیل کے سبب سے تمام اُمت صلاحیت
کی راہ چلتی ہیں اور اسیطرح بڑے مجتہد کہ اُنکے مذہبوں پر لوگ قیامت کے دن تک چلے
جاویں گے اور اسی طرح طریقت کے خانوادے والے کہ اُنکی وصیتوں سے طالب اور مُرید
دُنیا کی زندگی بھر نیک عمل کیے جاتے ہیں اور قُرب کے مرتبوں کو پہونچتے ہیں کوئی ثواب اُسکے
برابر نہیں ہوسکتا اور یہ مرتبہ کمال منفعت کا ہے کہ تھوڑی سی عمر میں ثواب قرنوں اور زمانوں کا
حاصل ہوا ہر چند کہ وصیت کا لفظ عُرف میں خاص اُس چیز کے واسطے ہے کہ مرنے کے بعد
اُس کے واسطے فرماتے ہیں لیکن قرآن کے عرف میں تاکیدی امر کو جا بجا وصیت فرمایا ہے

ع ۳۲

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْہِ اِحْسَانًا اور وصیت کی ہمنے آدمی کو اپنے ماں باپ سے نیکی کرنے کی اور اس لفظ کے لانے میں اِس مقام پر ایک نکتہ ہے نہایت باریک اور وہ یہ ہے کہ ارشاد اور تکمیل کے مرتبے کا حاصل ہونا بعد فنا ہوجانے نفس کے اور دوسرے لطیفوں کے ہے اور فانی میّت کا حکم رکھتا ہے تو جو کچھ کہ وہ فرماوے گویا کہ وصیت ہے کہ بعد مرنے کے فرمائی ہے

سُورۃ الھمزۃ

یہ سورۃ مکی ہے اور اسمیں نو آیتیں اور تینتیس کلمے اور چھیانوے حرف ہیں اور اس کے نازل ہونیکا سبب یہ ہے کہ تین شخص کافروں میں سے ایک تو عاص بن وائل سہمی اور دوسرا ولید بن مغیرہ مخزومی اور تیسرا اخنس بن شدیق ثقفی ہر مجلس میں بدگوئی پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اور مسلمانوں کی کرتے تھے اور اُن پر طعن اور تشنیع کرتے تھے اور اُنمیں سے جیسے اخنس بن شدیق آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روبرو بھی تکرار اور بحث بیفائدہ کیا کرتا تھا سو اُنکے حق میں یہ سورۃ نازل ہوئی اور اس سورۃ کا نام سورۂ ہمزہ اسواسطے رکھا ہے کہ دلالت کرتی ہے اِس بات پر کہ جو کوئی کسی کی آبرو لیتا ہے اور لوگوں کا عیب ڈھونڈھتا ہے تو وہ شخص خرابی اور عذاب کا سزاوار ہوتا ہے پھر جو شخص کہ خدا تعالٰے کی ہتک حرمت کرے اور اُسکے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی اور قرآن مجید کی تکذیب اور اُس کے احکاموں سے عناد کرے تو اُس کا کیا حال ہوتا ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَیْلٌ لِّکُلِّ ھُمَزَۃٍ لُّمَزَۃِ ۙ خرابی ہے طعنہ دینے والے عیب چُننے والے کی اِن دونوں لفظونکی کئی وجہ سے تفسیر کی ہے اوّل تو یہ کہ اِن دونوں لفظوں کے ایک معنی ہیں پس تکرار فقط تاکید کے واسطے ہے اور اِس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ شخص اُس بُرے فعل کا معتاد ہے اور بار بار اُس سے واقع ہوتا ہے چنانچہ صیغہ فعلۃ کا اسی بات پر دلالت کرتا ہے دوسرے یہ کہ ہمزہ اُس شخص کو کہتے ہیں کہ روبرو بُرا کہے اور لُمزہ اُس کو کہتے ہیں کہ پیٹھ پیچھے بُرا کہے تیسرا یہ کہ ہمزہ وہ ہے کہ ہاتھ اور سر اور آنکھ اور بھوں سے اشارہ لوگوں کی حقارت کا کرے اور لمزہ وہ شخص ہے کہ زبان سے اُن باتوں کو کہے غرض ہر طور سے یہ دونوں لفظ معنوں میں ایک دوسرے کے

قریب ہیں اور مدعا تکرار سے تاکید ہے کہ لوگوں کی ذلت اور بے آبروئی نہ کرے اور اس کام
سے بچے اور اکثر یہ عمل بد طعن کے طور پر نسب میں یا شکل میں یا افعال میں ظہور کرتا ہے پھر جو
اس قسم کے لوگ خلق اللہ کے عیب بیان کرنے میں سب کے سامنے اور اُن کے ایذا دینے
میں مبالغہ کرتے ہیں تو حق تعالیٰ نے بھی عذاب دائمی کے طور پر اُن کے واسطے وعدہ فرمایا ہے
جیسا کہ لفظ ویل کا اُس سے خبر دیتا ہے اِسواسطے کہ زبان عرب میں ویل عبارت ہے بلائے
شدید سے جو دائمی ہو اور سمجھ لیا چاہیئے کہ اصل اس خُلق بد کی طلب کرنا فخر کا ہے لوگوں پر اور
منشا اِس کا اکثر اوقات میں مال کی کثرت ہے اِسواسطے کہ بہت سے لوگوں کو مال بغیر لیاقت
کے ہاتھ آجاتا ہے تو چاہتے ہیں کہ اُس مال کے سبب سے اوروں سے اونچے اور بڑے بنکے
بیٹھیں اور وجہ بڑائی اور بزرگی کی کچھ مال ہی پر منحصر نہیں ہے بلکہ عمدہ نسب اور خوبصورتی
اور عمل نیک اور اخلاق پسندیدہ بھی اسی قسم میں سے ہیں تو اِسواسطے دُنیا دار لوگ اپنا فخر اور
بڑائی ثابت کرنے کو اپنے ہمچشموں پر طعن شروع کرتے ہیں تاکہ اپنی بڑائی اور بزرگی ثابت کریں
اِسیواسطے ہُمزہ اور لُمزہ کو اِس صفت کے ساتھ موصوف فرمایا ہے اَلَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ
جس نے جمع کیا ہے بہت سا مال اور گن گن کے رکھا ہے اُس کو اور گن گن کے رکھنے کے بیان
میں اشارہ ہے اِس بات کی طرف کہ جمع کرنا مال کا خرچ کرنے اور بخشش کرنے کیواسطے
نہیں ہے بلکہ بخل کرتا ہے اور بار بار اُس کو گنتا ہے کہ کچھ اُسمیں سے کم نہ ہو جاوے تو حرص
اور بخل کی صفتیں دونوں اُسمیں جمع ہوئی ہیں اور اس قسم کے لوگوں سے اگر بخل کی وجہ پوچھی
جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہمنے مال کو زمانے کے نشیب و فراز کے واسطے رکھا ہے اسیواسطے
اُن کے حق میں یہ عبارت ارشاد فرمائی یَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ کیا گمان کرتا ہے کہ
مال اُس کا ہمیشہ رکھیگا اُسکو دُنیا میں یعنی موت کے اسباب کو اُس سے دور کردے گا کَلَّا
یوں نہیں ہے جیسے وہ سمجھتا ہے اسواسطے کہ عالم کی پیدایش کی ابتدا سے مالدار ہوتے آئے
ہیں لیکن موت کے اسباب کوئی اپنے اوپر سے دفع نہیں کرسکا بلکہ مال کی کثرت ہونا بخل کے
ساتھ قیامت کے دن عذاب کی شدت کا سبب ہے چنانچہ فرمایا ہے لَيُنْۢبَذَنَّ البتہ پھینکا جاوے گا
شخص کہ بدخلقی اور شوخ زبانی اور حرص اور بخل کو اپنے میں جمع کر رکھا ہے فِی الْحُطَمَةِ توڑنیوالی
آگ میں کہ عادت اُس کی روندنا اور توڑنا ہے اور یہ آگ توڑنے والی جزائے وفاق ہے

یعنی اِس شخص کی پوری سزا ہے اِسواسطے پہلے تسلط اور غلبہ آگ کا صورت پر ہے کہ جلنے کے
بعد نہایت خراب ہو جاتی ہے بعد اُس کے نوبت گوشت اور پوست کو پہونچتی ہے بعد اُسکے
ہڈیاں ٹوٹنے کی تو نہ ذات اُسکی قائم رہیگی اور نہ حُسن اور جمال پھر جو مال کہ نتیجہ اس کا یہ ہوا اُسکا
سدا رہنے کا اسباب سمجھنا کمال نادانی ہے اور جو اسقدر تاثیر آگ کی کہ حطمہ کے لفظ میں مذکور
ہوئی مشترک ہے آتش کوبی اور آتش عنصری اور آتش مزاجی میں کہ تپ دق کے اندر ہوتی
ہے اور تاثیر اُس وعدہ دیے گئے آگ کی اِن سب سے زیادہ اور بڑھکے ہے تو اِس آگ کا
احوال ظاہر ہونے کو اور تھوڑا سا اس کے معاملے کے بیان کرنے کو سوال اور جواب کے طور
پر ایک اور عبارت فرمائی ہے وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ۝ اور تو کیا جانتا ہے باوجود اِس
بات کے کہ علم کی انتہا کو پہونچ چکا ہے کہ کیا ہے وہ توڑنے والی یعنی وہ آگ عاقلوں کی اور
اور حکیموں کی بوجھ سے بہت دُور ہے اسواسطے کہ اُنکے نزدیک حرارت تین قسم سے زیادہ
نہیں ہوتی ایک تو عنصری ہے جیسے آگ کی گرمی یا کوبی جیسے آفتاب کی گرمی یا مزاجی ہے
جیسے تپ کی یا حرکت کی گرمی اور وہ آگ اس قبیل سے نہیں ہے کہ کسی کے قیاس میں
آجاوے بلکہ نَارُ اللّٰهِ وہ خدائی آگ ہے یعنی اُس کے غضب اور قہر کی ہے الْمُوْقَدَةُ ۝
کہ سُلگائی گئی ہے بندوں کے گناہ اور بے ادبیوں سے الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ۝ وہ
آگ ہے کہ جھانک لیتی ہے دلوں کو اور حقیقت اس کلام کی یہ ہے کہ جو آگ کہ عالم میں ہے
اوّل اُسکی تاثیر بدن پر ہوتی ہے بعد اُس کے اُن چیزوں کو جو بدن کے اندر ہیں درجہ
بدرجہ جلاتی ہے یہاں تک کہ اخلاط اور ارواح اور اعضائے اصلیہ تک پہونچتی ہے اور
وہ آگ قہر الٰہی کی آگ ہے کہ اوّل نفس ناطقہ کو صدمہ پہونچاتی ہے اور وہاں سے دل کو
کہ درد کے حق میں سب اعضا سے نازک ہے اور تھوڑے سے درد میں پریشان ہو جاتا
ہے دُکھ دیتی ہے پھر جو غلبہ اُس آگ کا پہلے دل پر ہوگا تو رنج اور دُکھ دینے میں بھی پرلے
درجے کی ہوگی اور اِس عالم میں جو آگ کہ اُس آگ سے مشابہ ہے سو وہ تپ کی آگ
ہے ہر چند کہ گرمی اُسکی یعنی تپ کی پہلے خلطوں کو اور روحوں کو اور اصلی اعضا کو پہونچتی ہے
لیکن دُکھ جو پہلے پہونچتا ہے سو دِل ہی کو پہونچتا ہے اور دل سے تمام اعضا کو اِسی واسطے

حدیث شریف میں آیا ہے کہ اَلْحُمّٰی مِنْ فَیْحِ جَہَنَّمَ یعنی تپ دوزخ کی بھاپ ہے اور یہ بھی وارد ہوا ہے اَلْحُمّٰی حَظُّ الْمُؤْمِنِ مِنَ النَّارِ یعنی تپ حصہ ہے مسلمان کا دوزخ کی آگ سے لیکن یہ تپ کی آگ اُس موعود آگ سے دو راہ سے کم ہے اوّل تو یہ کہ نفس ناطقہ میں کہ مجردات سے ہے چنداں اثر نہیں کرتی ہے دوسرے یہ کہ بخارات اِس تپ کی آگ کے اور جوش اس گرمی کا بدن کے مساموں کی راہ سے نکل جاتا ہے اور پسینہ نکل آتا ہے سو وہ تخفیف کا سبب پڑتا ہے بخلاف آتش موعود کے کہ حال اُس کا یہ ہے اِنَّھَا عَلَیْھِمْ مُّؤْصَدَۃٌ مقرر یہ آگ اُن پر بند کی گئی ہے یعنی اُن کے اعضاؤں کے اندر بند کی گئی ہے کہ گرم سانس اندر سے باہر نہ آوے اور باہر کی ٹھنڈی سانس اندر نہ جاوے اِس لیے کہ اسمیں بھی البتہ تھوڑی تسکین ہوتی ہے اور جو بعضے وقت ہاتھ پانوں مارنے سے اور بدن کوٹنے میں دیوار زمین سے کچھ مسام کھلتے ہیں اور ایک گونہ تخفیف ہوتی ہے سو اُس کو بھی اُس سے سلب کر لیا ہے اور فرمایا کہ فِیْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَۃٍ یعنی یہ سب لٹکتے ہوں گے لمبے ستونوں میں اور رسیوں سے باندھ کے جکڑ دیے جاویں گے تاکہ ہاتھ پانوں نہ ہلاویں اور گرمی اُنکے اندر کی کسی طور سے کم نہ ہو اور بعضے تفسیر والوں نے یوں نقل کیا ہے کہ دوزخ کی آگ کو سرپوش کر کے اوپر سے اُن سرپوشوں کے آگ کے ستون لمبے لمبے ڈال دیں گے کہ کسی طور سے ہوا کا جانا اُس کے اندر ممکن نہ ہو واللہ اعلم

ع ۹

سورۃ الفیل

یہ سورۃ مکی ہے اس میں پانچ آیتیں اور تیئیس ۲۳ کلمے اور ننانوے ۹۹ حرف ہیں اور اِس سورۃ کا نام سورۂ فیل اسواسطے رکھا ہے کہ اِسمیں اصحاب فیل کا قصہ مذکور ہے اور یہ قصہ اللہ تعالےٰ کی قدرت کاملہ کی علامتوں سے ایک علامت ہے کہ دلالت کرتا ہے اِس بات پر کہ چھوٹے سے چھوٹے قہر آلہی کے اسباب کو بڑے سے بڑا جانور جو ہاتھی ہے تحمل نہ کر سکا تو اُس کے قہر کے بڑے بڑے اسبابوں کو کون تحمل کر سکیگا اور اِس بات پر بھی دلالت کرتا کہ اُس کے گھر کی بے حرمتی کرنا اِس درجے کو قہر کا سبب ہوا تو اُس کے دین اور اُس کے پیغمبر کی

ہتک حُرمت کیا کچھ کرے گی اور یہ قصّہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت مبارک کے قریب ہوا تھا پس گویا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی ارہاصات یعنی علامات سے اُس قصّے کو اِس سورۃ میں یاد دلایا ہے تاکہ اِس سے عبرت پکڑیں اور ہتک حُرمت میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی جن کی برکت سے عالم غیب سے تائید الٰہی اُنکی مدد کیواسطے پہونچی پیش قدمی نہ کریں اور اِس قصّے کے واقع ہونیکا سبب یہ تھا کہ ابرہہ نام ایک حبشی نجاشی کیطرف سے جو تمام حبش کے ملک کا بادشاہ تھا یمن کا صوبہ دار ہوکر آیا اور یمن کے لوگوں کو دیکھا کہ حج کے موسم میں ہر اطراف اور جوانب سے نذر اور نیازیں لیکر مکہ معظمہ کو جاتے ہیں پوچھا کہ یہ لوگ کیا ارادہ رکھتے ہیں اور کہاں کو جاتے ہیں لوگوں نے سارا احوال بیان کیا تو نخوت اور سرکشی نے کفر کی اُس مردود کے دل میں جوش مارا اور حکم کیا کہ اُس گھر کے مقابلے میں اِس شہر میں بھی ایک گھر تیار کرو پھر صنعان میں کہ یمن کے ملک کا پایۂ تخت ہے اچھے خوشرنگ پتھروں کا ایک کلیسہ بنایا اور اُس کا قلیس نام رکھا اور اُس کے در و دیوار کو زر اور جواہر سے مرصّع اور مزیّن کیا اور بتوں کو اچھے اچھے لباس پہنا کر خوب زر و زیور سے آراستہ کر کے اُس گھر میں بٹھلایا اور عطر اور گلاب اُس کے در و دیوار پر چھڑکایا اور انگیٹھیاں عود اور عنبر کی روشن کروائیں اور گرداگرد اُس کے مکانات بہت عمدہ مسافروں کیواسطے تیار کیے اور اپنے تمام ملکوں میں حکم کر دیا کہ سب لوگ اُس گھر کے طواف کیواسطے حاضر ہوا کریں یہ بات قریشیوں پر اور سب مکہ معظمہ کے رہنے والوں پر شاق گذری اِسی عرصے میں ایک شخص بنی کنانہ کی قوم کا یمن میں جاکر بادشاہ سے مِل کر اُس گھر کی فراشی اور جاروب کشی کی خدمت پر معیّن ہوا جب چند روز گذرے تو بے تکلف ہر وقت آنے جانے لگا ایک رات اُس گھر میں جابجا پاخانہ پھر کر بھاگ گیا صبح کو جو لوگ اُس ناپاک گھر کے طواف کیواسطے آئے اور یہ معاملہ دیکھا تو اُلٹے پھرے اور یہ خبر بادشاہ کو پہونچائی اس نے حکم کیا کہ اس کو تحقیق کرو کہ یہ کام کس نے کیا ہے آخر ثابت ہوا کہ یہ کام اُس مکّے کے رہنے والے نے کیا ہے اِس بات سے وہ مردود نہایت غصّے ہوا اور چاہا کہ اس کے عوض میں مکہ معظمہ کی ہتک حُرمت کرے وہ اِسی خیال میں تھا کہ ایک اور نیا شگوفہ کھِلا کہ ایک قافلہ حرم کے رہنے والوں کا اُس گھر کے متصل شب باش

ہوا صبح کو چلنے کے وقت آگ جلائی تھی کہ کوئی چیز گری پڑی ہو تو نظر آجاوے اتفاقاً اُس وقت ہوا تیز چلنی شروع ہوئی اور آگ اُڑکر اُس گھر کے اسباب اور سامان میں جا لگی اور تمام فرش فروش اور زیور اور جواہر اُس گھر کا سب جل گیا اور در و دیوار اور نقش و نگار دھوئیں سے سب خاک سیاہ ہوگئے قافلے والوں نے جو یہ معاملہ دیکھا تو ڈر کر بھاگے بادشاہ نے پھر حکم کیا کہ اِس بات کو تحقیق کرو کہ یہ حرکت کس سے ہوئی ہے جب اِس بات کی خوب چھان بین ہوئی تو آخر کو معلوم ہوا کہ یہ حرکت بھی مکے والوں سے ہوئی ہے یہ بات سُنکر بادشاہ کمال غصے میں آیا اور بہت سی فوج اور بارہ ہاتھی کہ اُن میں ایک کا نام محمود تھا نہایت قدوقامت میں بڑا اور قوی تھا اور سب ہاتھیوں سے آگے آگے چلا کرتا تھا ساتھ لیکر خانۂ کعبہ کے توڑنے کو چلا پھر راہ میں جو شہر اور جو قوم کہ ملتی تھی تو اُس شہر اور قوم کے لوگ عاجزی اور زاری کرتے تھے کہ اس گھر کو نہ چھیڑ اور جو تجھ کو چاہیئے بدلے میں اُس کے ہم سے لے اُس مردود نے ہرگز قبول نہ کیا یہاں تک کہ مکہ معظمہ کے متصل پہونچا اور مکے والے یہ خبر سُنکر اپنے لڑکے بالے مال اسباب لیکر پہاڑوں پر چلے گئے مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا عبد المطلب تنہا مکہ معظمہ میں رہ گئے تھے جب یہ حال دیکھا تو وہ بھی حیران اور پریشان ہوکر مدد غیبی کے منتظر تھے کہ یکایک سبز چڑیاں جدے کیطرف سے کہ دریائے شور کا بندر ہے اور مکہ معظمہ سے مغرب کی جانب کو واقع ہے غول کے غول جمع ہوکر ابرہہ کے لشکر کیطرف متوجہ ہوئیں اور ہر چڑیا کے پاس اُن چڑیوں میں سے تین تین کنکریاں تھیں مسور سے بڑی اور چنے سے چھوٹی ایک تو چونچ میں اور دو دو پنجوں میں پھر جب برابر اُس لشکر کے پہونچیں تو اُن کنکریوں کو ڈالنا شروع کیا اور خاصیت اُن کنکریوں کی یہ تھی کہ جس کے سر پر لگتی تھی تو اُس کے پائخانہ کی راہ سے نکلجاتی تھی اور اندر اُس کا قلب جلا دیتی تھی اور یہ حادثہ وادی محسر میں ہوا تھا جو مکہ معظمہ سے چھ کوس پر عرفات کے رستے میں ہے اور اِس حالت میں وہ لشکر اُس جنگل میں تھا اور بڑا ہاتھی اُس کا جس کا نام محمود تھا اُس نے جنگل میں گھٹنے ٹیک دیے تھے اور ٹھٹھک رہا تھا اور ہرگز قدم آگے نہ رکھتا تھا دوسرے ہاتھی بھی ٹھٹھک رہے تھے اور جب ہاتھیوں کو یمن کی طرف لے چلتے تھے تو جلد جلد چلتے تھے اور جب کعبہ شریف کی طرف کو ہانکتے تھے تو گھٹنے ٹیک کر

بیٹھ جاتے تھے اور قدم آگے نہ رکھتے تھے بادشاہ نے فیلبانوں کو دھمکی دی اور غصہ کیا کہ یہ سب تمہاری شرارت ہے تم چاہتے ہو کہ یہ اس گھر کا معتقد ہو جاوے سو میں ایسی باتوں پر اعتقاد نہیں رکھتا یہ تو اسی گفتگو میں تھا کہ چڑیوں کے غول آ پہونچے اور تمام لشکر کو ہاتھیوں سمیت غضب الٰہی کا پائمال کر ڈالا اور مال اور متاع کہ اُن کے پاس تھا سب اسی جنگل میں پڑا رہگیا مکّے کے لوگوں نے جو پہاڑوں پر بھاگ گئے تھے تباہی اور خرابی اُنکی دیکھی تو ایکبارگی اُتر کر لوٹنا شروع کر دیا اور خوب دولت دُنیا اور اسباب جمع کر لیا اور قریشیوں میں جو دولت تھی تو وہی دولت تھی آور وہ کنکریاں نبوت کیوقت بلکہ بعد اس کے بھی لوگوں کے گھروں میں تھیں عبرت کیواسطے لوگوں نے رکھ چھوڑی تھیں اور صحابہؓ میں بہت لوگوں نے وہ کنکریاں دیکھی تھیں اور ولادت باسعادت آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس قصّے کے پچپن۵۵ روز کے بعد ہوئی سو اس سورۃ میں اُس قصّے کا بیان کرتے ہیں قریشیوں کو نصیحت دینے کو۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلَمۡ تَرَ کَیۡفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصۡحٰبِ الۡفِیۡلِ ؕ کیا نہیں دیکھا تو نے کیسا کیا تیرے رب نے ہاتھی والوں سے یعنی اُس لشکر سے جو کعبۃ اللہ کے ڈھانے کو آگے آگے ہاتھی لایا تھا اور دیکھنے کے لفظ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو بات تواتر سے ثابت ہوتی ہے تو وہ دیکھنے کا حکم رکھتی ہے اسواسطے کہ اُسمیں ہرگز شک نہیں ہوتا اور ربک کے لفظ میں اشارہ یہ ہے کہ یہ واقعہ عظیمہ تیری نبوت کا پایہ ہے اور اس کرشمے کے ظاہر کرنے سے تیری پیغمبری کا اثبات منظور ہے گویا کہ ربوبیت الٰہی جو تیری طرف مصروف ہے اس مدد غیبی کو آسمان سے لائی ہے اور یہی سبب ہے کہ جب تو نے لشکر ہمراہ لیکر مکّے کی فتح کا ارادہ کیا تو کوئی مانع اور مزاحم غیب سے پیش نہ آیا اَلَمۡ یَجۡعَلۡ کَیۡدَہُمۡ فِیۡ تَضۡلِیۡلٍ ۙ کیا نہیں کر دیا اُن کا داوٗ غلط اور بیکار یعنی بیت اللہ کے مقابلے میں جو دوسرا گھر بنایا تھا اور رعیت پر حکم کیا تھا کہ سب آکر اُس گھر کا طواف کیا کریں سو یہ ایک بڑی تدبیر تھی بیت اللہ کے حرمت کھونے کی سو وہ سب برباد ہو گئی بلکہ ذلت پر ذلت ہوتی چلی گئی ہر چند کہ عاقلوں کو محنت طویل کے ضائع ہونے سے بہت عبرت و نصیحت حاصل ہوئی ہے لیکن اس گروہ کے واسطے اِس قدر پر اکتفا نہ ہوا بلکہ

ایک عذاب آسمانی دوسرا اُن کو نصیب ہوا چنانچہ فرماتے ہیں وَّاَرْسَلَ عَلَیْھِمْ اور بھیجے اُن پر طَیْرًا اَبَابِیْلَ ۃ اُڑتے جانور غول کے غول اور ابابیل کا لفظ اصل لغت میں جوق جوق کے معنوں میں ہے اور اس کا واحد مستعمل نہیں ہے لیکن قیاس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا واحد ابیل یا ابول یا ابالہ ہے اور عُرف میں ابابیل اُن جانوروں مشہور کو کہتے ہیں اور غیبی جانور جو سنگریزے لیکر آئے تھے اسی صورت کے تھے اور جو اصحاب فیل بڑے بڑے جانوروں کو کہ ہاتھی ہے خانۂ کعبہ کے گرانے کو لائے تھے تو اُن کے مقابلے میں ایک ادنی ضعیف جانور کو چھوٹے سے چھوٹا اسباب کہ کنکریاں ہیں دیکر اُن پر بھیجا تاکہ لوگ معلوم کرلیں کہ تائید الٰہی کے سبب سے ضعیف مخلوق بڑی قوی مخلوق کو زیر کرتی ہے اور بغیر اُسکی مدد کے بڑی زبردست مخلوق سے کچھ نہیں ہوسکتا تَرْمِیْھِمْ بِحِجَارَۃٍ مِّنْ سِجِّیْلٍ ۃ مارتے تھے وہ جانور اُن لشکر والوں کو پتھروں سے جو کھنگر کے قسم سے تھے اور سجیل معرب ہے سنگل کا یعنی وہ مٹی کہ پک کر پتھر کیطرح پر ہو جاوے جس کو ہندی زبان میں کھنگر کہتے ہیں اور غول کے غول لانے میں اُن چڑیوں کے ایک حکمت تھی یعنی جب پتھر مارنا شروع ہوگا تو لوگ ہر طرف کو بھاگیں گے تو جانور بھی غول کے غول چاہئیں کہ ہر طرف کے بھاگنے والوں کا کام تمام کریں اور تاثیر اُن کنکریوں کی جو کچھ اُن کے بدنوں پر ظاہر ہوئی تھی بیان اُس کا اس آیت میں ہے کہ فَجَعَلَھُمْ کَعَصْفٍ مَّاْکُوْلٍ ۃ پھر کرڈالا اُن لشکر والوں کو جیسے گھاس کھائی ہوئی یعنی گھاس جو جانور کھا کے آخور چھوڑ دیتے ہیں اور یہ اشارہ ہے اعضا کے ٹوٹ پھوٹ جانے کیطرف یعنی شکل اور صورت اور بدن سب بگڑ گیا اور یہ تاثیر بھی خوارق عادات سے ہے گویا کہ اُن پتھروں میں یہ کچھ زہر تھا کہ بدن پر لگتے ہی سارا بدن چکنا چور ہو جاتا تھا اور یبوست اور خشکی سرایت کرجاتی تھی اور جوڑ دست سارے اُکھڑ پکھڑ جاتے تھے اور یہ قصہ عذاب الٰہی کا ایک نمونہ تھا اور کئی خرق عادت کو شامل تھا اوّل تو ٹھٹھک رہنا ہاتھیوں کا کہ بیٹھ بیٹھ جاتے تھے پر ایک قدم آگے نہ رکھ سکتے تھے دوسرا چڑیوں کا آنا اس کثرت اور ہجوم کے ساتھ دریائے شور کی طرف سے کہ ظاہر میں پرندوں کی بود و باش کی جائے نہیں ہے اور بعد اس واقعے کے بھی پھر اُن چڑیوں کو کسی نے نہیں دیکھا تیسرا یہ کہ اُن کنکریوں کا لانا کہ کہیں اُن کا ٹھکانا

ع ۵

معلوم نہیں ہے جو تھا یہ کہ کیا کچھ تاثیر قوی اُن کنکریوں میں رکھی تھی واللہ اعلم بالصواب

سورۃ القریش

یہ سورۃ مکی ہے اسمیں چار آیتیں اور سترہ کلمے اور تہتر حرف ہیں اور قریش نام ہے ایک قبیلے کا حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد سے کہ ہمارے پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اکثر اصحاب کبارؓ بھی اسی قبیلے سے تھے اور یہ قبیلہ رہنے والا مکہ معظمہ کا ہے اور بیت اللہ کی اور چاہ زمزم کی خدمت ہمیشہ سے اُن ہی کو سپرد ہے اسیواسطے رہنے والے اور رئیس یمن اور شام کے اور دوسرے عرب کے شہروں کے بیت اللہ کی حُرمت کے سبب سے اِس قبیلے کو معظم اور مکرم جانتے تھے اور جہاں یہ جاتے تھے نذر اور نیاز اور مہمانیاں اور قُربانیاں انکو ملتی تھیں اور تجارت کا مال کہ اُنکے ساتھ ہوتا تھا کوئی محصول اُس کا نہ لیتا تھا اور چور اور قطاع الطریق بھی خانۂ کعبہ کے ادب سے اُن سے تعرض نہ کرتے تھے اور ہمیشہ اس قبیلے کی عادت تھی کہ سردی کے دنوں میں یمن کی طرف کہ گرم ملک ہے جاتے تھے اور طرح طرح کے فائدے تجارت کے اُٹھاتے تھے بلکہ نذریں اور نیازیں بھی لاتے تھے اور گرمی کے موسم میں اسیطرح شام کو جاتے تھے اور ہمیشہ اسیطرح سے سفر کیا کرتے تھے اور دولت دُنیا بہت سی کما لاتے تھے اور اسی وسیلے سے مکہ معظمہ میں بخوبی تمام گذران کرتے تھے اور باوجود اس بات کے کہ مکہ معظمہ کا شہر کوہستان اور ریگستان میں واقع ہے اور زمین وہاں کی کمال خشک ہے کہ زراعت اور درخت اُسمیں سرسبز نہیں ہوتا حق تعالیٰ اس سورۃ میں اُن نعمتوں کی قریشوں کو یاد دلاتا ہے اور فرماتا ہے کہ اگر کوتہ نظری کرو اور باری تعالےٰ کی ذات پاک کے عمدہ کمالاتوں کو اور اسکی بے انتہا نعمتوں کو کہ عرش سے فرش تک لبالب ہیں نہ جانو تو اس بڑی نعمت کو جو خانۂ کعبہ کی برکت سے تمھارے حق میں امداد فرمائی ہے خود بخود سمجھ لو اور ادا کرنے میں اُس کے شکر کے بموجب عبادت کے قیام کرو اور اسی واسطے اِس سورۃ کا نام سورۂ قریش رکھا ہے کہ اِس سورۃ میں خاص قریشوں کے احسان کا ذکر ہے اور حقیقت میں قریشوں پر احسان کرنا تمام عالم پر احسان ہے اور اُن سے عبادت کی طلب کرنا گویا تمام بنی آدم سے عبادت کی طلب ہے اور مرتبہ اُن کا متبوعیت میں مانند قرآن مجید

کے ہے بہ نسبت دوسری کتابوں کے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا ارادہ عالم کی اصلاح اور شرک اور کفر کے دفع کرنے کیواسطے متعلق ہوا اور ہمارے پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کام کیواسطے اختیار فرمایا سو پہلے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دل مبارک پر ارادہ اور لوازمات اِس ارادے کے اور علم اور معرفتیں کہ اس مہم عظیم سے تعلق رکھتی تھیں القا ہوئیں پس لازم ہوا کہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم جاری کرنے میں اِس مہم کے استعانت اپنے قبیلے کیطرف کریں اسواسطے کہ قبیلہ آدمی کا اخلاق اور اوصاف کے پہچاننے میں دوسروں کے بہ نسبت پیشقدمی رکھتا ہے اور جو اطلاع کہ اس شخص کے احوال پر اُن کو ہوتی ہے دوسروں کو نہیں ہوتی ہے آور یہ بھی ہے کہ فکر کی قوت اور ذہن کی صفائی اور استعداد کی نزدیکی اور حمیت داعیہ کی قرابت والوں میں زیادہ ہوتی ہے غیر فریکی نسبت سے پس گویا کہ قبیلہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا بعد مشرف ہونے کے شرف اسلام سے ساری اُمت کے بہ نسبت حکم پیغمبر کا رکھتا ہے اور اُمتوں کی نسبت سے اسیواسطے حدیث شریف میں آیا ہے کہ تعلمون من قریش ولا تعلموھا یعنی سیکھو قریش سے اور نہ سکھاؤ اُن کو آور یہ بھی فرمایا ہے کہ الناس تبع فی ھذا الشان بقریش یعنی سب آدمی اِس بات میں تابع ہیں قریش کے اِسی واسطے قرآن مجید اِن ہی کی زبان میں نازل ہوا تاکہ وہ موافق اپنے پیدایشی سلیقے کے اُس کی باریکیوں کو سمجھیں اور دوسرے لوگوں کو بتادیں یعنی معنی نبوت کے سب قریشوں میں پراگندہ اور منتشر ہیں اور ازل الآزال میں مقدر تھا کہ ریاست دین کی اور سلطنت اسلام کی ابتداے ہجرت سے چھ سو چھپن سال کے آخر تک قریش میں رہیگی بعد اُس کے چنگیزی ترکوں کے ہاتھ سے خراب ہوگی اور ترک مسلط ہوں گے چنانچہ خوف کا لفظ اس بات پر دلالت کرتا ہے یعنی اس لفظ سے تاریخ بوجھی جاتی ہے یہ بات بنی آدم میں پیدایشی ہے کہ دین اور مذہب میں اکثر تابع رئیس کے ہوتے ہیں پس مقتضا حکمت کا یہی تھا کہ اوّل اُن کی اصلاح کیواسطے کوشش کیجاوے تاکہ اور لوگ چارو ناچار اُن کی درستی سے درست ہوجاویں گے آور سبب اس سورۃ کے نازل ہونیکا اِسی تقریر سے واضح ہوتا ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ ۙ یہاں پر لام قسمیہ ہے جیسے لِلّٰہِ لَا یُؤَخَّرُ الْاَجَلُ میں اللہ کی قسم ہے کہ وقت نہ ٹلے گا یعنی قسم ہے قریش کے اُلفت دینے کی اور قریش نضر بن کنانہ کی اولاد کو کہتے ہیں کہ تیرھویں دادا ہمارے پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہیں اسواسطے کہ حضرت محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ ہیں اور جو شخص کہ نضر بن کنانہ کی اولاد میں ہے وہ قریش میں داخل ہے اور اُس کو قریشی کہتے ہیں اور قریش لغت میں نام ہے ایک جانور کا دریائی جانوروں میں سے کہ سب جانوروں کو پکڑ کے کھا جاتا ہے اور سب پر غالب ہے اور اولاد نضر بن کنانہ کی گردش زمانہ کے سبب مکے کے شہر سے متفرق ہو کر تمام ملکوں میں بکھر گئی تھی قصی نے کہ پانچویں دادا آنحضرت صلے اللہ علیہ کے ہیں اُن سب کو اِدھر اُدھر سے بُلا کر پھر مکہ معظمہ میں بسایا اسی واسطے قصی کو مجمع کہتے ہیں اور اس قبیلے کو کہ اور قبیلوں سے زبان کی فصاحت میں اور شجاعت اور سخاوت اور ہمت کی بلندی میں اور نسب کی صحت میں غالب تھا اُس جانور کے نام پر نام رکھا اٖیْلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّیْفِ ۚ خوگر ہونا اُن کا سفر میں جاڑوں کے اور گرمی کے کہ یمن اور شام کی طرف اُن کو اتفاق پڑتا تھا اور اِس قسم کے کھانے میں اِس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اِس ضمن میں حق تعالےٰ کی تدبیر عجیب اُن کی معاش کے فراخی کیواسطے جلوہ گر ہوئی ہے اور اُس مسبب الاسباب کے کمال حکمت پر دلالت کرتی ہے اِس واسطے کہ جس شہر کے رہنے والے گرد و نواح سے اُس شہر کے اپنی معاش پیدا نہ کر سکیں زمین کی قحط نائی اور کوہستان کی سنگلاخی اور ہوا کی خشکی کے سبب سے تو کچھ عجب نہیں کہ وہ شہر ویران ہو جاوے اور لوگ وہاں کے تلاش معاش کیواسطے مُلک در مُلک چلے جاویں پھر آبادی اُس شہر کی اِس عجیب تدبیر کے ساتھ محفوظ رکھی کہ وہاں ایک گھر اپنے نام کا تعمیر فرمایا اور لوگوں کے دلوں میں اُس گھر کی عظمت ڈالدی اور اُس گھر کے مجاوروں کو جاڑوں کے اور گرمیوں کے سفر کیواسطے مائل کیا کہ ہر مُلک اور ضلع سے مناسب موسم کے مال اور اسباب کما کر اُس شہر میں لاویں

اور اُن کے رہنے کا سبب اُس بقعۃ الخیر سے منقطع نہ ہوجاوے آور یہ بات بھی ہے کہ ہمیشہ سفر میں رہنا ملال خاطر کا سبب ہے خصوصاً عین سردی اور شدت گرمی میں لیکن اس قبیلے کو اصلا اس تکلیف کا رنج نہ ہوتا تھا پس گویا خرق عادت ہوگیا اور اس بات کے لائق ہوا کہ اُس کی قسم کھائی جاوے آور یہ بھی ہے کہ خوگر ہونا اُن کا سردی اور گرمی کے سفر میں بعد نبی ہونے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کی ترقی کا سبب ہوا کہ چھوڑنا وطن کا ہجرت میں اُن پر شاق نہ ہوا بعد اُس کے جہاد کیواسطے اور دور کے مُلکوں پر جانا اُن کو آسان معلوم ہوتا تھا آسی واسطے مدینہ منورہ سے کابل تک اور قسطنطنیہ اور اندلس تک متفرق ہوکر دین حق کو پھیلایا آور یہ بھی ہے کہ اس ہمیشہ کے سفروں میں لوگوں کی خصلتوں اور عادتوں کا تجربہ بھی کماحقہٗ ہوگیا تھا پھر جس وقت کہ دینی اور دُنیوی ریاست اُنکے ہاتھ میں آئی تو یہ بات خوب مفید پڑی اسی واسطے تھوڑے سے عرصے میں رواج دینا دین وایمان کا اور شہروں اور مُلکوں کا فتح کرنا اُن کے ہاتھ سے بہت آسانی سے سرانجام پایا تو یہ عادت سفر کی اُن کے حق میں ایک عجیب نعمت اور ایک عظیم دولت تھی کہ دونوں جہان کی سعادت اور دین و دُنیا کی ریاست اُس کے سبب سے حاصل کی ہرچند کہ سرگردانی اور صحرانوردی کی صورت پر ہو اور جب اس نعمت کو باوجود اس عظمت کے کہ رکھتی تھی ان کو یاد دلایا تو اس کے شکرانے میں عبادت طلب فرماتے ہیں فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ۙ پھر چاہیئے کہ عبادت کریں قریش اس گھر کے صاحب کی اسواسطے کہ عظمت اور بزرگی اُنکی لوگوں کے دلوں میں اور ان کے معاش کی فراخی اور ان کا بے غم ہونا دشمنوں سے یہ سب اسی گھر کی مجاوری اور آستانے کی دربانی کی برکت سے ہے پھر جب دوسرے لوگ اس مکان سعادت نشان کے خادموں سے اس طور کی تعظیم اور تکریم سے پیش آویں تو ان خادموں کو لازم ہے کہ اس گھر کے صاحب کی کمال درجے کو تعظیم اور تکریم کریں اسی واسطے رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ کا لفظ اس مقام پر لائے ہیں گویا اشارہ کرتے ہیں کہ اگر ازراہ کوتہ نظری کے ربوبیت حق تعالےٰ کی تمھاری نظروں سے محجوب ہے لیکن عظمت و بزرگی تو اس گھر کی ظاہر اور کھلی ہے اور اگر جناب الٰہی کو اس گھر کا صاحب سمجھ کر عبادت کرو تو بھی سزاوار ہے الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ جس نے کھانا

دیا ہے اُنکو بھوک سے یعنی رہنے کی جگہ اُنکی زمین بے کھیتی کے اور جنگل بغیر گھاس کا ہے سو وہ تو قابل اس بات کے تھا کہ رہنے والے وہاں کے بھوک سے مرجاویں اگر تدبیر الٰہی آباد کرنیکو بیت اللہ کے جلوہ گر نہ ہوتی تو لوگوں کو وہاں کے روٹی کا ٹکڑا ملنا مشکل پڑتا وَاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۝ اور امن دیا اُن کو ڈر سے باوجود اس بات کے کہ عرب کے قبیلوں میں قتل اور لوٹ اور بندی اس قدر مروج تھی جس کی حد و نہایت نہ تھی لیکن بیت اللہ کے گرداگرد حرم شریف کی حد تک کہ بعضی طرف دس کوس ہے اور بعضی طرف چھ کوس اور کسی طرف سے تین کوس ہے ہرگز تعرض و مزاحمت نہ کرتے تھے بلکہ اگر کوئی کسی کے باپ اور بیٹے کو مار کر حرم میں جا بیٹھتا تھا تو اُس کا پیچھا نہ کرتے تھے اور بعضوں نے کہا ہے کہ اِن سب امنوں کے سوا ایک امن اور ہے کہ حرم کے رہنے والے کو جُذام کا مرض ہرگز نہیں ہوتا چنانچہ یہ بات مدت دراز سے تجربے میں آئی ہے واللہ اعلم

سُورَةُ الْمَاعُوْن

یہ سورۃ مکی ہے اس میں چھ آیتیں اور پچیس کلمے اور سوا سو حرف ہیں اور اس سورۃ کو سورۃ الماعون اسواسطے کہتے ہیں کہ منع کرنا ماعون کا جو احسان کا ادنیٰ مرتبہ ہے سبب ہے حجاب کا اور باعث ہے عقاب کا پھر جو حق کہ اپنے اوپر واجب ہیں خواہ حق اللہ ہوں خواہ حق العباد اُن کے ادا نہ کرنے سے ڈرا چاہیئے اور ڈرانا ان کاموں سے عین مقصد ہے قرآن کا اور نصف اس سورۃ کا کافروں کے حق میں ہے اور نصف منافقوں کے حق میں اور اسکے نازل ہونے کا سبب یہ ہے کہ ابوجہل مردود کی یہ عادت تھی کہ جب کوئی مالدار بیمار ہوتا تھا تو اُس کے پاس آکر بیٹھتا اور کہتا کہ اپنے یتیموں کو مجھ کو سپرد کر اور اُن کا حصہ میرے پاس امانت رکھ کہ میں خبر گیری اور خدمتگزاری اُنکی بخوبی ادا کرونگا اور دوسرے وارث اُن پر زیادتی نہ کرسکیں گے پھر جب اُن کا مال اپنے قبضے میں کر لیتا تو یتیموں کو اپنے دروازے سے ہانک دیتا پھر وے بیچارے ننگے بھوکے دربدر گلی کوچوں میں روتے ہوئے مارے مارے پھرتے اِسی طرح سے ایک یتیم ننگے سر ذلت کا مارا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس

آکر اُس ملعون کی فریاد کرنے لگا آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس یتیم کی رعایت کیواسطے اُس ملعون کے پاس تشریف لیگئے اور اُس کو پرسش سے قیامت کے دن کی ڈرایا اُس ملعون نے مقابلے میں اُس وعظ اور نصیحت کے جزا کے روز کا جھٹلانا اور انکار کرنا شروع کیا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم رنجیدہ ہوکر دولت خانے کو تشریف لائے پھر یہ سورۃ نازل ہوئی

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَرَءَيۡتَ الَّذِىۡ يُكَذِّبُ بِالدِّيۡنِ ؕ کیا دیکھا تو نے اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم اُس شخص کو جو جھٹلاتا ہے اور جھوٹ سمجھتا ہے دین کو یعنی ملت کو اور جزا کو اور دین ان دونوں معنوں میں آیا ہے اور یہاں دونوں معنی ہوسکتے ہیں اسواسطے کہ ظلم کرنا یتیموں اور بیکسوں پر اور رحم نہ کرنا فقیروں اور محتاجوں پر ملت کے جھٹلانے کی علامت ہے اور جابجا دین میں تاکید اسی بات کی ہے اور جزا کے باور نہ کرنے کی بھی علامت ہے اس واسطے کہ جو شخص جزا کا معتقد ہے اور اس کو سچ جانتا ہے وہ خدا سے ڈرتا ہے اور جو خدا سے ڈرتا ہے وہ یہ کام نہیں کرتا اور اس قسم سے خطاب کرنے میں اشارہ ہے اس بات کیطرف کہ اگر کوئی چاہے دین کی تکذیب کرنیوالوں کو علامت سے دریافت کرے تو چاہیئے کہ ان علامتوں کو خیال کرے فَذٰلِكَ الَّذِىۡ يَدُعُّ الۡيَتِيۡمَ ۙ پھر وہ جھٹلانے والا دین کا وہ شخص ہے کہ زور سے ڈھکیلتا ہے یتیم کو یعنی سینہ زوری سے یتیم کا حق کھاتا ہے اور یتیم سب ضعیفوں سے ضعیف ہے اور جو شخص کہ معتقد جزا کا ہے سوا اپنے خاص مال سے لوگوں کے ساتھ احسان کرتا ہے خصوصًا ضعیفوں پر علی الخصوص یتیموں پر کہ اسباب ضعف کا اُنمیں کما حقہٗ موجود ہوتا ہے اسواسطے کہ خردسال بھی ہوتے ہیں اور قوت کسب کی اور معاش کی تلاش کی نہیں رکھتے اور حیلہ اور تدبیر نہیں جانتے اور کوئی وارث اور والی بھی نہیں رکھتے کہ اُن کا حال پوچھے اور کام سنوارے سو اگر احسان نکرے اور کچھ سلوک نہو سکے پھر حق تلفی سے تو البتہ باز رہے اور بالفرض اگر حق تلفی بھی کرے تو ایسے کی کرے کہ قوت مقابلے کی رکھتا ہو نہ ضعیف کی خصوصًا بیکس یتیم کی کہ وہ جناب الٰہی کے سوائے کوئی فریاد کا پہونچنے والا نہیں رکھتا پس جو شخص کہ اس قسم کے مسکین اور ضعیف پر بیدھڑک ظلم کرتا ہے تو یقین ہے کہ خدا سے نہیں ڈرتا اور اعتقاد عملوں کی جزا کا نہیں رکھتا پھر بعد اس

علامت کے ارشاد فرمایا کہ یتیم کے ہانک دینے کی علت اس ملعون کو کمال بخل اور محبت مال کی ہے یہاں تک کہ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ؕ اور تاکید نہیں کرتا کسی کو کھانا کھلانے پر فقیر کے یہ اشارہ اِس بات کی طرف ہے کہ اپنے مال سے فقیروں کو دینا تو کیا ممکن ہے دوسروں سے بھی کھانا کھلانا فقیروں کو روا نہیں رکھتا پس بخل اس شخص کا نہایت کو پہونچا ہے اور معلوم ہوا کہ ہانکنا یتیم کا بخل اور مال کی محبت کے سبب سے ہے نہ اس یتیم کی مصلحت اور اس کے مال کی کفایت کیواسطے اور جب معلوم ہوا کہ ہانکنا یتیم کا اور کھانا نہ دینا فقیرونکو باوجود اس بات کے کہ یہ دونوں عمل دین کے بڑے مرتبوں سے نہیں ہیں تو بھی دین کی تکذیب کی علامت ہوئی پھر جو لوگ کہ بڑے کاموں میں دین کے جیسے نماز اور زکوٰۃ ہے بخل کرتے ہیں اور خلل ڈالتے ہیں اُنکا حال تو اور بھی خراب اور اُنکا جھٹلانا دین کو زیادہ تر ظاہر ہوگا اسیواسطے فرمایا ہے فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۙ پھر خرابی ہے اُن نمازیوں کی یعنی جو لوگ کہ مکلف نماز کے ہیں اور نماز ایک عمل ہے فرق کرنیوالا اسلام اور کفر میں الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۙ وہ نمازی کہ جو اپنی نماز کی حقیقت سے غافل ہیں یہ نہیں جانتے کہ نماز کس کی مناجات ہے اور مقصود نماز سے کیا ہے دالاروبر دلوگوں کے نماز پڑھنا اور بیٹھ پیچھے لوگوں کے نہ پڑھنا اور اسی طرح فراغت کے وقت نماز کو یاد رکھنا اور کچھ دنیا کے کام میں ہوے تو بھلا دینا اور بعضے ارکانوں کو حضوری سے ادا کرنا اور بعضے ارکانوں میں وسوسوں اور خیالات میں چلے جانا یہ سب بے ادبیاں اُن سے ظاہر نہ ہوتیں اسواسطے کہ حقیقت نماز کی مراقبہ حق کا ہے دل سے تعظیم کے طور پر اور کام میں رکھنا حواس اور قویٰ اور جوارح اور اعضاء کا یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف دل اور جان اور سب جوڑ بند دل کو عاجزی سے متوجہ کر دینا اور یہ بات ان تفرقونکی گنجائش نہیں رکھتی یعنی دل کو ماسوائے اللہ کیطرف لگانے سے اس طرح کی جمعیت حاصل نہیں ہوتی الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۙ وے لوگ وہ ہیں کہ سب عبادتوں اور طاعتوں میں اپنی نمود کرتے ہیں یعنی فقط اپنی نماز ہی کو برباد نہیں کیا بلکہ تمام اعمالوں کو اپنے بسبب ریا اور سمعہ کے حبط کر ڈالتے ہیں یعنی کیا نہ کیا برابر ہوتا ہے اور ریا ایک شاخ ہے شرک کی چھپی ہوئی بلکہ شرک سے بھی قوی ہے دو وجہ سے اول تو یہ کہ ریا والا لوگوں کو خدا سے زیادہ عزیز رکھتا

ہے دوسرے یہ کہ شرک محض طاعت میں کرتا ہے کہ مقام توحید اور اخلاص کا ہے نہ استعانت اور استمداد میں کہ دنیا کے کاموں سے متعلق ہیں پس وہ حقیقت میں کفر کی سخت قسموں سے ہے اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنْہُ۔ وَیَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۝ اور منع کرتے ہیں برتنے کی چیزوں سے اور تفسیر میں مَاعُوْنَ کی اختلاف ہے اکثر صحابیوں اور تابعین سے روایت ہے کہ ماعون زکوٰۃ ہے اور ریا والا زکوٰۃ نہیں دیتا اسواسطے کہ واجب نفقے جیسے جورو بچے اور اقربا اور مہمان اور فقیروں کے جو وہ ادا کرتا ہے تو فضیحتی کے خوف سے کہ اگر ادا نہ کریگا تو حاکم سے کہہ کے زبردستی لیں گے اسواسطے کہ یہ حق بندوں کے ہیں اور وے لوگوں کے سامنے محکمے میں طلب کر سکتے ہیں اور زکوٰۃ تو فقط خدا ہی کا حق ہے پھر جو خدا سے نہیں ڈرتا ہے تو اُس کو کاہے کو ادا کریگا اور بعضوں نے کہا ہے کہ ماعون سے مانگے دینا گھر کا اسباب مراد ہے جس کا دینا پڑوسیوں اور محتاجوں کو مروج ہے جیسے ہانڈی دیگچہ پیالہ کٹورا سوئی دھاگہ ڈول کلھاڑی پھاوڑا اور اسی قسم کی اور چیزیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ ماعون کیا چیز ہے فرمایا کہ آگ اور پانی اور نمک اور یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی کسی کو آگ دیتا ہے پھر جو کچھ اُس سے پکتا ہے گویا کہ سب اُس نے دیا اور نمک بھی اسیطرح ہے اور جو کوئی کسی کو پانی دیتا ہے ایسی جائے پر کہ وہاں پانی کا قحط نہ ہو تو ایسا ہے جیسے بردہ آزاد کیا اور اگر ایسی جائے پر دے کہ وہاں پانی نایاب ہو تو گویا مُردے کو زندہ کیا

سُوْرَۃُ الْکَوْثَر

یہ سورۃ مکی ہے اور اسمیں تین آیتیں اور بارہ کلمے اور بیالیس ۴۲ حرف ہیں اور اس سورۃ کے نازل ہونے کا سبب یہ تھا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے دو صاحبزادے تھے قاسم اور عبد اللہ کہ ملقب تھے طیب اور طاہر کے ساتھ اور یہ دونوں صاحبزادے بچپن میں پے درپے گزر گئے تو کافر بطور طعن کے کہنے لگے کہ یہ پیغمبر ابتر ہے یعنی نسل اسکی منقطع ہو گئی بعد اس کے کوئی نہیں ہے کہ دین کو اس کے برپا اور قائم رکھیگا قریب ہے کہ اس کا دین جاتا رہیگا اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر مبارک کی تسلی

اور تشفی کیواسطے یہ سورۃ نازل فرمائی اور اس سورۃ کا نام سورۂ کوثر اسواسطے رکھا ہے کہ
اسمیں ذکر کوثر کا ہے اور وہ ذکر دلالت کرتا ہے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کمال
بزرگی اور مرتبے کی بلندی پر قیامت کے دن کہ سب اگلے اور پچھلے انبیاء اور رسول اُسدن
پیاس کی حالت میں اس حوض کے پانی کے محتاج ہونگے اور کوثر لغت میں بہتی چیز کو کہتے
ہیں مشتق ہے یعنی نکلا ہے کثرت سے اور بہت اولاد کو بھی شامل ہے جو آنحضرت صلے اللہ
علیہ وسلم کو دی ہے اور اولاد کی دو قسم ہیں ایک حقیقی اور دوسرے مجازی سو اُن دونوں
قسموں سے کثرت آپ کو اس قدر ہے کہ کسی پیغمبر کو عشر عشیر یعنی دسواں حصّہ بھی اسکا حاصل
نہیں ہوا اور علم کثیر کو بھی شامل ہے سو کثرت علم کی بھی اس اُمت میں جو کچھ کہ ہے ظاہر ہے
اِسواسطے کہ جو علم پہلوں کے جیسے یونانیوں اور فارسیوں اور ہندیوں کے تھے سب اُن کو
پہونچے اور ان علموں کو اس اُمت کے عالموں نے اسطرح پر تحقیق اور صاف کردیا ہے کہ اُن
علم والوں کو بھی میسّر نہیں ہوا تھا اور سوائے اس کے اور علم نئے مثل نحو اور صرف اور معانی
اور بیان اور تفسیر اور حدیث اور اصول اور فقہ اور علم حقائق اور معارف کے جو اس اُمت
کو عنایت الٰہی سے ملے ہیں ہرگز اگلوں کو اُسکی خبر بھی نہ تھی اور بہت عملوں اور خزانوں
اور سلطنتوں کو بھی شامل ہے جو اس اُمت کو اُس کے فضل وکرم سے عنایت ہوئے ہیں لیکن
کوثر کا لفظ عرف میں خاص نام ہے اُس حوض کا جو قیامت کے دن حشر کے میدان میں آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم کو عنایت ہوگا اور حقیقت میں وہ حوض ایک نمونہ ہے خیر کثیر کا اور اُس
وسعت اور کشادگی کے کمال کا جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک سے مخصوص
ہے اور اسی سبب سے کہا ہے کہ قرآن اور جاننا اس کا کوثر ہے اور نماز پنجگانہ کو بھی کوثر کہا ہے
اور کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کو بھی کوثر کہا ہے اور حقیقۃ الامر وہی ہے جو پہلے
ذکر ہو چکا اور حوض مذکور میں بموجب احادیث صحیحہ کے پانی آتا ہے ایک جنت کی نہر سے
اور وہ نہر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیواسطے ہے اور اس کا نام بھی کوثر ہے اور معراج
کی رات کو وہ سب نہریں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو دکھلادی ہیں چوڑا اُس نہر کا ایک
مہینے کے راستے کے برابر ہے اور کناروں پر اُس کے خیمے موتیوں کے اندر سے خالی کیے

ہوئے کھڑے ہیں اور آبخورے سونے اور چاندی کے آسمان کے تاروں کے مانند اُس نہر کے کناروں پر چُنے ہیں اور گرداگرد اُس نہر کے درخت اُگے ہیں جن کی جڑیں سنہری اور شاخیں زمردی اور کنکر پتھر اُس کے موتی اور یاقوت ہیں اور مٹّی اُس کی مشک سے زیادہ خوشبودار ہے اور پانی اُس کا شہد سے میٹھا اور دودھ سے سفید اور برف سے ٹھنڈا جو کوئی ایک گھونٹ ایک بار اُس سے پیے لذت اور مزہ اُس کا کبھی نہ بھولے اور نہ کبھی اُس کو پیاس لگے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَۃ مقرر دیا ہمنے تجھ کو حوض کوثر، کوثر کے دینے کی نسبت پہلے سے اپنی طرف فرمائی اسواسطے کہ مخاطب پیغمبر بلند قدر تھے اور اُنکی نظر بخشش اور نعمت پر نہیں پڑتی اُن کا منظور نظر منعم اور بخشنے والے کی ذات پاک کے سوائے اور کچھ نہیں اسلیے تاکید کیواسطے پھر اَعْطَيْنَا میں منعم کو مکرر مذکور کیا گویا اشارہ اس بات کیطرف ہے کہ ہر چند نظر تیری بہت بلند ہے ان چیزونکی طرف خیال نہیں ہے لیکن جو ہماری دی ہوئی ہو تو واجب التعظیم ہے فَصَلِّ لِرَبِّكَ پھر نماز پڑھ اپنے پروردگار کیواسطے ایسی بڑی نعمت کے شکرانے میں ہر چند کہ شکریہ کے مقام پر جو عبادت کرے مقبول ہے لیکن یہ نماز ایسی عبادت ہے کہ دنیا میں نمونہ کوثر کا ہے یعنی مناجات پروردگار کی اسمیں شہد سے زیادہ میٹھی ہے اور انوار غیبیہ کہ اسمیں چمکتے ہیں دودھ سے زیادہ سفید ہیں اور وہ یقین کہ اس سے حاصل ہوتا ہے برف سے بھی زیادہ سرد اور جو لطف اور دل کے چین نماز پڑھنے والے پر نازل ہوتے ہیں مسکے سے بھی زیادہ نرم ہیں اور سنن اور آداب کہ اس کو گھیرے ہوئے ہیں اور زندگی معنوی کی سرسبزی کے نشان ہیں وہ مانند درختوں زمرد کے ہیں اور ذکر اور تسبیحیں کہ ہر رکن میں مقرر ہیں مانند چاندی سونے کے برتنوں کے ہیں کہ محبت الٰہی کی شراب گھونٹ گھونٹ اُن سے باطن میں جاتی ہے اور شوق کی پیاس کو تسکین بخشتی ہے اور اس جگہ رَبِّكَ فرمایا لَنَا نہ فرمایا کہ تا اُس بات کی طرف اشارہ ہو کہ وہ شکر کہ مناسب مرتبے و بزرگی اُس ذات پاک کے ہے کسی بشر سے ادا نہیں ہوسکتا اور انتہا ہر بشر کے شکر کی یہ ہے کہ مقابل مرتبے ربوبیت اللہ تعالیٰ کے ہو نہ نسبت اس شخص کے اور جو کوثر کو عوض فرزندوں کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عنایت فرمایا

ہے تو لازم ہوا کہ ایک اور شکرانہ فرزند دینے کے شکرانے کی قسم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے طلب کریں اسواسطے فرمایا کہ وَانْحَرْ ؕ یعنی قربانی کر جیسا کہ اور لوگ فرزند عطا ہونے کے بعد عقیقے کو قربانی کرتے ہیں اور حقیقت نحر اور ذبح کی یہ ہے کہ شکر الٰہی کے مقام میں مال اور جاہ کا اور دوسری مرغوب چیزوں کا خرچ کرنا معمول سب آدمیوں کا ہے لیکن جان دینا دستور نہیں ہے اسیواسطے اس شریعت میں جان دینے کے عوض میں ذبح کرنا جانور کا مقرر ہوا ہے تو ظاہر میں مال دینے کی صورت اور حقیقت میں حقیقت جان دینے کی ہوئی اور یہ بھی سمجھ لیا چاہیئے کہ آپ کو یا اپنے بیٹے کو یا اپنے غلام کو ذبح کرنا اس شریعت میں جائز نہیں ہے اِس واسطے کہ جان آدمی کی کسی کی مِلک نہیں ہوتی ہے سوائے خدا کے اسیوا سطے مار ڈالنا غلام اور لونڈی کا روا نہیں ہے ملکیت آدمی کی آدمی پر صرف ملک اور منافع اور کمائی پر اُس کے ہوتی ہے پھر جس آدمی سے اُسکی لونڈی یا غلام کی جان طلب کرے تو اس حکم کی فرمانبرداری سوائے اس کے کہ جان کسی جانور کی جو خاص اسی کا پالا ہوا ہو یا کسی اور آدمی کا دے چارہ اور علاج نہیں ہے اور یہی ایک نکتہ اور بھید ہے اس بات میں کہ قربانی سوائے چار قسم کے جانور کے کسی اور پر درست نہیں ہے ایک اونٹ دوسرے گائے تیسرے بھیڑ چوتھے بکری کہ حقیقت میں نفع لینا آدمی کا ان ہی چار قسم سے ہے جیسے گھی دودھ دہی سوار ہونا بوجھ لادنا کھیتی کرنا نسل کو پالنا بخلاف دوسرے جنگلی جانوروں اور درندوں کے کہ یہ بات اُن میں نہیں پائی جاتی اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۚ بیشک دشمن تیرا وہی ہے پیچھے کٹا اور لفظ ابتر کا عرب کی اصطلاح اور محاورے میں اُس شخص کے حق میں بولتے ہیں کہ نسل اُس کی باقی نہ رہے اور ذکر خیر اس کا جاری نہ ہو اور اس آیت میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ نسل ظاہری اور باطنی تمھاری قیامت تک باقی رہیگی اور تمھاری اُمت کے لوگ ممبروں اور مناروں پر چڑھ کے تمھارا نام اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ پکارا کرینگے اور پانچوں وقت نماز میں اور سوائے اِس کے تم پر درود بھیجا کریں گے اور تمھاری محبت میں جانبازیاں کرینگے اور ہزاروں عاشق تمھارے نام کو اپنا طریقہ کرکے ہر سال تمھاری قبر کی زیارت کو دوڑینگے پس ذکر خیر تمھارا جاری رہیگا اور دشمن تمھارا ایسا گمنام ہوگا کہ کوئی نام بھی اُس کا نہ لے گا

ع

مگر لعنت اور پھٹکار کے ساتھ تو حقیقت میں ابتر اور بیچھا کٹا دشمن ہی تمھارا ہے

سُورۃ الکافِرُون

یہ سورۃ مکی ہے اسمیں چھ آیتیں اور چھبیسؔ کلمے اور ننانوے حرف ہیں اور اس کے نازل ہونیکا سبب یہ ہے کہ قریش کے کافروں میں سے ایک جماعت نے جیسے ابوجہل اور عاص بن وائل اور ولید بن مغیرہ اور اسود بن عبد یغوث اور اسود بن عبد المطلب نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی زبانی پیغام بھیجا کہ تم ہمارے معبودوں کی فرمانبرداری کرو اور بُرا نہ کہو اور اللہ تعالےٰ کی درگاہ میں اُنکی شفاعت کا اقرار کرو تو ہم بھی تمھارے معبود کی بزرگی کے قائل ہوں اور اسکی عبادت کریں حق تعالیٰ نے اُنکی اِس بات کے جواب میں یہ سورۃ بھیجی اور اس سورۃ کو سورۂ کافرون اسواسطے کہتے ہیں کہ اس سورۃ کے مضمون میں کمال جدائی ہے مسلمانوں اور کافروں میں عبادت کے مقدمے میں جس کے واسطے سب پیدا کیے گئے ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قُلۡ یٰۤاَیُّھَا الۡکٰفِرُوۡنَ ۙ کہہ تو اے محمدؐ کہ اے کافرو اور مراد کافروں سے وے لوگ ہیں کہ جو کفر ہی کی حالت میں مر گئے اِسواسطے کہ جو شخص آخر کو ایمان لایا عند اللہ کافر نہیں ہے گو کہ ظاہر میں لوگوں کی نظر میں کافر معلوم ہوتا ہے لَاۤ اَعۡبُدُ مَا تَعۡبُدُوۡنَ ۙ نہیں پوجتا ہوں میں اُس چیز کو جس کو تم پوجتے ہو اسواسطے کہ معبود تمھارا پتھر ہے یا درخت یا پانی یا آگ یا ستارہ یا شیطان یا فرشتہ یا روح کسی بزرگ کی اور ان سب چیزوں کو میں لائق عبادت کے نہیں جانتا ہوں اور اگر ان کو معبود ٹھہراتے ہو اس اعتقاد سے کہ وے چیزیں معبود حقیقی کے مشابہ ہیں یا معبود حقیقی اُن میں سما گیا ہے یا ایک ہو گیا ہے تو حقیقت میں عبادت تمھاری نہیں ہوتی مگر اس چیز کیطرف جو معبود نہیں ہے وَلَاۤ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ ۚ اور نہ تم پوجنے والے ہو اُس چیز کو جس کو میں پوجتا ہوں یعنی ہر چند کہ تم اپنے معبودوں کو صفات الٰہی کا مظہر جان کر پرستش کرتے ہو لیکن صفات الٰہی کا ظہور مخلوقات میں موافق اُنکی استعداد کی فراخی کے ہے اور کوئی مخلوق اس بات کی لیاقت نہیں رکھتی ہے کہ صفات الٰہی کما حقہ اُس میں ظہور فرماویں والا دہ مخلوق

مخلوق نہ ہوگی اور اگر تم ان مظہروں میں کمال ظہور کا اعتقاد رکھتے ہو تو حقیقت میں اس اعتقاد سے صفات الٰہی میں نقصان لازم آتا ہے تو کسی طور سے ذات الٰہی معبود تمھاری نہیں ہے وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۙ اور نہ میں پوجنے والا ہوں اُس چیز کو جس کو تم نے پوجا ہے یعنی اگر میں عبادت کرتا ہوں اسمائے الٰہیہ کو اور تم عبادت کرتے ہو صورتوں کو اسموں کی اور اعلیٰ کی عبادت کرنے سے ادنیٰ کی عبادت لازم نہیں ہو جاتی وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۭ اور نہ تم پوجنے والے ہو اُس چیز کو جس کو میں پوجتا ہوں اسواسطے کہ عبادت تمھاری فقط صورتوں کو ہے اسموں کی اور میری عبادت اُن اسموں کی حقیقت کی طرف رجوع ہونیوالی ہے لَكُمْ دِيْنُكُمْ تمکو تمھارا دین جس میں مظہر مشتبہ ہو گیا ہے ظاہر سے اور صورت مشتبہ ہو گئی ہے حقیقت سے وَلِيَ دِيْنِ ۝ۧ اور میرے واسطے میرا دین جس میں کسی طرح کا التباس اور اشتباہ نہیں پس یہ دونوں دین نہ اصول میں مشارکت رکھتے ہیں نہ فروع میں اور نہ تماثل کی صورت میں اور اس مضمون کو دو جائے پر مکرر لانا محض اسی واسطے ہے کہ مشرکین دو قسم کے ہیں ایک قسم تو وہ ہیں کہ اپنے معبودوں کو صفات الٰہی کے کمال کا مظہر اعتقاد کرتے ہیں اور اُن کی عبادت کو خدا کی عبادت جانتے ہیں اور دوسری قسم وہ لوگ ہیں کہ غرض اُنکی اسمائے الٰہی کی عبادت ہے لیکن صورت کے پردے میں اور اہل حق کے نزدیک یہ دونوں مردود ہیں سو ان دونوں فرقوں کی نفی کے واسطے اس عبارت کو مکرر لائے ہیں بعضوں نے حال اور استقبال پر جو لَآ اَعْبُدُ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ کے لفظ سے مفہوم ہوتا ہے حمل کیا ہے اور ایک طائفے نے حال اور ماضی کی نفی پر کافروں کیطرف سے جو مَا تَعْبُدُوْنَ وَمَا عَبَدْتُّمْ کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے حمل کیا ہے وَالکل محتمل یعنی ان سب معنوں کا احتمال ہو سکتا ہے اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو کوئی اس سورۃ کو پڑھے تو گویا چوتھائی قرآن پڑھا اور تفسیر کواشی میں لایا ہے کہ اِس سورۃ کو اور سورۂ اخلاص کو مُقَشْقِشَتَین کہتے ہیں اور جو کوئی کہ اس سورۃ کو اور سورۂ اخلاص کو پڑھیگا تو کفر و نفاق سے پاک رہیگا اور مسنون ہے کہ فجر کی سُنت کی اوّل رکعت میں اس سورۃ کو پڑھے اور دوسری میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کو اور مشہور یہ بات ہے کہ یہ سورۃ منسوخ ہے قتال کی آیت سے لیکن تحقیق یہ ہے کہ منسوخ نہیں ہے اسواسطے کہ اس

سورۃ کا مضمون مسلمانوں اور کافروں کے دین کی کمال جدائی اور فرق کے بیان میں ہے نہ کہ کافروں سے بالکل تعرض نہ کرنا بلکہ مسلمانوں کے دین میں جہاد اور قتال بھی داخل ہے پس منسوخ ہونا اِس کا قتال کی آیت سے کسی وجہ سے ثابت نہیں ہوتا

سُوْرَۃُ النَّصْر

یہ سورۃ مدنی ہے اور اس سورۃ کو سورۂ فتح بھی کہتے ہیں اسمیں تین آیتیں اور اُنیس کلمے اور اُناسی حرف ہیں آور اس سورۃ کو سورۃ تودلیعہ بھی کہتے ہیں اس واسطے کہ اس سورۃ کا مضمون آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے نزدیک ہونے سے خبر دیتا ہے اور اُمت کے رخصت کرنیکا حکم ہے اور اس سورۃ کا مضمون یہ ہے کہ جب انبیاؤں سے وہ کام جو دنیا میں اُنکے ہونے پر موقوف تھا سرانجام پاچکا تو چارناچار اُن کو رجوع الی اللہ اور داخل ہونا عالم ارواح میں ضرور ہوا اسواسطے کہ یہ عالم فانی بھرا ہوا دُکھ دردوں کا اور نقصانوں کا ہے رہنے کی جائے اس قسم کی ارواح مقدسہ کی نہیں ہے فقط ضروری کاموں کی تدبیر کیواسطے ان کو اس ناقص گھر میں نازل کرتے ہیں اور ضرورت کے قدر اُنکو یہاں رکھتے ہیں اب معلوم کیا چاہیئے کہ وجود ہمارے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کا اس دنیا میں کون کون سے ضروری کاموں کیواسطے تھا اور وہ ضروری کام کب سرانجام کو پہونچے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ سچے دین میں خلل ڈالنے والی اور سیدھی راہ سے بہکانیوالی چار چیزیں ہیں اوّل نفس دوسرے شیطان تیسرے کفار جو شوکت اور حکومت رکھتے ہوں چوتھے منافق بدباطن کہ چھپے چھپے لوگوں کے دلوں میں شبہے ڈالتے ہیں اور اگلے انبیا نفس اور شیطان کے شر اور وسوسے کو دفع کرنے کیواسطے مبعوث ہوتے تھے اسواسطے کہ شر ان دونوں کا سب شروں کی جڑ ہے اور کفار اور منافق بھی فرمانبرداران دونوں کے ہیں آور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مبعوث کرنیمیں ان چاروں چیزوں کا دفع کرنا علیحدہ علیحدہ منظور ہوا اسیواسطے فوج کشی اور جہاد اور ملک گیری اور مفسدوں اور باغیوں اور بٹماروں کی تنبیہ کا طریقہ اور حدوں اور تعزیروں کا جاری کرنا بدکاروں پر انکے دین کی اصل میں داخل ہوا ہے اور اس شریعت کی صورت بادشاہت کی صورت پر

ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابتدائے بعثت سے درجہ بدرجہ نبوت کو ترقی دیکر خلافت کبریٰ کی انتہا کو پہونچایا اور جب اس کام سے فارغ ہوئے تو اُن کو اپنے حضور میں بلوایا اور تیس برس تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خلافت کا زمانہ تھا چار یاروں نے کہ اس اُمت کے افضل تھے قاعدے خلافت کے جاری کیے اور ایک دستور العمل پچھلوں کیواسطے چھوڑ گئے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰہِ جب آئی مدد اللہ کی یعنی کافروں پر شمشیر اور سنان کے استعمال سے یعنی جہاد کے حکم سے اور منافقوں اور بدعتیوں پر حجت اور دلیل قائم کرنے سے اور نفس پر ذکر کے غلبے اور اسکی کثرت سے اور شیطان پر پرہیزگاری کے لازم پکڑنے سے وَالۡفَتۡحُ اور آئی فتح مکے کی اور دوسرے کفر کے مکانوں کی اور ٹوٹنا بتخانوں کا اور کھلنا علموں کی مشکلات کا اور باطنی احوال کا اور فتح کا ذکر کرنا نصرت کے بعد اشارہ اس بات کیطرف ہے کہ فتح ہر مرتبے میں فرع اور تابع نصرت کے ہے پس فتح شہروں کی اور بتخانوں کی کفار پر نصرت پانے کے تابع ہے اور فتح علوم کی دفع ہونے شبہوں سے منافقوں اور بد مذہبوں پر نصرت پانے کے تابع ہے اور فتح احوال سنیہ اور مقامات علیہ کی تابع ہے نصرت پانے سے نفس اور شیطان پر پس نصرت اشارہ ہے اوائل اور بیچ کے مرتبہ کیطرف اور فتح اشارہ ہے انتہا اور کمال کے مرتبے کیطرف گویا وہ حرکت کہ نقصان سے کمال کیطرف شروع ہوئی تھی انتہا کو پہونچی اور اسیواسطے فرمایا ہے وَرَاَیۡتَ النَّاسَ اور دیکھے گا تو لوگوں کو یعنی عرب کو اسواسطے کہ اول نبی ہونا پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اُن ہی کیطرف تھا اور جب وہ اس دین میں داخل ہو چکے تو دوسروں کو بزور شمشیر اور رعب اور برہان کی قوت سے اور نفس وشیطان کے فریبوں کے دفع کرنیسے اس دین میں داخل کرینگے اور نہیں تو داخل ہونا ان کا ناقص ہو یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ داخل ہوتے ہیں دین میں اللہ کے یعنی اِس دین میں جس میں شرک اور بدعت اور نفاق اور فجور کا دخل نہیں ہے بلکہ حق سے باطل کیطرف میلان بھی مطلق نہوگا اَفۡوَاجًا گروہ کے گروہ اور قبیلے کے قبیلے ہرچند کہ شروع نبوت سے لوگ اس دین میں داخل ہوتے تھے لیکن ایک ایک دو دو اور تفصیل ان تینوں باتوں کی اس صورت سے ظہور میں آئی

کہ ہجرت سے ایک برس کے بعد قوت لڑنے بھڑنے کی ہم پہونچی اور انصار جانبازی میں مشغول ہوئے تو وہ زمانہ نصرت کے شور کا تھا اور مکے کی فتح کے بعد بڑے بڑے ملک اور شہر کفار کے لینا شروع ہو گیا اور نویں دسویں سال میں خلق کا رجوع ہونا اور پے در پے آنا اسلام میں گروہوں اور قبیلوں کا ظاہر ہوا چنانچہ بنی اسد اور بنی فزارہ اور بنی کنانہ اور بنی مرّہ اور بنی ہلال اور بنی عامر نجیب اور دارم اور دوسرے تمیم کے بطنوں کا اور عبدالقیس کے قبیلے اور بنوطے اور یمن کے اور شام کے اور عراق کے لوگ اطراف و جوانب سے آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں پہونچے اور ان میں سے بعضوں نے نفس اور شیطان کے جہاد پر اور بعضوں نے کفار اور منافقوں سے جہاد کرنے پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی برکت سے کمر باندھی اور تیار ہو گئے اور چار یار کبار ابتدائے نبوت سے اسوقت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں اور خدا کی راہ کے رفیق اور مشورہ دینے میں اور مددگاری میں ہر مقدمے کی دل اور جان سے حاضر تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طور اور وضع ابتدائے نبوت سے انتہائے خلافت تک کما حقہٗ دریافت کیے تھے پس اس حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود شریف کی ضرورت نہ رہی تھی اسیواسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجل نزدیک آپہونچی اور اُن کو مامور دوسری چیز کیطرف فرمایا یعنی فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ پھر پاکی بول اپنے رب کی تعریف کے ساتھ اور یہ اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ عارف کو بعد سیر اور سلوک تنزیہی اور تحمیدی کے انتہا کی ایک اور راہ کھولتے ہیں اور اس کی حقیقت منفرد اور یکتا ہونا عارف کا ہے اسکے کمال کے ساتھ جو اُس کو نصیب ہوا ہے اور کوئی شخص اس کمال میں شریک اُس کا نہیں ہے وَاسْتَغْفِرْهُ اور گناہ بخشوا اُس سے اور یہ اشارہ ہے اس بات کیطرف کہ جب عارف تکمیل کے مرتبے کو پہونچا اور ہر طرح کے لوگ اس کے تابع ہوئے اور انکی استعدادیں نقصان اور کمال میں بہت تفاوت رکھتی ہیں تو اس کو ضرور چاہیئے کہ ناقصوں کی تکمیل کے واسطے طلب بخشش کی کرے کہ وہ سب استعداد اصلیہ کے نقصان اسکی اتباع کے سبب سے قیامت کے دن اسکی کمال استقلال کی طرف کھنچ جاویں اور یہی حقیقت ہے شفاعت کی اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا مقرر وہ بخشنے والا ہے ناقصوں کے حق میں اور تکمیل رحمت

ع ۱

کی فرماتا ہے پس اُس سے بعید نہیں ہے کہ تیرے تابعداروں کو تیرے طفیل کامل سے کامل کر دے اور یہ سورۃ سب سورتوں سے پچھلی ہے اس کے بعد کوئی سورۃ نازل نہیں ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے نازل ہونے کے بعد ہمیشہ یہ دعا زبان پر جاری رکھتے تھے سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ بِحَمْدِكَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي اور یہ بھی منقول ہے کہ آپ کے چچا حضرت عباسؓ نے جب یہ سورۃ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سُنی تو رو دئے لوگوں نے پوچھا کہ آپ کیوں روئے فرمایا کہ اس سورۃ سے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر سُنتا ہوں

سورہ تبت

یہ سورۃ مکی ہے اسمیں پانچ آیتیں اور بیس کلمے اور اکیاسی حرف ہیں اور اسکے نازل ہونیکا سبب یہ تھا کہ جب آیت وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ کی نازل ہوئی یعنی ڈرا اپنے نزدیک کے ناتے والوں کو خدا کے عذاب سے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر سے نکل کر کوہ صفا پر گئے اور ہر ایک کو اپنے نزدیک کے ناتے والوں سے آواز دی جب سب جمع ہوئے تو بعد اسکے فرمایا کہ اگر میں کوئی بات جو عقل میں نہ آتی ہو تم سے کہوں تو تم یقین کروگے مثلاً میں کہوں کہ ایک بڑا لشکر تمھارے لوٹنے کو اس پہاڑ کے پیچھے کھڑا ہے تو تم یقین کروگے سب کہنے لگے ہاں فرمایا کہ میں تم کو ڈراتا ہوں خدا کے اُس عذاب سے کہ اگر اطاعت میری نہ کروگے اور قرآن شریف پر ایمان نہ لاؤگے تو تم پر آویگا ابولہب نے کہ اُسکا نام عبدالعزیٰ تھا اور وہ سوتیلا چچا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا سخت سخت کلمے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں کہے اور بولا کہ تو نے اسیواسطے ہمکو بلایا اور جمع کیا ہلاکت باد ترا جیسے ہندی میں کہتے ہیں تو غارت ہو جیو یہ سورۃ جواب میں اُس خبیث کے نازل ہوئی اور اس سورۃ میں اس خبیث کو کنیت کے ساتھ یاد فرمایا ہے باوجود اس بات کے کہ کنیت عرب کے نزدیک صیغہ تعظیم کا ہے دو طور سے اوّل تو یہ کہ نام اس کا عبدالعزیٰ تھا اور یہ نام شرک کا ہے اور اہل توحید کے نزدیک یہ نام نہایت مکروہ ہے دوسرے یہ کہ اسکی کنیت اس کے دوزخی ہونے پر دلالت کرتی ہے اسواسطے کہ لہب آگ کے شعلے کو کہتے ہیں ہر چند کہ اُس کے باپ نے اُس کے چہرے کی دمک کے سبب سے جو آگ کے شعلے کے مانند تھی یہ کنیت مقرر کی تھی لیکن حقیقت میں اُس کے

دوزخی ہونیکا سبب ہوئی اور جورو ابولہب کی اُم جمیلہ کہ ابوسفیان کی بہن تھی وہ بھی آنحضرت
صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عداوت میں نہایت کوشش کرتی تھی یہانتک کہ ببول کے
کانٹوں کے اور دوسرے کٹیلے درختوں کے گٹھے جنگل سے لاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی
راہ میں رات کو بکھیر دیتی تھی کہ صبح کو نماز کیواسطے جو مسجد الحرام میں تشریف لیجاویں توان کے
پاؤں میں چبھیں آخر اسی کام میں مرگئی کہتے ہیں کہ ایک گٹھا کانٹوں کا سر پر رکھا تھا اور اسکی
رسی اپنے گلے میں خوب لپیٹ لی تھی اتفاقًا وہ گٹھا سر سے ڈھلک پڑا اور وہ رسی اسکے گلے
میں پھنس گئی آخر اسی حالت میں گلا گھٹ کے مرگئی اور دوزخ کا کندہ ہوئی اور اسیطرح سے
سے ابولہب بھی آخر عمر تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہایت عداوت رکھتا تھا یہانتک
کہ بارہا مارنے کو بلکہ شہید کرنے کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قصد کیا لیکن حافظ حقیقی کی حمایت
سے ہمیشہ اس خبیث کے شر سے محفوظ رہے چنانچہ سیر اور تواریخوں میں مذکور ہے اور دوصاحبزادیاں
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت رقیہؓ اور حضرت ام کلثومؓ اسکے دونوں بیٹوں سے کہ اُن کا
نام عتبہ اور عُتیبہ تھا منسوب تھیں ابولہب نے اپنے دونوں بیٹوں سے کہا کہ اگر میری
رضامندی چاہتے ہو تو اس علاقے سے ہاتھ اُٹھالو نہیں تو زندگی بھر تمہارا منھ نہ دیکھونگا
اس کا بڑا بیٹا جس کا نام عتبہ تھا یہ بات سُنکر چپ رہا اور دوسرا بیٹا جس کا نام عتیبہ تھا کمال
بیحیائی سے اُس مجلس سے اُٹھکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آکر بولا کہ میں نے
تمھاری بیٹی کو طلاق دی اور کچھ دوسری نالائق باتیں بھی بکا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا کہ بار خدایا ایک کُتّا اپنے کُتّوں میں سے اسپر مقرر کردے آخر کو اُس کو شام کے سفر میں شیر
نے پھاڑ کھایا اور اس سورۃ کا مضمون یہ ہے کہ ابولہب اگرچہ نسب اور مال اور جاہ اور ثروت
اور ریاست کے سبب سے دنیا کی بڑی شرافت رکھتا تھا لیکن پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی
عداوت اور دین حق کے انکار کے سبب سے ہلاکت ابدی اور دونوں جہان کی روسیاہی
اسکو نصیب ہوئی پس ہر شخص کو چاہیے کہ ان چیزوں پر یعنی حسب اور نسب اور مال وجاہ پر
مغرور نہ ہو اور رسم وراہ اللہ کی درگاہ کے مقربوں سے درست کرے یعنی انبیاؤں کے
انکار سے توبہ کرے اسیواسطے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی پھوپھی حضرت صفیہؓ کو

اور اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بعد نازل ہونے اس سورۃ کے فرمایا لَآ اَمْلِکُ لَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ شَیْئًا یعنی حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت صفیہؓ اور حضرت فاطمہؓ سے فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ سے اپنا معاملہ درست کر رکھو میں وہاں تمہارے واسطے کچھ نہیں کر سکتا

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَھَبٍ ہلاک ہو گئے دونوں ہاتھ ابولہب کے اب سمجھ لیا چاہیئے کہ انسان کے نفس میں دو قوتیں ہیں ایک قوت علمی اور دوسرے قوت عملی قوت علمی وہ ہے جس سے جانتا ہے اور بوجھتا ہے اور قوت عملی وہ ہے کہ جس کے سبب سے نیک اور بد کام اس سے صادر ہوتے ہیں سو دونوں ہاتھ سے اشارہ ان دونوں قوتوں کیطرف ہے یعنی ہلاک ہو گیا اُس کا عمل اور اعتقاد اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دونوں ہاتھوں سے نیک اور بد عمل مراد ہوں اور بد عملوں کی ہلاکی تو ظاہر ہے کہ برا پھل لاتے ہیں اور نیک عمل کی ہلاکی یہ ہے کہ کفر کے سبب سے نیک پھل نہ لایا بلکہ بیفائدہ گیا اور بعضوں نے ظاہر اور باطن کے عملوں پر قیاس کیا ہے اور بعضوں نے قوی اور ضعیف جانب پر حمل کیا ہے اور یہ سب ہو سکتے ہیں وَّتَبَّ اور ہلاک ہو گیا وہ آپ یعنی اس خبیث کے اعتقادوں اور عملوں کی ہلاکی اور خرابی ذات کی اُسکی ہلاکی اور اس کے جوہر نفس کے فساد کی خرابی کی سبب بڑی یہانتک کہ کوئی سبب اُسکی درستی کا باقی نہ رہا مَآ اَغْنٰی عَنْہُ مَالُہٗ وَمَا کَسَبَ کچھ کام نہ آیا اُس کو مال اُس کا اور جو کمایا جیسے نام اور جاہ اور اولاد اور نوکر چاکر اور دوست اور آشنا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مالؔ سے مال موروثی مراد لیا جائے اور مَا کَسَبَ سے اپنا کمایا ہوا مال جیسا کہ بعضوں نے کہا ہے اور بعضوں نے فرزند مراد لیے ہیں اب اُس کے مال اور مکسوبات کا بیان فرماتے ہیں کہ یہ چیزیں دنیا میں اُس کو البتہ کچھ نفع کر سکتی ہیں لیکن آخرت میں جو بڑی احتیاج کی جائے ہے اور سدا رہنے کا گھر ہرگز نفع نہ کرینگی اسواسطے کہ سَیَصْلٰی نَارًا اب پڑیگا آگ میں یعنی مرنے کے ساتھ ہی اُسکو آگ میں ڈالیں گے اور انتظار قیامت کے آنیکا اُس کے واسطے نہ کرینگے بخلاف اور کافروں کے ذَاتَ لَھَبٍ جو بڑے شعلے والی ہے اسواسطے کہ کفر اس کا اوروں کے کفر سے بہت زیادہ ہے اس سبب سے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا رشتے میں بہت قریب تھا یعنی چچا تھا سوتیلا اور خصلتوں کی نیکوئی اور بات

کی سچائی اور امانتداری سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بچپن سے پائی جاتی تھی بخوبی واقف تھا پھر باوجود ان سب باتوں کے نہایت دشمنی اور عداوت آپ سے رکھتا تھا اور اُسکے عذاب کے زیادہ ہونیکے اسبابوں میں سے ایک یہ ہے کہ اُسکی محبوبہ کو اُسکے روبرو جلاوینگے اسیواسطے فرمایا ہے وَامْرَأَتُهٗ اور جورو اُسکی یعنی جسطرح اُسکی عداوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ جورو کی سبب سے زیادہ ہوئی تھی اسیطرح عذاب بھی اُس کا عورت کا عذاب دیکھنے سے زیادہ ہوگا حَمَّالَةَ الْحَطَبِ یعنی مرادلیتا ہوں میں وہ عورت جوایندھن اُٹھاتی ہے یعنی دوزخ میں بدلہ اُس کا جودنیا میں کرتی تھی یعنی کانٹوں کے گٹھے لاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ میں بکھیرتی تھی فِي جِيْدِهَا اس عورت کی گردن میں جوزر اور جواہر پہننے کی جگہ ہے حَبْلٌ رسی ہے مِّن مَّسَدٍ کھجور کی چھال کی جوخوب بٹی ہوئی ہو اور خاصیت اس رسّی کی یہ ہے کہ جب پسینے سے بھیگتی ہے تواینٹھتی ہے اور گلاگھونٹ ڈالتی ہے اور موافق اس کلام کے جواسکی شان میں آیا ہے اسی طور سے وہ مری واللہ اعلم اور اس سورۃ میں اشارہ ہے اس بات کیطرف کہ مال کا کمانا مردوں کا کام ہے اور انکے ذمّے پر ہے اور گھر کی خدمت یہانتک کہ جمع کرنا کھانے پکانے کے اسباب کا جیسے ایندھن وغیرہ عورتوں کا کام ہے اور ان کا ذمّہ ہے

ع ۱ / ۵

سُورۃ الاخلاص

یہ سورۃ مکّی ہے اسمیں چار آیتیں اور پندرہ کلمے اور سینتالیس حرف ہیں اور اس سورۃ کے نازل ہونیکا سبب یہ تھا کہ کافروں کے سرداروں کے ایک گروہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں آکر سوال کیا کہ تم ہمارے خداؤں کو تو برا کہتے ہو اور اُنکی عاجزی اور ناتوانی بیان کرتے ہو اور طرح طرح کے عیب انیں بتلاتے ہو بھلا کہو تو تمہارا خدا کیا صفت رکھتا ہے اور کس چیز سے پیدا ہوا ہے اور اُس سے کیا چیز پیدا ہوتی ہے اصل اور فرع اسکی کیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت کیا پھر جبرئیل علیہ السلام یہ سورۃ لائے اور بعضی روایتوں میں یوں بھی آیا ہے کہ کافروں کے سوال میں یہ بھی تھا کہ کیا چیز ہے اور کیا کھاتا ہے اور کیا پہنتا ہے اور اُسکو خدائی کس سے میراث ملی ہے اور اُسکی میراث کون لیگا اور مشیر اور مددگار اُس کا خدائی کے کارخانے میں کون ہے اور اس

سورۃ کو سورۂ اخلاص اسواسطے کہتے ہیں کہ یہ سورۃ مسلمانوں کے دلوں کو حق کی معرفت کے واسطے خالص کرتی ہے اور اسکی ذات اور صفات کے دریافت کیواسطے مددگار ہوتی ہے اور اس جگہ پر جاننا چاہیئے کہ آدمی کی معرفت کی انتہا حق تعالےٰ کی حقیقت اور کنہ کے دریافت میں یہ ہے کہ اس کی ذات پاک کے خواصوں کو جو اس ذات کو لازم ہیں دریافت کرلے اور بس اسواسطے کہ اللہ تعالےٰ کی ذات مقدس بسیط ہے یعنی جزو اور ٹکڑے اُسمیں پائے نہیں جاتے اور کسی علت کی معلول بھی نہیں ہے یعنی اُس کے وجود کا کوئی سبب نہیں ہے اور ہر چیز کے دریافت کرنیکا طریقہ عالم میں چار طور پر منحصر ہے یعنی چار علتیں اُسکے واسطے ضرور ہیں پہلے اس چیز کے مادے کا دریافت کرنا یعنی اصل اسکی کیا ہے دوسرے اُسکی صورت کا دریافت کرنا کہ کسطرح کی ہے تیسرے اُسکی علت کا دریافت کرنا چوتھے اسکی غرض کا معلوم کرنا کہ یہ چیز کس کام کی ہے سو پہلے تینوں طریقے یہاں پر ہو نہیں سکتے اس کا بیان یہ ہے کہ جیسے کسی شخص نے تخت کی حقیقت سے سوال کیا تو اسکا جواب چار طور سے ہوسکتا ہے یعنی اُس کے جواب میں چار چیزیں بیان کیجاوینگی اول اس کے مادے کو بیان کرینگے کہ لکڑی کے تختوں اور لوہے کی میخوں سے بنا ہے اور اسکو علت مادی کہتے ہیں دوسرے صورت اسکی بیان کرینگے کہ چوکھنٹی ہے یا لمبی ہے اور اسکو علت صوری کہتے ہیں اور تیسرے اُسکے بنانیوالے کو بیان کرینگے کہ نجار نے بنایا ہے اور اسکو علت فاعلی کہتے ہیں چوتھے اسکی غرض کو بیان کرینگے کہ یہ چیز بیٹھنے کیواسطے بنی ہے اور اسکو علت غائی کہتے ہیں سو حق تعالےٰ کی جناب میں پہلے تینوں طریقے ممکن نہیں ہیں تو ضرور ہوا کہ چوتھے پر اکتفا کیجاوے لیکن جناب الٰہی کی پاکیوں کا بیان کرنا ضرور ہوا کہ پوری تمیز اور جُدائی حاصل ہووے پس اللہ کا لفظ تمام غرضوں کو شامل ہے جو عالم کی نسبت سے اُسکی ذات پاک سے خیال کیجاتی ہیں جیسے خالقیت اور رازقیت اور داد و دہش اور معبود ہونا اور سوائے اُسکے اسیواسطے اللہ کے لفظ کو سرنامہ اس سورۃ کا کیا تو گویا یہ بات فرمائی کہ صفت اسکی یہ ہے کہ معبود اور پیدا کرنیوالا اور بنانیوالا اور رزق دینے والا اور زندہ کرنیوالا اور مارنیوالا ہے اور سب عالم کی ضروریات اسی سے پائی گئی ہیں اور آخر تک اسی سے تعلق رکھیں گی اور جو یہ بات عوام کے خیال میں علیحدہ علیحدہ مشترک تھی تو سلبیہ صفتوں کا ملانا اس کے ساتھ ضرور ہوا تاکہ وہ اشتراک وہمی بھی دور ہو جاوے اور توحید خالص حاصل ہووے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قُلۡ کہہ تو اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ھُوَ اللّٰہُ وہ جس کو تم پوچھتے ہو اللہ کی ذات ہے جو سب کمال کی صفتوں کو جامع ہے اور جو کچھ عالم میں دیکھا یا سُنا جاتا ہے سب اُسکے حیات اور علم اور ارادے اور قدرت اور کلام اور سمع اور بصر سے ہے اور سوائے اُس کے جو جواہر اور اعراض پائے جاتے ہیں سب اُسکے وجود سے ہیں اَحَدٌ ۚ یگانہ ہے جو نہ شریک رکھتا ہے نہ جزو یعنی نہ جزو عقلی نہ خارجی نہ بالفعل نہ تحلیلی اور اس کے بسیط ہونے کیطرف اشارہ ہے جو احد لفظ لائے ہیں اسواسطے کہ واحد کا لفظ شریک عدد کی نفی میں اکثر بولا جاتا ہے نہ اجزا کی نفی میں جیساکہ کہتے ہیں زید انسان واحد ہے اگرچہ ہاتھ پیر آنکھ ناک کان اور سوائے اسکے بہت اجزا رکھتا ہے اسی سبب سے اُسکو احد نہیں کہتے ہیں پس احد وہ ہے کہ کسی طرح سے قسمت اور بانٹ اُسمیں نہ ہو سکے اور یہ بات خاص اسی ذات میں پائی جاتی ہے اور کسی میں نہیں پائی جاتی اَللّٰہُ الصَّمَدُ ۚ اللہ کے لفظ کو پھر مکرر لائے تاکہ اس بات کیطرف اشارہ ہو کہ باوجود اس صرف بسیط اور مجرد احدیت کے اسکو ہم کمال کی صفتیں ثابت کرتے ہیں اسواسطے کہ اسکا صمد ہونا اِن ہی صفتوں کو تقاضا کرتا ہے اور صمد کے معنی حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمائے ہیں کہ صمد وہ ہے جو کسی کا محتاج نہ ہو اور سب اُسکے محتاج ہوں اور وجود کا سلسلہ بغیر ایک ایسی ذات کے جو صمد کی صفت سے موصوف ہو قائم نہیں رہ سکتا اسواسطے کہ عالم میں بالکل احتیاج دیکھی جاتی ہے اور جب ہر چیز دوسرے کی محتاج ہوئی تو ضرور ہوا کہ ایک ذات ایسی ہو کہ سب کی احتیاج اس کی طرف منتہی ہو اور وہ محتاج کسی کی نہ ہو اور اگر ایسا نہ ہو تو احتیاج کا سلسلہ منقطع نہ ہو تو حقیقت میں اُس ذات پاک کے خواصوں میں سے دو چیزیں یہاں ذکر کی گئی ہیں ایک احد ہونا اور دوسرے صمد ہونا اور باقی صفتیں انہی دونوں صفتوں سے نکلی ہیں لَمۡ یَلِدۡ نہ جنتا ہے اسواسطے کہ اگر کسی چیز کو جنے تو حقیقت میں وہ چیز اُسکی شریک ہو جاوے اور جب شریک ہوئی تو اُس سے بے پروائی حاصل ہوئی اور جب اس سے بے پروائی ہوئی تو وہ صمد نہ رہا وَلَمۡ یُوۡلَدۡ ۙ اور نہ جنا گیا ہے کسی سے اسواسطے کہ اگر کسی سے جنا گیا ہوتا تو اُسکا محتاج ہوتا اور جب محتاج ہوتا تو صمد نہوتا اور جب احد ہوا تو وَلَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ ۚ یہی صفت اُسکی ہوگی یعنی اور نہیں ہے اُسکے واسطے

کوئی برابری والا اسواسطے کہ اگر اُس کا کوئی ہمسر ہوتا تو دے دونوں ایک چیز میں شریک ہوتے اور دوسری چیز میں دونوں علٰحدہ علٰحدہ خاص ہوتے تو اسکی ذات پاک یگانہ نہو تی بعضے علمانے کہا ہے کہ کبھی شرکت عدد میں ہوتی ہے تو اسکی احد کے لفظ سے نفی فرمائی اور کبھی شرکت مرتبے اور منصب میں ہوتی ہے تو اسکی صمد کے لفظ سے نفی فرمائی اور کبھی شرکت نسب میں ہوتی ہے تو اسکی لم یلد ولم یولد سے نفی فرمائی اور کبھی شرکت کام اور تاثیر میں ہوتی ہے تو اسکی لم یکن لہ کفوا احد سے نفی فرمائی اور اسی سبب سے اس سورۃ کو سورۂ اخلاص کہتے ہیں اور یہ بھی کہا ہے کہ باطل مذہب والے دنیا میں پانچ فرقے ہیں پہلا فرقہ دہریہ کا جو کہتے ہیں کہ اس عالم کا کوئی پیدا کرنے والا نہیں ہے کسی طرح سے یہ اسباب جمع ہو کے یہ کارخانہ بنگیا ہے سو سلمان آدمی نے جس وقت ہو کے لفظ کو اپنی زبان سے نکالا تو اس باطل عقیدے سے اُسکو جدائی اور بیزاری حاصل ہوئی دوسرا فرقہ فلاسفہ کا جو کہتے ہیں کہ عالم کا پیدا کرنے والا تو ایک ہے مگر کوئی صفت نہیں رکھتا یعنی جو تاثیریں کہ عالم میں پائی جاتی ہیں وے کسی سبب سے ہیں نہ اُس ذات واحد سے اور حقیقت میں ہندوؤں کا مذہب بھی یہی ہے اور جب مسلمان آدمی نے اللہ کے لفظ کو جو سب کمال کی صفتوں کی جامعیت پر دلالت کرتی ہے مُنھ سے نکالا تو اس فرقے کے عقیدے سے خلاصی حاصل ہوئی تیسرا فرقہ ثنویہ کا جو کہتے ہیں کہ سب عالم کا پیدا کرنیوالا ایک نہیں ہوسکتا ہے اسکو کئی پیدا کرنیوالے چاہئیں اور جب مسلمان آدمی نے احد کے لفظ کو اللہ تعالےٰ کی صفتوں سے جانا تو اس شرک سے نجات پائی چوتھا فرقہ گمراہوں کا اہل کتاب سے جیسے یہود اور نصاریٰ اعتقاد رکھتے ہیں کہ عالم کا پیدا کرنے والا دوسرے مخلوقات کیطرح سے جورو اولاد بھی رکھتا ہے چنانچہ حضرت عزیر اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کو حق تعالیٰ کے بیٹے اور حضرت مریم رضی اللہ عنہا کو جورو کہتے ہیں اور جب مسلمان آدمی نے لم یلد ولم یولد کہا تو اس عقیدے سے بالکل پاک ہوا اور اسی قسم سے ہیں وے تشبیہیں جو یہود اور نصاریٰ نے باری تعالےٰ کی جناب میں ایجاد کی ہیں اور اُس جناب پاک کو دوسرے مخلوقات کیطرح سے چیزوں کا محتاج جانتے ہیں سو ان تشبیہوں کے رد کیواسطے صمد کے لفظ کو جو تمام احتیاج کی نفی پر دلالت کرتی ہے کافی ہے پانچواں فرقہ مجوسیوں کا جو کہتے ہیں کہ عالم

کے دو خالق ہیں ایک کا نام یزداں اور جتنی اچھی چیزیں ہیں سب اُسکی پیدا کی ہوئی ہیں اور دوسرے کا نام اہرمن اور اُس کو قوت تاثیر میں یزداں کے برابر جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جتنی چیزیں تاریک اور ایذا دینے والی ہیں اور سب بدیاں اور بُرائیاں اُسکی پیدا کی ہوئی ہیں اور ہمیشہ یزداں کے لشکر اور اہرمن کے لشکر سے جھگڑا قصہ رہتا ہے سو کبھی یزداں غالب ہوجاتا ہے اور اُس کا حکم جاری ہوتا ہے تو عالم میں بھلائیاں غالب ہوتی ہیں اور کبھی اہرمن کا لشکر زور کرتا ہے تو عالم میں بُرائیاں پھیل پڑتی ہیں سو اس عقیدے کے رد کیواسطے لم یکن لہ کفوًا احد کو آخر سورۃ میں لائے اور یہ بھی کہا ہے کہ آدمی مرکب ہے نفسی اور عقلی اور قلبی اور روحی اور سری لطیفوں سے اور نفس کی معرفت کی انتہا یہ ہے کہ لَمْ یَلِدْ ۵ۙ وَلَمْ یُوْلَدْ ۵ۙ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ ۵ کو دریافت کرے اسواسطے کہ نفس جس چیز کو شہویہ یا غضبیہ قوت سے حاصل کرتا ہے تو ان دونوں حالتوں سے خالی نہیں ہوتی یعنی یا کسی چیز سے وہ پیدا ہوتی ہے یا عالم میں کوئی دوسری چیز اُسکے برابر موجود ہے اور جو پروردگار کو سب موجودات سے اعلیٰ اور برتر جانتے ہیں تو ناچار ان صفتوں کی اُس سے نفی کرتے ہیں اور اُس سے برتر عقل کا مرتبہ ہے اور اسکی معرفت کی انتہا مضمون اللہ الصمد کا ہے یعنی اللہ ایسی چیز ہے کہ احتیاج کا سلسلہ اُسی پر منقطع ہوجاتا ہے اور وہ محتاج دوسرے کا نہیں ہوتا اسواسطے کہ اسباب اور مسببات کا علم عقل کو دیا ہے سو عقل ہر چیز کو ایک سبب کا محتاج جانتی ہے اور اُس سبب کو دوسرے سبب کا اور یہی سبب ہے کہ دین دنیا کی تدبیریں کرنا جو عقل کا کام ہے سو وے تدبیریں اسباب کے ملاحظے پر موقوف ہیں پس آدمی کی عقل کے دریافت کی انتہا اُس ذات پاک کی حقیقت میں اسقدر ہے کہ وہ ذات پاک عالم اسباب اور مسببات سے بلند اور برتر ہے اور دل کی شان یہ ہے کہ کسی مشہور حالوں سے ایک حال میں مستغرق رہے جیسے محبت اور خوف اور اُمید اور اعتماد اور دل کی معرفت کی انتہا احدیت کا مرتبہ ہے اور روح کہ عالم امر سے آئی ہے اور نَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ کی خلعت سے سرفراز ہوئی ہے اسکی معرفت کی انتہا اپنی اصل کیطرف کھینچ لیجانا ہے اور اسم ذات کی یعنی اللہ کے ذکر سے اُنس اور راحت پانا اور وہ بھید جس کا مرتبہ روح سے اوپر ہے سو اسے

ہویت مستقلہ کے نہیں جانتا ہے اور اسکا علم وجود کی خصوصیات کے دریافت میں منحصر ہے نہ سوائے اسکے سواس سورۃ میں وہ معرفت جو تمام لطائف انسانی سے متعلق ہے ارشاد فرمائی ہے تاکہ ہر لطیفہ اس معرفت سے بہرہ یاب ہو اور یہ بھی کہا ہے کہ کلمہ ہو کا عاشقوں اور والہوں کیواسطے ہے کہ اُس ذات پاک کے ملاحظے میں اس درجے کو مستغرق ہوگئے ہیں کہ سوائے اسقدر کے یعنی ہو کے اُنکے سامنے کچھ نہیں رہا ہے اور کلمہ اللہ کا عارفوں کے نصیب ہے جو سب اسموں اور صفتونمیں اُسکو پہچانتے ہیں اور ہر مرتبے کے حکموں کو جُدا جُدا جانتے ہیں اور احد کا لفظ حصّہ دوسرے اولیاء اللہ کا ہے جو اس ذات واحد کو ہر کثرت میں اسی وحدت کی صفت سے ملاحظہ کرتے ہیں اور لم یلد ولم یولد ولم یکن لہٗ کفواً احد کے معنی عام مسلمانوں کے نصیب ہیں کہ عقلی اور نقلی دلیلوں کی قوت سے اس مرتبے تک پہونچتے ہیں اور جب ان سب معنوں کو کوئی شخص جمع کرے تب پورا موحد ہو اور جاننا چاہیئے کہ اس سورۃ کو حدیث شریف میں ثلث یعنی چوتھائی قرآن فرمایا ہے اور ایسا مقرر ہوا ہے کہ اس سورۃ کو جو کوئی پڑھے تو گویا چوتھائی قرآن سے پڑھا سواس فضیلت کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کا مقصد تین چیز سے باہر نہیں ہے یا اللہ تعالیٰ کی ذات کی معرفت کا بیان ہے یا وصول کے طریق کی معرفت کا بیان ہے کتابوں کے نازل کرنیسے اور پیغمبروں کے بھیجنے سے اور شریعتوں کے بیان کرنیسے یا اس حالت کا بیان ہے جو جنت یا دوزخ میں پہونچنے کے بعد حاصل ہوگی اور یہ سورۃ ایک قسم کے بیان میں ان تینوں قسموں سے جو اشرف اور اوّل قسم ہے کافی ہے چنانچہ اُسکی توضیح اوپر ہو چکی واللہ اعلم

سُورَۃُ الفلق

یہ سورۂ مدنی ہے اسمیں پانچ آیتیں اور تیئیس ۲۳ کلمے اور تہتّر حرف ہیں اور فلق لغت میں صبح کی سفیدی کو کہتے ہیں جو رات کے اندھیرے کو پھاڑ کے ظاہر ہوتی ہے اور رات کی تاریکی سے صبح کا ظاہر ہونا ایک نمونہ ہے وجود کے ظاہر ہونیکا نیستی کے پردے سے اسواسطے کہ نیستی کی حالت میں کچھ تمیز اور تشخیص نہیں ہے اور سب عالم پوشیدہ ہے اور جب وجود کے نور نے ظہور کیا تو ہر چیز معین اور مشخص ہوگئی اور ہر چیز کے نشان اور حکم اس پر مرتب ہونے لگے اور

یہ حالت بعینہ صبح کے نور ظاہر ہونے کی حالت ہے کہ اس کے سبب سے سب چیزیں جدا جدا معلوم ہوتی ہیں اور حس و حرکت عالم میں ظاہر ہوتی ہے اور رات کی تاریکی نیستی کا نمونہ ہے جو برائی یا بدی عالم میں پائی جاتی ہے تو حقیقت میں وجود عدم کے ساتھ مختلط ہونے کے سبب سے ہوتی ہے تو سب برائیاں عدم کے ساتھ منسوب ہیں اور وجود کا نور ان برائیوں کا دفع کرنیوالا ہے اور جو یہ سورۃ سب برائیوں سے پناہ مانگنے کیواسطے نازل ہوئی ہے تو ابتدا میں اس سورۃ کے نور کے ظہور سے اشارہ ہونا ضرور ہوا اور اس سورۃ کی اضافت اس نور کیطرف کر کے سورۂ فلق نام رکھا ہے اور یہاں پر ایک نکتہ بہت لطیف اور باریک ہے وہ یہ ہے کہ اس سورۃ میں ایک ہی صفت سے اللہ تعالےٰ کی جو رب الفلق ہے تعوذ واقع ہوا ہے تین چیزوں کی برائیوں سے ایک تاریکی دوسرا سحر تیسرا حسد اور سورۂ ناس میں ایک چیز کی برائی سے یعنی شیطان کے وسواس سے حق تعالےٰ کی تین صفتوں سے کہ رب الناس اور ملک الناس اور الٰہ الناس ہیں تعوذ واقع ہے سو یہ اس لیے ہے تاکہ اشارہ ہو اس بات کیطرف کہ دین کی حفاظت مقدم ہے جان اور بدن کی حفاظت سے اس واسطے کہ وسواس شیطانی دین کا خراب کرنے والا ہے اور وے تینوں چیزیں یعنی تاریکی اور سحر اور حسد جان اور بدن کو ضرر پہونچانے والیاں ہیں واللہ اعلم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۙ کہہ اے پناہ لینے والے کہ پناہ لیتا ہوں میں فلق کے پروردگار کی اور فلق لغت میں صبح کے معنومیں ہے اور حقیقت میں اس چیز کو کہتے ہیں جو پھٹے اور اسمیں سے دوسری چیز نکل آوے تاکہ عجیب اور غریب نشانیاں اس نکلی ہوئی چیز سے ظاہر ہوں جیسے غلے کا دانہ اور کھجور کی گٹھلی اور ہر درخت کا بیج یا جیسے پتھر اور زمین کہ ان سے پانی نکلتا ہے یا جیسے باپ کی پیٹھ اور ماں کا پیٹ سو ان سب چیزوں کو فلق کا لفظ شامل ہے اور فلق کی تخصیص اس جائے پر اسواسطے ہے کہ مخلوقات کی برائی اکثر انکی اصل کی خباثت کے سبب سے ہوتی ہے اور جو ربوبیت اللہ تعالیٰ کی اصل اور فرع دونوں پر محیط ہے تو شر کے دفع ہونے کیواسطے التجا اصل کیطرف ضرور پڑی چنانچہ اگر کوئی شخص کسی کے نوکر سے کچھ خوف و خطر رکھتا ہے تو ضرور اس کے آقا کی طرف رجوع کرتا ہے اور اگر اس سے بھی کچھ ایذا کا کھٹکا ہوتا ہے تو اس آقا کے آقا کی طرف رجوع کرتا ہے یہاں تک کہ وہ آقائی

کا سلسلہ تمام ہو جائے اور یہ سلسلہ تمام نہیں ہوتا مگر رب کے پاس سو اسواسطے پہلے ہی سے التجا کی
تعلیم رب ہی کیطرف سے فرمائی ہے تاکہ جھگڑا ہی چک جاوے مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ برائی سے اُس
چیز کی جو پیدا کی ہے یہاں پر معلوم کیا چاہیئے کہ اللہ تعالے کی مخلوقات تین قسم کی ہیں ایک تو وہ
جسمیں خیر غالب ہے اور شر مغلوب بلکہ معدوم جیسے مقرب فرشتے اور انبیار علیہم السلام اور اولیائے
کرام دوسری قسم وہ ہیں کہ جنمیں برائی غالب ہے اور بھلائی مغلوب ہے یا معدوم جیسے شیطان
اور دوسرے موذی آدمیوں سے ہوں یا جنوں سے اور درندے اور چوپائے اور کیڑے مکوڑے
جیسے سانپ اور بچھو تیسری قسم وہ ہیں جن میں خیر اور شر دونوں موجود ہیں پھر کبھی کسی کے واسطے
شر ہو جاتے ہیں اور کبھی کسی کے حق میں خیر جیسے دنیا کا مال اور جورو بچے یا دوسرے اسباب بلکہ
اخلاق اور علوم اور حسب اور نسب اور دوسری صفتیں اور نسبتیں بھی یہی حکم رکھتی ہیں پس شر ما خلق
سے خیر کی دونوں قسموں میں وہ بدی مراد ہے جو اُن میں موجود ہے اور قسم اول کی نسبت سے جو
مطلق بدی نہیں رکھتی ہے باعتبار نزدیک ہوجانے دوسری چیزوں کے ہے جیسے عبادت کا
شر ریا اور سمعہ ہے اور ایمان کا شر نفاق اور مرتد ہو جانا ہے اور انبیار علیہم السلام کا شر انکو جھٹلانا
اور اُنکی فرمانبرداری میں قصور کرنا ہے اور اولیار اللہ کا شر اُن کے انوار صحبت سے محروم رہنا اور
نہ پانا ہے اور علیٰ ہذا القیاس اسی واسطے کہا ہے کہ شر الخیر تاخیرہٗ وشر العمل الصالح تقصیرہٗ یعنی خیر کی
برائی اُسمیں ڈھیل کرنا ہے اور دیر لگانا اور نیک عمل کی برائی اُسمیں قصور کرنا ہے اور اس قسم
کے شر کی نسبت نیک کی طرف کرنا جائز ہے چنانچہ عرف میں مشہور ہے کہ پھول کا شر کانٹا ہے
اور خزانے کا شر سانپ ہے اور خوبصورتی کا شر بدخوئی ہے اور بعضے مفسروں نے کہا ہے کہ شر
ما خلق سے بدترین مخلوقات کا مراد ہے یعنی شیطان اور جو منشا تمام شروں کا وہی شیطان ہے
تو خاص اُسی سے پہلے پناہ مانگی وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ اور شر سے اندھیرے کے
جب گھر آوے اور ہجوم کرے آپ سمجھ لیا چاہیئے کہ اندھیری کبھی حسی ہوتی ہے یعنی ظاہر میں نظر
پڑتی ہے اور کبھی معنوی سو جو نظر آوے رات کی اندھیری ہے کہ اُسمیں بہت سی برائیاں ظاہر
ہوتی ہیں اول تو پھیل پڑنا جنات اور شیطانوں کا ہے کہ اندھیری کی مناسبت کے سبب سے
کلبل میں آتے ہیں اور چمگادڑوں کیطرح اپنے اپنے مکانوں سے نکل کے لوگوں کو ایذا دیتے ہیں

اسی واسطے حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب رات آوے تو اپنے بچوں کو باہر نکلنے نہ دو کہ وہ شیطانوں کے منتشر ہونیکا وقت ہے دوسرے درندے جانوروں کا نکل پڑنا اور موذی کیڑوں کا بلوں سے باہر آنیکا وقت ہے جیسے سانپ اور بچھو تیسرے چوروں کا پھیل پڑنا لوگونکے گھر بار لوٹنے کو چوتھے جادوگروں اور طلسم والونکی قوت کا وقت ہے کہ آفتاب کے نور قاہرہ کے سبب سے اُنکے عمل دن کو تاثیر کم کرتے ہیں پانچویں فسق اور فجور والوں کا مشغول ہونا گناہوں میں اور معنوی تاریکی بھی کئی قسم کی ہے پر ان سب میں بڑھ کے وہم کی اندھیری ہے جو عقل کے نور پر غالب آتی ہے اور اشیاء کی حقیقتوں کو نظر سے چھپا دیتی ہے اور اُسی کی شاخوں سے کفر کی اندھیری ہے اور گناہوں کی اندھیری اور بُرے اخلاقونکی اندھیری اور بُری صحبتونکی اندھیری ہے سو اس آیت میں ان سب تاریکیوں سے پناہ واقع ہوئی ہے وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ ؕ اور بدی سے پھونکنے والیوں کی گانٹھوں میں یعنی نفوس خبیثہ کے شر سے جو شیطانوں کے نام جپنے سے اور اُنکے کلموں سے توسل کر کے جانوں میں اور بدنوں میں تاثیر کرتے ہیں اور یہی معنی ہیں سحر کے وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ؏ اور بدی سے حسد کرنیوالے کی جب اپنے حسد کو ظاہر کرے اور اُس کے موافق عمل میں لاوے اور یہ قید اسواسطے ہے کہ حاسد جبتک کہ اپنے حسد کو چھپاتا ہے تو اُس چیز کا ضرر اسکی طرف پہونچتا نہیں ہے اور یہیں سے معلوم ہوا کہ حسد سب برائیوں سے زیادہ بُرا ہے اور حقیقت میں جو شر کہ تمام عالم میں پیدا ہوتا ہے سو یا ارادے اور اختیار والوں سے ظہور میں آتا ہے جیسے لوٹ قتل ظلم تاوان لینا اور سحر اور سوا اسکے یا غیر ذوی الارادہ اور اختیار کی طبیعتوں سے جیسے غرق ہونا پانی میں اور جلنا آگ میں اور سوائے اس کے اور سب بدیوں سے بُری بدی اختیار اور ارادے والونکی ہے اور جڑ ان سب برائیوں کی حسد ہے اسیواسطے کہا ہے کہ اوّل گناہ جو آسمان میں واقع ہوا ابلیس کا حسد تھا حضرت آدم علیہ السلام سے اور اوّل گناہ جو زمین پر صادر ہوا سو قابیل کا حسد تھا ہابیل سے باقی رہے یہاں دو سوال اوّل تو یہ کہ جو پہلے تمام شروں سے مخلوقات کے پناہ مانگی گئی تو بس جادوگروں اور حاسدوں اور تاریکیوں کی تفصیل کرنیکی حاجت نہ رہی تھی پھر کس واسطے ان تین چیزوں کا خاص ذکر فرمایا جواب اس کا یہ ہے کہ ان تینوں گروہوں کا شر پوشیدہ اور

چھپا ہوتا ہے بخلاف دوسرے مخلوقات کے شر کے کہ وہ ظاہر اور کھلا ہوتا ہے آور یہ بات ظاہر ہے کہ پوشیدہ شر بہت سخت ہوتا ہے کھلے شر سے اسواسطے پناہ مانگنا اُن سے خاص کر کے ضرور ہوا دوسرا یہ کہ فاسق اور حاسد کو کسواسطے نکرہ لائے ہیں اور نفاثات کو کسواسطے لام تعریف سے معرف کیا جواب اسکا یہ ہے کہ لام تعریف کا استغراق کیواسطے ہے اور جادوگر بالکل شر ہیں کیونکہ سحر فی نفسہ گناہ کبیرہ ہے گو کہ اس سے شر کو دفع کرنا یا بھلائی کمانا منظور ہو اسواسطے حربی کافرونکو جادو سے مارنا اور عورت کیطرف سے اُسکے خاوند کے دل کو پھیرنا جادو سے درست نہیں آور ہر غاسق اور ہر حاسد شر نہیں ہے کیونکہ بہت سی راتیں خیر سے گذرتی ہیں اور حسد ظالموں اور کافروں کا بد نہیں ہے تو حاسد اور غاسق محل استغراق نہ تھا اور تنکیر مناسب معلوم ہوئی

سُوْرَةُ النَّاس

یہ سورۃ مدنی ہے اسمیں چھ آیتیں اور بیس کلمے اور اسّی حرف ہیں آور اس سورۃ کو سورۂ ناس اسواسطے خطاب دیا ہے کہ حقیقتیں آلیہ اور کونیہ جو ناس کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں اس میں مذکور ہیں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم ذکر اللہ کا اسواسطے ہے کہ اسماء اور صفات اور افعال ذات باری کے انسان میں روشن ہیں آور رحمن اس لئے لائے ہیں تاکہ نور وجود کے فیضان کے نزول کے بعد ناس کی تکمیل کیطرف اشارہ ہو آور رحیم اسواسطے لائے ہیں تاکہ جو بدی کہ انسان میں ہے یا اُس سے ظاہر ہوتی ہے اُس سے محافظت کیطرف اشارہ ہو اور ان دونوں سورتوں کے نازل ہونیکا سبب یہ تھا کہ لبید بن عاصم یہودی نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جادو کیا تھا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اُسکے جادو کے سبب سے بیمار ہو گئے تھے آور بعضے وقت ایسا جانتے تھے کہ میں نے یہ کام کیا ہے حالانکہ کیا نہ ہوتا تھا جب اس عارضے کو چھ مہینے ہو گئے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ایک رات خواب میں دکھایا کہ دو فرشتے آئے ایک تو سرہانے اور دوسرا پائنتی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بیٹھا اور آپس میں پوچھنے لگے ایک بولا کہ اس رسولؐ کو کیا بیماری ہے دوسرے نے کہا کہ ان پر جادو کیا ہے پھر اُسنے پوچھا کہ کس نے اُن پر جادو کیا ہے دوسرے نے کہا کہ لبید بن عاصم نے اُنکا بال کنگھی سے لیا ہے اور اُنکی کنگھی کے

دانتوں میں کمان کے چلّے سے گیارہ گرہیں لگائی ہیں اور اسکو کھجور کے پھول کے غلاف میں لپیٹ کر بیر ذروان میں پتھر کے نیچے دبا دیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جب صبح کو اُٹھے تو اُس کنوئیں کیطرف تشریف فرما ہوئے دو شخصوں کو اپنے یاروں میں سے اُس کنوئیں میں اُتارا وے پتھر کے نیچے سے اُسکو نکال لائے اور جبرئیل علیہ السلام یہ دونوں سورتیں لیکر نازل ہوئے ان دونوں میں گیارہ آیتیں ہیں پھر جب آپ ایک آیت کو پڑھکر پھونکتے تھے تو وہ گرہ کھلجاتی تھی اسیطرح سب گرہیں کھل گئیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو صحت کلی حاصل ہوئی اور معوذتین پر قرآن شریف کے تمام ہونیکا نکتہ یہ ہے کہ جب نعمت تمام ہوتی ہے اور کمال کو پہونچتی ہے تو دشمن کے حسد اور فریب کے سوا کوئی خوف نہیں رہتا اسواسطے یہ مقام استعاذے کا تھا اور اس سورۃ میں استعاذہ شیطان کے شر سے خاص تین ناموں کے ساتھ فرمایا ہے رب اور ملک اور اِلٰہ اس کی وجہ یہ ہے کہ شیطان کا داخل ہونا آدمی کے دل میں تین طرف سے ہے شہوت اور غضب اور باطل عقیدہ جس کو ہوا بھی کہتے ہیں تو رب کا نام شہوت کے شر سے دفع ہونے کیواسطے ہے اور ملک کا نام غضب کے شر سے دفع ہونے کیواسطے ہے اور اِلٰہ کا نام ہوا کے شر سے دفع ہونے کیواسطے ہے تو گویا یوں ارشاد ہوا کہ اگر شیطان تجھ کو شہوت کی راہ سے وسوسہ ڈالے تو ربوبیت کو پروردگار کی نظر کر اور اگر غضب کی راہ سے پیش آوے تو بادشاہت اور عدل اور بدلہ لینے کو اُس کے یاد کر اور اگر ہوا کی راہ سے ستاوے تو الوہیت کے مرتبے کی طرف التجا کر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قُلۡ کہہ اے کہنے والے اگر شیطان کے شر سے پناہ چاہتا ہے تو اَعُوۡذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۙ پناہ لیتا ہوں میں آدمیوں کے پروردگار کی ہرچند کہ اللہ تعالےٰ کی پرورش سب مخلوقات کو شامل ہے لیکن جو تربیت کہ آدمیوں پر واقع ہے دوسری کسی مخلوقات پر نہیں ہوئی اسواسطے کہ انسان کا وجود تمام عالم کا نمونہ ہے تو گویا وہ ایک مختصر ہے حضرت الٰہیہ اور خلاصہ عالم کا جمع کرنیوالا اُسکی تفصیل یہ کہ وجود اور حیات اور علم اور ارادہ اور قدرت اور شنوائی اور بینائی اور گویائی یہ سب حضرت اُلوہیت کے صفتوں کا پرتو ہے اور حرارت اور برودت اور رطوبت اور یبوست یہ سب

اربع عناصر کے بدلے ہیں اور وجود میں مرکب ہونے کے سبب سے معاون یعنی کھانوں کے
ساتھ مشابہت رکھتا ہے اور غذا اور بڑھنے میں درخت اور جھاڑ کے مشابہ ہے اور حرکت میں
اور خیال اور وہم کرنے میں اور لذت اور رنج پانے میں حیوان کے مانند ہے اور حیوان کی ہر
قسم سے مشابہت رکھتا ہے جیسے غصہ اور جرأت کے وقت میں درندے اور پھاڑنیوالے سے
مشابہت پیدا کرتا ہے اور شہوت اور حرص کے وقت میں چارپائے چرنیوالے کے مانند ہوتا
ہے اور مکر اور فریب حیلے اور بہکانے اور نیکبختوں کے خراب کرنے میں شیطان کے مانند ہے
اور معرفت اور بندگی اور پاکی میں فرشتۂ مقرب کے مثل ہے اور حکمتوں کے جمع ہونیمیں لوح محفوظ
کے مانند ہے اور چیزونکی صورتیں شاگردوں اور مریدوں کے دلوں میں جو اسکی تاثیر کے سبب
ثابت ہو جاتی ہیں اور قرار پکڑتی ہیں اس بات میں قلم اصلی کے مانند ہے حاصل کلام کا یہ ہے
کہ آدمی کی ابتدا اور انتہا کی تفاوت کو دیکھا چاہیئے یعنی اُس کے نطفے کی حالت کو دیکھیے کہ کسطرح
کی نکمی چیز ہے پھر اُسی کو بعد بلوغ کے پھر ولایت اور نبوت کے مرتبے کو یہانتک کہ رسالت کے
خاتمیت کے مرتبے کو لحاظ کیا چاہیئے جو اُسکو نصیب ہوا ہے اور ان دونوں ادنیٰ اور اعلیٰ مرتبوں
کو غور کرنا اور پھر اللہ تعالےٰ کی ربوبیت اور پرورش کو تماشا کرنا چاہیئے کہ کیا تھا اور کیا کر دیا
مَلِكِ النَّاسِ ۙ آدمیوں کے بادشاہ کی اس صفت کے بیان میں اشارہ ہے اس بات
کی طرف کہ آدمیونکی روح مدبر یعنی تدبیر کرنے والی عنایت ہوئی ہے اور قوتیں دریافت کرنے
والیوں اور حرکت کرنیوالیوں میں اس روح کو تصرف اور دخل دیا ہے سو روح آدمی کے
بدن کے عالم میں بادشاہ مطلق ہے اور سب بدن اس کا ملک آبادی کے مانند ہے اور قوتیں
مدرکہ اور محرکہ اُس بادشاہ کی فوج اور سپاہ کے مانند ہے سو یہ سب ایک کارخانہ ہے حق تعالیٰ
کی بادشاہت کے کارخانوں میں سے اِلٰهِ النَّاسِ ۙ آدمیوں کے معبود کی یہ صفت اشارہ
ہے اس بات کیطرف کہ آدمیوں کو حق تعالےٰ کی معرفت کا اور اُسکی عبادتوں کا اور اُس کی
نزدیکی حاصل کرنیکا شوق اصل پیدایش میں امانت رکھا ہے سو اسی پیدایشی شوق کے سبب
ہر گروہ آدمیوں کا اس کام کی تلاش اور جستجو میں سرگرداں اور پریشان ہیں اور یہ شوق اور
گرفتاری تمام خلق کی ایک کرشمہ ہے اُسکی معبودیت کے کرشموں سے اور بعضے مفسروں نے

ان تینوں صفتوں کی تفصیل میں اور اس ترتیب سے ذکر کرنیمیں بیان ایسا کیا ہے کہ آدمی بچپن
کی حالت میں اپنی پرورش کرنیوالے کے سوائے دوسرے کو نہیں پہچانتا ہے اور بھوک پیاس
کے وقت میں اُسکی طرف التجا کرتا ہے اور اگر کسی چیز سے ڈرتا ہے تو اُسی کی طرف بھاگتا ہے
اسیواسطے لڑکا اُسوقت میں ماں باپ کو پکارتا ہے اور اُن ہی سے فریاد کرتا ہے اور جب
جوان عاقل ہوتا ہے اور دیکھتا ہے کہ ماں باپ بھی میری طرح بادشاہ اور امیر کے محتاج ہیں
اور بادشاہ اور امیر سے روزی طلب کرتے ہیں اور بلا کے دفع کرنیمیں بادشاہ یا امیر کی طرف
التجا لیجاتے ہیں ناچار اُس کے بھی دل میں یہی بات بیٹھ جاتی ہے کہ جو کچھ ہے بادشاہ اور امیر
ہے اُنکی نزدیکی وجود کے کارخانے کے انتظام کا سبب ہے پس اس حالت میں اُسکو بادشاہ
اور امیر ہی پر اعتماد ہوتا ہے اور جب اس حالت سے بھی آگے بڑھا اور دیکھا کہ بادشاہ اور
امیر بھی بعضی چیزوں میں کچھ اختیار نہیں رکھتے بلکہ عالم الغیب کیطرف التجا کرتے ہیں اور اُدھر
سے اپنے مطلب کے جاری ہونے اور اپنے مقصد کے حاصل ہونیمیں مدد طلب کرتے ہیں تب
تو اُسے یقین ہوتا ہے کہ بادشاہ اور امیر بھی میری طرح دوسرے کے محتاج ہیں تو معلوم ہوا کہ
دنیا کا کارخانہ دوسرے سے تعلق رکھتا ہے جس کو الٰہ کہتے ہیں سو ان تینوں صفتوں کا لانا یعنی رب
اور ملک اور الٰہ کا اس بات کیطرف اشارہ ہے اگر بندہ بچے کا سا مزاج رکھتا ہے اور سوائے
ربوبیت اور پرورش کے کچھ اور نہیں جانتا تو میں یہ بھی صفت رکھتا ہوں اُس کو چاہیئے کہ میری
ہی طرف التجا کرے کہ میں رب الناس ہوں اور میری ربوبیت اور پرورش عام ہے سب
بنی آدم کو شامل بخلاف ماں باپ کے کہ اُنکی پرورش اپنے بچوں کیواسطے خاص ہے اور اگر
اس بندے کی عقل بلوغ کی حد کو پہونچی ہے اور بادشاہ اور امیر کو مالک سب کام کا جانتا
ہے تو یہ بھی صفت مجھ میں جیسی چاہیئے ویسی پائی جاتی ہے اسواسطے کہ سلطنت میری سب
آدمیوں پر بلکہ تمام دنیا پر ہے اور اگر تجربے سے معلوم کر لیا ہے کہ ماں باپ اور بادشاہ اور امیر
سب دوسرے کے محتاج ہیں جس کو الٰہ کہتے ہیں اور دن رات اُسی کو جپا کرتے ہیں تو اس
صفت سے بھی میں موصوف ہوں حاصل مطلب یہ ہے کہ ہر وقت اور ہر حال میں اُسی کی
جناب پاک میں التجا لیجایا چاہیئے اور بیچ کے سببوں اور وسیلوں پر اعتماد کر کے نہ ٹھہرا چاہیئے

شعر کسی سے بر آوے نہ کچھ کام جان ٭ جو وہ مہربان ہو تو کل مہربان ٭ دوہا ہمرے تو تم ہی ہو اور تم لگ ہمری دور ٭ جیسے کاگ جہاج کے سوجھے اور نہ ٹھور ٭ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۵ خیال فاسد کے اثر سے آور یہ اعوذ سے متعلق ہے یعنی پناہ لیتا ہوں میں فاسد خیالات کی بدی سے آور فاسد خیال کئی طرح سے نقصان پہونچاتے ہیں پہلے مزاج کے فاسد کرنیسے دوسرے نفس کی تدبیر میں تیسرے معرفت میں چوتھے عبادت میں پانچویں حق تعالےٰ کی نزدیکی کے سببوں میں اور آدمی کو ابتدائے عمر سے انتہا تک یہی کام درپیش ہیں اور جب ان کاموں میں خلل پڑا تو عمر اُسکی برباد ہو گئی الْخَنَّاسِ ۵ اس کے جو بھاگتا ہے اور یہ وسواس کی صفت ہے اُسکے صاحب کے اعتبار سے اسواسطے کہ شیطان کی پیدایشی یہ بات ہے کہ حق تعالےٰ کے ذکر اور قرآن شریف کی تلاوت اور فرشتوں کیسامنے سے بھاگتا ہے آور اس صفت کا لانا اسواسطے ہے کہ شیطان مردود سے بچنا بہت مشکل ہے آور اُسکی بدی سے محفوظ رہنا سوائے اس بات کے کہ رب الناس کی جناب میں التجا لیجائے دوسری صورت ممکن نہیں ہے اسواسطے کہ جو دشمن سامنے ہو کے مقابلہ کرتا ہے اُس کا دفع کرنا آسان ہے برخلاف اُس دشمن کے جو سامنے نہ ہو اور ہمیشہ چھپی دشمنی میں لگا ہو سوایسے دشمن سے ہر وقت اور ہر آن بچنا لازم ہوا اور یہ بات بہت مشکل ہے اسی واسطے بادشاہوں اور حاکموں پر ان کا دفع کرنا جو سامنے ہو کر صف جنگ میں لڑتے ہیں بہت آسان ہے ٹھگوں اور چوروں کے دفع کرنے سے اسواسطے کہ یہ لوگ قابو پا کر اپنا کام کرتے ہیں اور بھاگ جاتے ہیں اسی سبب سے ان کا تدارک اور انتظام مشکل پڑجاتا ہے مگر اس کھلے اور چھپے جاننے والے پر یہ سب آسان ہے الَّذِیْ یُوَسْوِسُ یہ دوسری صفت ہے وسواس کی یعنی وہ فاسد خیال ڈالنے والا جو بُرے بُرے وسوسے ڈالتا ہے فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۵ آدمیوں کے سینوں میں سینے کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ اِس جگہ نفس ناطقہ کے آثار حیوانیت سے مخلوط ہو کے فساد کا طور جلد قبول کر لیتے ہیں برخلاف دوسرے اعضاء کے اسواسطے کہ جگر میں بُرے خطروں کی جگہ نہیں ہے اور نفس ناطقہ نفس نباتی سے اپنا کام لیتا ہے آور دماغ میں اگرچہ فساد ہو سکتا ہے اسطرح پر کہ قوت وہمیہ عقلیہ قوت کو تشویش میں ڈالتی ہے لیکن اکثر اُس کا فساد نفس حیوانیہ

کے آثار بلند ہونے سے ہوتا ہے چنانچہ اس حکمت کے جاننے والوں پر پوشیدہ نہیں ہے
مِنَ الْجِنَّةِ یہ وسواس کا بیان ہے یعنی فاسد خیال دلمیں ڈالنے والا خواہ جن کی قسم سے ہو
جیسے شیاطین کہ دخانیت کے غلبے کے سبب سے پیدائشی تاریکی اُنمیں گھسی ہوئی ہے اور فاسد
مشورے اور انتظام کی بگاڑنیوالی تدبیریں اُنکی طبیعت کو لازم ہیں اور آتشی مزاج ہونے اور
اُسکی لطافت کے سبب سے گھس جانا اُن جسموں کا انسان کی حیوانی روحوں میں بہت جلد
اور سہل ہوتا ہے اور جو وہ جسم کہ ان فاسد تدبیروں اور باطل رایوں کے اُٹھانیوالے ہیں اور انسانی
روحوں سے مختلط ہوتے ہیں اور اُن کا اثر روحونکو پہونچتا ہے اور وے روحیں ان تدبیروں اور
رایوں کو اُٹھانیوالی ہوتی ہیں اور اُسکے سبب سے بدن میں حرکت اور سکون ظاہر کرتے ہیں
اور گناہ اُن سے ظاہر ہوتے ہیں اسواسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ان الشیطان
یجری من الانسان مجری الدم یعنی تحقیق شیطان خون کیطرح آدمی کی رگ اور پوست میں
دوڑتا ہے اعاذ نا اللہ منہ اور شیطان کے وسوسوں کی حد اور نہایت نہیں ہے اکثر شیطان بدی
اور فسق اور فجور کیطرف بُلاتا ہے اور کبھی بھولے سے طاعت اور نیکی کیطرف رغبت دلاتا ہے تو
اُس کا نیکی کیطرف بُلانا دو حال سے خالی نہیں ہے یا تو بڑی طاعت سے جس کا ثواب بہت ہے
پھیر کے چھوٹی طاعت کیطرف جس کا ثواب بہت تھوڑا ہے رغبت دلاتا ہے جیسے عیادت کی یعنی
بیمار کے دیکھنے کی رغبت دلاکر نماز کو چھوڑا دے یا تھوڑی سی نیکی کو بڑی بدی کا سبب کر دیتا ہے
جیسے ایک ٹکڑا روٹی کا فقیر کو دینا اور اُس پر احسان کرنا اور اُس سے ہنسی اور مسخری کرنا اب
یہاں پر تھوڑے شیطانی وسوسے جو آدمیوں کے دلوں کو اکثر خراب کرتے ہیں بیان کیے جاتے
ہیں چنانچہ ان ہی شیطانی وسوسوں سے ایک یہ بات ہے کہ عوام لوگوں کے دلوں میں وہ باتیں
جو اُنکی بوجھ اور فہمید سے باہر ہیں ڈالتا ہے جیسے ذات اور صفات الٰہی کی تحقیق کا اور نبوت
کے بھیدوں کا اور آخرت کے کاموں کا خطرہ اور جبر اور اختیار کے مسئلے کی تحقیق اور قضا و قدر
کے بھید اور صحابہؓ کے آپس کے لڑائی جھگڑے میں حق بات کی تفتیش کرنا یعنی حق کس کی طرف
ہے یہ شیطانی وسوسے ہیں تا کہ رفتہ رفتہ عین تحقیق میں اُن حقیقتوں کا انکار کر بیٹھیں اسواسطے کہ
ان باتوں کی حقیقت وہ لوگ بوجھ نہیں سکتے اور بعضوں کے دلوں میں واہی شبہے ڈالتا ہے

جیسے بزرگوں سے شفاعت کی اُمید رکھنا اور تھوڑی سی طاعت پر بڑے ثواب کی اُمید رکھنا اور
اللہ تعالےٰ کی بخشش عام پر غرہ کرنا اور اُس کے عذاب سے نڈر ہونا اور بعضوں کے دلونمیں
اس کا عکس ڈالتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے کرم اور بخشش اور ثواب سے بالکل نااُمید ہونا اور
بت پرستوں کو اللہ تعالےٰ کی نزدیکی سے فریب دیتا ہے کہ اسمیں اللہ تعالےٰ کی نزدیکی ہے اور
دیو اور پری اور جنات کی عبادت چھوڑنے میں دُنیا کے نقصان سے خوف دلاتا ہے اور دلمیں
ڈالتا ہے اگر اُنکی طرف نہ جھکوگے اور اُن سے التجا نہ کروگے تو تمھاری اولاد مرجائیگی یا مال میں
نقصان ہوجائیگا اور نماز پڑھنے والوں کو پہلے ریا اور دکھلانا اُنکی نیت میں ملاتا ہے پھر رکعتوں اور
رکنوں کے شمار کو بھلاتا ہے اور بعضوں کو نیت کے اچھا جاننے میں اور قرأت کو راگ سے پڑھنے
میں اور حرفوں کو مخرج سے نکالنے میں گرفتار کرتا ہے اور زکوٰۃ کے دینے میں فقیر ہوجانیسے
ڈراتا ہے اور کبھی زکوٰۃ بھی دی تو ریا اور سُمعہ اور تکبّر سے اور فقیر پر احسان رکھنے سے اُس کے
ثواب کو باطل کردیتا ہے اور حرام چیزوں میں مال خرچ کرنے کو نیک اور اچھا دکھاتا ہے اور ایسا
خیال میں ڈالتا ہے کہ شہوت اور جاہ میں جو لذت ہے وہ کسی میں نہیں ہے اور غصّے کے وقت
ایسا دلمیں ڈالتا ہے کہ اگر تو غصّہ نہ کریگا تو تو عاجز اور ذلیل ہوجائیگا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں
اگر کسی طرح کی محنت یا مشقت ہوئی تو اس کو دونا تگنا کرکے دکھاتا ہے اور بتوں کی عبادت کرنے
میں بڑی بڑی مشقتیں کافروں کو آسان اور سہل دکھاتا ہے اور اللہ تعالےٰ کی راہ میں مرنیکو حرام
اور بُرا دکھاتا ہے اور یہاں پر جان کی محافظت کا خیال اُن کے دلونمیں ڈالتا ہے اور کافرونکو اپنی
جان دینا بتوں کیواسطے اور بیٹے اور خاوند کی محبت میں جلنا آسان دکھاتا ہے اور اُس پر اُٹھا کھڑا
کرتا ہے اور کسی کو اپنی عورت خوبصورت زیور ولباس سے آراستہ جو حلال وجہ سے موجود ہے اُسکی
طرف سے دل کو اُس کے پھیرتا ہے اور بداصل بدخلق نجس ناپاک عورتوں سے زنا کرنے کی طرف
رغبت دلاتا ہے اور امیروں کو لوگوں کے مال زبردستی لینے کیطرف حرص دلاتا ہے باوجود اس کے
کہ اُنکے پاس مال اور اسباب بہت سا موجود ہوتا ہے اور اُن کو آدمی کا مار ڈالنا تھوڑے سے تصور پر
کرنیمیں آسان دکھاتا ہے اب جاننا چاہیئے کہ جو کچھ شیطان کے وسوسوں سے مذکور ہوا ہے
ایک نمونہ ہے اُس کے فریبوں سے اور اگر اُس کے سب فساد اور برائیونکی شرح کیجاوے تو ایک بڑا

دفع چاہیے لیکن ان سب کا علاج تین چیزیں ہیں پہلی یہ کہ اُس کے مکر اور حیلوں کو پہچاننا اسواسطے کہ جب کسی کو معلوم ہوا کہ یہ عمل شیطانی ہے تو اُس کا زور گھٹ جاتا ہے اور اُسکی بُرائی کم ہو جاتی ہے جیسے چور کہ جب گھر والوں کو جاگتا پاتا ہے تو بھاگتا ہے اور جیسے مکار فریبی آدمی کہ جب کسی کو جانتا ہے کہ یہ میرے مکر اور فریب سے خوب واقف ہے تو اُس سے نا اُمید ہوتا ہے دوسرے یہ کہ اُس کے وسوسوں کو سہل جاننا اور اُسکی طرف ہرگز التفات نہ کرنا اس صورت میں بھی اُس کا شر کم ہو جاتا ہے جیسے کتا بھونکتا ہوا کہ جسقدر اُسکی طرف التفات کیجیے بھونکنا اُس کا زیادہ ہوگا اور اگر کچھ بھی نہ بولیے تو آپ ہی آپ چُپ ہو رہیگا تیسرے یہ کہ ذکر قلبی اور لسانی پر ہمیشگی کرنا اور بُری صفتوں سے جیسے شہوت اور غضب ہے اپنے دل کو پاک رکھنا اسواسطے کہ شہوت اور غضب کے غلبے کی حالت میں ذکر کا اثر دل کے کناروں کی طرف بھاگ جاتا ہے اور شیطانی وسواس بیچ دل میں آجاتا ہے اور اپنا کام کر جاتا ہے وَالنَّاسِ ۶ اور خواہ وہ وسواس ڈالنے والا لوگوں کی قوت متخیلہ ہو جو فاسد اعتقاد اور شہوت اور غضب کے غلبے سے جھوٹے خیال تمام روحوں اور قوتوں میں بکھیر کے بگاڑنے والا طبیعت یا نفس کی تدبیر کا یا عبادت اور تقرب کے سببوں میں سُستی کا یا معرفت میں خطا کا سبب پڑتا ہے آب سمجھ لیا چاہیے کہ ناس کا لفظ اس سورۃ میں پانچ جائے پر واقع ہوا ہے لیکن لباب والے نے اپنی تفسیر میں کہا ہے کہ حقیقت میں یہ تکرار نہیں ہے اسواسطے کہ پہلی جائے پر ناس سے لڑکے مراد ہیں اور تربیت کا ذکر جو پرورش کے معنوں میں ہے اُن کے حال کے مناسب ہے اور دوسرے مقام پر جوان مراد ہیں اور مَلِک کا لفظ جو قہر اور سیاست کی طرف اشارہ کرتا ہے اُن کے حال کے بہت مناسب معلوم ہوتا ہے اِس واسطے کہ یہ شہویہ اور غضبیہ قوت اُن کے اندر کمال کو پہونچی ہے اِس واسطے قہر اور سیاست اُن کی شان کے مناسب ہے اور تیسرے مقام پر بوڑھے مراد ہیں اِس واسطے کہ اِلٰہ کا لفظ جو طاعت اور عبادت پر مبنی ہے اُن کے حال کے بہت مناسب ہے اور چوتھے مقام پر صلحا مراد ہیں کیونکہ اکثر شیطان نیکوں کے بگاڑنے پر کمر باندھتا ہے اور اُن کے سینوں میں وسواس ڈالتا ہے اور پانچویں مقام پر مفسد اور شیاطین مراد ہیں جن کا کام بہکانا اور وسوسہ ڈالنا ہے اور بعضے مفسروں نے یوں بھی کہا ہے

ع ۱
۶

کہ ناس کے لفظ کو اس سورۃ میں پانچ مرتبے اِس واسطے لائے ہیں کہ پانچ کا عدد عددی طبیعت کی راہ سے بھی شرافت رکھتا ہے اور معدود کی رو سے بھی سو اس کی شرافت عددی طبیعت کی جہت سے اِس واسطے ہے کہ وہ عدد دائر ہے اور دائر کے یہ معنی ہیں کہ جب اُس کو اُس کی ذات میں ضرب کریں اور حاصل ضرب پھر اُس میں ضرب کریں اسی طرح جہاں تک چاہیں لیکن ہر صورت میں پانچ اصلی اُس کے موجود رہیں اور اُس عدد کے اخیر میں اپنے تئیں ظاہر کرتے رہیں جیسے پچیس (۲۵) اور ایک سو پچیس (۱۲۵) اور علے ہذا القیاس اور وہ شرافت جو معدود کی راہ سے ہے سو اس واسطے ہے کہ ظہور حضرت حق کا مراتب کلیہ میں کہ اُن کو حضرات خمس کہتے ہیں پانچ میں ہیں اور خلاصہ تمام پیدایش کا کہ انسان ہے اس کی بھی انتہا پانچ اعضا پر ہے دو ہاتھ اور دو پانوں اور ایک سر اور ہر ہر ہاتھ اور ہر ہر پانوں میں بھی پانچ پانچ اُنگلیاں ہیں اور سر جو اکثر اوپر کی جانب سے علاقہ رکھتا ہے تو اُس کا ظاہر حواس خمسۂ ظاہری سے اور اُس کا باطن دوسرے پانچ حصوں کی طرف منتہی ہوتا ہے اور بعضے محققوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ قرآن کی ابتدا بے کے لفظ سے ہے اور انتہا سین کے لفظ پر بس یہ اِس بات کی طرف اشارہ ہے کہ قرآن مجید دونوں جہان میں بس ہے چنانچہ حکیم سنائی نے کہا ہے شعر

اوّل و آخر قرآں ز چہ با آمد و سین یعنی اندر رہ دین رہبر تو قرآن بس

خاتمۃ الطبع

الحمد للہ کہ تفسیر عزیزی پارہ عم مصنفہ حضرت مولانا شاہ محمد عبد العزیز صاحب محدث دہلوی مرحوم حسب ایمائے جناب حاجی محمد سعید صاحب تاجر کتب کلکتہ خلاصی ٹولہ نمبر ۱۸۵ بحسن انتظام و اہتمام تام حاجی محمد شفیع صاحب و تصحیح مالا کلام در مطبع مشہور نزدیک و دور یعنے مجیدی پریس واقع کانپور بماہ ستمبر ۱۹۳۹ء مطابق ماہ رجب ۱۳۵۸ ہجری طبع ہو کر مشتاقان کو مرغوب ہوئی رجا کہ جو صاحب اس کے مطالعے سے مستفید و مستفیض ہوں مالک و مہتمم و مصحح و کارکنان مطبع ہذا کو دعائے خیر سے یاد و شاد فرماویں و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین ط